خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ
جون 2014
WWW.PAKSOCIETY.COM
اس ماہ کی خاص پیشکش
سائرہ رضا کا مکمل ناول

کہی سُنی — مدیر — 14
کرن کرن روشنی — ادارہ — 15
ہمارے نام — نادو خاتون — 275

آپ سے کیا پردہ

بڑا مزا اس ملاپ میں ہے — انشا جی — 20

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے — امت الصبور — 269

مجھ سے ملیے

سمیرا حسن — شاہین رشید — 22

انٹرویو

رہ نورد شوق — امت الصبور — 30
ماہین خالد — شاہین رشید — 26

ناول

کوہ گراں تھے ہم — عنیزہ سید — 36
بن مانگی دعا — عفت سحر طاہر — 202

مکمل ناول

عہد الست — تنزیلہ ریاض — 80
محبت داغ کی صورت — سائرہ رضا — 116

ناولٹ

ماہ تمام — آمنہ ریاض — 230

افسانے

خسارہ — سمیرا حمید — 70
حق — کنیز نور علی — 112
قرض — حیا بخاری — 66
عزت — فوزیہ احسان — 253
برادن — فرح بخاری — 259

نظمیں غزلیں

غزل — شکیب جلالی — 265
غزل — شاعر لکھنوی — 264
نظم — یوسف خالد — 265
غزل — کلیم عثمانی — 264

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ — شگفتہ جاہ — 266
خبریں وبریں — واصفہ سہیل — 272

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے — خالدہ جیلانی — 270

آپ کا باورچی خانہ — صائمہ عصمت — 284
جب اچانک مہمان آجائیں — صبا سحر — 286

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں — عدنان — 288

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے — امت الصبور — 290

جون 2014
جلد 42 شمارہ 2
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

خواتین ڈائجسٹ جون کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

غلطی کرنا ابن آدم کی سرشت میں داخل ہے۔ کون ہے جو دعوا کر سکے کہ اس نے کبھی غلطی نہیں کی۔ کچھ غلطیوں کا تعلق فرد کی اپنی ذات سے ہوتا ہے لیکن وہ غلط افعال جو معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کے لیے مہذب معاشروں میں قوانین بنائے جاتے ہیں۔ عدالتیں ہوتی ہیں جو غلط صحیح کا تعین کر کے سزا دیتی ہیں۔

ہمارے ہاں قوانین بھی ہیں اور عدالتیں بھی لیکن عدالتوں کے فیصلوں پر عمل درآمد نہیں ہے اور جہاں یہ صورت حال ہو وہاں ہر شخص کی اپنی عدالت اور اپنا قانون ہوتا ہے اور منظر نامہ وہی تشکیل پاتا ہے جو آج ہم اپنے ملک میں دیکھ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے بھی پتھر اٹھا رکھے ہیں جن کے اپنے دامن صاف نہیں ہیں۔ قوموں کا مزاج، اس کی فکر، سوچ، شعور، دانش ور، اہل الرائے اور اہل علم بناتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں وہ لوگ جو اہل علم کہلاتے ہیں۔ لوگوں کو باخبر رکھنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ وہ آپس ہی میں برسر پیکار نظر آ رہے ہیں۔ فیصلے صادر کر رہے ہیں۔

اس رجحان کی حوصلہ افزائی کی گئی تو یہ کسی کے حق میں بھی بہتر نہیں ہوگا۔ فیصلے کرنے، سزا دینے کا اختیار صرف عدالتوں کو ہے جو قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہیں۔ ان کے علاوہ کسی فرد یا ادارے کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا۔ بہتر ہے کہ یہ کام عدالتوں پر چھوڑ دیا جائے۔

رمضان المبارک۔ سروے،

پرچے میں آپ کی شمولیت کے لیے ہم اہم مواقع پر قارئین سے سروے کرتے ہیں۔ جولائی سے رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا آغاز ہو رہا ہے۔ جولائی کے شمارے میں اس حوالے سے سروے شامل ہوگا۔

سوال یہ ہے۔

* رمضان المبارک کے مہینے میں ہر گھر میں خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ سحری، افطاری کی تیاری کے ساتھ ساتھ عبادات پر بھی خاص توجہ ہوتی ہے۔ آپ رمضان المبارک میں سحری افطاری پر کیا خاص اہتمام کرتی ہیں اور رمضان کی خصوصی عبادت، تلاوت، تراویح وغیرہ کے لیے کیسے وقت نکالتی ہیں۔

اس شمارے میں،

- سائرہ رضا کا مکمل ناول۔ محبت داغ کی صورت،
- تنزیلہ ریاض کا ناول۔ عہد الست،
- آمنہ ریاض کے ناول "ماہ تمام" کی آخری قسط،
- سمیرا حمید، حیا بخاری، کنیز نور علی، فرح بخاری اور فوزیہ احسان رانا کے افسانے،
- ٹی وی فنکارہ ماہین خالد سے ملاقات،
- رہ نورد شوق۔ مصنفین سے سروے،
- کرن کرن روشنی۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ،
- ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر دلچسپیاں شامل ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ اپنی رائے سے آگاہ کیجیے گا۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے۔ اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

اہل خیر کی زیارت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) سے کہا میں تو سفر جاری رکھوں گا، یہاں تک کہ میں دو سمندروں (بحر فارس اور بحر روم) کے ملنے کی جگہ پر پہنچ جاؤں، یا پھر میں طویل عرصے تک چلتا رہوں گا..... اللہ تعالیٰ کے اس قول تک ..... حضرت موسیٰ نے (حضرت خضر سے کہا) کیا میں تیرے ساتھ چلوں اس شرط پر کہ تو مجھے ہدایت کی وہ باتیں سکھائے جو تجھے سکھائی گئی ہیں۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"روکے رکھ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، وہ اس کی رضا کے طالب ہیں۔"

اللہ کے لیے محبت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا جو اس کا انتظار کرتا تھا، جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے پوچھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے کہا۔ "اس بستی میں میرا بھائی رہتا ہے، اس کے پاس جا رہا ہوں۔"

فرشتے نے پوچھا۔ "کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے جس کی وجہ سے تم یہ تکلیف اٹھا رہے ہو اور اس کا بدلہ اتارنے جا رہے ہو؟"

اس نے کہا۔ "نہیں، صرف اس لیے جا رہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔"

فرشتے نے کہا "میں تیری طرف اللہ کا فرستادہ ہوں (اور یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ (بھی) تجھ سے محبت کرتا ہے۔ جیسے تو اس سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔" (مسلم)

فائدہ: اس میں محض اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کی فضیلت کا بیان ہے لیکن یہ آج کل مفقود ہے۔ لوگ عموماً" کسی غرض یا مطلب ہی سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ بے شک یہ ملنا جائز ہے مگر مذکورہ حدیث میں جو فضیلت بیان ہوئی ہے وہ محض اللہ ہی کے لیے ملاقات کرنے پر بیان ہوئی ہے۔

اچھا ساتھی

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نیک ساتھی کی اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے کستوری اٹھانے والا اور آگ کی بھٹی دھونکنے والا ہو۔ چنانچہ کستوری اٹھانے والا یا تو تجھے (کستوری) عطیہ دے دے گا یا تو خود اس سے خرید لے گا۔ (یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تب بھی) یا یہ کہ تو اس سے پاکیزہ خوشبو پالے گا اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلادے گا یا پھر تو اس سے بدبودار بو پائے گا۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ اس میں نیکوں کی صحبت اختیار کرنے اور برے لوگوں کی ہم نشینی سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ نیک لوگوں کی صحبت میں عطر فروش کی طرح فائدہ ہی فائدہ ہے کہ ان کے ساتھ رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے سے انسان ان کے اثرات قبول کرے گا اور آہستہ آہستہ ان کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔

2۔ بروں کی صحبت بھٹی کی آگ جلانے پر مامور شخص کی طرح ہے کہ اس سے انسان کو نقصان ہی پہنچے گا' فائدہ کوئی نہیں۔ کسی شاعر کا قول ہے۔ (لا تصحب الاردی فتردی) گھٹیا لوگوں کے ساتھ نہ رہو کہ تم بھی گھٹیا بن جاؤ گے۔"

اللہ اور رسول سے محبت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

"قیامت کب قائم ہوگی؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟" اس نے کہا۔

"اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت (یعنی ان کی اطاعت اور ان کے احکام کی فرماں برداری) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تو ان ہی کے ساتھ ہو گا جن سے تو نے محبت رکھی۔"

(بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

اور بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں ہے' (دیہاتی نے جواب میں کہا۔)

"میں نے اس (قیامت) کے لیے نہ تو زیادہ (نفلی) روزے تیار کیے ہیں' نہ زیادہ (نفلی) نمازیں اور نہ زیادہ صدقہ۔ لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔"

فوائد و مسائل:

1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہا کی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت' محض زبان کی حد تک نہیں تھی' جیسے آج کل ہم مسلمانوں کی ہے' بلکہ ان کے ہاں محبت کا مطلب اطاعت اور فرماں برداری کرنا تھا جو فی زمانہ مفقود ہے اور یہی مطلب اس قول کا ہے کہ میں نے زیادہ روزوں اور نمازوں وغیرہ کا تو اہتمام نہیں کیا ہے یعنی نفلی روزوں اور نمازوں کا' ورنہ فرض نمازیں اور فرض روزے اور اسی طرح فرض صدقہ (زکاۃ) نہایت ضروری ہیں۔ ان کی ادائیگی کے بغیر تو مسلمانی کا یا اللہ اور رسول سے محبت کرنے کے دعوے کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے۔

2۔ اگر انسان کو اللہ اور رسول سے سچی محبت ہو گی' جس کا عملی مظاہرہ اس کی زندگی میں فرائض و واجبات اور سنن و احکام کی پابندی سے ہو گا تو پھر اس نے اگر نوافل کا زیادہ اہتمام نہ بھی کیا ہو گا تو اللہ کے ہاں وہ سرخرو قرار پائے گا۔ یہی مطلب اس حدیث کا ہے۔ ورنہ فرائض و سنن کی ادائیگی کے بغیر "اللہ و رسول سے محبت کا دعوا فریب نفس کے سوا کچھ نہیں' جس کی کوئی قدر و قیمت اللہ کے ہاں نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی) کا مفاد اور تقاضا بھی یہی ہے۔

محبت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں' جو کچھ لوگوں سے محبت رکھتا ہے جب کہ وہ (عمل و تقویٰ میں) ان کے ساتھ نہیں ملا۔ (یعنی ان کے سے اعمال صالحہ اس نے نہ کیے ہیں' اور نہ کرنے کی طاقت ہی ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"آدمی ان کے ساتھ ہو گا جن سے اس کو محبت ہو گی۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ: مطلب یہ ہے دنیا میں عمل کے لحاظ سے ان کو نہیں ملا' لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اہل خیر و تقوی کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے اسے ان کے ہم رتبہ کرکے ان کے ساتھ ملادے گا۔ یہ سوال بھی صحابی نے کیا اور جن کی بابت سوال کر رہا ہے وہ بھی صحابہ تھے۔۔۔۔ اس کے باوجود یہ حدیث حکم کے اعتبار سے عام ہے لیکن شرط یہ ہے کہ عقیدہ قرآن و سنت کے مطابق ہو اور حتی المقدور احکام شریعت کی پابندی ہو۔

آپس میں محبت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح (مختلف) کانیں ہیں۔ ان میں سے زمانہ جاہلیت کے بہتر لوگ' اسلام میں بھی بہتر ہیں جب کہ انہیں دین کی سمجھ ہو (اور اس پر وہ عامل ہوں) اور روحیں مختلف قسم کے لشکر ہیں۔ چنانچہ ان روحوں میں سے جن کی (عالم ارواح میں) ایک دوسرے سے جان پہچان ہو گئی' وہ (دنیا میں) آپس میں مانوس ہیں اور جو وہاں ایک دوسرے سے انجان رہیں' وہ (دنیا میں) ایک دوسرے سے الگ ہیں۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ کانیں' ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ کسی سے صاف ستھری چیزیں نکلتی ہیں اور کسی سے ردی۔ یہی حال اخلاق و اعمال کے لحاظ سے لوگوں کا ہے۔ ان میں بھی اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ ہیں۔

2۔ زمانہ جاہلیت کے اچھے لوگ (یعنی شرف و فضل اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے) ایمان لانے کے بعد بھی اگر دین کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو ان کا شرف و فضل اسلامی معاشرے میں بھی زمانہ' کفر کی طرح برقرار رہے گا' ایمان و اسلام سے اس میں کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ ہو گا۔

3۔ "روحیں" "مختلف قسم کے لشکر ہیں" کا مطلب مزاجوں اور طبیعتوں کا فطری اختلاف ہے۔ جو مزاج خیر پسند ہیں' وہ نیکوں کے ساتھ جو شر پسند ہیں بدوں کے ساتھ متعارف ہوں گے اور دونوں اپنے اپنے اخلاق و کردار کے حامل لوگوں سے ربط و ضبط اور تعلقات رکھیں گے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے دل میں اہل خیر و صلاح سے نفرت رکھتا ہے' اسے سوچنا

چاہیے کہ ایسا کیوں ہے۔ یہ تو اس کے انجام بد کی خطرناک علامت ہے' اور پھر اپنے اس شرپسند مزاج کو بدلنے کی سعی کرنی چاہیے۔

اویس قرنی رحمتہ اللہ عنہ

حضرت اسیرین عمرو (ہمزہ پر پیش اور سین پر زبر) اور بعض کے نزدیک اسیر بن جابر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے پاس جب بھی اہل یمن میں سے غازیان اسلام آتے تو ان سے پوچھتے۔

"کیا تمہارے اندر اویس بن عامر ہیں؟"

حتیٰ کہ بالآخر (ایک وفد میں) اویس آگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔

"تم اویس بن عامر ہو؟"

انہوں نے کہا۔ "ہاں۔"

آپ نے پوچھا۔ "مراد (کے گھرانے) اور قرن (قبیلے) سے تمہارا تعلق ہے؟"

انہوں نے کہا "ہاں۔"

حضرت عمر نے پوچھا "تمہارے جسم پر برص کے داغ تھے جو صحیح ہو گئے' سوائے ایک درہم جتنے حصے کے؟"

انہوں نے کہا "ہاں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

"تمہارے پاس مراد (گھرانے) اور قرن قبیلے کا اویس بن عامر اہل یمن کے ان غازیوں کے ساتھ آئے گا جو جہاد میں لشکر اسلام کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے جسم پر برص کے داغ ہوں گے جو سوائے درہم جتنی جگہ کے صحیح ہو گئے ہوں گے۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرنے والا ہو گا۔ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالے تو یقیناً" اللہ اس کی قسم کو پورا فرمادے گا۔ چنانچہ اگر تم (اے عمر!) ان سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کروا سکو تو ضرور کروانا۔" اس لیے تم میرے لیے بخشش کی دعا کردو!"

چنانچہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بخشش کی دعا فرمائی' اس کے بعد حضرت عمر نے ان سے پوچھا۔

"اب کدھر جانے کا ارادہ ہے؟"

انہوں نے کہا۔ "کوفہ۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "کیا میں کوفے کے گورنر کو تمہارے لیے (تحریر) لکھ کر نہ دے دوں۔"

حضرت اویس رحمتہ اللہ نے جواب دیا "میں ان لوگوں میں رہنا (یا شمار کرانا) زیادہ پسند کرتا ہوں جو غریب مسکین قسم کے ہیں' جنہیں کوئی جانتا ہے نہ ان کی کوئی پروا کی جاتی ہے۔"

جب آئندہ سال آیا تو یمن کے معزز لوگوں میں سے ایک شخص حج پر آیا اور اس کی ملاقات حضرت عمر سے ہوئی۔ انہوں نے اس سے حضرت اویس کی بابت پوچھا تو اس نے بتلایا۔

"کہ میں انہیں اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کی زندگی نہایت سادہ ہے اور دنیا کا سامان بہت کم رکھتے ہیں۔"

حضرت عمر نے فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

"تمہارے پاس مراد (گھرانے) اور قرن قبیلے کا اویس بن عامر یمن کے رہنے والوں میں سے مجاہدین کے امدادی فوجی گروہ کے ساتھ آئے گا۔ اسے برص کی تکلیف ہو گی جو درست ہو چکی ہو گی' سوائے ایک درہم جتنی جگہ کے۔ اس کی والدہ (زندہ) ہو گی جس کے ساتھ وہ بہت اچھا سلوک کرنے والا ہو گا۔ اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری فرمادے گا۔ چنانچہ اگر تم ان سے مغفرت کی دعا کروا سکو تو ضرور کروانا۔"

تو یہ (یمنی) شخص حج سے فراغت کے بعد حضرت اویس کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی "میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔"

اویس نے جواب دیا "ایک نیک سفر سے تو تم نئے نئے آئے ہو' تم میرے لیے بخشش کی دعا کرو۔ نیز انہوں نے کہا۔ "کیا تم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے؟"

انہوں نے کہا۔ "ہاں۔"

چنانچہ اویس نے اس شخص کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی' تب لوگوں نے ان کے مقام کو سمجھا اور وہ (اویس) اپنے سامنے (کی طرف) چل پڑے۔ (مسلم)

اور مسلم کی ایک اور روایت حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ کوفے کے کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو حضرت اویس کا استہزاء کرنے والوں میں سے تھا (کیونکہ وہ ان کی فضیلت سے ناواقف تھا۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

"کیا یہاں قرنیوں میں سے بھی کوئی ہے؟"

چنانچہ یہ شخص آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔"

"تمہارے پاس یمن سے ایک آدمی آئے گا جسے اویس کہا جاتا ہو گا۔ وہ یمن میں صرف اپنی والدہ کو چھوڑ کر آئے گا۔ اسے برص کی بیماری تھی تو اس نے اللہ سے دعا کی جس کی وجہ سے اللہ نے اس سے وہ بیماری دور کردی' اور اب (وہ برص کا داغ) صرف ایک دینار یا درہم جتنا باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ تم میں سے جو بھی اسے ملے اس سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کروائے۔"

اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

"تابعین میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جسے اویس کہا جاتا ہے۔ اس کی والدہ (زندہ) ہے۔ اور اس کے جسم پر (برص کے) سفید داغ ہیں۔ تم اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے بخشش کی دعا کرے۔"

فوائد و مسائل :

1۔ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح معجزات میں سے ہے کہ آپ نے حضرت اویس رحمتہ اللہ کا نام اور ان کی بعض صفات و خصوصیات بیان فرمائیں جو اسی طرح پائی گئیں جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔

2۔ سادگی' عزلت اور گمنامی کی فضیلت بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

3۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت پتا چلتی ہے۔

4۔ یہ حدیث اس بات پر بھی نص ہے کہ حضرت اویس خیر التابعین ہیں۔ بعض حضرات نے حضرت سعید بن مسیب کو جو خیر التابعین قرار دیا ہے تو اس سے مراد ان کی علوم شرعیہ' تفسیر' حدیث اور فقہ وغیرہ میں تمام تابعین پر افضلیت اور برتری کا اثبات ہے نہ کہ عنداللہ بہتر ہونا کیونکہ حدیث کی رو سے یہ مقام خیریت حضرت اویس کو حاصل ہے۔ (نووی)

5۔ حضرت اویس کے بارے میں جو یہ معروف ہے کہ انہوں نے جب سنا کہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے اپنے سارے دانت اس لیے توڑ ڈالے کہ نہ جانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون سے دانت ٹوٹے ہیں' تو یہ واقعہ سراسر باطل ہے اور اصول اسلام کے بھی مخالف ہے۔

6۔ وسائل ہونے کے باوجود مسکینی کی زندگی گزارنا باعث فضیلت ہے۔

عرش کا سایہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ قیامت والے دن فرمائے گا "میری عظمت و جلالت کے لیے باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا جس دن میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہو گا۔" (مسلم)

☆

بڑا مزا اس ملاپ میں ہے

انشاجی

"صاحب میں نے تو بات خود ہی ختم کردی۔ کیا فائدہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے سے۔"

"جی میں بھی کج بحثی سے کتراتا ہوں۔"

"آپ کا تو کہہ نہیں سکتا، مجھے کج بحثی سے نفرت ہے، سوچنے کی بات ہے کہ کیا ذرا سی بات۔۔۔"

"میں خود سوچ کر حیران ہوں کہ کیوں ذرا سی بات کا جھگڑا بنایا آپ نے۔"

"میں نے بنایا۔۔۔ قبلہ گستاخی معاف، میری یہ عادت نہیں۔"

"خیر آپ کی عادت ہے یا نہیں ہے، یہ تو محلے والے جانتے ہیں، وہ تو میں ہی تھا جو طرح دے گیا ورنہ۔۔۔"

"نہ صاحب نا، آپ تو شیر ہوتے جا رہے تھے میں ہی صلح پسند ہوں میں نے کہا کہ خاک ڈالو اس قصے پر۔"

"دیکھیے، آپ زیادتی کر رہے ہیں، اب تو خیر جھگڑا ہی ختم ہو گیا ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ پہل آپ کی طرف سے ہوئی تھی۔"

"تو آپ کا مطلب ہے کہ میں جھگڑالو ہوں، پاگل ہوں، وحشی ہوں۔"

"نہیں صاحب، پاگل تو میں ہوں، وحشی تو میں ہوں، جھگڑالو تو میں ہوں، آپ تو معصوم ہیں دودھ پیتے بچے ہیں۔"

"اس سے یاد آیا کہ آپ کی بیوی روز چائے کے لیے دودھ ہمارے ہاں سے منگواتی ہیں۔"

"اور آپ کا نوکر جو لہسن پیاز لینے کے لیے ہمارے دروازے پر کھڑا رہتا ہے۔"

"گڑے مردے اکھاڑنا ٹھیک نہیں، لیکن میں پوچھ سکتا ہوں آپ کو ہمارے بارے میں یہ بات کہنے کی جرات کیسے ہوئی کہ میں لال حویلی والوں کے منہ پر تھوکتا بھی نہیں۔"

"جھوٹ سراسر جھوٹ، میں نے تو فقط اتنا کہا تھا کہ لال حویلی والے۔۔۔ بلکہ میں نے تو لال حویلی والوں کا نام ہی نہیں لیا تھا۔"

"خیر یہ تو آپ اس وقت کہہ رہے ہیں، جو کچھ آپ نے اس وقت کہا تھا وہی تھا جو میں نے کہا ہے کہ آپ نے کہا تھا۔"

"اجی اب چھوڑیے، مان جائیے کہ زیادتی آپ کی تھی اگر آپ اس وقت چپکے سے واپس آکر معافی مانگ لیتے تو میں نہایت فراخ دلی اور سیر چشمی سے۔۔۔"

"معافی۔۔۔ آپ سے معافی، اسے کہتے ہیں۔ نالے چور نالے چتر، نہیں صاحب یہ اشرافوں کے رہنے کی جگہ نہیں ایسا ندیدہ پن ہم نے نہیں دیکھا تھا کہ آپ کے بچے ہر روز ناشتے کے وقت ہمارے ہاں آ دھمکتے ہیں۔"

"وہ تو خیر آ دھمکتے ہیں تو اپنی قسمت کا کھاتے۔ آپ اپنی مرغیوں کو بھول گئے کہ چرتی چگتی ہمارے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر ہیں اور انڈے آپ کے ہاں دیتی ہیں۔"

"لے صاحب آپ جھگڑے کو ہوا دے رہے ہیں بھلا مرغیوں کے ذکر کا یہ کون سا موقع ہے۔"

"اور معصوم بچوں کے ذکر کی کیا تک تھی۔ مرغیوں کا تو یہ ہے کہ جو ان کو کھلائے گا، وہ کھے گا ضرور۔"

"اور اپنی بات آپ کو یاد ہی نہیں پچھلی برسات میں آپ کو بھوسہ نہیں مل رہا تھا تو دوڑے دوڑے لال حویلی والوں کے پاس ہی آئے تھے۔ یہ ہماری ہی شرافت تھی کہ آپ کو خشک بھوسہ دے دیا اور ان داموں جن پر آپ کو بازار میں ملتا۔"

"آپ کی یادداشت اتنی تیز ہے تو آپ کو وہ چرخہ بھی یاد ہوگا۔ جو آپ کی خالہ تین مہینے ہوئے ہمارے ہاں سے مانگ کر لے گئی تھیں۔"

"واہ، اس باوا آدم کے جھگڑے کو آپ چرخہ کہتے ہیں اور ایک بار ہماری خالہ نے اپنے کھیتوں سے گوبھی کا پھول بھی تو آپ ہی کو بھجوایا تھا اور آپ کے ٹلکے میں جو لمبی سی کیل لگی ہے وہ کس نے دی تھی؟"

"اور آپ کے صحن میں کپڑے سکھانے کے لیے جو رسی تنی ہے، وہ آپ نے کہاں سے لی تھی۔"

"خیر میرے دوست یہ مثالیں تو میں نے اس بات کے ثبوت میں دی تھیں کہ میں بھی چھچھورا ہوتا تو جھگڑا بڑھا سکتا تھا، میری عادت ہی درگزر کی ہے، ورنہ وہ چھتری۔۔۔"

"اور وہ بہاولپور کی کوری ہنڈیا۔"

"اور وہ ملتانی بدھنا جو میں اتنی دور سے لایا تھا۔"

"اور وہ آب زم زم جو میں نے خاصی سفارش سے حاجی صاحب سے آپ کو دلایا تھا۔"

"اور وہ ماچس جو آپ نے کل منگوائی تھی۔"

"اور وہ دوات۔"

"اور وہ چپل۔"

"اور وہ جھاڑو۔"

"چل بدذات کمینہ کہیں کا۔"

"ہت تیری احسان فراموش کی، وہ پٹخنی دوں گا کہ یاد رکھے گا۔"

"اتنے جوتے لگاؤں گا کہ۔۔۔"

باتیں سمیرا احسن سے

شاہین رشید

1 ''اصلی نام؟''
''سمیرا احسن''

2 ''پیار کا نام؟''
''سمی... سیم... مگر امی کہتی ہیں کہ نام بگاڑنا نہیں چاہیے۔''

3 ''تاریخ پیدائش/شہر؟''
''یکم ستمبر/اسلام آباد۔''

4 ''قد/ستارہ؟''
''5فٹ 8 انچ/سنبلہ۔''

5 ''بہن بھائی' آپ کا نمبر؟''
''چار بہن بھائی ہیں۔ ایک بھائی' تین بہنیں۔ تیسرا نمبر ہے۔''

6 ''تعلیمی قابلیت؟''
''ماسٹرز ان اسلامک اسٹڈیز۔''

7 ''شادی؟''
''کافی سال ہوگئے ہیں اور بچے دو ہی اچھے۔ دونوں بیٹے ہیں۔''

8 ''شوبز میں آمد؟''
''اپنے شوق اور ٹیلنٹ پہ آئی ہوں۔''

9 ''پہلا ڈراما' وجہ شہرت؟''
''نوری جام تماچی' کافی ہیں۔

10 ''پہلی کمائی؟''
''اسکالر شپ کو میں اپنی پہلی کمائی کہوں گی' کیونکہ یہ بھی بہت محنت کرنے کے بعد ملا تھا۔''

11 ''آپ کی صبح کب ہوتی ہے؟''
''جلدی ہوجاتی ہے۔''

12 ''اور رات؟''
''مجھے رات کے وقت مطالعہ کرنے کا شوق ہے تو بس جب نیند آجائے۔ رات ہوجاتی ہے۔''

13 ''صبح اٹھ کر کیا دل چاہتا ہے؟''
''اچھا سا ناشتا کرنے کو دل چاہتا ہے۔ کیونکہ ناشتا لازمی ہونا چاہیے۔''

14 ''اپنے میاں کی کون سی بات بری لگتی ہے؟''
''کوئی بھی نہیں۔''

15 ''تہوار مناتی ہیں؟''
''بالکل... قومی بھی اور مذہبی بھی... بہت شوق سے مناتی ہوں۔''

16 ''اپنے ملک کا کون سا قانون برا لگتا ہے؟''
''قانون تو کوئی بھی برا نہیں ہے۔ حکمران پر عمل درآمد نہ کرنا برا لگتا ہے۔''

17 ''اپنی جسمانی ساخت میں کیا کمی محسوس کرتی ہیں؟''
''اللہ کا شکر ہے' کوئی کمی نہیں ہے۔''

18 ''شدید بھوک میں مزاج کی کیفیت؟''
''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا' کیونکہ میں تو اکثر ڈائٹنگ پہ ہوتی ہوں۔''

19 ''حلقہ احباب وسیع ہے یا کم ہے؟''
''ویسے تو بہت وسیع ہے' مگر دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا۔''

20 ''آپ کو انتظار رہتا ہے؟''
''ہر اچھے دن کا۔''

22 ''خوشی کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟''
''بہت زیادہ خوش ہو کر' ہلا گلا کر کے۔ بچی بن جاتی ہوں۔''

23 ''طبیعت میں ضد ہے؟''
''بہت کم... زندگی میں ضد ایک یا دو بار ہی کی ہوگی لیکن اگر ضد پہ آجاؤں تو دنیا ادھر کی ادھر کردیتی ہوں۔''

24 ''شدید غصہ کب آتا ہے؟''
''جب ٹریفک میں گاڑی پھنس جائے یا کسی کو غلط گاڑی چلاتے ہوئے دیکھ لوں۔''

25 ''غصے میں کیفیت؟''
''پی لیتی ہوں۔''

26 ''مردوں میں کیا بات ہونی چاہیے؟''
''ڈیسنٹ ہونا چاہیے۔ چھچھورے مرد بہت برے لگتے ہیں۔''

27 ''کوئی لڑکا یا مرد مسلسل گھورے تو؟''
''غصہ تو آتا ہے مگر نظر انداز کردیتی ہوں۔''

28 ''برانڈز خریدنے کا شوق ہے؟''
''نہیں' کبھی نہیں خریدے' نہ ہی شوق ہے۔ اپنی محنت پر بھروسا ہے۔''

29 ''کس کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟''
''کسی کے غصے سے ڈر نہیں لگتا۔''

30 ''وقت سے پہلے نہیں' نصیب سے زیادہ نہیں' یقین ہے اس بات پر؟''
''بالکل ہے... اور مجھے کبھی بھی وقت سے پہلے کچھ نہیں ملا۔''

31 ''اکاؤنٹ سنگل ہونا چاہیے یا...؟''
''سنگل زیادہ بہتر رہتا ہے۔''

32 ''سالگرہیں مناتی ہیں؟''
''بالکل مناتی ہوں۔ اپنی' بچوں کی' میاں کی اور شادی کی سالگرہ۔ ضرور مناتی ہوں۔''

33 ''کس ملک کی شہریت لینے کی خواہش ہے۔''
''برطانیہ... بہت پسند ہے۔ وہاں رشتے دار بھی ہیں اور پاکستان تو اپنا ہے ہی۔''

34 ''شاپنگ پر پہلی ترجیح؟''
''وہی چیز لینے جاتی ہوں جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی شوقیہ جاؤں تو پھر پرفیوم خریدتی ہوں۔''

35 ''آپ کے دنیا میں آنے کا مقصد؟''
''یہ تو اللہ میاں کو پتا ہوگا۔''

36 ''پیسہ خرچ کرتے وقت سوچتی ہیں؟''
''سوچتی تو ہوں مگر ضروری شاپنگ کرتے وقت کچھ نہیں سوچتی۔''

37 ''کرائسز میں وقت گزارا؟''
''ہاں بہت... مگر ایک اچھی عادت ہے کہ گھبراتی نہیں ہوں۔''

38 ''بہترین تحفہ؟''
''مسکراہٹ۔''

39 ''کس پسندیدہ شخصیت کے ساتھ ایک شام گزرنا چاہتی ہیں؟''
''کوئی خاص نہیں... صرف اپنے بچوں کے ساتھ۔''

40 ''پسندیدہ پروفیشن؟''
''جس میں' میں ہوں' اداکاری۔''

41 ''موڈ اچھا ہوجاتا ہے جب...؟''

"جب کوئی اچھی بات کرے' کوئی محبت کے دو بول بول دے۔ میاں صاحب اظہار محبت کریں۔"

42 "کیا آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دیتی ہیں؟"
"اگر نیند پوری ہو جائے تو چھوڑ دیتی ہوں۔ ورنہ ابھی اٹھتی ہوں" والی بات ہوتی ہے۔"

44 "چھٹی کا دن کیسے گزارتی ہیں؟"
"اپنی فیملی کے ساتھ۔"

45 "لباس میں کیا پسند ہے؟"
"ایسٹرن ویسٹرن دونوں ۔ مشرقی لباس میں چوڑی دار پاجامہ اور کرتا اچھا لگتا ہے اور ساڑھی۔"

46 "گھر کے کس کمرے میں سکون ملتا ہے؟"
"اپنے بیڈ روم میں۔"

47 "کس کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً" دیتی ہیں؟"
"اپنے بچوں کے اور میاں کے۔"

48 "بوریت کب ہوتی ہے؟"
"میں کبھی زندگی میں بور نہیں ہوئی کیونکہ میں ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔"

49 "کون سا کردار کرنے کی خواہش ہے؟"
"بہت سے کردار کرنے کی خواہش ہے۔"

50 "مہمانوں کی اچانک آمد؟"
"بری نہیں لگتی' لیکن اگر بتا کر آئیں تو بہتر ہے۔"

51 "پاور میں آکر کیا کریں گی؟"
"ہزاروں کام ایسے ہیں جو میں کرنا چاہتی ہوں۔ مگر اولین ترجیح دہشت گردی ختم کرنا ہے۔"

53 "نصیحت اچھی لگتی ہے یا...؟"
"نصیحت تو کوئی بھی اچھی نہیں لگتی۔" قہقہہ...

54 "زندگی کا سب سے اچھا دور کون سا ہوتا ہے؟"
"اسکول کا دور... بے فکری' مزے' شرارتیں۔"

55 "پڑھائی سے بھاگتی تھیں؟"
"نہیں... پڑھائی کا بہت شوق تھا۔ پرائمری سے لے کر میٹرک تک اپنی کلاس کی مانیٹر رہ چکی ہوں۔"

56 "وقت کی پابندی کرنی چاہیے؟"
"بالکل کرنی چاہیے... اور میں خود بھی کرتی ہوں اور زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ میں پہنچ جاتی ہوں' مگر لوگ نہیں۔"

57 "خرچ کرنے کا مزا کہاں آتا ہے؟"
"اپنی فیملی پر۔"

58 "اداکاری کے علاوہ مشاغل؟"
"مشاغل تو نہیں کہوں گی ۔ میرا بزنس مائنڈ ہے تو کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہوں۔ کبھی پراپرٹی کا کام کر لیتی ہوں' کبھی شیئر مارکیٹ کا۔"

59 "کھانا کھانے کا مزا کہاں آتا ہے' چٹائی' ڈائننگ ٹیبل یا بیڈ؟"
"اپنے بیڈ سے اچھی جگہ تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔"

60 "اگر آپ کے علاوہ ساری دنیا سو جائے تو؟"
"تو مجھے کیا کرنا ہے جاگ کر' میں بھی سو جاؤں گی۔ دنیا کے ساتھ ہی جاگنے اور جینے کا مزا ہے۔"

61 "انٹرنیٹ اور فیس بک سے دلچسپی؟"
"پہلے نہیں تھی ۔ مگر اب ہے ۔ مجبوری ہے۔"

62 "کس کو وقت دینا ہے' بزنس کو یا ایکٹنگ کو؟"
"اداکاری کو زیادہ وقت دینا چاہتی ہوں اور پروڈکشن کو۔"

63 "کون سا کھانا بہت اچھا پکا لیتی ہیں؟"
"میرے ہاتھ کے شامی کباب سب کو بہت پسند ہیں۔"

64 "نرم دل کون ہوتا ہے مرد یا عورت؟"
"میرے خیال میں عورت۔"

65 "بہترین کک کون ہوتا ہے؟"
"مرد... سارے اچھے شیف تو مرد ہی ہیں۔"

66 "کس پسندیدہ شخصیت کو اغوا کرنا چاہیں گی اور تاوان میں کیا مانگیں گی؟" قہقہہ... "شاہ رخ خان کو کروں گی اور اس کی قسمت مانگ لوں گی۔"

67 "کن کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"
"میں بہت بہادر ہوں... نہیں ڈرتی کیڑے مکوڑوں سے۔ بچپن میں تو سانپ بھی پکڑ لیتی تھی۔ ہاں مکڑی سے مجھے گھن آتی ہے۔"

68 "خودکش حملہ آور بہادر ہوتا ہے یا بزدل؟"
"بہت بزدل ہوتا ہے... حالات سے اس طرح چھٹکارا پانا تو بزدلی ہے نا۔"

69 "شادی میں پسندیدہ رسم؟"
"مہندی اور ہلا گلا۔"

71 "کس تاریخی شخصیت سے ملنا چاہتی ہیں؟"
"قائد اعظم..."

72 "اپنا موبائل نمبر کتنی بار تبدیل کیا؟"
"ایک نمبر تو بالکل تبدیل نہیں کرتی... جبکہ سیکنڈ نمبر ایک' دو بار چینج کیا ہے۔"

73 "گھر سے نکلتے وقت کیا نہیں بھولتیں؟"
"گاڑی کی چابی' موبائل' پرس وغیرہ۔"

74 "آپ سمجھتی ہیں کہ آپ دوسروں سے الگ ہیں؟"
"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے' چونکہ اسکرین پہ آتے ہیں اور لوگ ہمیں پہچانتے ہیں تو اچھا لگتا ہے۔"

75 "پاکستان کے لیے کیا سوچتی ہیں؟"
"جب میں لندن جاتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ جو وہاں کی خوبیاں ہیں' کاش وہ پاکستان میں آجائیں۔"

76 "اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتی ہیں؟"
"بہت کم..."

77 "کوئی اچھی اور بری عادت؟"
"اچھی تو یہ کہ دوسروں کے کام آتی ہوں اور ہر ایک سے اچھی طرح مل لینا بعض اوقات برا ہو جاتا ہے' تو یہ بری عادت ہے۔"

78 "کھانے سے ناراضی کب ہوتی ہے؟"
"نہیں ہوتی کیونکہ سارا دن تو فرصت ہی نہیں ملتی کھانے کی۔"

79 "مارننگ شو... آپ کے تاثرات؟"
"برائی نہیں کروں گی' کیونکہ میں خود بہت بلائی جاتی ہوں۔ ویسے بھوتوں اور جنوں والے برے لگتے ہیں۔"

80 "بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے یا کروٹیں بدلتی ہیں؟"
"میں کبھی بھی ڈائریکٹ نہیں سوتی۔ بلکہ ڈائجسٹ کا مطالعہ کر کے سوتی ہوں۔"

81 "بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا رکھتی ہیں؟"
"بکس' موبائل اور پانی۔"

82 "خدا کی حسین تخلیق؟"
"انسان..."

83 "زندگی بری لگتی ہے؟"
"بری نہیں لگتی' مگر جب کوئی کام نہ ہو رہا ہو تو ڈپریسڈ ہو جاتی ہوں۔"

84 "ویلنٹائن ڈے منانا کیسا لگتا ہے؟"
"اچھا لگتا ہے... منانا چاہیے۔"

85 "کس میں جرات ہے گہری نیند سے اٹھانے کی؟"
ہنستے ہوئے۔ "کسی میں نہیں... میں کہوں گی تو کوئی اٹھائے گا' ورنہ نہیں' الارم ہی اٹھاتا ہے۔"

86 "اپنے گھر والوں سے کس چیز کا ایوارڈ لینا چاہتی ہیں؟"
"اگر دو لفظ یہ کہہ دیں کہ آپ ہمارے لیے بہت کچھ کر رہی ہیں تو یہی ایوارڈ بہت ہوتا ہے۔"

87 "جھوٹ بولنے کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟"
"اکثر مگر بہت مجبوری میں... ویسے میں ننانوے فیصد سچ بولتی ہوں۔"

90 "فریش کب ہوتی ہیں؟"
"نیند پوری ہو جائے تو صبح صبح..."

91 "گھر آتے ہی کیا دل چاہتا ہے؟"
"گرما گرم چائے مل جائے اور چائے کی چسکیوں کے ساتھ ٹی وی دیکھوں۔"

93 "لوگوں کو جج کرنے کا بہترین طریقہ؟"
"یہ کام آج تک نہیں آیا... انسان سے زیادہ دوغلا کوئی نہیں۔"

98 "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"
"اتنی زیادہ شہرت ہے بھی نہیں۔ اس لیے کیا کہوں... یہ عروج و زوال تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو بہتر سمجھے گا' وہی کرے گا۔"

☆

ٹی وی فنکارہ

ماہین خالد سے ملاقات

شاہین رشید

کچھ عرصہ قبل تک ہمارے ڈراموں، فلموں میں ولن یا منفی کرداروں میں عموماً "مرد حضرات ہی کاسٹ کیے جاتے تھے۔ مگر دور حاضر میں ولن مرد کا تصور بہت تیزی سے تبدیل ہوا ہے۔ اب یہ کردار خواتین ادا کررہی ہیں۔ وجہ "ٹرینڈ کی تبدیلی کے علاوہ بے شک حقیقت پسندی ہی ہو' بلاشبہ بہت عمدگی سے کررہی ہیں۔

ماہین خالد بہت اچھی فنکارہ ہیں، مگران کے کریڈٹ پر تسلسل کے ساتھ نیگیٹو رولز ہیں۔ اگرچہ انہوں نے سارے کردار یکسانیت کا شکار ہوئے بغیر بہت خوبی سے نبھائے ہیں مگراب ناظرین انہیں مثبت کردار میں دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ ماہین اس بارے میں کیا کہتی ہیں۔ آیئے جانتے ہیں۔

"جی ماہین خالد! کیسی ہیں آپ؟"

"جی الحمد للہ۔"

"ادھوری عورت" کلموہی" اور اب "بشر مومن" تینوں میں نیگیٹو رول تھے۔ مشکل کہاں پیش آئی؟"

"مشکل کہیں نہیں ہوئی کیونکہ تینوں رولز ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ جب میں نے "ادھوری عورت" کیا تو وہ میرے لیے سب سے زیادہ آسان تھا کیونکہ وہ میرا پہلا منفی رول تھا۔ "ادھوری عورت" ختم ہوا تو مجھے "کلموہی" آفر ہو گیا۔ تب میں نے سوچا کہ اس کو کس طرح مختلف انداز میں کیا جائے۔ "کلموہی" میں میرا کردار ایک لوئر مڈل کلاس فیملی کی عورت تھی۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا' بولنا چالنا' رہنا سہنا بالکل مختلف تھا۔ اس کے لیے گیٹ اپ بنانا ذرا مشکل تھا مگراس کا سارا کریڈٹ میں عاطف حسین کو دوں گی۔ کچھ اپنے آپ کو بھی دوں گی' دونوں نے مل کر ڈیسائیڈ کیا کہ "سونا" کو کس طرح نظر آنا چاہیے۔ یعنی موٹا سخت مزاج بھی لگے کیوٹ بھی لگے اور موٹا فتنہ بھی لگے۔ پرفارمنس کا مارجن بہت زیادہ نہیں تھا۔ اس کو بہت دھیان سے لے کر چلنا تھا' اس کے گیٹ اپ پر کام کرنا بڑا ضروری تھا۔ مثلاً" مجھے آلتی پالتی مار کر بیٹھنا بھی تھا۔ ہاتھ سے چاول بھی کھانے تھے جو کہ میں نے ایسا حقیقی زندگی میں کیا تھا اور نہ ہی کسی سیریل میں پھر جب مجھے "بشر مومن" کی آفر آئی۔ تب میں اپ سیٹ ہو گئی' نروس بھی ہو گئی تب مجھے احساس ہوا کہ اگر میں نے یہ کردار کرلیا تو میں اسی ٹائپ اداکارہ بن جاؤں گی اور مجھے مزید ایسے ہی رولز آفر ہوں گے۔ دوسرا اتفاق یہ ہوا کہ تینوں پروجیکٹس ایک ہی چینل پر آن ایر ہوئے۔

"یہ بتائیں کہ ان تینوں کرداروں میں ہمارے معاشرے کی عکاسی کس رول نے کی؟ کون سی عورت ہمارے معاشرے کا حصہ ہے؟"

"ایمان داری کے ساتھ آپ کو بتاؤں کہ تینوں ہی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں۔ تینوں کردار حقیقت پر مبنی ہیں۔ کلموہی کی "سونا" آپ کو چھوٹے علاقوں یعنی لوئر طبقے کے کسی گلی کے نکڑ پر مل جائے گی۔ جو ذرا اپر کلاس ہوں گے یا مڈل کلاس' وہاں آپ کو "ادھوری عورت" کی فائزہ مل جائے گی اور جب آپ ایلیٹ کلاس میں جاتے ہیں تو پھر وہاں آپ کو "بشر مومن" کی سائرہ نظر آئے گی۔ ایسے لوگوں کو میں نے سوشلائز کیا ہوا ہے۔ یہ کوئی میک اپ کردار نہیں تھے بلکہ ہمارے ہی معاشرے کا حصہ ہیں اور یہی لوگ ہمیں' آپ کو اور دوسروں کو پریشان کرتے ہیں۔"

"آپ کا خود کیا دل چاہتا ہے کہ آپ کو کس طرح کے کردار ملیں کہ جہاں نفرتیں نہ ملیں' گالیاں نہ سننی پڑیں۔ بس سب تعریف کریں۔"

"نہیں ایسا کچھ دل نہیں چاہتا۔ اگر مجھے گالیاں پڑ رہی ہیں' اگر مجھے نفرتیں مل رہی ہیں' اگر لوگ مجھ سے آکر کہتے ہیں کہ آپ "رودابہ" کے ساتھ اچھا نہیں کررہیں۔ آپ کلموہی کے اوپر ظلم کررہی ہیں تو یقین جانیے مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوتی کہ میں نے اپنے کردار میں حقیقت کا رنگ بھر دیا ہے۔ نیگیٹو رول میں اگر لوگ آپ سے نفرت کرتے ہیں اور پوزیٹو کردار میں محبت کرتے ہیں تو سمجھیے کہ آپ نے اپنے کردار کے ساتھ انصاف کردیا۔"

"ہمارے ڈرامے یکسانیت کا شکار نہیں ہیں؟ کیا کہتی ہیں آپ؟"

"ہاں بالکل میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ ہم مختلف موضوعات پر کیوں نہیں کام کرتے۔ ہزاروں موضوعات ہیں' حب الوطنی پہ کرسکتے ہیں' سوشل ایشو پہ لکھوا سکتے ہیں' ثقافت ہے' مذہب ہے' مگر ہم تو ایک ہی چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں نے تو اب یہ سوچا ہے کہ اب میں کوالٹی ورک کروں گی۔ مختلف تو میں نہیں کہہ سکتی کیونکہ کرنا تو ہمیں وہی ہے جو ہمیں آفر ہو گا اور وہ ہی ہوتا ہے جو بن رہا ہے' جو لکھا جارہا ہے اور لکھا بھی وہ ہی جارہا ہے جو لوگ دیکھنا چاہ رہے ہیں۔ لوگوں کے مائنڈ کو رائٹرز اور ڈائریکٹرز ہی تبدیل کرسکتے ہیں بشرطیکہ وہ کرنا چاہیں تو۔"

"آپ کے خیال میں آج کل کون سب سے اچھا اور مختلف لکھ رہا ہے؟"

"زنجبیل بہت حساس رائٹر ہیں۔ انہوں نے بشر مومن لکھا ہے۔ ان کے دو تین اور بھی پروجیکٹ آرہے ہیں۔ ان کی تحریر میں مجھے گہرائی نظر آتی ہے۔ سمیرا فضل ایک کیوٹ رائٹر ہیں۔ وہ کیوٹ چیزیں لکھتی ہیں۔ فرحت اشتیاق جنہوں نے ہم سفر لکھا تھا بہترین رائٹر ہیں اور داد دیں گے ان ڈائریکٹر کو کہ جنہوں نے ان کی تحریر کو سمجھا اور صحیح طریقے سے پورٹریٹ کیا اور عمیرہ احمد جو نئے موضوعات کو فوکس کرتی ہیں۔ خالد احمد بھی بہت اچھے ہیں۔

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

"میرا ایک نیا سیریل "نزدیکیاں" آن ایر ہونے والا ہے۔ اس میں میرا بہت اچھا پوزیٹو کردار ہے۔ ایک اور سیریل آن ایر ہے "کوئی نہیں ہے اپنا" تھوڑا کام کررہی ہوں مگر بہت سوچ سمجھ کے کررہی ہوں۔"

"کوئی نہیں ہے اپنا" کیا فلم "آئینہ" کی کاپی نہیں ہے؟"

"جی بالکل۔۔۔ آئینہ کے اندر ایک مختلف قسم کا ٹوئسٹ تھا اور اس سیریل میں اس ٹوئسٹ کو انہوں نے ذرا مختلف انداز میں پیش کیا ہے اور اس وقت جو پچاس ڈرامے چل رہے ہیں ان میں اننچاس کی کہانیاں آپ کو ایک جیسی لگیں گی' بس فرق اس کو پیش کرنے کا ہوتا ہے۔ ایک اچھا ڈائریکٹر اسے بہترین طریقے سے پیش کرتا ہے تو وہ سیریل مقبولیت حاصل کرتا ہے۔ اس کی مثال "ہم سفر" اور "میری ذات ذرہ بے نشان" ہے۔ اس کے موضوع نئے نہیں تھے مگر پیش کرنے کا انداز نیا تھا۔ اس طرح "کوئی نہیں ہے اپنا" جس کو آپ آئینہ کہہ رہی ہیں۔ اسے بدر محمود نے بہت اچھے انداز میں ڈائریکٹ کیا ہے اور سب فنکاروں سے بہت اچھے طریقے سے کام لیا ہے۔"

"آج کل تو ایک "اینٹ" اٹھائیں تو کئی ڈائریکٹر مل جائیں گے۔ تو کون بہتر کام کر رہا ہے؟"

"کام تو اپنے طور پر سب ہی اچھا کر رہے ہیں کیونکہ سب ہی بہت محنت سے کام کرتے ہیں۔ کسی کا کانسیپٹ یا وژن بہت زیادہ براڈ ہوتا ہے اور کچھ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں کہ جیسا اسکرپٹ میں لکھا ہے ویسا ہی کرنا ہے۔ اسامہ کے ساتھ کام کرکے مجھے لگا کہ اس نے ایک معمولی سے ڈرامے کو "مشر مومن" بنا دیا۔ اس نے میرے مشکل کردار کو آسان بنا دیا۔ اسامہ کا وژن بہت براڈ ہے اور عابس رضا اچھا کام کر رہے ہیں۔ مہرین جبار' حسیب حسن بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔"

"فیوچر پلاننگ کیا ہے آپ کی؟"

"میں باہر سے رہ کر آئی ہوں صرف اس لیے کہ اپنے ملک میں رہ کر کام کروں کیونکہ ایک تو مجھے یہاں کا ایکسپوژر زیادہ اچھا لگ رہا تھا پھر مجھے بچپن سے شوق تھا کہ میں پاکستانی میڈیا کے لیے کام کروں تو اسی لیے میں نے ٹیلی وژن پروڈکشن' ڈائریکشن اور فلم میکنگ میں تعلیم حاصل کی۔ کیمرے کے پیچھے کام کرنے کا ارادہ ہے۔ مجھے شو ہوسٹ کرنے کا بہت شوق ہے۔ خاص طور پر مارننگ شو اور مجھے آفرز آئی بھی لیکن نہیں کرپائی کہ آج کل ٹائم نہیں ہے' لیکن ڈراموں سے بریک لے کر اپنے اس شوق کو ضرور پورا کروں گی۔"

"اس فیلڈ میں کیسے آئیں اور کس طرح اپنے آپ کو منوایا کہ مجھ میں ہر کام کی صلاحیت ہے؟"

"اپنے آپ کو منوانا نہ تو بہت آسان تھا نہ بہت مشکل۔ چونکہ باہر سے پڑھ کر آئی تھی' خود اعتمادی تھی مجھ میں' مخلص تھی۔ اپنے کام سے فوکس تھا میرا۔ اور بچپن سے ہی محسوس کرتی تھی کہ مجھ میں اس فیلڈ میں کام کرنے کا ٹیلنٹ ہے۔ بچپن سے ہی تھیٹر کیا' اسکول اور کالج کی غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اداکاری کا جنون بچپن سے تھا تو جب فیلڈ میں قدم رکھا تو یقین تھا کہ ڈگری بھی میڈیا کی ہے اور بات کرنے کا سلیقہ بھی ہے ٹیلنٹ پہ بھی بھروسہ تھا۔ میں ایک دم سے اوپر نہیں چڑھی بلکہ بہت دھیرے دھیرے اوپر چڑھی ہوں اور اب اپنی جگہ بنائی ہے اور میرا اس بات پر بھی یقین ہے کہ "دیر آید درست آید۔"

"فیملی بیک گراؤنڈ بھی بتایئے؟"

یو ایس میں میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی۔ پاکستان آنے کی اجازت اس لیے مل گئی کہ میرے بھائی یہاں رہتے ہیں۔ ورنہ کراچی کے حالات تو ایسے ہیں کہ کوئی اکیلی لڑکی نہیں رہ سکتی' یہاں میرے ابو کا گھر ہے اور ہم سب مل کر رہتے ہیں اور فیملی بیک گراؤنڈ کچھ یوں ہے کہ ہم اردو اسپیکنگ ہیں۔ لکھنؤ سے ہمارا تعلق ہے۔ آباؤ اجداد میں کچھ یہاں ہیں کچھ انڈیا میں اور کچھ بنگلہ دیش میں۔ مگر زیادہ تر لوگ یو ایس اے میں ہیں۔ وہ کراچی کے حالات سے ڈر کر وہاں سیٹل ہوگئے ہیں۔ میں 28 جولائی کو پیدا ہوئی۔ میں گھر میں بڑی ہوں' مجھ سے چھوٹا ایک بھائی اور ایک بہن ہے۔ شادی فی الحال نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی ایسا بندہ ٹکرایا ہے کہ جس کے لیے اپنا جنون' اپنا کیریر چھوڑ دوں اور ابھی جو زندگی میں گزار رہی ہوں' اس سے بہتر زندگی جو دے گا۔ اس کو اپنا شریک سفر بناؤں گی۔"

"رومانٹک رول نہیں کیا۔۔۔ کیا آفر نہیں ہوا؟"

"مجھے رومانٹک رول کرنے کا شوق نہیں ہے۔ دوسری بات کہ فیملی کی بھی کچھ حدود اور پابندیاں ہیں۔ میری فیملی میں ٹی وی انڈسٹری کو اتنا پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کبھی رومانٹک رول کیا تو اسے اپنے طریقے سے کروں گی۔ جس طرح "دھوپ کنارے" میں مرینہ خان اور راحت کاظمی صاحب نے کیا تھا۔"

"کبھی ایسا ہوا کہ کام کو دل نہیں چاہ رہا' طبیعت سست ہے۔ بیعت خراب ہے' موڈ آف ہے' مگر کام تو کرنا ہے تو سیٹ پر موڈ بنا لیتی ہیں؟"

"موڈ بنانا پڑتا ہے کیونکہ نہ صرف یہ میرا پروفیشن ہے بلکہ میرا شوق' میرا جنون بھی ہے۔۔۔ اور گھر میں سو طرح کے مسائل ہوتے ہیں' لیکن جب سیٹ پہ آتی ہوں تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ دو باتوں سے مجھے بہت اری ٹیٹ ہوتی ہے۔ ایک تو میک اپ کروانے اور بال سیٹ کروانے سے' دوسرا کسی کا انتظار کرنا۔ اس وجہ سے میرا موڈ سخت آف ہو جاتا ہے۔"

"پھر موڈ ٹھیک کب ہوتا ہے؟"

"کام شروع ہو جائے' تو میرا موڈ ٹھیک ہو جاتا ہے اور میرے موڈ کو مزید بہتر کرنے کے لیے ایک اچھی سی چائے کی پیالی۔ کوئی اچھا کھانا اور سموسے وغیرہ کافی ہوتے ہیں۔"

"ماڈلنگ کی یا فلم۔۔۔؟"

"ماڈلنگ نہیں کی شوق بھی نہیں ہے اور اجازت بھی نہیں ہے۔۔۔ فلم میں اگر مجھے ناچنا گانا نہ پڑے تو پھر ضرور کروں گی۔۔۔ لیکن اس پر بھی شرط یہ ہے کہ میرے گھر والے اجازت دیں کیونکہ ان کو ناراض کرکے میں کوئی کام نہیں کر سکتی۔"

"امور خانہ داری سے کتنا لگاؤ ہے' کچن وغیرہ؟"

"کچن سے لگاؤ تو مجھے نہیں ہے' لیکن بنانا مجھے سب کچھ آتا ہے میری اماں نے میری ٹریننگ بہت اچھی کی ہوئی ہے کیونکہ ان کو پتا ہے کہ ایک دن شادی ہونی ہے' دوسرے گھر میں' ہر وقت آرٹسٹ بن کے تو نہیں رہ سکتی تو جناب! جب سر پر پڑے گی تو سب کچھ کرلوں گی۔"

"اپنے ڈرامے دیکھتی ہیں۔۔۔ تنقید ہوتی ہے یا صرف تعریف؟"

"اپنے ڈرامے بہت شوق سے دیکھتی ہوں' اگر کوئی کہے کہ بہت اچھا کام کر رہی ہو تب بھی سیریس نہیں ہوتی اور کوئی تعریف نہ کرے تو اسے بھی سیریس نہیں لیتی۔ بس اپنا اطمینان بہت ضروری ہے۔ ہاں جب گھر سے باہر جاتی ہوں اور پبلک جو فیڈ بیک دیتی ہے وہ میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ بہترین نقاد ہمارے ناظرین ہیں۔"

"شوبز کیسی فیلڈ ہے' اچھی یا بری؟"

"اچھی بھی ہے اور بری بھی۔۔۔ شوبز میں وہ بن کے رہنا پڑتا ہے جو آپ نہیں ہیں' لیکن میں وہ ہی ہوں جو میں ہوں۔ مجھے ماڈرن کے رہنا پسند نہیں ہے۔ میں سیٹ پہ آتی ہوں' اپنا کام کرتی ہوں اور چلی جاتی ہوں۔ نہ میری زیادہ پی آر ہے' نہ میں زیادہ سوشل ہوں' ایوارڈ کی تقریب میں کوئی دل سے بلاتا ہے تو چلی جاتی ہوں۔"

"فارغ اوقات کس طرح گزارتی ہیں؟"

"اپنی فیملی کے ساتھ۔ اپنی بھتیجی کے ساتھ جو کہ ابھی صرف آٹھ ماہ کی ہے' نماز روزے کے لیے وقت ضرور نکالتی ہوں۔ ایکسر سائز بھی کرتی ہوں۔ کھانے پینے کا بہت شوق ہے تو باہر جاکر فیملی کے ساتھ انجوائے کرتی ہوں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ماہین خالد سے اجازت چاہی۔

زندگی کا تسلسل جاری رہتا ہے اور تخلیق کا عمل بھی۔
تخلیق.... انسانوں پر بیتنے والی واردات کا آئینہ بھی ہے اور اپنی ذات کا اظہار بھی۔
منصور بن حلاج نے کہا ہے۔
"لکھنا بھی اظہار ہے اور اس اظہار کی توفیق اسی کو حاصل ہوتی ہے جو حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔"
لیکن عورت پر بہت عرصے تک اظہار کے دروازے بند ہی رہے پھر اظہار کی اجازت ملی بھی تو بہت سی پابندیوں کے ساتھ۔

ڈری سہمی عورت نے جھجکتے جھجکتے قلم اٹھایا تو تہذیب' فکر اور سوچ کے نئے زاویے سامنے آئے اور اس حوالے سے جڑی خواب دیکھنے والی آنکھیں بھی تحریروں میں منعکس ہوئیں' محبتوں کے نرم' کومل' مدھر احساسات فطری نسوانی دھیمے لہجے میں ہی بیاں ہو سکتے تھے۔
وقت کچھ اور آگے بڑھا عورت کو آزادی ملی تو فکر و شعور کی نئی جہتیں سامنے آئیں۔ آج حقیقت کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر خوابوں کا ہر طلسم بکھر چکا ہے۔ آج کی تخلیق کار زیادہ حقیقت پسند ہے۔ آج دیگر میدانوں کی طرح ادب کے میدان میں بھی عورت نے خود کو منوالیا ہے۔
بارہا ایسا ہوا کہ کوئی اچھا شعر' اچھی تحریر' اچھی کتاب پڑھ کر سوچا' کیا اس سے بہتر لکھا جا سکتا ہے؟ کیا اس سے اچھا کوئی لکھ سکتا ہے؟ پھر کوئی نئی تحریر' کوئی نئی کتاب سامنے آجاتی ہے.... کوئی اور تخلیق کار ابھرتا ہے۔
خواتین ڈائجسٹ میں لکھنے والی مصنفین کی ایک کہکشاں سی ہے۔ بہت سے درخشندہ ستارے جگمگائے اور آسمان ادب پہ اپنی پہچان ثبت کر گئے۔ بہت سے نئے ستارے ابھر رہے ہیں' نئے نام سامنے آرہے ہیں کہ زندگی کا تسلسل جاری ہے اور اس سے جڑی کہانیاں بھی۔
اس بار سالگرہ نمبر میں ہم نے ان نوعمر مصنفین سے سروے کیا ہے جنہوں نے ابھی لکھنے کا آغاز کیا ہے اور آگے مزید روشن امکانات ہیں۔
سروے کے سوالات یہ ہیں:
(1) خواتین ڈائجسٹ کے لیے پہلی تحریر بھجواتے ہوئے کیا احساسات تھے؟ وہ شائع ہوئی تو کیسا لگا؟
(2) کیا آپ کو توقع تھی کہ اتنی پذیرائی ملے گی؟
(3) خواتین ڈائجسٹ کی کن سینئر مصنفین کی تحریریں شوق سے پڑھتی ہیں؟
(4) ادارہ خواتین کے علاوہ دیگر کن مصنفین کو پڑھتی ہیں؟ پسندیدہ کتابیں؟
(5) لکھنے کے علاوہ دیگر مشاغل کیا ہیں؟ زندگی کے روز و شب' معمولات' تعلیم کیا ہے؟
آیئے دیکھتے ہیں ہماری مصنفین نے کیا جوابات دیے ہیں۔

دگنودِ ماشوق

امت الصبور

عاصمہ احمد علی

1

اک حشر سا بپا تھا میرے دل میں اے شکیب
کھولی جو کھڑکیاں تو ذرا شور گھٹ گیا
جی بالکل یہی احساسات تھے شکیب جلالی والے' مدتوں سے یہ تحریر سینے میں شور مچاتی پھر رہی تھی' جیسے سینے میں گڑی پھانس تھی جسے صفحہ قرطاس کے حوالے کرکے میں نے سکون کا سانس لیا ہو۔
اس کثیرالاشاعت ماہنامے میں نام آنا بذات خود ایک

اعزاز ہے۔ عادتاً" رسالہ کھول کر دیکھا' اپنا نام پایا' کہانی پڑھ کر تصدیق کی' آنکھیں ابل پڑیں سانس رک سی گئی' صبح صبح سارا گھر محو استراحت تھا اور میں کمرے میں اکیلے ہی بھنگڑے ڈال رہی تھی۔ پھر ربیعہ (سسٹر) کو فون کرکے اطلاع دی اور پھر مبارک بادیں تھیں اور ہم تھے تھنا کھٹ میسجز کی برسات تھی۔
2۔ نہیں جی' سوچا بھی نہ تھا اتنی پذیرائی کا اور اتنی جلدی شائع ہونے کا بھی - پر اپنے لفظوں پر یقین تھا بہر حال کہ دل سے نکلے تھے اور سچے تھے اور آپا! آپ ہمیشہ کہتی ہیں کہ بھیج دیں کہانی تو آپ کے دیے حوصلے نے کام دکھایا۔
3۔ میرا پہلا پہلا درد سے تعارف' میرا پہلا پیار' میری مصنفہ نگہت سیما جی' مجھے آج کہنے دیجیے کہ محبت کی مصنفہ' کرب' نارسائی' ہجر اور پھر درد کی ایسی ایسی کہانیاں کہ الفاظ کم ہیں ان کی تعریف کے لیے' میں ان کی شیدائی ہوں' نگہت سیما اونلی اینڈ اونلی' ان کے بعد نسیم سحر قریشی اور ساجدہ حبیب ہیں' نسیم سحر قریشی کے لیے کیا کہوں' آج مجھے موقع ملا ہے کہ میں ان کو خراج تحسین کے چند الفاظ کہہ سکوں۔ ساجدہ آپا کی "تپش" پڑھی اور سارہ غنی اور حسنین زیدی کی محبت نے پہروں اداس رکھا۔ عنیزہ سید کے ساتھ حیرت کی وسعتوں میں سفر کیا اور بیاباں میں خنظر لالہ کو سینکڑوں بار پڑھا' رضیہ جمیل آپا کی "بدریا برس گئی اس بار" کی عائشہ کبھی نہیں بھولی۔ پھر ایک نایاب مصنفہ ہیں' غزالہ نگار اور کرنی۔ نجانے کیوں لکھنا چھوڑ دیا انہوں نے اور ہما کوکب بخاری نے بھی۔ شکر ہے کہ آسیہ رزاقی ابھی لکھ رہی ہیں۔ اللہ انہیں سلامت رکھے۔ یہ کیا لوگ ہیں۔ میں اکثر اوقات ان کے لیے دعا کرتی ہوں۔ حرف حرف نگینہ' لفظ لفظ موتی! جن کو پڑھ کر زندگی سے پیار ہو جائے وہ لوگ۔
4۔ ادارۂ خواتین کے علاوہ! جی ہاں میں نے بہت سارا اردو ادب چاٹ رکھا ہے' میری امی کہا کرتی تھیں کہ مجھے پڑھنے کا ہوکا ہے۔ واقعی میں نے اس کم عمری میں راجہ گدھ' علی پور کا ایلی پڑھی کہ بڑے ہو کر دوبارہ یہ کتابیں پڑھنا پڑیں۔ مجھے سب ادیبوں کو پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ ڈپٹی صاحب سے لے کر ڈاکٹر یونس بٹ تک بالخصوص اور پسند مجھے فکشن ہے۔ سفرنامے بھی پڑھے' ابراہیم جلیس' احمد ندیم قاسمی اور اشفاق احمد اور غلام عباس کے افسانے بہت پسند ہیں۔ تارڑ صاحب کی "پیار کا پہلا شہر" اور علیم الحق حقی کی تمام کتابیں' محی الدین نواب کو جنونیوں کی طرح پڑھا' بشریٰ رحمن کا ناول' خوب صورت اور عصمت چغتائی کا "رسوائی" واجدہ تبسم کو پسندیدہ نہیں نگران کی کتاب "کیسے کاٹوں رات اندھیری" بہت بہترین ہے۔ ہاشم ندیم جدید ادب میں اچھا اضافہ ہیں۔ مشتاق یوسفی کا رواں طرز بیاں کمال کا ہے۔ اے حمید اور ابن انشاء بلاشبہ بلند پایہ رائٹر' عظیم لوگ۔ پسندیدہ کتابوں میں غور کیا تو شاعری کی کتابیں زیادہ نکلیں اور جاوید چودھری کے کالم بھی۔
شہر میں کتابوں کی نمائش لگے تو مجھے بتانے سے گریز کیا جاتا ہے اور اگر میں بک شاپ جاؤں تو گھر والے واپسی کا انتظار نہیں کرتے (ہاہا)
5۔ لکھنے کی بھی مجھے پڑھنے کی طرح اتنی عادت ہے کہ سودا سلف کی پرچی سے لکھ کر دن کا آغاز کرتی ہوں اور بچپن سے ڈائری لکھ رہی ہوں۔
لکھنے کے علاوہ پڑھنا' خواب دیکھنا فیورٹ مشغلہ ہے۔ ان کے بعد بیکنگ اور کوکنگ ہے۔ مشورہ دینا فری میں' یہ بھی بہت پسند ہے۔ ان کے بعد باری آتی ہے کمپیوٹر کی۔ کمپیوٹر پر وقت ضائع کرنا بھی ایک مشغلہ ہے۔ میں کھر کا کیڑا ہوں۔
زندگی کے معمولات نہایت سادہ ہیں۔ بچے ماشاءاللہ اب کچھ بڑے ہو گئے ہیں۔ ان کی پرورش' پھر گھر کے روٹین کے کام۔ وقت پر اللہ کے حضور حاضری دینا اور فجر کے بعد کچھ دیر ترجمہ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنا پسندیدہ ترین ہے۔ (اللہ سب کو توفیق دے)
تعلیم کے نام پر بارہ جماعتیں ہیں۔ ہم بی اے' بی اے کرتے رہے اور اماں ابا بیاہ کرتے رہے۔ جی ہاں' ہمیں ایف اے کے رزلٹ کے آتے ہی سسرال نامی یونیورسٹی میں بھیج دیا گیا تھا۔ جہاں زندگی نام کی ایک کتاب رکھی تھی اور مزے کی بات کہ ہر صفحہ خالی تھا۔ اس کو خود ہی پُر کرنا تھا آج تک کرتے آرہے ہیں تجربات کے قلم سے

یا رب میرے سکوت کو نغمہ سرائی دے
زخم ہنر کو حوصلۂ لب کشائی دے
شہر سخن سے روح کو وہ آشنائی دے
آنکھیں بھی بند رکھوں تو رستہ سجھائی دے

سمیرا عثمان گل

1 پہلی تحریر میرا ایک ناولٹ تھا "اک خواب جو ہمارا تھا" کے نام سے 'بھجواتے ہوئے بس ڈر ہی لگ رہا تھا کہ جانے شائع ہوگی بھی یا نہیں 'کیونکہ اس سے قبل میرے کرن میں پانچ افسانے اور ایک ناول شائع ہو چکا تھا لیکن میرے بھائی کا کہنا تھا تمہیں رائٹر تب تسلیم کروں گا جب خواتین میں کچھ شائع ہو۔ تو میں نے اگلا ناولٹ شعاع میں بھیج دیا۔ سننے میں آیا کہانی ریجیکٹ ہوگئی۔ مجھے بے حد افسوس ہوا' لیکن میں نے سوچا چلو اسے کرن میں بھیج دیتی ہوں' چند روز بعد کرن میں کال کی تو ارم نے کہا 'ہمیں میری کوئی کہانی نہیں ملی انہوں نے خواتین والوں سے معلوم کیا تو پتا چلا انہوں نے تو اس ماہ کے شعاع میں لگادی ہے۔

میں نے تصدیق کے لیے شعاع میں فون کھڑکایا' امتل آپا سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا 'آپ کی کہانی کے ووٹ زیادہ ہو گئے تھے سو ہم نے لگا دی ہے۔ بس پھر میرا دل چاہا بھنگڑے ڈالوں' میں نے سب کو فون کرکے بتایا اور اپنے بھائی سے کہا "اب تو مانتے ہو نا۔" وہ پھر سر تسلیم خم کرکے رہ گیا۔

اور میری جو خوشی تھی وہ ایسی تھی کہ کپڑے نکالنے کے لیے میں فریج کھولے کھڑی تھی اور جب فریج سے سالن لینے کے لیے امی نے بھیجا تو میں صندوق کھول کر کھڑی ہو گئی (ہاہاہا)

بس سارا دن الٹے سیدھے کام ہوتے رہے۔

2 مجھے امید نہیں تھی کہ اس کہانی کو اتنا پسند کیا جائے گا لیکن قارئین نے اس کہانی کو اس ماہ کی Best تحریر کہا تو بہت اچھا لگا۔ اس ماہ شعاع میں 14 خطوط شائع ہوئے تھے جن میں سے گیارہ خطوط میں بہت ہی جوش و خروش اور والہانہ انداز میں اس کہانی کی تعریف ہوئی تھی۔

اور میں گھر میں سب کو باری باری وہ خطوط پڑھ کر سنا رہی تھی۔ قارئین کا شکریہ جنہوں نے پسند کیا اور سراہا۔

3 جب میں نے خواتین کے پرچے خریدنے شروع کیے 'وہ عمیرہ احمد' فائزہ افتخار' ثمرہ بخاری' فاخرہ جبیں' راحت جبیں' رفعت سراج' رخسانہ نگار' فرحت اشتیاق' آمنہ ریاض' تنزیلہ ریاض' نایاب جیلانی' نادیہ جہانگیر' درِ ثمن سلیم' نگہت سیما' عنیزہ سید اور عالیہ بخاری خاص طور پہ شازیہ چوہدری (مرحومہ) کا دور تھا اور ان سب کو آج بھی پڑھنا بے حد اچھا لگتا ہے۔ خاص طور پہ ثمرہ بخاری اور فائزہ افتخار بہت مزے کا لکھتی ہیں۔ نادیہ نے "ثوبیہ" کے بعد لکھنا چھوڑ دیا۔ مجھے افسوس ہوتا ہے جب کوئی قاری بہن ان کا ذکر تک نہیں کرتی۔

نادیہ اور درِ ثمن واپس آجاؤ۔

4 میں خواتین' شعاع کے علاوہ کسی بھی مصنف کو نہیں پڑھتی۔ اتنا ٹائم ہی نہیں ملتا۔ بیٹی کے آنے سے بہت مصروف ہو گئی ہوں۔ خیر شادی سے قبل بھی میں کسی مصنف کو نہیں پڑھتی تھی۔ پسندیدہ کتاب ایک ہی ناول آج تک کتابی شکل میں پڑھا ہے "دل دیا دہلیز" بہت اچھا لگا۔ اب سوچتی ہوں کتابیں پڑھنی چاہئیں۔ "راجہ گدھ' پیار کا پہلا شہر" کی بڑی تعریف سن رکھی ہے قارئین سے' موقع ملا تو یہ دونوں ناول ضرور پڑھوں گی ان شاء اللہ۔

5 مشاغل کچھ خاص نہیں ہاں سونا اور خوب سارا سونا میرا من پسند مشغلہ ہے۔ اس کے علاوہ موڈ ہو تو نصرت فتح علی' نور جہاں کو سنتی ہوں میوزک کا بڑا شوق ہے مجھے' لیکن یا تو سیڈ ہو یا پھر رومانٹک۔ روز و شب کے متعلق کیا بتاؤں۔ صبح بارہ بجے اٹھتی ہوں کیونکہ میری دختر رات دو بجے سوتی ہے۔ پہلے ناشتہ کرتی ہوں پھر گھر کے کام صفائی وغیرہ اس کے بعد عنایہ سوتی ہے تو میں لکھنے یا پڑھنے بیٹھ جاتی ہوں اور اٹھ جائے تو شام کا کھانا بناتی ہوں۔ چھ بجے عثمان کام سے آجاتے ہیں تو بس ٹی وی چلتا ہے' ساتھ عنایہ کی شرارتیں اس کی چند لفظوں پر مشتمل باتیں انجوائے کرتے ہیں۔ آٹھ بجے ہم کھانا کھاتے ہیں اس کے بعد میں کچن صاف کرتی ہوں اور پھر چھپ کر رسالہ پڑھتی ہوں۔

جی ہاں! میں نے سوچا نہیں تھا کہ کبھی چھپ کر رسالہ پڑھنا پڑے گا۔ نہ کبھی امی نے پابندی لگائی نہ بھائی نے نہ کبھی شوہر نے' لیکن یہ ہماری ننھی گڑیا اس کو ہر وہ چیز چاہیے ہوتی ہے' جو مما نے ہاتھ میں پکڑ رکھی ہو تو مجھے رسالہ چھپا کر پڑھنا پڑتا ہے۔

ایک بجے تک میں بڑے صبر سے جاگتی ہوں پھر چکر لگا کر گھومتی سنا سنا کر اور تھپک تھپک کر بمشکل دو بجے تک اس شرارتی چڑیا کو سلاتی ہوں اور بس پھر نیند اور میں۔

تعلیم کچھ خاص نہیں ہے۔ گریجویشن کیا ہوا ہے۔ آخر میں تمام قارئین کو سلام اور دعائیں۔

مصباح نوشین

1 واہ کس قدر خوب صورت سوال۔۔۔ مجھے اس سوال کے لیے بالکل بھی نہیں سوچنا پڑا۔ جو کہوں گی سچ کہوں گی سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی کے مصداق 'آج قارئین کے لیے سجائی گئی نوآموز مصنفین کی اس عدالت میں صرف دل کی باتیں ہوں گی اور حقیقت سے پردہ اٹھایا جائے گا۔

پہلی تحریر میں نے چاند نگر کے تینوں پرچوں میں سب سے پہلے شعاع میں آج سے چھ سال پہلے جب میں نے نیا نیا لکھنا شروع کیا تھا' بھیجی تھی۔ مزے کی بات مابدولت نے تو نہ اپنا فون نمبر بھیجا نہ ایڈریس لکھا۔۔۔ احساسات۔۔۔ تھوڑی سی بھی نروس نہیں تھی۔ بہت خوش اور پُرجوش سی تھی۔ اگلے ماہ ہی شعاع میں اس تحریر کے لگنے کا یقین تھا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ وجہ مجھے چھ سال بعد معلوم ہوئی۔۔ امتل کی محبت کہ انہوں نے جب میں نے چار سال کے بعد دوبارہ لکھنے کی شروعات کی' تو انہوں نے مجھ سے رابطہ ہوتے ہی میرے اس ناول کا پوچھا جو میں نے آج سے چھ سال پہلے بھیجا تھا اور جسے میں بھول بھال چکی تھی کیونکہ میرا خیال تھا کہ تحریر ناقابل اشاعت ٹھہری تھی۔

جب میری تحریر شائع ہوئی تو میں بے یقین تھی۔ اپنی دوستوں کو بتایا کہ چھ سال بعد میری تحریر شعاع میں لگی ہے تو انہیں یقین ہی نہیں آتا تھا۔ میں اس حوالے سے خوش نصیب ہوں کہ میری پہلی تحریر ہی سلیکٹ ہو گئی تھی شائع بھلے بہت دیر سے ہوئی۔۔۔ شعاع کے صفحات پر اپنا جگمگاتا نام دیکھ کے میں دنوں مسرور رہی تھی۔

2۔ بالکل بھی امید نہیں تھی کہ اتنی پذیرائی ملے گی کہ میرا ایک ہی ناول مجھے نامور بنا دے گا۔ ادبی حلقے اور انٹرنیٹ پر میری کتاب لمحۂ جاں گسل کو بے پناہ پذیرائی مل رہی ہے اور جب اکیڈمی آف لیٹرز اسلام آباد کے چیئرمین کی مجھے کال آئی۔۔۔ اور جب انہوں نے ذاتی طور پر میرے کام کی تعریف کے ساتھ مجھے بہت بڑے انعام سے بھی نوازا۔۔۔ میرے لیے بحیثیت رائٹر اس پل سے زیادہ اہم اور خوشی کا پل وہ ہوتا ہے جب میری تحریر خواتین ڈائجسٹ میں چھپتی ہے یا اس میں چھپنے کے لیے منتخب ہوتی ہے۔ کیونکہ جتنے باذوق اور سمجھ دار قارئین شعاع' خواتین اور کرن کو نصیب ہیں شاید ہی کہیں اور دستیاب ہوں۔ جو اس قدر عمیق گہرائی سے مطالعہ کرتی ہیں کہ بعض دفعہ حیرت ہوتی ہے۔

3 میں خواتین ڈائجسٹ کی ہر مصنفہ کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھتی ہوں چاہے وہ سینئر ہو یا نوآموز۔ ذاتی اور بڑا پختہ خیال ہے کہ ہر تحریر میں کچھ نہ کچھ سیکھنے کے لیے موجود ہوتا ہے' مگر کچھ ایسی بھی رائٹرز ہیں جن کی تحریریں سیدھا دل پر اثر کرتی ہیں۔ ان میں سرفہرست نمرہ احمد' سمیرا حمید' فرحت اشتیاق راحت' فاخرہ جبیں' عمیرہ احمد اور نزہت شبانہ حیدر اور سائرہ رضا ہیں' جن کی تحریر میں نام دیکھ کے سب سے پہلے پڑھتی ہوں' نمرہ احمد سے تو مجھے خاص محبت سی ہے۔ وہ لگ بھگ میری ہی ایج کی ہیں مگر ان کی ذہانت مطالعہ و مشاہدہ بہت وسیع اور گہرا ہے۔ جو دیگر کی طرح مجھے بھی ان کا گرویدہ کرتا ہے۔

4۔ میرے پاس ہر مہینے چھوٹے بڑے کئی رسائل آتے ہیں۔ اس لیے بہت سی مصنفین ہر ماہ پڑھنے کو مل جاتی ہیں۔ کسی ایک کا نام لینا مشکل ہے۔ کتابوں میں لاحاصل (عمیرہ احمد) اوکھے لوگ (مفتی ممتاز) عبداللہ (ندیم ہاشم)۔ مصحف (نمرہ احمد) اس کے علاوہ بھی بہت سی ہیں۔

5۔ لکھنے کا ہی برابر وقت نہیں ملتا۔ گھر کا کام میں خود ہی کرتی ہوں۔ چھوٹے چھوٹے تین اور چار سال کی عمر کے دو بچے ہیں جو سارا دن تگنی کا ناچ نچائے رکھتے ہیں۔ زندگی کے روز و شب ویسے ہی ہیں' جیسے کسی بھی گاؤں کی خاتون خانہ کے ہو سکتے ہیں۔ فجر کی نماز کے ساتھ ہی دن کا آغاز ہوتا ہے۔ ادائیگی نماز کے ساتھ ہی گھر کی صفائی ستھرائی کرلیتی ہوں پھر آرام سے فریش ہوکے ہم سب اکٹھے ناشتہ کرتے ہیں یعنی میں' میرے وہ اور ہمارے دو عدد پیارے بچے۔۔۔!

کچن کی صفائی کے بعد میرے سارا وقت لکھنے اور پڑھنے کا ہوتا ہے۔۔۔ گھر سے باہر بہت کم نکلتی ہوں۔ گھر کے اندر میری دنیا بہت وسیع ہے اور ہر آن میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھ لوں' لکھنے کے معاملے میں میرے شوہر بہت زیادہ سپورٹ کرتے ہیں جب مجھے لکھنا ہو تو وہ بچوں کو اپنے ساتھ باہر لے جاتے ہیں۔ ایسے میں یکسوئی کے ساتھ لکھ پاتی ہوں۔ تعلیم کے بارے میں کیا بتاؤں۔۔۔ ایف ایس سی سائیکالوجی کیا ہوا ہے۔ یقیناً "ایم ایس سی بھی کرتی اگر میری انٹر کے فوراً" بعد شادی نہ ہو چکی ہوتی۔۔۔ اب ارادہ ہے کہ دوبارہ پڑھائی بھی شروع کروں۔ میں خواتین ڈائجسٹ کی سینئر نامور مصنفین کی فہرست میں

بہت جلد اپنا نام دیکھنا چاہتی ہوں۔۔۔ کیونکہ صاحب کتاب ہونے کے باوجود بھی میں خود کو مصنفہ نہیں سمجھتی۔ سمجھ لوں گی اگر خواتین کی بہترین مصنفین میں شمار ہو گئی تو۔

ام طیفور۔۔ گوجرانوالہ

1 سب سے پہلے تو میں شعاع' خواتین اور کرن کا بے حد شکریہ ادا کروں گی جن کی بدولت مجھ ناچیز کی ایک مصنفہ کی حیثیت سے پہچان بنی۔ جب میری تحریر "نکی جئی جنج" شائع ہوئی تو کتنی دیر تو میں بے یقینی کی کیفیت میں گھری ڈائجسٹ کو گھورتی رہی تھی۔ سیدھی سی بات ہے مجھے قطعاً" امید نہیں تھی کہ میری پہلی کوشش ہی کامیاب ٹھہرے گی۔ زندگی کے کچھ پل بے حد انمول ہوتے ہیں تو بس سمجھ لیجئے کہ وہ بھی ویسا ہی ایک خوب صورت پل تھا جس نے مجھے بے پایاں مسرت سے نوازا۔

2 توقع تو مجھے بالکل نہیں تھی کہ مجھے اتنی پذیرائی نصیب ہوگی مگر مقام حیرت کہ سب سے پہلے تو امنل جی نے ہی تعریفی کلمات سے نوازا۔ بعدازاں ریحانہ جی سے بات ہوئی تو انہوں نے بھی اچھے الفاظ میں تعریف کی اور باقی رہے گھر والے تو مجھے بے تحاشا شاباشی دینے والوں میں سب سے پہلے میرے ابو جی ہیں جن کے پاس میری ہر تحریر والا ڈائجسٹ موجود ہے۔ وہ بالکل ایسے ہی خوش ہوئے تھے جیسے میرا لکھا ان کے اپنے ہاتھ کا کمال ہو۔ ان کے بعد باقی تمام افراد خانہ اور میرے شوہر۔۔۔ سب ہی نے مجھے شاباش لازمی دی تھی۔

3 اوہو۔۔۔ خواتین کی سینئر مصنفین کے بارے میں کیا کہوں کہ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔۔۔ سب ہی بہترین لکھتی ہیں اور میں نے سب ہی سے کچھ نہ کچھ سیکھا ہے۔ آج کل سائرہ رضا کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔۔۔ آسیہ رزاقی بھی فیورٹ ہیں۔ رخسانہ نگار' تنزیلہ ریاض' آمنہ ریاض۔۔۔ ایک طویل فہرست ہے۔ سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور مجھے ان سب کو پڑھنا اچھا لگتا ہے۔

4 شادی سے پہلے تو محض ڈائجسٹوں وغیرہ میں ہی گھسے رہتے تھے مگر شادی کے بعد میرے شوہر کے مذہبی رجحان نے مجھ میں بے حد بدلاؤ پیدا کیا۔ میرے شوہر کے پاس دینی کتب کا ایک بیش قیمت ذخیرہ ہے جن سے میں بھی گاہے بگاہے فیضیاب ہوتی ہوں۔ لیکن سب سے زیادہ جن کتابوں کو میں نے پڑھا اور بار بار پڑھا اور آج بھی جب فرصت ملے تو لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ وہ زلف و زنجیر اور مولانا روی کی مثنوی شریف ہے۔ یہ ایسی کتب ہیں جنہیں میں نے جب جب پڑھا میری پیاس میں اضافہ ہی ہوا۔ ہر دفعہ ایک نیا مفہوم' ایک نیا مطلب آشکار ہوتا ہے۔ خیر یہ کتابیں تو علم کا ایسا سمندر ہیں جن میں ڈوبنے والے کا ابھرنے کو من نہیں کرتا۔

5 نہیں جی! یوں کہیے کہ گھرداری کے علاوہ ہمارا مشغلہ لکھنا ہے۔ گھر کی ذمہ داری سر کھجانے کی فرصت نہیں دیتی۔

صبح نماز کے بعد دونوں بیٹوں کی اسکول کی تیاری۔۔۔ ان کی روانگی کے بعد محض ایک گھنٹہ میرا اپنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد گھڑی کی سوئیاں بھاگتی چلی جاتی ہیں۔ صفائی کے لیے صفائی والی آتی ہے مگر کچن کلی طور پر میں خود ہی دیکھتی ہوں۔ صفائی ستھرائی کا خبط ہے۔ لہٰذا کام والی کے جانے کے بعد خود بھی کئی جگہوں پر ہاتھ مارتی ہوں' شام کی صفائی اس کے علاوہ ہے۔ شام کی ایک اور بڑی مصروفیت بچوں کا ہوم ورک اور میری تین ماہ کی گڑیا "حریم فاطمہ" جو آج کل میری فل ٹائم ڈیوٹی ہے۔ رات کو جلدی بستر پر لیٹ جاتی ہوں۔ ساڑھے نو' دس بجے تک سب کام ختم کرکے بچوں کو سلا کر خود بھی سکون سے بیڈ پر بیٹھ جاتی ہوں۔ جی چاہے تو مطالعہ کرتی ہوں یا پھر یہی وقت ہوتا ہے جب کچھ تھوڑا بہت لکھ لیتی ہوں۔ ساتھ ساتھ میاں جی سے باتیں بھی کرتی ہوں۔ میں نے اور میرے شوہر نے گھر میں ٹی وی نہیں رکھا ہوا۔ لہٰذا فلموں' ڈراموں سے کوئی شغف نہیں۔

ویسے تو 2004ء میں ایم اے انگلش کی ڈگری لی تھی۔ مگر پھر کبھی اسے ہوا لگانے کے لیے بھی نہیں نکالا اور اب تو لگتا ہے اصل سبجیکٹ تینوں بچے ہیں۔ جن میں مجھے فل مارکس لینے ہیں ان شاء اللہ' اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کارٹونز دیکھنا مجھے بہت پسند ہے اور حریم فاطمہ سے باتیں کرنا بھی۔۔۔ بس فی الحال تو میری روز کی روٹین یہی ہے۔۔۔ آئندہ کا پتا نہیں۔۔۔ ارادہ تو ادب کے میدان میں جھنڈے گاڑنے کا ہے۔۔۔ ہاہاہا! اور خواہش ہے کہ نمرہ احمد جیسا لکھ سکوں' کمال لڑکی ہے!

خوش رہیے' فی امان اللہ!

عنیزہ سید

جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم

میرا خیال ہے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم اب اس کے پیچھے جا رہے ہیں نہ ہی اس کی کوئی بات کر رہے ہیں۔" بلال سلطان کا لہجہ اور بات ابراہیم کے لیے حوصلہ افزا ہرگز نہیں تھی۔

"لیکن انکل امیں نے بتایا کہ یہ لڑکی تو ویسی ہی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" اس نے منمنا کر ایک کوشش مزید کرنا چاہی۔

"تمہارا کیا خیال ہے' میں بہت فارغ ہوں جو جب کوئی مجھ سے ملنا چاہے میں اس سے ملنے کے لیے Available (دستیاب) ہو جاؤں۔" وہ سخت اور خشک لہجے میں بولے۔

"نہیں ہرگز نہیں انکل امیں جانتا ہوں کہ آپ بہت مصروف رہتے ہیں۔" ابراہیم نے زبان پھیر کر اپنے خشک ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن کیا ہے کہ اسے میں اپنے مان پر لایا تھا۔" اس نے ایک جذباتی وار کھیلنے کی کوشش کی۔ "میں نے ہی اسے یقین دلایا تھا کہ انکل میری بات کو اون کرتے ہیں کیونکہ مجھے وہ اپنے بیٹے جیسا ہی سمجھتے ہیں۔"

—۲۷—
ستائیسویں قسط

"اس نے اچھا کیا مگر اس نے بہت اچھا نہیں کیا۔"

سارہ نے اپنی سنائی تفصیل کے جواب میں بلال سلطان کی بات سنی اور اس پر غور کیا۔

"مطلب؟" اسے ان کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

www.paksociety.com

"مطلب یہ کہ تمہیں اس ٹوٹی ہوئی حالت سے اٹھا کر لانا اور تمہارا علاج کرانا' تمہیں یہاں اکاموڈیٹ کرنا بہت اچھا اقدام تھا' مگر اس اچھے جیسچر کو ایڈونچر کیوں بنا دیا اس نے۔"

"ایڈونچر' مطلب؟" سارہ نے اب بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"اس کے یہ سب یوں کیوں کیا جیسے کوئی غلط کام کر رہا ہو۔ جسے دنیا کی نظروں سے چھپانا ضروری ہے' یوں جیسے کسی خفیہ مشن کو سرانجام دے رہا ہو' جس سلسلے میں سیکرسی ضروری ہو۔"

"آپ کا خیال ہے' اسے اپنے اس کام کے بارے میں دنیا کو بتانے کے لیے ڈھول بجانے چاہیے تھے۔" سارہ نے کہا۔

"نہیں ڈھول بجانے کی ضرورت نہیں تھی۔ تمہاری ری ہیبلیٹیشن کے لیے اسے چاہیے تھا' تمہیں کراؤڈ سے دور نہ رکھتا' تمہیں صحت مند سرگرمیوں میں مصروف کر دیتا۔"

"کیا اس کے اکثر معاملات اسی طرح سیکریٹ نہیں رہے۔ ماہ نور والے معاملے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ اس نے اس کو بھی خفیہ رکھا۔" سارہ کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس نے یہ بات کیوں کہی تھی۔

"خیر' ماہ نور کا معاملہ مختلف تھا' ماہ نور اس کے دل کا معاملہ تھی اور دل کے معاملات اکثر دل میں ہی رکھے جاتے ہیں۔"

نجانے کس کس سمت سے کانچ کے ٹکڑے اڑ کر سارہ کے دل میں آپیوست ہوئے تھے۔

"ماہ نور اس کے دل کا معاملہ تھی۔" اس نے عجیب سی ٹیس محسوس کرتے ہوئے سوچا "اور میں۔ میں کیسا معاملہ تھی۔" ذہن میں سوال تھا اور چبھن مزید بڑھ گئی۔

"تم انسانیت کا معاملہ تھیں۔" بلال سلطان نے جیسے اس کے ذہن کا سوال پڑھ لیا تھا۔ "احساس کا معاملہ تھیں۔ تمہارے سلسلے میں اسے اس سے زیادہ حساس ہونا چاہیے تھا۔ جتنا وہ رہا۔"

"اس سے زیادہ حساس۔" سارہ کے چہرے پر تلخی پھیلی۔ "آپ شاید جانتے نہیں کہ اس نے مجھے کس ناز و نعم سے رکھا۔ آپ نے کسی گود کے بچے کو عمر اور وقت کے ساتھ پروگریس کرتے نہیں دیکھا ہوگا۔ آپ نے اپنے بچوں کی پروگریس کے بھی کئی حصے مس کر دیے ہوں گے' سعد نے میری پروگریس کا کوئی حصہ بھی مس نہیں کیا' اس نے گود کے بچے کی طرح مجھے دن بدن آگے بڑھنا سکھایا ہے۔ مایوسی کی گہرائیوں میں جا کر ایک زخمی دل کو اس نے کس طرح امید کی کرن کو فالو کرنا سکھایا' یہ میں جانتی ہوں' زندگی ایک تنگ سرنگ کی مانند تھی' سعد نے میرے پیچھے کھڑے ہو کر اس تنگ سرنگ میں اپنی روشنی میرے آگے بکھیری' اور میں نے اس تنگ سرنگ سے باہر کھلی فضا تک آنے کا سفر اسی روشنی کے سنگ طے کیا ہے۔ میرے یہ الفاظ چند لمحوں کے اندر میرے منہ سے ادا ہوئے' جبکہ حقیقت میں یہ سفر چند لمحوں میں نہیں' کئی سالوں میں طے ہوا ہے۔ میرے ہاتھ دیکھ رہے ہیں آپ!"

اس نے اپنے ہاتھ سامنے پھیلائے۔ جو شدت جذبات سے لرز رہے تھے۔

"یہ بے جان تھے' یوں جیسے چینی کی گڑیا کے ہاتھ ہوں' ہاتھوں کے محض خطوط' جن میں خون تھا نہ جان' یہ میری پاؤں اور یہ ٹانگیں۔" اس نے اپنے پیر آگے بڑھائے "ان کی ہڈیاں نجانے کہاں کہاں سے ٹوٹی تھیں اور ان کا گوشت کہاں کہاں سے پھٹا' کچلا اور ادھڑا تھا' مجھے کوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے شانے پر اٹھاتا تو یہ ٹانگیں کٹی پتنگ کی طرح اس کے دائیں بائیں لٹکتی تھیں۔ یہ میری گردن' اس کے مہرے اس کے نیچے میری ریڑھ کی ہڈی' اس کے مہرے' میرے جسم کا گوشت' رگیں اور پٹھے' کچھ بھی ایسا نہیں تھا جو سلامت تھا' بس ایک جان تھی جو باقی تھی' کس میں وہ صبر اور حوصلہ تھا' کس میں ہمت تھی کہ ان سب کی رفوگری کرتا بیٹھ کر۔"

اس نے بلال کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ "یہ صرف اسی کا حوصلہ تھا۔ یہ صرف وہی کر سکتا تھا' اتنی خاموشی سے' اتنے سکون سے' اتنے صبر سے جیسے دائیں ہاتھ سے دیا جائے اور بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے' وہ اس حکم کی تعمیل کا عملی نمونہ بنا میرے چاک ہوتے جسم کو پھر سے پرانی شکل میں واپس لانے کی کوشش میں سرگرداں رہا۔ یوں کہ آپ تک کو پتا نہ چلا' آپ جو اس کے باپ تھے جان نہ سکے کہ بیٹا کس کام میں دن رات لگا ہوا ہے۔ میری موجودہ صورت حال اس کے ظرف اور حوصلے کی دین ہے سر! اور آپ کہتے ہیں کہ اس نے اس کام کو ایڈونچر بنائے رکھا۔ آپ بتائیں' آپ میں حوصلہ ہے ایسے ایڈونچر کرنے کا' اتنا صبر' اتنی ہمت' اتنا ظرف۔"

وہ چھوٹی سی نحیف نزار لڑکی ان کے سامنے بیٹھی ان سے سوال کر رہی تھی' وہ ان کے بیٹے کی وکیل تھی اور اپنے دلائل دے رہی تھی۔ وہ اس کی نیکی کا نیک فطرتی کا کرشمہ تھی جسے وہ لاابالی' لاپرواہ خود پسند اور بے نیاز کہتے رہے تھے۔

"دنیا میں لاکھوں کروڑوں انسان بستے ہوں گے صاحب!" اب کے وہ سیاہی مائل گندمی رنگت زرد رو' کھچڑی بالوں والی ادھیڑ عمر عورت بولی۔ "مگر ان کروڑوں انسانوں میں سعد سلطان' صرف ایک ہے۔" اس نے شہادت کی انگلی کھڑی کرتے ہوئے کہا' اس کی انگلی کے ساتھ ساتھ آواز بھی شدت جذبات سے کانپ رہی تھی۔

"ہمارے لیے کم سے کم ہمارے لیے سعد سلطان صرف ایک ہے اس دنیا بھر میں۔"

بلال نے اس عورت کی طرف غور سے دیکھا' جس کا جسم محنت کا عادی محسوس ہوتا تھا اور بولتے ہوئے جس کے دانت چھوڑتے بھورے پڑتے مسوڑھے صاف نظر آتے تھے۔ "بلیو ہیون سرکس کے کسی کرتا دھرتا کے دل میں رحم نہ آیا کہ برسوں تک سرکس شو کی جان بنی رہنے والی اپنی جان پر کھیل کر گھوڑے' ببر شیروں کے ساتھ خطرناک کرتب دکھانے والی۔ بلیو ہیون سرکس کے لیے لاکھوں کمانے والی' بلیو ہیون سرکس کی شہزادی پریا رانی۔ جب چھ انچی بار پر پیر کے انگوٹھے کی نوک ٹھیک سے نہ جمنے کی وجہ سے سر کے بل پتھریلے فرش پر گری تو اسے اٹھانے کو اسٹریچر ہی منگوا لیتے کوئی فرسٹ ایڈ دینے والا ہی کال کر لیتے' ٹوٹے پھوٹے' خون بکھیرتے اس جسم کو کپڑے کی چادر میں ڈال پوٹلی بنائے اٹھا لے گئے اور اگلے لمحے بتیاں روشن کر کے دوبارہ سے شو شروع کرا دیا۔"

بیمی آنٹی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"بے حسی کی ایک انتہا یہ بھی ہوتی ہے صاحب جو میں نے آپ کو سنائی اور اسی انتہا سے دل والے احساس والے' دوسروں کے غم میں رونے والے جنم لیتے ہیں' بے حسی کی اسی انتہا سے سعد سلطان جنم لیتے ہیں صاحب۔ آپ تو جانتے ہی نہیں شاید کہ کس کے باپ ہو' آپ کو تو لگتا ہے معلوم ہی نہیں کہ آپ کے گھر میں سعد نے نہیں سعد کے روپ میں کسی فرشتے نے جنم لیا تھا' مجھے یقین ہے کہ جب وہ فرشتہ دنیا میں آیا ہوگا' احساس محبت اور ہمدردی کی تتلیوں نے اس کی آنکھوں کو چوم کر اس کی آنکھیں کھولی ہوں گی' نیکی' نیک دلی' نیک فطرتی کے جگنوؤں نے اس کے دل کو اپنی روشنی سے منور کیا ہوگا' جب ہی تو اس نے دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دل سے محسوس کیا' عمل کیا۔" بیمی کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہے چلے جا رہے تھے۔

بلال سلطان کو یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ زندگی میں کتنے سالوں کے بعد اس روز دم بخود ہوئے تھے' اپنے ذہن میں عادتاً "جمع تفریق کرتے وہ اس دم بخود رہ جانے والی کیفیت میں بیٹھے بیمی کی بات سن رہے تھے۔

"ہمیں نہیں معلوم ہماری اس محدود دنیا سے باہر سعد سلطان کون ہے۔"

بیمی آنٹی نے اس طرح رونے پر اپنی آنکھوں میں بے اختیار امڈ آئے آنسوؤں کو روکتے ہوئے کہا۔ "ہمیں

صرف اتنا معلوم ہے کہ ہماری اس محدود دنیا کے اندر وہ کسی فرشتے کی مانند ہمارے پاس آتا رہا اور اپنے دوش وہینڈ کو تھماتا ہماری ہر ضرورت پوری کرتا رہا۔ میری بیماری معذوری پر منتج ہوئی اور معذوری محتاجی کے راستے پر چل پڑی، میری محتاجی کو اپنے دو مضبوط ہاتھوں اور محبت بھرے شانے کا سہارا دے کر ایک طویل راستے پر چلتے خود انحصاری کے موڑ پر مجھے موڑنا وہ فرشتہ میرے لیے کل دنیا ثابت ہوا۔ اسے نتیجے کے منفی یا مثبت ہونے کی پروا تھی نہ ہی اس بات کی کہ کتنا وقت لگے گا۔ اس کے اندر صرف ایک لگن تھی، ایک جذبہ تھا۔ ایسی لگن اور ایسا جذبہ جو ناممکن کو مجبور کر ڈالتا ہے کہ وہ ممکن ہو جائے اور آپ دیکھیے یہ میں ہوں، میرا آج جو آپ کے سامنے ہے۔"

وہ سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے شانے اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور جسم بالکل سیدھا تھا۔ وہ بلال سلطان کو دکھانا چاہتی تھی کہ وہ پہلے سے کتنی بہتر تھی۔

"ہوں۔" کچھ لمحوں کے مزید توقف کے بعد انہوں نے پلکیں جھپکیں۔

"کیا تم واپس سرکس رنگ میں جانا چاہو گی؟" انہوں نے ایک بار پھر اس سے سوال ہی کیا تھا۔

"شاید یہ اب ممکن نہیں۔" سارہ نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"ممکن ناممکن کی تو ابھی بات ہی نہیں ہو رہی، ابھی تو بات چاہنے یا نہ چاہنے کی ہو رہی ہے۔"

"چاہنے یا نہ چاہنے کا تعلق بھی ناممکن اور ممکن سے براہ راست ہوتا ہے۔"

"تم چاہنے یا نہ چاہنے کی بات کرو۔" انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگرچہ میں اب بوڑھا ہو رہا ہوں، مگر سعد سلطان کا بھی باپ ہوں، وہ جذبہ جو ناممکن کو مجبور کر ڈالتا ہے کہ وہ ممکن ہو جائے۔ مجھ میں بھی کچھ ایسا کم نہیں۔"

وہ کہہ رہے تھے اور اب کے سارہ خان عرف پریا رانی دم بخود بیٹھی ان کی بات سن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس روز اس نے آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد موجود چہروں کو دیکھا تھا۔ اس کے ذہن نے اسے بتایا تھا کہ وہ سب اجنبی چہرے تھے، نگران کا کام ایک سا تھا، وہ بیمار کو دوا دینے والے طبیب تھے اور ان میں سے چند ان طبیبوں کے مددگار بھی تھے۔ اس نے آنکھیں کھول کر سامنے نظر آنے والے چہروں کے خدوخال کی نامانوسیت پر دکھ محسوس نہیں کیا تھا، وہ بس اتنے میں ہی خوش تھا کہ اسے انسانوں کے چہرے دکھائی دے رہے تھے اور اس کی بصارت کسی نقصان سے محفوظ تھی۔

اس روز صبح کے اس وقت کے بعد جب اس نے وہ اجنبی چہرے دیکھے تھے نجانے کتنے دورانیہ کا وقفہ آیا تھا، جس میں ذہن اور آنکھوں پر حاوی غنودگی کو شکست دینے کے بعد اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھولی تھیں۔ اس کے دائیں طرف موجود اس پر جھکے دو چہرے اس کے یوں دیکھنے پر مسکرائے تھے، جواب میں اس کے ہونٹ بھی پھیلے تھے یا نہیں، اسے پتا نہیں چلا تھا اگرچہ اس نے جواباً "مسکرانے" کی کوشش کی تھی پھر اس نے اپنی گردن کو بائیں طرف موڑنے کی کوشش کی تھی اپنی نظروں کو موڑ کر زاویہ بنانے کی کوشش کی تھی اور اس کے ذہن نے ایک زوردار جھٹکا کھایا تھا۔ اس کے بائیں طرف موجود دو چہروں میں سے ایک چہرہ نامانوس اور اجنبی ہرگز نہیں تھا۔ اس کی نظریں اس چہرے پر گڑی رہ گئیں، پہلے ان میں حیرت اتری اور پھر اسے ایک ٹک دیکھتے ہوئے شاید کئی سوال اترے۔ اس کے بعد ایک بار پھر اس کی آنکھیں بوجھل ہوتے ہوئے دھیرے دھیرے بند ہو گئی تھیں۔

"اس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے پہچان لیا۔" بائیں طرف کھڑی اس لڑکی نے جس کے چہرے کو وہ ایک ٹک دیکھتا رہا تھا، مسرت سے کھنکتی آواز میں کسی سے کہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے اس کے حواس کام کر رہے ہیں۔" ایک دوسری آواز نے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں تو تمہیں سراج سرفراز کی شکل سے بھی چڑ تھی، کہاں اس کے بچے کی ماں بننے کی خوش خبری پر ہواؤں میں اڑی پھر رہی ہو۔"

"اس کے بچے کی ماں بننے کا اضافہ نہ کرو تو بہتر ہے، مجھے ماں بننے کی خبر سن کر خوشی ہو رہی ہے، جس وقت سے خبر آئی ہے اپنا آپ شہزادیوں جیسا لگ رہا ہے۔"

"سراج سرفراز کا اضافہ کیے بغیر خبر ادھوری ہے ناشہزادی صاحبہ اس کا اضافہ کیسے نہ کروں۔"

"اونہوں۔ دو گھڑی پوری طرح خوش تو ہو لینے دو۔"

"ضرور خوش ہو لو، میں نے لال کھوٹی سے برفی منگوائی ہے اسپیشل خان محمد کے ابا سے کہہ کر، جی بھر کر میٹھا کھاتے ہوئے خوشی منانا۔"

"ہائے میرے منہ میں تو ابھی سے پانی بھر آیا۔"

"اچھا یہ بتاؤ لڑکی کی خواہش ہے کہ لڑکے کی؟"

"دونوں میں سے کوئی بھی ہو جائے، مجھے تو بس ماں بننے کی خبر کی خوشی ہے عمر گزر گئی دوسروں کی مبارک بادیاں گاتے ہوئے، اللہ اللہ کر کے خود پر یہ وقت آیا ہے کہ میں بچہ جنوں اور کوئی اور مبارک بادیاں گائے۔"

"اچھا اللہ خیر کا وقت لائے، نہ ہوتا سراج سرفراز تو کیسے آتا یہ وقت، یہ بتاؤ۔"

"اے وہی سراج سرفراز پھر سے بیچ میں، آج بتا ہی دو کہ تمہیں مجھے تنگ کرنے میں کیا مزا ملتا ہے۔"

"تمہیں تنگ نہیں کرتی، یاد دلاتی ہوں کہ سراج سرفراز سے اب تمہاری زندگی جڑی ہے، اس کی وفاداری اور تابع داری ہی میں تمہاری دنیا اور آخرت کا سامان ہے۔ شوہر کی عزت نہ کرنے والی عورتوں سے جہنم بھری ہوگی قیامت والے دن۔"

"توبہ ہے تم نے تو ہولا ہی دیا مجھے۔"

"میں ہولاؤں گی تو تمہاری سمجھ میں آئے گا نا!"

"اچھا۔ ٹھیک ہے، ویسے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے مالک مکان نے کیوں خاموشی اختیار کر رکھی ہے، نہ کرائے کا مطالبہ کرتا ہے، نہ ہی ملنے پر بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔ کہیں یہ مکان ہی تو ہمارے نام نہیں لگا رہا پکا۔"

"اتنا وہ فیاض! اسے کرایہ مل جاتا ہو گا تام پہ۔ اسی لیے نہیں بولتا۔"

"فرشتے دے جاتے ہیں کیا کرایہ، ہمارے پاس تو ہانڈی روٹی چلانے کے پیسے نہیں ہوتے۔ ارے یاد آیا تم نے کل کچنار کیا بھاؤ منگوائی تھی۔ نئی سبزی تو بہت مہنگی ہوتی ہے۔ تم نے کیسے منگوالی؟"

"میرا دل چاہ رہا تھا کچنار کھانے کو، اس لیے منگوالی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر کچنار منگوانے کو پیسے کدھر سے آئے تھے؟"

"اللہ نے بھیجے تھے۔ میں نے خرچ کر لیے۔"

"کمال ہے، اللہ ہم پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو گیا آج کل، کمائی کے نام پر چند دھیلے اور کرایہ بھی پہنچ جاتا ہے، گھر کی ہانڈی بھی کراری ہونے لگی۔"

"تم بس شکر ادا کیا کرو اپنے رب کا۔"

"ارے ہاں وہ تو ادا کرتی ہی رہتی ہوں۔ یہ بتاؤ آج کیا چڑھانا ہے؟"
"بگھارے بینگن پکاؤ' خوب کھٹا ڈال کر۔"
"ارے واہ زبان ابھی سے مزا لینے لگی' مگر ایک بات تو بتاؤ وہ جے جی سے تو میں ہوئی ہوں۔ عنوان تمہارے لگ رہے ہیں' نت نئے کھانے کھانے کو دل چاہنے لگا ہے' کھٹائی کھانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے پیر میرا نہیں تمہارا بھاری ہوا ہے۔"
"مذاق مت کرو' مجھ بے چاری کا پیر کیسے بھاری ہوگا' اب تم تو جانتی ہو۔"
"ارے ہاں ہاں جانتی ہوں' اچھا اب چلتی ہوں سبزی منگوانے۔"
"ہاں جاؤ۔"
"ہائے میرے ربا' ہم لٹ گئے۔"
"کیا ہوا؟"
"گلی سے لڑکا بھاگتا آیا ہے' کہتا ہے سراج سرفراز کو کسی نے چھرا مار دیا' خون میں لت پت پڑا تھا۔ محلے والے اٹھا کر اسپتال لے گئے ہیں۔"
"ہائے یہ کیا ہو گیا' ارے کسی سے پتا تو کرواؤ ہوا کیا۔"
رونے دھونے کی آوازیں۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے فون پر ایم ایم ایس ایکٹیویٹ ہے یا نہیں۔" ماہ نور نے اس سے پوچھا تھا۔
"ہاں ایکٹیویٹ ہے' میرا فون تصویریں وصول کر لیتا ہے۔"
"میں' تمہیں ایک تصویر بھیج رہی ہوں مل جائے تو بتانا۔"
"ہاں ضرور۔"
چند لمحوں بعد ماہ نور کی بھجوائی تصویر محمد رضوان الحق کی نظروں کے سامنے تھی۔
"یہ سارہ خان کی تصویر ہے' سارہ خان جسے پریا رانی بھی کہا جاتا تھا' بلیو ہیون سرکس کی شہزادی پریا رانی۔"
ماہ نور نے تصویر کے ساتھ بھیجے پیغام میں لکھا تھا۔
محمد رضوان الحق ایک ٹک اس لڑکی کی تصویر کو دیکھ رہا تھا' جسے اس نے بلیو ہیون سرکس کے کرتا دھرتاؤں کی برین واشنگ کی دھول میں ایک بار کھو دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کے قریب ہی کہیں سے ٹک ٹک اور گھرر گھرر کی ہلکی آوازیں آتی تھیں' کبھی یہ آوازیں ٹوں ٹوں کی آواز میں بدل جاتی تھیں۔ اس نے آوازوں کے سگنلز کو وصول کیا۔
"یہ کسی قسم کی مشینوں سے آنے والی آوازیں ہیں' یوں جیسے اسپتال میں مریضوں کے جسم کے مختلف اعضاء کی حالت جانچنے والی مشینوں کی آوازیں ہوں۔" اس کے دماغ نے ان آوازوں کو ایک درست اندازے میں تبدیل کیا تھا۔ زندگی کی طرف لوٹنے میں اس کی رفتار خاصی تیز اور حوصلہ افزا تھی۔

☼ ☼ ☼

"کھاری! تم کیوں ایسے چپ چاپ ہو گئے ہو میرے بچے' سعدیہ بتا رہی تھی' تمہارا کھانا پینا بھی بہت کم ہو گیا

ہے' کیا بات ہے میرے بچے؟" آپا رابعہ نے اس روز پیغام بھیج کر کھاری کو گھر بلوایا تھا اور اس کی کمزور پڑتی صحت دیکھ کر خود بھی حیران رہ گئی تھیں۔
"کچ نئیں بھین جی' مینوں کی ہونا ہے۔" وہ سر جھکائے بیٹھا تھا' وہ ان سے نظریں ملانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا اس کی نظروں میں بھین جی کے لیے جو شکوے اور گلے تھے وہ نظریں ملانے پر بھین جی پر آشکار ہو جائیں گے جبکہ حد ادب کا تقاضا تھا کہ ایسا نہ ہو پائے۔
"لگتا ہے' تم نے مہمان بی بی اور چوہدری صاحب کی بات دل سے لگالی ہے۔"
"نہیں بھین جی' میں شیدائی بنداہاں' میں دل نال کس راں لگانی ہے وہ بات' شیدائیاں دے وی کدی دل ہوندے نیں۔" اس نے ہنوز سر جھکائے کہا' اس کی نظریں اپنی گھسی ہوئی بے پالش پشاوری چپل کی نوک پر جمی تھیں۔
"ادھر دیکھو کھاری! میری طرف دیکھو۔" اب کے آپا رابعہ نے قدرے رعب دار آواز میں کہا۔
"کیا تم مجھ سے بھی ناراض ہو' ناراض ہونا؟"
کھاری نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔
"دیکھو کھاری!" آپا رابعہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "اگر تم اس بات پر ناراض ہو کہ میں نے بھی تمہاری بات کا یقین نہیں کیا تو تم کو شاید اندازہ نہیں میرے پاس تمہاری بات کے یقین نہ کرنے کی وجوہات بھی ہیں۔"
"بھین جی! میں کی آکھیا اے' میں نے کج وی نئیں آکھیا۔" کھاری نے ابھی بھی نظریں اوپر نہیں اٹھائی تھیں۔
"دیکھو کھاری! مجھ سے زیادہ کون سمجھ اور جان سکتا ہے کہ سعد سلطان' اکیلا بچہ ہے اپنے والدین کا' اس کا کوئی اور بھائی تھا ہی نہیں۔ اس کی ماں کے ہاں' اس کے بعد کسی اور بچے کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' سعد کا باپ اس کی ماں کو چھوڑ کر کب کا بھاگ چکا تھا۔"
"بھین جی!" اب کے کھاری نے پہلی بار سر اٹھایا تھا۔ گلاں کرن لگیں تو گلاں (باتیں) تو مجھے بھی وڈی آتی ہیں۔" اس کے انداز میں طنز کی کاٹ تھی۔
"ہاں تم بتاؤ۔ کیا بات ہے؟" آپا رابعہ نے تحمل سے کہا۔
"ابھی تو یہ بات کنفرم ہی نہیں ہوئی کہ وہی سعد ہے جو آپ سمجھی تھیں' کیا ماہ نور باجی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ کنفرم ہو گیا یہ وہی سعد ہے۔"
آپا رابعہ کھاری کی دلیل کے صدقے جانے کو بے چین ہوئیں' مگر پھر خود پر قابو پاتے ہوئے اسی تحمل سے بولیں۔
"نظر اور عقل دونوں ہی اکٹھے دھوکا نہیں کھا سکتیں کھاری! اور نظر اور عقل سے اوپر میرا وجدان ہے' جو کہتا ہے یہ وہی سعد ہے' مجھے کسی کنفرمیشن کی ضرورت ہے ہی نہیں۔"
کھاری نے آپا رابعہ کے پُریقین انداز کی طرف دیکھا اور اس کا دل پسلیوں میں کہیں مزید دب گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں درد محسوس کر رہا ہوں' کہاں یہ مجھے پتا نہیں۔"
اس کے منہ سے ادا ہوئے الفاظ اس کے قریب کھڑے لوگوں نے سنے بھی تھے اس کے منہ سے ادا ہونے والا

ایک ایک لفظ واضح تھا اور الگ الگ بھی' ان لوگوں نے اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کو سنا تھا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے تھے گو ان میں سے کوئی ایک بھی ان الفاظ کا مفہوم نہیں سمجھ پایا تھا کیونکہ ان کے پاکستانی مریض نے یہ الفاظ اپنی زبان میں کہے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پائے تھے مگر ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس کی قوت گویائی بھی برقرار تھی۔

"تم یہاں کیسے آگئیں؟" چوبیس گھنٹوں کے وقفے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا تھا' اور اس بار اس نے یہ الفاظ اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی سے کہے تھے جسے ایک بار پہلے دیکھ کر اس کی نظروں میں شناسائی جھلکی تھی۔

"کیسے کیا مطلب؟" وہ لڑکی خود کو مخاطب کیے جانے کی مسرت سے سرشار اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی تھی۔

"یہاں مجھے ہی تو ہونا چاہیے تھا' تمہارے پاس' تمہارے بہت قریب۔"

وہ شاید اس کی بات سن کر مسکرایا تھا اور اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

"او شکر خدایا' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا' معجزے رونما ہوتے ہیں' وہ یونہی رونما ہوتے ہیں۔" اس کی سماعت نے سنا تھا وہ لڑکی نجانے کس سے مخاطب یہ الفاظ کہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کے فون پر سردار چاچا کی کال آئی تھی۔ اس نے بے تابی سے کال وصول کرتے ہوئے فون کان سے لگایا تھا۔

"السلام علیکم چاچا! کیا حال ہے' کدھر تھے آپ اتنے عرصے سے' میں آپ کو کال کر کے تھک چکی' میسج بھی کتنے سارے کیے' کوئی جواب ہی نہیں۔" اس نے تیزی سے کہا تھا۔

"آرام سے' آرام سے پتر جی۔" جواب میں سردار چاچا کی مخصوص کھنکتی ہوئی آواز سننے کو ملی۔ "تمہیں پتا تو ہے میں ملک میں نہیں ہوں' نمبر رومنگ پر نہیں تھا' اسی لیے تمہاری کالز مجھے نہیں ملیں' اب رومنگ پر نمبر کروایا ہے تو تمہارے اتنے سارے میسج مل ہی گئے' جب ہی فون کیا' خیر تو ہے۔"

"نہیں چاچا خیر کدھر ہے؟" اس نے آہستہ آواز میں کہا۔ "چاچا! یہ تو بتائیں کہ آپ نے سعد کو کھاری کے بارے میں کیا بتایا تھا جو وہ ایک دم ہی گاؤں سے کہیں چلا گیا تھا۔" اس کا سانس تیز ہو رہا تھا۔

"ہیلو۔ کیا کہہ رہی ہو؟ ایک تو آواز بھی ٹھیک سے نہیں آرہی۔"

"ہیلو سردار چاچا میں پوچھ رہی تھی کہ سعد کو کھاری۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"ٹوں ٹوں۔" دوسری طرف سے فون بند ہو گیا اور اس کا سوال ادھورا ہی رہ گیا تھا۔

"مائی گاڈ۔" اس نے جھنجلا کر کہا اور خود سے سردار چاچا کا نمبر ملانے لگی۔ اب اسے دوسری طرف فون بند ہونے کی اطلاع موصول ہو رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" اس نے جھنجلاہٹ کے مارے فون بند کر دیا۔

"کوئی کلیو نہیں مل رہا' کوئی راستہ نہیں سوجھ رہا' سب سوالوں کے جواب میں خاموشی' سب زبانیں خاموش' چہرے گم ہو چکے ہیں!" اسے اپنی بے بسی پر رونا آنے لگا تھا۔

اس نے اپنی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو جھٹکا اور یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ "بلال سلطان" کو کیسا چیلنج دے کر آئی تھی۔ بلال سلطان کی یاد آتے ہی اسے سعد کا آئی فون اور اس میں محفوظ فائلز یاد آگئیں۔ جنہیں اس نے ایک بار دیکھا اور پڑھا تھا اور اس کے بعد وہ ایک طوفانی محبت کا احساس ملنے پر جذباتی بھی ہو چکی تھی اور جنونی

بھی' ان فائلز کو اس نے دوبارہ اس لیے نہیں کھولا تھا کہ وہ جانتی تھی دوبارہ ان پر نظر پڑنے سے اس کا ارادہ' اس کا چیلنج بھرا انداز اور اس کی کوشش ٹوٹ کر ریزہ ریزہ بھی ہو سکتی تھی۔ مگر وہ وقت کا کوئی ایسا لمحہ تھا جس میں اسے لگا کہ اسے بغیر کسی احساس و جذبے کے ایک بے تاثر دل کے ساتھ اس فائل کو دوبارہ پڑھنا چاہیے جس میں سعد کے اعترافات موجود تھے۔ اس نے اٹھ کر اپنے وارڈروب کی دراز سے وہ آئی فون نکالا اور سعد کی یادداشتوں کی فائل ڈھونڈ کر کھولی۔

"میں تمہیں تمہارے چاچا چوہدری سردار سے سنی وہ بات نہیں بتاؤں گا ماہ نور! جس کو سننے کے بعد مجھے کھاری کے غیر اہم وجود کی اہمیت کا علم ہوا۔"

فائل کے مندرجات پڑھتے پڑھتے ایک بار پھر وہ ان الفاظ کو پڑھ کر بری طرح چونکی تھی۔

"کھاری کے غیر اہم وجود کی اہمیت کا علم۔" اس نے ایک بار پھر غور کرنے کی کوشش کی۔

"سردار چاچا نے آخر اسے کھاری کے بارے میں کیا بتایا ہو گا؟"

"مہ نور باجی! مینوں آپ دی تہاڈے نال ایک ضروری کم اے (ماہ نور باجی مجھے بھی آپ سے ایک ضروری کام ہے)۔" اسے یاد آیا وہ کیسے منت بھرے انداز میں اس سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس نے سنی ان سنی کر دی تھی۔

"او کھاری!" اس نے اپنا فون اٹھا کر اس پر کھاری کا نمبر ملایا۔ چند سیکنڈز کے وقفے کے بعد اس پر بھی آپریٹر کی مخصوص آواز ابھری۔

"ہم معذرت خواہ ہیں آپ کا ملایا ہوا نمبر اس وقت بند ہے۔"

"یا اللہ۔ یہ کیا تماشا ہے؟" اس نے فون بند کر کے ایک بار پھر پھینک دیا۔ "جدھر منہ کرتی ہوں وہیں رابطہ بند ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔" وہ کڑھنے لگی تھی' کچھ دیر۔ یونہی کڑھتے رہنے کے بعد اس نے سعد کے آئی فون کی طرف توجہ کر لی۔

"نور فاطمہ کی جھونپڑی ایک تنبیہہ کی علامت تھی یا کسی نئے سبق اور تجربے کی' میں اس معاملے پر غور کرنا اور سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا' لیکن تمہارے لیے میرے دل میں یہ خواہش ضرور ہے کہ کوٹلی فقیر چند کے سونگ کے ساتھ تاحد نظر' نظر آنے والے سرسبز کھیتوں کے درمیان بنی اس کچی کوٹھری میں ضرور جاؤ۔"

پڑھتے پڑھتے ماہ نور سانس لینے کو رکی۔

"وہ کیوں چاہتا تھا کہ میں وہاں جاؤں' وہ کیوں چاہتا تھا کہ میں سکون اور طمانیت کے اس احساس کو محسوس کروں۔" اس نے ایک بار پھر سوچنا چاہا' "کون ہے نور فاطمہ' اور اس کی جھونپڑی میں ایسا کون سا خزانہ دبا ہے جس نے اس کو اتنا اہم بنا رکھا ہے۔"

"میں تمہیں فضل حسین اور میمونہ آنٹی سے ملاقات میں ملنے والی معلومات اور فلز اظہور کے سینے میں انی کی طرح گڑے دکھ کا احوال بھی نہیں سناؤں گا۔"

اگلی لائنیں اور بھی الجھا دینے والی تھیں۔ ماہ نور نے ان پر بھی غور کرنے کی کوشش کی۔ اس کا ذہن بند تھا' مگر پھر سوچنے کی مسلسل کوشش کے دوران یکایک جیسے اس کے ذہن میں روشنی کا جھماکا سا ہوا' اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے یہ الجھا دینے والے جملے محض جملے نہیں وہ کلیوز تھے' جن کو حل کرتے کرتے۔ وہ کسی منزل پر پہنچ جائے گی۔ اسے لگا سعد نے جیسے دانستہ یہ جملے اس کے لیے لکھے تھے جو اگر کبھی وہ پڑھ لے تو اس گورکھ دھندے کو حل کرنے کے لیے کہ وہ کیوں یہاں سے بھاگ نکلا' اس کے مددگار ثابت ہوں۔

آئی فون میں محفوظ وہ فائل اس کے لیے ایک نیا عزم ثابت ہونے لگی تھی۔

"کھاری، سردار چچا، نور فاطمہ، فضل حسین اور میمونہ، فلزا ظہور۔" وہ اپنے طور پر جگسا پزل کے ایسے ٹکڑے جوڑنے میں مصروف ہوئی جن کا بظاہر آپس میں کوئی تعلق بنتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔
"جگسا پزل سے جتنی مجھے چڑ تھی' اتنا ہی تم مجھے اسے حل کرنے پر لگا گئے ہو۔" کچھ دیر بعد اس نے اپنے دل میں بسی اس شبیہہ کو مخاطب کرتے ہوئے سوچا۔

"کتنے برے ہو نا تم۔" اس نے دل میں موجود شبیہہ سے کہا۔ "میرے سب اپنے مجھ سے چھڑا لیے اور خود بھی میرے نہیں بنے اب تک۔" اس کا شکوہ بجا تھا' مگر سننے والا وہاں موجود نہیں تھا۔
"بس تو پھر طے ہے کھاری سے بات ہو جاتی ہے تو بہت ٹھیک ہے' اگر بات نہ ہوئی تو پھر دوسرے نمبر پر فلزا ظہور سے ملنا ہے۔ اگرچہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کہاں سے بیچ میں ٹپک پڑیں' آتی تو وہ کھڑوس ہیں' ان سے ملنا آسان کام تھوڑی ہے۔ مگر یہ فضل حسین اور میمونہ آنٹی کون ہیں۔" ان دو ناموں پر آکر وہ ایک بار پھر اٹکی۔
"خیر دیکھتے ہیں۔" کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے سر جھٹکا اور فون اٹھا کر ایک بار پھر کھاری کو کال کرنے لگی۔ اس کا مطلوبہ نمبر ہنوز بند تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم جانتے ہو' تم زندہ ہو اور میرے سامنے موجود ہو۔" وہ لڑکی اس سے مخاطب تھی جس کا چہرہ اتنے سارے اجنبی چہروں میں جانا پہچانا تھا۔
"تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کتنے بڑے حادثے سے گزر کر زندہ بچے ہو' تم میرے لیے کسی معجزے کی عملی تفسیر ہو اور مجھے تم سے شدید محبت ہے' مجھے تم سے اس لیے بھی محبت ہے کہ اس اجنبی ملک میں تم نے اپنے پتے کے لیے میرا نام منتخب کیا' میں تم سے اس لیے بھی محبت کرتی ہوں کہ تم جب ہوش خرد کی دنیا سے بے گانہ تھے' تو میں تھی' صرف میں ہی تھی جو تمہارے لیے دعا کر رہی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا زندہ بچ جانا میری دعاؤں ہی کے مثبت جواب کا معجزہ ہے' جبکہ میں تو یہ عہد کر چکی تھی' میری دعاؤں کا جواب جو بھی آئے۔ میں شکوہ کروں گی نہ ہی آہ وزاری۔"
وہ ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے اس کی ایک ایک بات سمجھ میں آرہی تھی اور شاید اس کی باتیں سنتے ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی۔
"ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اب تم کروٹ بدل کر پہلو کے بل بھی لیٹ سکتے ہو اور اپنے منہ سے کھا پی سکتے ہو۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اگر ایسا ہے تو بھلا کھانے کے سے انداز میں اپنے جبڑے ہلا کر دکھاؤ' دکھاؤ تو سہی۔" اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔
جواب میں اس نے ذرا سا مسکرا کر اپنے منہ اور جبڑوں کو حرکت دینے کی کوشش کی تھی۔ "آہ" اس کے منہ سے اس کوشش کے نتیجے میں بے اختیار آہ کی آواز نکلی تھی۔ مسلسل حرکت نہ کرنے کے سبب اس کے اعضا سخت پڑنے لگے تھے اور اب انہیں جنبش میں لانے کی کوشش اسے تکلیف دیتی تھی۔
"درد ہو رہا ہے؟" اس کی آہ سن کر وہ بے چینی سے اس پر جھکی تھی۔ "درد ہوتا ہے تو مت کرو کوشش۔ رہنے دو' ڈاکٹر خود ہی اس کا کچھ حل نکال لیں گے۔" وہ نرم ہاتھوں سے اس کے رخساروں کی ہڈیاں اور جبڑے کی بیرونی جلد سہلانے لگی تھی' اس کے ہاتھوں کی نرمی محسوس کر کے اسے ایک عجیب سی راحت محسوس ہونے لگی تھی۔
"تمہارا شیو بڑھ گیا ہے۔" اس نے اس کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم شیو کروانا چاہو گے' کہو

تو میں اسپتال کی حجام خدمات کو بلا لوں۔"
اس نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا تھا۔
"تمہاری آنکھوں کی سوجن اور نمی کم ہو رہی ہے۔" اس کے جواب پر خوش ہوتے ہوئے اس نے اس کی آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے سہلاتے ہوئے کہا تھا۔ "ویسے تم ہو بہت عجیب' تمہارے بارے میں کوئی بھی قیافہ لگانا مشکل کام ہے' اب بتاؤ بھلا اگر تمہیں ڈائیونگ کی الف ب بھی نہیں آتی تو تم سے کس نے کہا تھا' ویر ڈیل چل دو' چھٹیاں گزارنے کو لندن میں کیا کم تفریح موجود تھی۔"
"نادیہ!" اس کی سب باتوں کو غور سے سنتے رہنے کے بعد وہ پہلی بار بولا تھا۔ اس کا چہرہ سہلاتی وہ اپنا نام پکارے جانے پر' بری طرح چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔
"مجھے بھی تم سے شدید محبت ہے۔" اس نے کمزور آواز میں رک رک کر الفاظ ادا کیے تھے۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا تھا۔
"اور مجھے بھوک محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے کچھ کھانا ہے' مگر کوئی محلول نہیں مجھے کوئی ٹھوس چیز کھانی ہے۔ اگر تم اپنے ہاتھ سے کھلاؤ تو۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔
"ہاں!" ساکت کھڑے اسے دیکھتے دیکھتے وہ چونک کر بولی تھی۔ "ہاں ہاں ضرور۔" وہ خوشی سے پاگل ہوتی ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔ وہ کیا چیز تھی جو وہ اپنے ہاتھوں سے اسے کھلانے والی تھی۔ وہ اپنی مدد کے لیے ڈاکٹر کی طرف بھاگی تھی۔
اور کچھ ہی دیر بعد اپنے بھائی کے سینے پر نیپکن پھیلائے وہ اپنے ہاتھوں سے نیم ٹھوس' نیم سیال دلیہ کھلا رہی تھی۔ اور رک رک کر چمچ چمچ دلیہ کھاتا ہوا اس کی طرف دیکھتے وہ سوچ رہا تھا۔ اس سے پہلے کی آخری ملاقات میں اس نے کہا تھا۔
"ہو سکتا ہے آنے والے وقت میں تم میرا خیال رکھ رہی ہو اور میں تمہاری مدد کا محتاج ہو جاؤں۔"

☼ ☼ ☼

"فلزا ظہور' ایک گمنام مصورہ اور مجسمہ ساز ہیں' چارکول اور وصلی پر گوچے اور پنسل کلران کا خصوصی میڈیم ہے' منی ایچر کی بھی ماہر ہیں اور ایک مقامی آرٹ اکیڈمی میں منی ایچر سکھاتی ہیں۔ آج کل بنی گالہ میں رہائش پذیر ہیں' نہایت ہی کم آمیز اور گوشہ نشین شخصیت ہیں۔ ان سے ان دنوں ملاقات ناممکن ہے کیونکہ اکیڈمی سے چھٹی پر ہیں اور ان کا گھر بند ہے' وہ اس وقت کہاں موجود ہیں' کسی کو معلوم نہیں' ہاں ان کا فون نمبر مندرجہ ذیل ہے۔"
بلال سلطان نے اپنے فون کی اسکرین پر خود کو موصول ہوا یہ طویل پیغام پڑھا اور گہرا سانس لیتے ہوئے بھیجا گیا نمبر محفوظ کر لیا۔
"فلزا ظہور!" اس نام کو دل میں دہراتے ہوئے انہیں بہت سے پرانے منظر یاد آرہے تھے۔
"ہیلو! ہاں یہ نمبر تمہیں دے رہا ہوں' اس کو ٹریس کرواؤ' نمبر کا مالک یا مالکہ اس وقت کہاں موجود ہے' مجھے پتا کروا کر فوراً اطلاع کرو۔" اگلے لمحے وہ خود کو فون پر کسی سے کہتے سن رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

اس کے حافظے میں محفوظ رہ جانا بھی حیران کن بات تھی۔ بنی گالہ کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے اسے بہت سی

پرانی باتیں بھی یاد آرہی تھیں اور بہت سی نئی سوچیں بھی ذہن کو الجھائے دے رہی تھیں۔

فلزا کا گھر ایڈریس معلوم ہوتے ہوئے بھی اسے بہت آسانی سے نہیں ملا تھا۔ اور جب بالآخر گھر مل گیا تو اس کے لیے مایوسی کی انتہا بنا وہ گھر اپنے گیٹ پر قفل ڈالے خاموش کھڑا تھا۔ قفل نظر آرہا تھا مگر وہ بار بار کال بیل پر ہاتھ رکھتی اور گیٹ کو جھنجوڑ کر اس پر دستک دینے کے بے معنی عمل میں تقریباً" پندرہ منٹ مصروف رہی تھی۔

"ہیلو!" پھر اس نے ایک نوعمر لڑکے کو دیکھا جو سائیکل کے پیڈل چلاتا اس کے قریب سے گزر رہا تھا اور اس کے ہیلو کہنے پر رک کر اس دیکھنے لگا تھا۔

"یہیں کہیں رہتے ہو کیا؟" اس نے اس لڑکے سے سوال کیا تھا "نہیں!" اس نے سائیکل سے اتر کر اپنی پی کیپ اتارتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ!" ماہ نور مزید مایوس ہوئی۔

"یہاں پر رہتا نہیں مگر پچھلے ڈیڑھ مہینے سے ساتھ والی کوٹھی میں رنگ و روغن کا کام کر رہا ہوں، رات کو بھی ادھر ہی پڑا رہتا ہوں ہم لوگ ٹھیکے پر کام کر رہے ہیں۔" لڑکے نے بتایا۔

"اچھا!" ماہ نور کو کچھ امید بندھی۔ "تو پھر اس گھر میں جو خاتون رہتی ہیں ان کو دیکھا ہے کبھی۔"

"یہ گھر۔" لڑکے نے گھر کے گیٹ پر نظر ڈالی۔ "یہ گھر تو جب سے ہم لوگ ادھر آئے ہیں بند ہی پڑا ہے، کبھی ساتھ والی کوٹھی کی چھت سے اس میں جھانکیں تو ایسا لگتا ہے یہ کوئی بھوت بنگلہ ہے، گھاس بڑھی ہوئی ہے، ہر طرف سوکھے پتے، کاغذ، گرد بکھرے ہوئے ہیں، دیواروں پر گھنی بیلیں ادھر ادھر ہر طرف پھیل گئی ہیں، مجھے تو اس گھر کو دیکھ کر خوف آتا ہے۔ آپ نے خریدنا تو نہیں یہ گھر؟"

لڑکا باتونی تھا ماہ نور کی طرف سے کوئی جواب نہ آنے کے باوجود سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

"نہ خریدیے گا جی یہاں پکے بھوت رہتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، تھینک یو۔" ماہ نور نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

لڑکا دوبارہ سائیکل پر سوار ہو کر پیڈل چلاتا سیٹی پر کسی مشہور گانے کی دھن بجاتا وہاں سے چلا گیا۔ اور فضا میں پھر پہلے کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ ماہ نور نے ایک مرتبہ پھر گھوم کر فلزا ظہور کے گھر کے قفل لگے گیٹ کی طرف دیکھا اور فضا میں چھائے سکوت کو محسوس کرنے لگی، جس کو کبھی کبھار درختوں پر بیٹھے پرندوں کی آوازیں توڑتی تھیں اور پھر وہی سکوت چھا جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اچھا اب بتا ہی دو کہ وہیل ڈیل میں سکی انگ کا آئیڈیا کیسے سوجھا تمہیں؟" نادیہ نے چھوٹے ٹکڑوں میں کٹے سیب کا ایک ٹکڑا کانٹے میں پھنسا کر اسے کھلاتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کبھی کم ہی کوئی کام سوچ سمجھ کر کیا ہے۔" وہ اس ٹکڑے کو بچوں کی طرح اگلے دانتوں سے چباتے ہوئے نیچی آواز میں بولا اس کی آواز میں ابھی نقاہت تھی اور وہ زیادہ دیر بولتے رہنے سے قاصر تھا۔

"پہلے کبھی سکی انگ کی تھی تم نے بھلا؟" نادیہ نے پلیٹ میں رکھے ٹکڑوں کو کانٹے سے بکھیرتے اور پھر سمیٹتے ہوئے پوچھا سعد کو کوئی چیز کھلانے میں کتنا ہی وقت لگ جاتا تھا، وہ نیم ٹھوس چیز کو بھی نگلنے میں وقت لگاتا تھا۔ جبکہ یہ تو بہت چھوٹا ہی سہی تازہ سیب کا ٹکڑا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے اگلا ٹکڑا کھلانے میں وقت لگے گا۔

"بتاؤ تو پہلے کبھی سکی انگ کی تھی تم نے؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔ وہ کچھ دیر منہ میں رکھے سیب کے ٹکڑے کو چباتا رہا اور پھر بدقت اسے نگل کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے اس کے بارے میں بہت پڑھا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا میں یہ کر سکتا ہوں۔"

"پاگل ہو تم!" نادیہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اس کو صرف پڑھ کر تو نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو سیکھنا پڑتا ہے، پریکٹس کرنی پڑتی ہے۔"

"تم نہیں جانتیں، پہلے میں جو کام ایک آدھ دن کی پریکٹس کے بعد کرتا تھا وہ ہو جاتا تھا۔" سعد نے سر جھکا کر کہا اور یہ بات مکمل کرنے میں اسے تین منٹ لگے تھے۔

"پہلے میں بلاسد تھا شاید اس لیے۔" پھر اس نے سر اٹھا کر کہا۔ نادیہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسپتال کے مریضوں والے نیلے لباس میں ملبوس، سفید بیڈ شیٹ پر سفید ہی نرم تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھا اس کا وہ بھائی شاید دنیا کا خوبصورت ترین لڑکا تھا، کم از کم اسے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔

"اچھا ہوا تم نے شیو کروا لیا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اور بال بھی ترشوا لیے۔ میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ اگر کبھی کسی فیشن سے متاثر ہو کر تم بال بڑھانا چاہو تو تم ذرا بھی اچھے نہ لگو گے۔" اس کی بات کے جواب میں وہ مسکرا دیا۔

"یوں تم بہت اچھے لگ رہے ہو Lean tanned اور Slim وہ مسکرائی۔ "میں سچ بتاؤں مجھے ان تینوں لفظوں کے بارے میں معلوم نہیں۔ انہیں اردو میں کیا کہتے ہیں۔ میں اردو کے صرف سیدھے سیدھے لفظ بول سکتی ہوں۔ اتنے ہی جتنے میمونہ آنٹی نے مجھے سکھائے اور جنہیں میں نے اتنے برسوں میں اجنبی ملکوں کی اجنبی زبانوں کے لفظوں میں کھونے نہیں دیا۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ اس نے دیکھا۔ سعد پوری دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

"تم نے مجھے حیران کر دیا۔" پھر وہ رک رک کر بولتے ہوئے کہنے لگا۔ "شاید تم میری زندگی کی سب سے بڑی حیرت بن کر میرے سامنے آئی ہو۔ اس نے کہا۔ "تمہارا یہ اسکارف میری بصارت کی حیرت ہے اور جس روانی سے تم قرآنی آیات کا ورد کرتی ہو وہ میری سماعت کی حیرت ہے۔"

نادیہ نے مسکراتے ہوئے اس کی بات سنی اور آنکھیں میچ کر کھولتے ہوئے بولی۔ "یہ سیب تم کو ختم کرنا ہے ڈاکٹر پال کا خیال ہے، تم کاہلی کا شکار ہو رہے ہو۔ تم اپنے جبڑوں کو حرکت دینا ہی نہیں چاہتے۔ جب ہی نیم سیال، نیم ٹھوس چیزیں کھانے کو ترجیح دیتے ہو بس اب باتیں مت بناؤ اور کھانے کی طرف توجہ دو۔"

"کیا اس اسپتال والے مجھے یہاں سے کبھی فارغ بھی کریں گے؟" اس نے نادیہ کی بات پر غور نہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں تمہیں شک ہے کیا؟" نادیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"شاید!" وہ تھوڑا سا نیچے کھسک کر نیم دراز ہو گیا۔ "نادیہ! مجھے بتاؤ۔ میری حالت کیسی ہے؟ کیا میری کوئی چوٹ ایسی ہے جو مجھے چلنے پھرنے سے یا کسی اور کام سے معذور کر دے۔"

"یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟" نادیہ پہلے سے بھی زیادہ چونکی۔ "کیا ڈاکٹر نے تمہیں کچھ کہا ہے۔"

"نہیں۔" وہ تکیے پر سر رکھے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دراصل وہی تو ہیں جو مجھے کچھ بتاتے نہیں ہیں نہ ڈاکٹروں کا پراسرار رویہ ہی تو میرے دل میں وہم ڈال رہا ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے سعد!" نادیہ نے پلیٹ میز پر رکھ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ "چوٹ صرف تمہارے سر پر آئی تھی۔ سر کی چوٹ کے بارے میں ہی خطرہ تھا کہ وہ تمہارے پورے جسم یا جسم کے کچھ حصوں کو مفلوج کر سکتی تھی۔ لیکن اب ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کیا تمہیں اپنی حسیات اپنے قابو میں محسوس نہیں ہوتیں۔"

"ہوتی ہیں۔" وہ بدستور چھت پر نظریں جمائے بولا۔ "لیکن ابھی میں اٹھ کر بیٹھا نہیں، میں خود اٹھ سکتا

ہوں چل سکتا ہوں؟ اپنے کام کر سکتا ہوں یا نہیں۔ یہ بتاؤ اور پلیز مجھے کسی اندھیرے میں رکھنے کی کوشش مت کرنا؟"

"میں ایسا نہیں کروں گی۔" نادیہ نے اس کے سر کے بال سہلائے۔ "تمہیں تھوڑی فزیو تھراپی کی ضرورت پڑ سکتی ہے بس۔ صرف ایک خطرہ سر کی چوٹ تھا اور تم اس سے نکل چکے ہو۔"

"میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میں آنے والے وقت کے لیے ذہنی طور پر تیار ہونا چاہتا ہوں۔" وہ ابھی بھی چھت پر نظریں ٹکائے بول رہا تھا۔ "مجھے معلوم ہے جسمانی معذوری انسان کے دل و دماغ پر کیا اثر کرتی ہے' وہ کیسی کیسی باتیں فرض کرنے لگتا ہے۔"

"میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آرہی۔" نادیہ نے واقعی کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ "تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ وہ سب تمہارے ساتھ ہو گا جو تم کہہ رہے ہو۔"

"بس یونہی۔" وہ نروٹھے پن کے ساتھ بولا اور پھر اس نے آنکھیں موند لیں۔

"تم ایسے نہیں سو سکتے' سیب ختم کرنا ہو گا۔" نادیہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"میں تھک گیا ہوں نادیہ! مجھے آنکھیں بند کرکے خاموشی سے لیٹنا ہے۔" سعد کا لہجہ اچانک اجنبی ہونے لگا۔

☼ ☼ ☼

"پلیز سردار چاچا! آپ میری بات سن لیں پہلے' دعا سلام بعد میں ہو جائے گی۔" عقلزا ظہور کے بند گھر سے مایوس ہو کر واپسی پر راستے میں ہی اس کے فون پر ایک بار پھر سردار چاچا کی کال آگئی تھی۔ اس نے تیزی سے فون آن کیا اور کان سے لگا کر چھوٹتے ہی بولی۔

"ہاں تو بیٹا جی! بولو میں سن رہا ہوں۔" سردار چاچا کی جان دار آواز سنائی دی۔

"چاچا! آپ نے اس روز سعد کو کھاری کے بارے میں کیا بتایا تھا' جس روز وہ اچانک فارم ہاؤس سے چلا گیا تھا۔" وہ تیزی سے بولی تھی۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ میں نے اسے کھاری کے بارے میں کچھ بتایا تھا؟" سردار چاچا جیسے چونک گئے تھے۔

"چاچا! میں اس وقت اسلام آباد میں ہوں اور سعد اسلام آباد ہی میں رہتا ہے۔" ماہ نور نے سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

"مگر تم وہاں سعد سے ملتی ہو اور اس نے تمہیں یہ بتایا ہے کہ میں نے اسے کھاری کے بارے میں کچھ بتایا تھا تو یہ بھی تو بتایا ہو گا کہ میں نے اسے کیا بتایا؟"

"اُفوہ چاچا پلیز!" وہ جھنجلائی۔ "اگر پتا ہوتا تو آپ سے کیوں پوچھتی۔"

"تم ایسا کرو' سعد سے ہی پوچھ لو' وہ بہتر بتا سکتا ہے کہ کھاری کے بارے میں کچھ معلوم ہونے پر وہاں اچانک فارم ہاؤس سے کیوں بھاگ نکلا۔" سردار چاچا نجانے کیوں کچھ بتانے سے ہچکچا رہے تھے۔

"چاچا! سعد اس شہر میں نہیں ہے' وہ فارم ہاؤس سے آنے کے فوراً" بعد ہی یہاں سے کسی کو کچھ بتائے بغیر کہیں چلا گیا تھا' اس کے تو باپ کو بھی خبر نہیں کہ وہ کہاں چلا گیا۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا!" چاچا کا ردِعمل فوری تھا۔ "اسے شاید ایسا ہی کرنا چاہیے تھا' شاید وہ پہلے ہی سے بہت کچھ جانتا تھا۔"

"چاچا پلیز! مجھے بھی بتا دیں کہ وہ کیا بات تھی' وہ میرے لیے ایک ادھورا پیغام چھوڑ گیا ہے کہ سردار چاچا نے اسے کھاری کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔ پلیز چاچا! اس سے پہلے کہ کال کٹ جائے آپ مجھے بتا دیں۔" وہ روہانسی

ہونے لگی۔ جواب میں فون پر خاموشی چھاگئی۔

"ہیلو ہیلو چاچا! آپ میری آواز سن رہے ہیں نا۔" اس کے دل میں ڈر پیدا ہونے لگا کہ کال پھر سے کٹ گئی تھی۔

"میں نے اسے جو بتایا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کھاری سعد کا سگا بھائی ہے۔"

سردار چاچا کی آواز ایئر پیس پر یوں ابھری جیسے سات سمندر پار سے آرہی ہو اور اس کے بعد اس کے کان میں لگے ہینڈ فری ریسیور پر ایک بار پھر خاموشی چھاگئی۔

"کک۔ کیا؟" ماہ نور کے منہ سے بمشکل الفاظ نکلے۔

"ٹوں ٹوں۔" دوسری طرف رابطہ منقطع ہوچکا تھا اور اس بھری پُری کشادہ سڑک پر جیسے سناٹا چھاگیا تھا۔

"میں نے اسے جو بتایا اس کا مطلب یہ تھا کہ کھاری سعد کا سگا بھائی ہے۔" اسے لگا اس کے چاروں طرف سے ایک ہی آواز لیک کر اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

"میں تمہیں تمہارے چاچا چوہدری سردار سے سنی' وہ بات نہیں بتاؤں گا ماہ نور! جس کو سننے کے بعد مجھے کھاری کے غیر اہم وجود کی اہمیت کا علم ہوا۔"

"مہ نور باجی میں نوں آپ دی تھاڈے نال اک ضروری کم اے۔"

"مہ نور باجی! میری وی تے سن لو۔"

"کھاری کا غیر اہم وجود اور اتنا اہم۔" اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا اور وہ سُنی ہوئی باتوں پر یقین کرنے کی کوشش میں ایک ٹک صاف شفاف سڑک پر نظریں جمائے ساکت بیٹھی تھی۔

اسے اس محویت سے اس کی گاڑی کے پیچھے قطار میں لگی گاڑیوں کے بجتے ہارن نے باہر نکالا۔ ٹریفک سگنل کی بتی سبز ہوچکی تھی اور اسے خبر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کلچ پر پاؤں رکھ کر گاڑی کو پہلے گیئر میں ڈالا اور ایکسلیٹر پر پاؤں رکھتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"کھاری سعد کا سگا بھائی ہے۔" آواز ابھی بھی اس کی سماعت میں گونج رہی تھی۔

"وہ پہلے سے جانتا تھا۔"

"وہ وحشت کے عالم میں فارم ہاؤس سے بھاگ نکلا۔"

"آپا رابعہ کے مطابق سعد اپنے والد کا اکلوتا بیٹا ہے اور آپا رابعہ سعد کی والدہ کی قریبی دوست تھیں۔"

"آپا رابعہ کے مطابق سعد کی امی کا انتقال ہوچکا۔ پھر کھاری کہاں سے آیا' بلال سلطان کی کسی بات سے کیوں اندازہ نہیں ہوا کہ سعد کے علاوہ بھی وہ کسی کے باپ ہیں جبکہ سعد نے اسے بتایا تھا کہ اس کی کوئی سوتیلی بہن بھی تھی۔"

"یہ کیا اور کیسا گورکھ دھندا ہے۔ کھاری سعد کا سگا بھائی ہے' ناممکن' ضرور سردار چاچا کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی اور اسی غلط فہمی کا انہوں نے سعد کو بھی شکار کردیا۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے سوچا۔

"بلال سلطان!" پھر اسے یک دم خیال آیا۔ "کیوں نہ ان ہی سے جاکر پوچھ لیا جائے۔"

"اونہوں!" اس نے اپنے ہی خیال کو رد کردیا۔ "جتنے وہ مغرور' آدم بے زار اور انا پرست انسان ہیں ان کے پاس جاکر کچھ پوچھنا بہت بڑی حماقت ہوگی۔"

"لیکن اس کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے۔ اس انکشاف کے جس کے حقیقت ہونے کے چانسز نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بلال سلطان سے بڑا گواہ کون ہوگا؟" کچھ لمحوں کے بعد اس نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہنگران کا وہ طنز اور چیلنج بھرا انداز۔ اسے بلال سلطان کا چہرہ یاد آیا۔" اس کا سامنا کون کرے گا۔ جس شخص کو

سعد جیسے بیٹے کے غائب ہوجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر اس کا کوئی اور بیٹا! کھاری؟" اسے ایک بار پھر یاد آیا۔ "نہیں کیسی غیر منطقی سی بات ہے کہ کھاری سعد سلطان کا بھائی ہے۔ کہیں کوئی مماثلت ہے ہی نہیں۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر سردار چاچا کا نمبر ملایا' نمبر بند جارہا تھا۔ اس نے کھاری کا نمبر ملایا' اس نمبر پر بیل جارہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد کھاری کی آواز فون پر ابھری۔

"ہیلو!" آواز نیچی اور دبی ہوئی تھی۔

"ہیلو کھاری! یہ میں ہوں ماہ نور!" اس نے گاڑی روڈ سائیڈ پر کھڑی کرتے ہوئے کہا۔

"آہو مہ نور باجی میں سیان (پہچان) گیا ہوں۔" وہ اسی نیچی اور دبی ہوئی آواز میں بولا۔

"کھاری! اس روز تم مجھے کوئی ضروری بات بتانا چاہ رہے تھے نا۔ مجھے افسوس ہے اس روز میں مصروف تھی اور جلدی میں تھی۔ تمہاری بات سن نہیں سکی۔ پلیز اب بتاؤ کیا کہنا تھا تمہیں؟"

"کج بھی نہیں کہنا تھا مہ نور باجی!" اس کی آواز میں افسردگی تھی۔ "کھاری تے اناموراتے شیدائی اے (کھاری تو نابینا' بے سمجھ اور پاگل ہے) کھاری دی باتاں پر غور نہ کریا کرو۔"

"ہائے کھاری!" ماہ نور کے دل کو کھاری کے لہجے کی بے چارگی اور یاسیت محسوس کرکے دکھ ہونے لگا۔ "کیا ہوا؟ تم خیریت سے تو ہو نا؟"

"ہاں جی مہ نور باجی! خیر ہی خیر اے۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔ "ڈھور ڈنگر اور میرے جیسے لوگ ایک برابر نہ ان کے دل پہ چوٹ لگدی اے نہ میرے جیسوں کے دل پر۔ بس کہیں ٹانگ بازو ٹوٹ جائے تو درد سے چلاتے پھرتے ہیں۔"

"کھاری!" ماہ نور ٹھٹک سی گئی' کھاری جیسا ہنستا کھیلتا' ہلکی پھلکی گفتگو میں کبھی کبھار گہری بات کرجانے والا' میلوں ٹھیلوں' کھیل تماشوں کا شوقین اور ایسی یاسیت بھری مایوس کن باتیں۔

"مجھے بتاؤ۔ کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ؟" اسے کھاری کی فکر ہوگئی تھی۔ "کیا سعد یہ سے کوئی جھگڑا ہوگیا یا پھر فارم ہاؤس پر کسی نے تمہیں ستایا ہے۔"

"نہیں مہ نور باجی!" وہ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بولا۔ "جو لوگ مقدراں کے ستائے ہوئے ہوتے ہیں انہیں کوئی اور کیوں ستائے گا۔"

"ایک منٹ کھاری!" ماہ نور نے فون ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرنے کے بعد دوسرے کان سے لگایا۔ "دیکھو' میں تو تمہاری مہ نور باجی ہوں ناں' تمہاری دوست ہوں میں' مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" اس کے لہجے میں نرمی تھی' محبت تھی اور لگاوٹ بھی۔

"میں تو کب سے کہہ رہا ہوں' مہ نور باجی! اے دنیا ہوتی اے ناں اس دونوں پاسے کانٹے ہوندے ہیں اے ادھر سے بھی کاٹتی ہے' ادھر سے بھی۔"

ماہ نور کے لہجے کی اپنائیت محسوس کرکے وہ ذرا سا کھلا۔ "چوہدری صاحب اور ان کی مہمان بھی کھاری کے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور کھاری جسے جاتا ہے وہ بھی کھاری کا مذاق اڑاتا ہے۔"

"سردار چاچا نے تم سے کون سا مذاق کیا کھاری!" ماہ نور نے اپنے بال کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں مہ نور باجی!" وہ سرد آہ بھر کر بولا۔ "کوئی بات نئیں' سارے کھاری نال دل پشوری کرتے ہیں تو بھی خیر ہے انہیں خوش ہولین دیو کھاری کا کیا جاتا ہے۔"

"او مائی گاڈ کھاری!" ماہ نور نے اسٹیئرنگ پر رکھے بازو پر اپنا سر ٹیکتے ہوئے کہا۔ "کیسا بلیک موڈ' ایسی حسرت بھری باتیں۔"

"اچھا ماہ نور باجی اجازت دیو! دودھ لوڈ کراتا اے گاڑی پر' شاماں پڑ رہی ہے۔ دیر ہو جائے گی' اچھا جی رب راکھا۔" کھاری کی آواز آئی' اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی کھاری فون بند کر گیا تھا۔

"یا اللہ یہ سب کیا ہے؟" ماہ نور کا ذہن پریشان ہونے لگا تھا۔ اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد رضوان الحق کا نمبر ملایا۔

"ہیلو!" پہلی ہی گھنٹی پر کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

"رضوان! میں ماہ نور بات کر رہی ہوں۔"

"جی میں نے پہچان لیا۔" وہ نرمی سے بولا' شکر کا مقام تھا کہ اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"تمہیں وہ تصویر مل گئی تھی نا؟" ماہ نور نے پوچھا۔

"ہاں مل گئی تھی۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔

"تم اس کو جانتے ہو نا' اس کو پہچانتے ہو نا؟"

"وقت بہت آگے بڑھ چکا ہے میم! بہت سے چہرے' بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔" یہ ایک غیر واضح جواب تھا۔

"گویا تم نے اسے نہیں پہچانا؟" ماہ نور کو مایوسی ہوئی۔ "میں سمجھی ہم اس کے والے جاپانی مسخرے ہو۔"

"کیا اس نے خود آپ کو بتایا کہ اس کا کوئی جاپانی مسخرہ ہوا کرتا تھا؟" دوسری طرف سے اسی سنجیدہ آواز میں پوچھا گیا تھا۔

"نہیں۔ اس نے نہیں بتایا' کسی اور نے بتایا تھا۔" ماہ نور نے سادگی سے کہا۔

"کیا کوئی اور بھی ہے' جو جانتا ہے۔" ایک مبہم سی بات پوچھی گئی۔

"پتا ہے کیا میں تمہاری بات کا تفصیلی جواب پھر کسی وقت دوں گی۔ ابھی تو مجھے یہ پوچھنا ہے کہ کیا تم جانتے ہو' کھاری کیوں پریشان ہے۔" ماہ نور کو فون کرنے کا مقصد یاد آگیا۔

"کیا کھاری نے آپ کو بتایا کہ وہ پریشان ہے؟"

"نہیں' لیکن اس کی باتوں سے مجھے لگا وہ پریشان ہے۔"

"شاید اس کے ساتھ کسی نے کوئی بُرا مذاق کیا تھا' اس نے اس مذاق کو دل پر لے لیا۔" رضوان نے کہا۔

"اور وہ بُرا مذاق کیا تھا؟" ماہ نور نے بے تابی سے پوچھا۔

"کسی نے اسے کہا کہ وہ ان باؤ صاحب کا سگا بھائی ہے' جو اس کی شادی پر آپ کے مہمان بن کر آئے تھے۔" رضوان الحق کہہ رہا تھا۔

"زن' زن' زن!" ماہ نور کی سماعت پر جیسے پتھر برسنے لگے تھے۔

"جس نے بھی ایسا کیا اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" رضوان کہہ رہا تھا۔ "کھاری معصوم اور بھولا بھالا انسان ہے' وہ اس مذاق کو سچ سمجھا' بے چارہ بے شناخت تھا اسے لگا اسے شناخت ملنے والی ہے' بعد میں اسے سب کہنے لگے کہ یہ مذاق تھا' بہت ڈس ہارٹ ہوا بے چارہ۔"

"کس نے کہا کہ یہ مذاق تھا؟" ماہ نور جیسے خواب میں بولی تھی۔

"کھاری کی مدران لاء نے۔ اس کی وائف نے' وہ دونوں شاید باؤ صاحب کے بیک گراؤنڈ سے ویسے بھی واقف تھیں پہلے سے' بے چارہ کھاری بہت ہرٹ ہوا۔" رضوان بتا رہا تھا۔

"اور یہ مذاق کیا کس نے تھا؟"

"کھاری کے چوہدری صاحب اور ان کے پاس مہمان آئی کسی خاتون نے' وہ کہہ رہا تھا۔"

"سردار چاچا نے!" ماہ نور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ پر غور کر رہی تھی۔ "مہمان خاتون!" یہ سرا ہاتھ

نہیں آیا تھا۔

"میں اب اجازت چاہوں گا۔ میرے شو کا وقت ہو گیا ہے' اگر آپ لاہور میں ہیں اس وقت تو کبھی میرا شو ضرور دیکھنے آیئے گا' میلہ چراغاں پر ہمارا سرکس آج کل ادھر ہی ہے۔"

وہ کہہ رہا تھا لیکن ماہ نور سن نہیں رہی تھی۔ اس کا ذہن صرف اسی ایک انکشاف پر اٹک کر رہ گیا تھا' کھاری سعد سلطان کا بھائی تھا۔

کتنی ہی دیر سوچتے رہنے کے بعد کوئی سرا نہ ملنے پر اس نے سر جھٹکتے ہوئے باہر دیکھا اور چونک گئی۔ نجانے کب سے وہ وہاں گاڑی پارک کیے کھڑی تھی۔ باہر اندھیرا پھیل رہا تھا اور سڑک کے درمیان کسی پرندے کی طرح پر پھیلائے اپنے اسٹینڈز پر کھڑے برقی قمقمے روشن ہو چکے تھے۔

"مجھے بلال سلطان سے ملنا ہی ہوگا۔" اس نے دل میں سوچا۔ "یہ جو گوسپ ہر طرف پھیلا ہوا ہے' اس کی حقیقت کو پانا ہی ہوگا۔ بے چارا کھاری۔" اسے کھاری کا خیال آرہا تھا۔ "سردار چاچا کو اس سے ایسا بھونڈا مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ ایسا ہرٹ کر دینے والا مذاق کرتے تو نہیں' لیکن کیا پتا موج مستی میں آکر کر دیا ہو' جب ہی تو سعد بھی اپنے باپ سے یوں بدگمان ہو کر یہاں سے چلا گیا۔ اللہ کچھ مذاق کتنے مہنگے ثابت ہوتے ہیں۔"

مختلف سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے وہ مسلسل اسی ایک نقطے پر سوچے چلی جا رہی تھی۔

سعد سلطان' کے گھر جانا یوں کہ سعد سلطان کے وہاں ہونے کا امکان صفر سے بھی کم ہو' کیسا اذیت ناک تجربہ ہو سکتا تھا۔ یہ صرف ماہ نور جان سکتی تھی اور اگر بلال سلطان سے ملاقات ہو پاتی تو اسے ان کے کیسے چبھتے ہوئے طنز بھرے سوالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی مگر تجسس اور الجھن دو ایسی چیزیں تھیں جو کسی بھی دوسری سوچ پر حاوی ہو چکی تھیں۔

بلال سلطان کے گھر کے گیٹ پر موجود مستعد باوردی گارڈز نے شاید اسے اس لیے پہچان لیا تھا کہ چند روز پہلے وہ بلال سلطان کے ساتھ ہی یہاں آئی تھی۔ گھر کے مینجمنٹ اسٹاف کے ہیڈ مسٹر رازی سے اس کے لیے خصوصی اجازت پھر بھی مانگی گئی تھی۔ اور جب اس کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو اس نے دیکھا گیٹ وے پر مسٹر رازی خود اسے خوش آمدید کہنے کے لیے موجود تھے۔

"شکر' عزت رہ گئی۔" اس نے سوچا اور گاڑی سے باہر آگئی۔

"مجھے بلال صاحب سے ملنا ہے' اگرچہ میری ان سے اپائنٹمنٹ پہلے سے طے شدہ نہیں ہے۔" اس نے رازی کو بتایا تھا۔

"اتفاق کی بات ہے باس آج کل باقاعدگی سے ڈنر گھر ہی پر کر رہے ہیں۔" رازی خوش دلی سے مسکراتے ہوئے اسے ہمراہ لیے رہائشی عمارت کی طرف بڑھا۔

"سو ان کی گھر آمد ایک آدھ گھنٹے میں متوقع ہے' امید ہے آپ باس کے ساتھ ڈنر میں شریک ہونا پسند کریں گی۔"

وہ کہہ رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ ماربل کی چکنی سیڑھیاں احتیاط سے چڑھتے ہوئے بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ رہائشی عمارت کے اندر داخل ہونے کے لیے جیسے ہی وہ لابی میں داخل ہوئی' اسے ایسا لگا اوپر جاتی سیڑھیوں کے قریب اسے ایک ایسا چہرہ نظر آیا تھا جسے وہ جانتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس مانوس چہرے کو دوبارہ دیکھتی وہ چہرہ نظروں کے سامنے سے ایک دم غائب ہو گیا۔

"یہ۔ یہاں ابھی کوئی کھڑا تھا؟" اس نے بے اختیار رازی کو مخاطب کرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ابھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔"

"ہاہاہا!" رازی کا جان دار قہقہہ لابی میں گونجا۔ "کوئی بھوت پریت یہاں موجود نہیں' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ آپ نے میم سیمی کو یہاں کھڑے دیکھا ہو' جب میں آپ کو ریسیو کرنے کے لیے باہر نکل رہا تھا اس وقت وہ یہاں کھڑی وان گوگ کی story night کے اس ریپلیکا کو بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔" رازی نے لابی کی دیواروں پر سجی مختلف پینٹنگز میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا۔

"میم سیمی!" ماہ نور نے جیسے کچھ نہ سمجھتے ہوئے رازی کی طرف دیکھا۔

"میم سیمی' ایک مہمان ہیں جو آج کل یہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔" رازی نے کہا۔ "دراصل وہ مس سارہ خان کی کیئر ٹیکر ہیں۔ مس سارہ خان جو آج کل ہماری وی آئی پی گیسٹ ہیں' کیا آپ انہیں جانتی ہیں مس سارہ خان دی اکروبیٹ؟"

"سارہ خان۔ یہاں!" ایک نئے انکشاف نے ماہ نور کا ذہن بالکل ہی ماؤف کر دیا۔

"جی ہاں۔ سارہ خان۔ دراصل وہ کسی حادثے کا شکار ہو کر رنگ میں جانے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ باس نے ان کے لیے دبئی سے خصوصی فزیو تھراپسٹ ہائر کیا ہے اور ان کے لیے یہ پیچھے والے حصے میں اسپیشل پریکٹس روم اور رنگ بھی بنوایا جا رہا ہے' ایک آدھ ہفتے میں وہ شاید چانا جا رہی ہیں' ری ہیبلشن اور پریکٹس سیشن کے لیے بہت اچھی لڑکی ہے سارہ خان۔ مس ماہ نور کیا آپ ان سے ملنا پسند کریں گی۔ چلیں پہلے میں آپ کو پریکٹس روم اور رنگ دکھاؤں' بہت زبردست انٹیریر ہے باس نے سب ایکوپمنٹ باہر سے منگوایا ہے' کسی بھی پروفیشنل پریکٹس روم اور رنگ سے زیادہ ایکوپڈ ہے یہ سیٹ اپ۔" رازی لابی سے اندر جانے کے بجائے باہر نکلنے لگا۔

"نہیں پلیز۔" اس کی ضرورت نہیں' پھر کبھی سہی۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے' مجھے یاد آیا۔ میں نے کسی کو ٹائم دیا ہوا ہے' میں پھر کسی دن آجاؤں گی بلال صاحب سے ملنے۔"

وہ تیزی سے کھلے دروازے سے باہر نکلی' دروازے کے پٹ پر ہاتھ رکھے کھڑا رازی اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ جس تیزی سے باہر نکلی تھی' اسی تیزی سے چلتی ڈرائیو وے پر کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"مس ماہ نور!" اسے یوں جاتے دیکھ کر رازی بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا مگر وہ اس کے خود سے قریب پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ کر اسے بیک کرتی گیٹ تک پہنچ چکی تھی جب تک رازی گیٹ تک پہنچا' وہ گاڑی گیٹ سے باہر نکال لے گئی تھی۔ رازی نے اس کی گاڑی کے ٹائروں سے اٹھتی ہلکی گرد اور انجن کے دھوئیں کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا' اسی دم ایک اور گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور اس میں موجود شخص کچھ فاصلے پر جا کر گاڑی روکنے کے بعد گاڑی سے باہر نکلا۔

"ہیلو رازی! ادھر کھڑے ہو' خیریت ہے؟" آنے والے نے پوچھا۔

"مسئلہ ہو گیا مسٹر ابراہیم!" رازی اس شخص کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا؟" ابراہیم رازی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

"یہ مس ماہ نور تھیں' جو باس سے ملنے آئی تھیں۔" رازی ابراہیم کو بتا رہا تھا "اور ان کے بارے میں باس کی خصوصی ہدایت یہ ہے کہ یہ جب آئیں انہیں وی وی آئی پی پروٹوکول دیا جائے۔ جب ہی تو انہیں ریسیو کرنے میں خود باہر آیا۔ لیکن یہ اندر جاتے جاتے اچانک مڑ کر واپس چلی گئیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیوں۔"

"اچھا!" ابراہیم نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ "کیا کہہ کر گئی ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں۔" رازی نے شانے اچکائے۔ "میں انہیں مس سارہ خان کے بارے میں بتا رہا تھا اور ان کے زیر تعمیر رنگ کے بارے میں' اچانک بولیں انہیں کوئی کام یاد آگیا۔ وہ پھر کبھی آئیں گی۔ میرے کچھ کہنے سے

پہلے ہی یہ جا وہ جا۔"

"ہوں!" ابراہیم نے رازی کی بات پر غور کرتے ہوئے گہرا سانس لیا۔ "ویری اسٹرینج!"

اس نے رازی کی طرف دیکھا۔ "بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"مجھے بھی۔" رازی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "صوفی سے ڈسکس کروں گا' وہ بہت سمجھ دار ہے۔ ضرور اس سے کوئی کلیو مل جائے گا۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

✿ ✿ ✿

"ڈاکٹر کے پاس سے بھی ہو آئی' چیک کر کے اس نے چھوٹی چھوٹی کتنی ہی گولیاں دے دی ہیں' کہتی ہے۔ صبح سویرے ایک گولی کھا لیا کرو سارا دن متلی سے تے کی شکایت نہیں ہوگی مگر گولی کھانے کے بعد نیند آنی شروع ہو جاتی ہے اور جسم کچا کچا سا پھر بھی ہوتا رہتا ہے۔"

"ارے تم کیسی عورت ہو رابعہ! شوہر تمہارا زخم زخم ہوا پڑا ہے۔ تمہیں اپنے جسم کے کچے پکے ہونے اور ڈاکٹری گولیوں کی پڑی ہے۔"

"اسی کی خاطر تو رات رات بھر جاگتی ہوں۔ اے بی! میں تو سچ بتاؤں مجھے اس لاہور شہر سے ہی ڈر لگنے لگا اب تو' اتنی لمبی دشمنی بھی کوئی پالتا ہے۔ کبھی' جس بھی کونے میں چلے جائیں گے اس شہر کے' وہ کم بخت ہمارا پیچھا کرتا پہنچ جائے گا۔ تم جانو' میرا تو دماغ سوچ سوچ کر شل ہوا جاتا ہے کہ سراج سرفراز جیسے بے ضرر انسان کی جان لینے میں تو اس نے کوئی کسر چھوڑی نہیں' ہمارا تمہارا کیا ہوگا' کم بخت کو معلوم نہیں کہ جس کی خاطر ادھر ادھر چھرے لہراتا پھرتا ہے وہ تو کب کی صورت گنوائے' نہ طلاقن' نہ رانڈ' نہ ہی سہاگن بنی زندگی کے بس دن گزارے جا رہی ہے' اب اس دشمنی میں وہ کیا نکالے گا اور۔۔۔"

"میں تو تم کو پہلے میں کئی بار کہہ چکی تھی۔ سراج سرفراز کو پکڑو اور یہاں سے چلی جاؤ' بی بی تمہاری فیملی بڑھنے والی ہے۔ آنے والی ننھی جان کا کیا قصور کہ ہماری طرح آج ہے کل نہیں جیسی زندگی گزارے' اوپر سے وہ خونی' قاتل جنونی چھرے لہراتا ہردم سولی کی طرح سر پر ٹنگا رہتا ہے۔ زخم مندمل ہونے لگے ہیں۔ سراج سرفراز کے اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے تو اسے بولو' جو نوکری مل رہی ہے کر لے' چند دن پیش امام صاحب کی شاگردی میں گزار لے' دین' حکمت کی باتیں اور خطابت سب سیکھ جائے گا۔ نکل جاؤ یہاں سے تم دونوں اپنی جان بچا کر۔"

"ہاں! اب تو میں بھی یہ ہی سوچ رہی ہوں' میں تو بہت ڈر گئی ہوں بلی بی! جو تھوڑا بہت اسباب ہے' باندھو' یہاں سے چلتے ہیں۔"

"چلتے ہیں نہیں' تم دونوں نکل چلو یہاں سے بس۔"

"تمہیں ادھر ہی چھوڑ کر نکل چلیں' دماغ ٹھکانے پر تو ہے تمہارا؟"

"تم سمجھتی کیوں نہیں' میں ہی تو سارے فساد کی جڑ ہوں' جہاں میں ہوں گی وہاں ہی پر تو وہ قاتل' جنونی طیفا لالٹر آ دھمکے گا۔ مجھے لگتا ہے میرے ابا یا اماں کی بددعا بن کر چمٹ گیا ہے میری جان کو' اور مرتے دم تک یہ میری جان نہیں چھوڑنے والا' مجھ تک رسائی نہیں ملتی تو بے چارے سراج سرفراز جیسوں کی شامت بلانے پر مل جاتا ہے' بس تم سراج سرفراز کے زخم چنگے ہونے تک اپنا کوئی بندوبست کر لو میری بہن۔"

"اور تم اکیلی ادھر کیا کرو گی؟"

"جب تک سانس ہیں ادھر پڑی جیتے جاؤں گی' بچوں کو ناظرہ پڑھاتی رہوں گی' تمہیں معلوم تو ہے اس کے عوض محلے کی بیبیاں عزت بھی کرتی ہیں اور دال روٹی کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے۔ کیوں یوں حیرت سے کیوں

دیکھے چلی جا رہی ہو مجھے؟"

"دیکھ رہی ہوں' سوچ رہی ہوں' کب کبھی سوچا تھا کہ تم سے زندگی میں کبھی جدا ہونا پڑے گا۔ ایک پل کی جدائی برداشت نہیں مگر کیا کروں یہ پیٹ کی اولاد ہے۔ جس نے دل کے رنگ ڈھنگ ہی بدل دیے ہیں۔ سراج سرفراز شوہر تو کبھی جی کو بھایا نہیں' مگر سراج سرفراز باپ بننے والا ہے۔ دل چاہتا ہے' آنے والی اولاد کے لیے کمائے بھی اور اس کی چھاؤں بھی بنے' مجھے معاف کرنا میری بہن! میرا من اپنے لیے تو خواہش کرنا کبھی کا چھوڑ چکا' میرے سیلانی ماں' باپ' خاندان مجھے ایک نقطے کی طرح یہاں چھوڑ کر خود لکیر بنا' نجانے کتنے کوسوں دور کا سفر کر کے کدھر پہنچ چکا ہوگا۔ بس اب تو سراج سرفراز اور اس کی اولاد ہی میرا خاندان ہے نا۔"

"میں سب جانتی ہوں۔ مجھے ہر بات کا اندازہ ہے۔ جب ہی تو کہہ رہی ہوں بھاگ نکلو یہاں سے۔"

"اور جو وہ آگیا تم اکیلی کی خبر پا کر تو......"

"اگر تو میری موت اس کے ہاتھوں لکھی ہے تو مجھے اس سے کوئی بچا نہیں سکتا' لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو وہ مجھے دس جنم لے کر بھی مار نہیں سکتا۔"

"بھلا اس سے کوئی پوچھے' تم نے کب اس سے عاشق معشوق کے وعدے وعید کیے تھے جو بے وفائی کا الزام دھرتا ہے تم پر اور تمہاری اور اس تمہارے کسی لگتے کی جان کا دشمن ہوا پھرتا ہے۔ وہ تو دکھاتا' بھاگ گیا جان بچا کر' جس کی خاطر تم نے اس موئے کی دشمنی مول لے لی' شکل صورت سے گئیں' آواز گنوائی' گھر ٹھکانا گنوایا' چھروں کے سائے میں لرزتی زندگی گزار رہی ہو اور اسے پروا تک نہیں' بچے کی شکل دیکھنے کو ترس رہی ہو اور وہ بے وفا بچہ لیے چھپتا ہوا پھرتا ہے۔"

"تم سے کتنی بار کہا ہے' اسے بُرا مت کہا کرو' میرے دل کو تکلیف پہنچا کر تمہیں کیا ملتا ہے۔"

"اللہ جانے تمہارا دل کس چیز سے بنا ہے جو اس پر لٹا تو لٹ ہی گیا۔ اندھا ہو کر' نہ اس کی بے وفائی کھلتی ہے۔ اسے' نہ ہی اس کا یوں چلے جانا برا لگتا ہے تمہیں۔"

"اس کے موضوع کو تو بس رہنے دو تم اور آج ہی جا کر پیش امام صاحب سے ملو' وہ کیا کہتے ہیں' سراج سرفراز کے لیے۔"

"ہاں جاؤں گی۔۔۔ مگر یاد رکھنا' دل پر بڑا بھاری پتھر رکھنا پڑے گا مجھے۔"

"کوئی بات نہیں' کبھی رکھنے پڑ ہی جاتے ہیں دل پر پتھر۔"

"تمہیں کیسے اکیلی چھوڑوں گی؟"

"یہ سوچ کر کہ میں اکیلی نہیں ہوں میرے ساتھ میرا اللہ ہے۔"

"اللہ تو بری گھڑی میں بھی ساتھ ہی ہوتا ہے۔"

"اس کی ذات پر جتنیں کسو گی نا تو سیدھی جہنم میں جاؤ گی۔"

"لکیر سے اُدھر بھی جہنم' لکیر سے اِدھر بھی جہنم' بی بی! تم تو مجھے جہنم سے ہی ڈرا' ڈرا کر مار دو گی۔"

"بس ناک کی سیدھ کا سیدھا راستہ ادھر بھی جہنم ادھر بھی جہنم' ایک صراط مستقیم' ایک راہ ہدایت پکڑ لو' ناک کی سیدھ کا سیدھا راستہ تمہاری بیڑی پار لگ جائے گی ان شاء اللہ' یوں منہ بنا کر کیا دیکھ رہی ہو۔"

"صراط مستقیم' پاک سرزمین اور سب شاد باد ہے نا۔"

"پھر جگت سوجھی تمہیں' اللہ جانے تمہارے اندر کی میراثن کب مرے گی۔"

"شاید کبھی نہیں۔"

☼ ☼ ☼

وہ مریضوں کے بستر سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھتا تھا اور پھر واکنگ شوز پہن کر پاؤں پر بیٹھے بیٹھے دباؤ ڈالتا تھا' ہسپتال کی نرس اس کے ہاتھ میں واکنگ اسٹک تھماتی تھی اور وہ اس کا میٹل بینڈ بازو میں کس کر اس پر دباؤ ڈالتا' اس کا سہارا لیتا اٹھ کر کھڑا ہوتا تھا۔ مسلسل لیٹے رہنے سے اس کی ٹانگوں کی ہڈیوں کو جیسے قفل سا لگ گیا تھا اور پیروں پر وزن ڈالنا مشکل لگتا تھا' مگر دو چار دن کی مشق کے بعد ٹانگیں اور پیر کھلنے لگے تھے۔

اس کی ریڑھ کی ہڈی کسی بھی ضرب سے محفوظ رہی تھی۔ کیونکہ گرتے وقت اس کی کمر اس جگہ جا لگی تھی جہاں برف قدرے نرم اور بھربھری تھی۔ وہ سر کے بل گر کر اچھلا تھا اور پھر کمر کے بل اس نرم بھربھری برف پر جا کر گرا تھا۔ ڈاکٹر حادثے کے اس زاویے کو بھی معجزہ قرار دیتے تھے۔

"کھوپڑی کا یوں بچ جانا حیرت انگیز ہے۔ کوما کی حالت صرف خون کے بیرونی بہاؤ کے بجائے اندر ہی جم جانے سے ہوئی۔ تمہارا وہ دوست بہت سمجھ دار تھا۔ جس نے تمہیں ایئر ایمبولینس کے ذریعے یہاں لے آنے کا خطرہ مول لیا۔" اس کے ایک ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا۔

"میرا وہ دوست......" کتنے ہی دنوں کے بعد اسے یاد آیا تھا اور اسی شام جب نادیہ اس کے لیے گلاب کا گلدستہ اور چکن سوپ لیے اس کو دیکھنے آئی' اس نے اس سے پہلا سوال یہ ہی کیا تھا۔

"میرا دوست وہ ون زادے' وہ کہاں گیا؟" نادیہ نے سنا۔ اس کی آواز صاف ہو رہی تھی اور الفاظ کی ادائی کی رفتار بھی نارمل ہو رہی تھی۔

"اسے واپس جانا تھا۔ اس کی چھٹی ختم ہو چکی تھی۔ وہ تمہیں یہاں اسپتال پہنچانے اور تمہاری پہلی سرجری کی کامیابی کے تیسرے دن ہی چلا گیا تھا۔" نادیہ نے شبنمی گلابوں کا گلدستہ شیشے کے شفاف جار میں لگاتے ہوئے کہا۔

"اس کے بعد اس نے رابطہ نہیں کیا' اس نے کبھی میرا پوچھا نہیں۔"

"وہ اکثر پوچھتا ہے۔" نادیہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"وہ ایک بہت اچھا انسان ہے۔ بہت پیارے دل والا۔" سعد نے کہا اور نادیہ سے ایک پڈنگ مانگی۔

"کیا وہ تم سے بھی اچھا انسان ہے۔ تمہارے دل سے زیادہ پیارا دل ہے اس کا؟" نادیہ نے ایک چھوٹی پلیٹ میں پڈنگ کا ایک چھوٹا سا حصہ رکھ کر اسے پکڑایا۔

"نہیں......" وہ کھاتے کھاتے رک کر بولا۔ "میں اچھا انسان کہاں ہوں' میرا دل بھی اچھا نہیں۔"

"تمہارا دل بہت پیارا ہے۔ یہ اور بات کہ وہ فارغ نہیں ہے۔ وہ ون کا دل فارغ ہے۔ خالی کمرے کی طرح۔ اگرچہ وہ تمہارے دل کی طرح بہت پیارا نہیں۔" نادیہ نے پھول ترتیب دینے کے بعد سعد کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیسے اندازا ہوا کہ اس کا دل فارغ ہے۔" وہ پڈنگ کھاتے ہوئے بولا۔

"جو چند دن تمہارے لیے امید اور یاس کے درمیان میں نے اور اس نے اسپتال میں اور اس سے باہر گزارے' ان دنوں میں شاید وہ میرے غم کی شدت اور رونے دھونے کی رفتار کو کم کرنے کے لیے مجھے بہت سی باتیں سناتا رہا۔ وہ بھی مضطرب تھا۔ اس لیے وہ ان دنوں بہت بولا اور جب ہم بہت بول رہے ہوتے ہیں تو ہمیں خود بھی پتا نہیں چلتا کہ سننے والے پر ہم کہاں کہاں سے ظاہر ہو رہے ہیں۔"

"اچھا......" سعد نے گہرا سانس لیا اور پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ "نادیہ کیا وہ ون نے میرا سامان تمہارے حوالے کر دیا تھا؟"

"ہاں...... سب کا سب۔" نادیہ نے سر ہلایا۔ "تمہارے ٹریولرز چیک' تمہارا علاج کروانے میں معاون ثابت

ہوئے۔"

"میں یہی پوچھنے والا تھا۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا اور نادیہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"نادیہ! جب میں آخری بار تم سے ملا تھا اس وقت حالات اور تھے' بہت مختلف' لیکن اب وہ پہلے سے حالات نہیں ہیں' اگر میں بالکل ٹھیک بھی ہو گیا تو شاید مجھے اپنی گزر اوقات کے لیے کام کرنا ہو گا۔"

نادیہ اس کی بات سن کر زور سے ہنس دی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا یہ اس صدی کا سب سے بڑا لطیفہ نہیں؟" نادیہ نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "بلال سلطان کا بیٹا' سعد سلطان اپنی گزر اوقات کے لیے کام کرے گا۔ ہم چھوٹے موٹے انسانوں والے چھوٹے موٹے کام۔"

"میں سنجیدہ ہوں نادیہ۔"

"میں بھی سنجیدہ ہوں سعد!" وہ اپنی ہنسی پر قابو کر کے بولی۔ "میں نے دو دن سے کہا کہ میں کسی طرح تمہارے حادثے کے بارے میں ڈیڈی کو اطلاع کر ہی دوں۔ اس نے مجھے صاف منع کر دیا۔ وہ کہنے لگا کہ ایسا کر کے میں تمہاری رخصت ہوتی روح کو تکلیف دوں گی۔"

"اس نے ٹھیک کہا۔" سعد نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "اگر میں واقعی مر جاتا اور تم ایسا کرتیں تو مجھے یقیناً" بہت تکلیف ہوتی۔"

"لیکن ابھی تو تم زندہ ہو' تندرست ہو رہے ہو' بلکہ تقریباً" تندرست ہو چکے ہو۔" نادیہ نے کہا۔

"اس لیے تو کہا ہے کہ اب کام کروں گا۔"

"اور ڈیڈی سے رابطہ نہیں کرو گے؟" نادیہ نے سوال کیا۔

"نہیں....." وہ سختی سے بولا۔

"کیوں؟" نادیہ کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"بتاؤں گا' میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔" وہ سرہلاتے ہوئے بولا۔

"اور کیا تم ماہ نور سے بھی رابطہ نہیں کرو گے؟" نادیہ کے اس سوال نے اسے صحیح معنوں میں جھٹکا لگایا تھا۔ اس نے چونک کر نادیہ کی طرف دیکھا تھا۔

"تم نے میری کچھ دیر پہلے کہی بات پر غور نہیں کیا شاید میں نے کہا تھا تمہارا دل بہت پیارا ہے۔ اگرچہ وہ فارغ نہیں۔" نادیہ کا انداز جتانے کا سا تھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں کہ دو دن زادے واقعی بہت بولتا رہا۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں نے بتایا تھا نا کہ بہت....." نادیہ مسکرائی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بہت روئی تھی بے چاری رابعہ یہاں سے جاتے ہوئے۔ مجھے اکیلے چھوڑ دینے کا تصور ہی نہیں کر پا رہی تھی وہ۔ تڑپ تڑپ کر روتی تھی۔ جاتے جاتے لوٹ آتی تھی۔ دس بار تو دہلیز سے لپٹ لپٹ کر روئی۔"

"اس کا خاندانی پیشہ ہے دوسرے کو یقین دلا دینا کہ اس سے اہم کوئی نہیں۔ چاہے رو کر یقین دلائے' چاہے ہنس کر' چاہے صاحب سلامیاں گا کر' چاہے گالیاں بک کر۔"

"بہت بری بات ہے۔ تم اسے بہت کمتر سمجھتے ہو۔"

"میں اسے کمتر نہیں کہہ رہا' اس کے جینیاتی خواص بیان کر رہا ہوں۔ جن سے مل کر اس کی ہیئت ترکیبی وجود میں آئی اور پھر جس پر اس کی پیدائش ہوئی۔"

"وہ بھی تم سے بہت بدگمان گئی ہے یہاں سے' حساب برابر ہوا' اللہ جانے کتنے کوسنے دیتی ہو گی تمہیں دل میں' میرے سامنے تو سنانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔"

"مجھے حسرت ہی رہے گی کہ اس کی زبان میں اپنا شجرہ سنتا۔ یقیناً" مجھے خبیث ابن خبیث قرار دیتی ہو گی وہ دل میں۔"

"تم بڑے مسرور دکھائی دیتے ہو اس کے چلے جانے پر؟"

"ہاں بہت اچھا ہوا جو وہ دونوں چلے گئے' اب میں چوروں کی طرح تمہارے پاس آنے کے بعد کم از کم اس گھر میں تو چوروں کی طرح نہیں رہوں گا نا۔ تمہارے ساتھ کھل کر رومانس تو کر سکوں گا نا۔"

"ارے ہٹو..... پہلے ہی تمہارے رومانس نے ایک بار پھر مجھے دوسرے جی سے کر دیا۔ خود کو چوروں کی طرح چھپائے پھرتی رہی رابعہ سے' اللہ اتنی شرم آتی تھی کہ اگر اسے شبہ ہو گیا تو کیا کہوں گی اس سے۔"

"ابھی تو ابتدائی دن ہیں' اسے شبہ کیسے ہو تا۔"

"میں جو اس کے ساتھ بیٹھ کر کھٹی اور چٹ پٹی چیزیں ہڑپ کرنے کو بے چین رہتی تھی' تو وہ کئی بار ہنس کر پوچھتی تھی کہ کہیں اس کی طرح میں بھی تو وہ جے جی سے نہیں ہو گئی اور پھر خود ہی اپنے سوال کے بے تکے پن پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتی تھی۔"

"اسے تو خیر ہنسنے اور بدھائیاں دینے کا بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔ اچھا ہوا جو وہ لوگ چلے گئے۔ ایک تو ہر وقت کے جان کے خطرے سے بچ جائیں گے' دوسرا تم سکون سے یہ وقت یہاں گزار سکو گی۔"

"لیکن جوں جوں دن گزریں گے' راز عیاں ہوتا جائے گا محلے والے جواب اکثر۔ آنے جانے لگے ہیں۔ کیا کیا نہ قیاس کریں گے۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں کسی اور جگہ مکان لے لوں' اس سے بہتر نہ سہی' مگر تمہارے لیے کافی ہو گا' نئی جگہ' نئے لوگ ہوں گے' وہاں تم یہ عرصہ آرام سے گزار لینا' پھر میں بھی اکثر آتا جاتا رہوں گا' سراج پر جو طیفے نے حملہ کیا ہے اس کے بعد یہ جگہ بھی محفوظ نہیں رہی۔"

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے' مجھے اپنے ساتھ پنڈی ہی لے جاؤ۔ ادھر نت نئے محلوں اور نت نئے مکانوں سے میں گھبرا گئی۔"

"پنڈی میں ایک کمرے میں شفٹ ہو گیا ہوں دوبارہ سے' ایک مکان ہے جس کا ایک ایک کمرہ نوکری دار لڑکوں نے کرائے پر لے رکھا ہے۔ سعد کو فضل حسین کی بیوی کے حوالے کر رکھا ہے۔ وہ وہاں محفوظ ہے۔ میں پیسہ جمع کرنے میں لگا ہوا ہوں' جو تمہاری دعا اور اللہ کے فضل سے اچھا خاصا آ رہا ہے۔ دن میں ایک وقت کا کھانا کھاتا ہوں' تاکہ زیادہ سے زیادہ جمع کر سکوں' تمہارے علاج کے لیے' اپنا مکان بنانے کے لیے ان سب راحتوں کے لیے جو میں نے تمہارے لیے سوچ رکھی ہیں۔"

"آخر کب تک یوں ہی اپنی جان کو ہلکان کرتے رہو گے' خود کو دیکھو' کتنے کمزور ہو چکے ہو' آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے ہیں۔ کپڑے جو پہنتے ہو گھس رہے ہیں' نہ ڈھنگ سے دھلے ہوتے ہیں' نہ ڈھنگ سے استری ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ جانے کیا اور کیسا کھاتے ہو' بچے کو نہ ماں کا ساتھ میسر ہے' نہ باپ کی شفقت' اللہ جانے کن غیروں میں پل رہا ہے وہ۔"

"تم کیا سمجھتی ہو' میں سب کیفیات کو سمجھتا نہیں ہوں بھلا' کیا میرا دل ایک گھر' ایک چھت' بیوی' بچے کا ساتھ' سکون کی زندگی' آرام کی روٹی کے لیے نہیں ترستا' تمہیں کیا سناؤں کہ کیسے کیسے خواب دکھاتی ہیں مجھے میری تشنہ کام آرزوئیں' لیکن پھر خود کو تسلی دیتا ہوں۔ سمجھا لیتا ہوں۔ جہاں اتنا صبر کیا۔ وہاں اب تو بس کچھ ہی دیر

باقی ہے۔ پھر وہ سب کچھ ہمارا ہوگا جو ہم چاہتے ہیں۔ نجانے کیوں مجھے لگتا ہے یہ جو آنے والا بچہ ہے یہ میرے لیے بہت ہی سعد ثابت ہونے والا ہے۔ میں تصور ہی تصور میں اسے اپنی گود میں کھیلتا' اپنے سینے پر چڑھتا محسوس کرتا ہوں۔ سچ کہوں تو یہ فیلنگز سعد کی دفعہ نہیں تھیں' شاید اس لیے کہ اس وقت مزاج زیادہ ہی لاابالی اور غیر ذمہ دارانہ تھا۔"

"ارے واہ۔ میرے سعد سے زیادہ سعد کیا ثابت ہوگا آنے والا' میرے سعد کو تو ماں کی بدقسمتی لڑ گئی' ورنہ جیسا وہ سعد ہے اور کون ہوگا' اتنا خوب صورت کہ جو دیکھے گود میں لے لینے کی خواہش کرنے لگے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ حضرت ہیں بہت خوش شکل ماشاء اللہ' میں تو اسے نظر بھر کر دیکھتا بھی نہیں کہ کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔"

"ہائے کیسے خوش قسمت ہو' اسے دیکھ تو لیتے ہو۔ مجھے دیکھو رات دن تڑپتی ہوں اس کے لیے۔"

"کچھ دن اور بس میری جان فقط کچھ ہی دن اور۔۔۔"

"سب سمجھتی ہوں' مگر انسان ہوں' کیا کروں؟"

"اچھا یہ سب چھوڑو' میں بتاؤں آج میں دو دن سے تقریباً" بھوکا ہوں' شاید کل ایک دو ٹوسٹ کھائے تھے۔ چائے کی چھوٹی پیالی کے ساتھ۔ بہت بھوک لگ رہی ہے' کھانا نہیں کھلاؤ گی کیا۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں کیوں نہیں' آج صبح سے منڈیر پر بیٹھا کوا راگ الاپ رہا تھا۔ میرا دل کہتا تھا تم آؤ گے اسی لیے تو تمہاری پسند کا کھانا بنا لیا۔ چاہت اور محبت کے ساتھ۔"

"کیا بنایا؟"

"ٹنڈوں کا دلمہ اور مکھڈی حلوہ۔"

☼ ☼ ☼

اس نے اس وسیع ہال پر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کیا تھا جو نہیں تھا اس ہال میں ہر سائز اور اونچائی کی بارز' فوم کے گدے' رنگز' بالز اور پریکٹس لیڈرز' اس ہال کی چھت میں کنسیلڈ روشنیاں جگمگا رہی تھیں اور صفر سے شروع کر کے انتہائی نقطے تک کی مشقوں کی تمام سہولتیں ان روشنیوں میں چمک رہی تھیں۔

ماہر فزیو تھراپسٹ کا ایک گروپ تھا جو دن میں دو بار اسے ضروری ورزشیں کراتا تھا اور ماہر ڈاکٹرز کی ایک ٹیم تھی جو اس کی رگوں' پٹھوں اور ہڈیوں کا علاج کر رہی تھی۔ اس کی خوراک بیلنسڈ ڈائٹ کی اعلا ترین مثال قرار دی جا سکتی تھی۔ پہننے کو اچھے سے اچھا لباس' گھومنے کو بہترین گاڑی' سیر و تفریح کے مواقع۔ وہ یقیناً" ایک فیری لینڈ میں داخل ہو چکی تھی۔ بلیو ہیون سرکس کی شہزادی پریا رانی نے گویا اپنا تیسرا جنم لیا تھا۔

دنوں میں اس کا رنگ روپ' جسمانی اور ذہنی صحت میں بہتری آنے لگی تھی۔ اسے ورزش کے لیے بہترین جم میسر تھا اور پریکٹس کے لیے بہترین رنگ' ایک مستعد اور ذمہ دار عملہ صرف اس کی خدمت کے لیے متعین کر دیا گیا تھا۔ اس ونڈر فل فیری لینڈ میں داخلے کے بعد وہ اور سیمی آنٹی ششدر و دنگ سی ہو چکی تھیں۔

کہاں وہ ہر چیز سے بے دخل ہو جانے کے خدشے سے دوچار تھیں۔ کہاں وہ مری کے مضافات میں چوروں کی طرح ایک چھوٹے سے فلیٹ میں زندگی گزارتے گزارتے جیسے لائم لائٹ میں لا کر کھڑی کر دی گئی تھیں اور یہ سب اسی شخص بلال سلطان کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ جسے اپنے اس چھوٹے سے فلیٹ میں موجود دیکھ کر اس دن کو اپنے آرام کا آخری دن گردانتے ہوئے اس نے اور سیمی آنٹی نے دل کھول کر انہیں دل کی باتیں سنائی تھیں۔

بلال سلطان جو سعد سلطان کا باپ تھا۔ سعد سلطان' جس نے سارہ خان کو تڑپ تڑپ کر مرتے ہوئے بستر

مرگ سے اٹھایا تھا اور اس کے دم توڑتے وجود میں بساط بھر جان ڈال دینے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس کی زندگی قدرت کا تحفہ اور سعد سلطان کی نیک فطرتی کا معجزہ تھی۔

سعد نے بچوں کی طرح اس کی حفاظت کی تھی اور جو بن پڑا تھا اس کی صحت کی بحالی کے لیے کرتا رہا تھا۔ بغیر کچھ جتائے' بغیر کسی تشہیر کے' مگر اس کی بساط محدود تھی یا پھر وہ تشہیر ہی کے خوف میں مبتلا تھا جو اس نے سارہ خان کو دنیا سے چھپا رکھا تھا۔ وہ خود اپنی زندگی میں کتنا بے سکون اور مضطرب تھا' اس نے سارہ خان کو بے سکونی اور اضطراب سے بچائے رکھا تھا۔ اسے کس وجہ سے سب کچھ چھوڑ کر جانا پڑا تھا۔ مگر جاتے جاتے بھی وہ سارہ خان کے لیے زندگی کے سب اہتمام کر گیا تھا۔

اور اب یہ بلال سلطان تھے جن کی بساط کا فورم بڑا اور استطاعت زیادہ تھی۔ وہ بیٹے کی پوشیدہ نیکی کو لائم لائٹ میں لے آئے تھے اور ان کی کاوشوں کی دسترس بھی بڑی تھی' جب ہی تو ایک طویل عرصے کی جدوجہد کے بعد پاؤں پاؤں چلنے کے قابل ہوئی۔ سارہ خان دنوں میں پریکٹس بارز پر چڑھنے کے قابل ہونے لگی تھی۔

"یہ میرے ہاتھ۔۔۔" اس نے اپنے ہاتھ اپنی نظروں کے سامنے پھیلاتے ہوئے سوچا۔ "اس کی ہتھیلیاں گلابی ہونے لگی تھیں اور نسوں کی کھنچاوٹ دور ہو رہی تھی اور میری ٹانگیں۔ اس کی ٹانگیں جیسے جان پکڑنے لگی تھیں۔ "کیا کبھی میں نے سوچا تھا کہ میں کبھی اس سیج پر پہنچ پاؤں گی۔" اس کا دل تشکر سے بھر گیا۔

"لیکن کیا اس مقام تک پہنچنے کا کوئی امکان ہوتا ہے۔ جو سعد سلطان میری زندگی میں نہ آتا۔" سعد کی ایک بساط بھر نیکی۔ جلتے جلتے روشنی کا کیسا مینارہ بن گئی' کیسی نیت تھی اس کی اور کیسا ارادہ جس میں برکت ہی برکت پڑتی گئی۔ وہ سعد کی محبت تھی جس نے مجھے بستر سے اٹھایا وہ اس کی لگن تھی' جس نے مجھے دوبارہ سے قدموں پر چلایا اور یہ سعد سے اس کے باپ کی محبت ہے' جو مجھے دوبارہ ایک نارمل زندگی کی طرف لوٹا رہی ہے۔

"یا خدایا۔۔۔" پھر اس نے اوپر لکھا۔ "یہ کیسے تیرے سلسلے ہیں۔ ایک بے نام و نشان بچی کو بلیو ہیون سرکس کے پالنے میں ڈال دیا اور پھر ایک قریب المرگ لڑکی پر سعد سلطان کی نظر ڈال دی۔ اس سارے سلسلے میں کس کو کیا عطا ہوا۔ یہ کون کیلکولیٹ کر سکتا ہے' مگر تیری عظمت' تیرے کرم اور تیرے رحم کی انتہا کیا ہے' یہ تو مجھ ایسی کوتاہ نظر پر بھی عیاں ہو گیا۔"

"یہ سب۔۔۔" دوبارہ اس وسیع ہال پر نظر ڈالتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا۔ "اگر یہ سب بلال سلطان میرے لیے کر سکتے ہیں تو ماہ نور کا اس گھر میں کیا مقام ہوگا جسے بلال سلطان اپنے بیٹے کے دل کا معاملہ کہتے ہیں۔ مگر ماہ نور ہے کہاں۔۔۔ وہ یہاں کیوں نہیں آتی' اس نے تو کبھی مجھ سے بھی رابطہ نہیں کیا۔" وہ سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آپ تو بہت جلد گھبرا گئیں بی بی صاحب' ابھی تو ایک پڑاؤ بھی ٹھیک سے عبور نہیں ہوا۔" اختر نے اپنے سامنے چٹائی پر بیٹھی ماہ نور سے کہا۔

"مجھے لگتا ہے یہ میرے بس کا کام نہیں ہے سائیں جی یا پھر میں ہی کم عقل ہوں' میں ہی ان پلانر (ill-planner) ہوں۔" ماہ نور نے نیچی آواز میں کہا۔

"یہ آپ ہی کے تو بس کا کام ہے بی بی صاحب!" اختر مسکرایا۔ "آپ کو ادراک ہی نہیں کہ آپ کیسی سینٹرل پوزیشن پر کھڑی ہیں۔"

"مجھے طفلانہ تسلیاں مت دیں سائیں جی' میں جان گئی ہوں کہ میں ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہوں۔" ماہ نور کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"آپ کا مسئلہ گمان اور انا ہے بی بی صاحب' اس پر قابو پالیں تو راستہ تو صاف ہی صاف ہے' اگرچہ گمان' انا راستے کا جزو لازم ہے' جس پر آپ چل رہی ہیں' مگر انا تو اس راستے کے پاس نہیں پھٹکتی' انا تو اس جذبے کی قاتل ثابت ہوتی ہے جو آپ کے دل میں گھر کیے بیٹھا ہے۔"

"گمان کیا مطلب؟" ماہ نور نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"آپ سامنے کا منظر دیکھ کر اپنی من مرضی کے قیافے لگانا چھوڑ دیں بی بی صاحب' منظر کے پار بھی دیکھا کریں کبھی کبھی پس منظر میں ہی اصل منظر بس رہا ہوتا ہے' پیش منظر نظر کا دھوکا ہوتا ہے۔"

"میری سمجھ میں آپ کی باتیں شاید نہیں آسکتیں۔"

"غور کرنے کی عادت ڈالیں۔ آپ سے میں نے عرض کی تھی' ہے تو مشکل' مگر یہ راستہ صرف آپ کا ہے' آپ کو طے تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"میں بہت پریشان ہوں سائیں جی' عجیب و غریب انکشافات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"ان ہی انکشافات سے گھبرا کر تو باؤ صاحب فرار حاصل کر گئے تھے۔ انہیں بھی پیش منظر نے دھوکا دے دیا۔ جب ہی تو گمان کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے اور اتنا پھنسے کہ نہ نور فاطمہ کی جھونپڑی میں رات بھر کا قیام کام آیا' نہ ہی شہرت کے گھونٹ' آپ سے میری درخواست ہے گمان' سے بچ جائیں' ان کو قابو کرلیں اور پس منظر میں جھانکنے کی عادت ڈال لیں۔ آپ کی نیا پار لگ جائے گی۔ پھر دل بھی آپ کا ہوگا۔ دل والا بھی' بس ایک ذرا قدم پر ہاتھ ڈالنے کی بات ہے۔"

اختر نرم لہجے میں کہہ رہا تھا اور نجانے کیوں ماہ نور کو اپنے اندر ہلچل مچاتی بے چینی سکون پذیر ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

مولوی سراج فراز' بچوں کو ناظرہ کا سبق دینے کے بعد صف پر اکیلے بیٹھے نیاز محمد کے گھر سے آنے والے ناشتے کا انتظار کر رہے تھے۔ چند دن سے ان کے معمول میں کچھ فرق آگیا تھا۔ وہ گھر سے نہار منہ صبح نور کے تڑکے ہی مسجد آجاتے تھے۔ اپنے معمول کے فرائض سے فارغ ہوتے تو نیاز محمد کے گھر سے ان کے لیے ناشتہ آجاتا۔ مولوی صاحب کو اتنی صبح آتے دیکھ کر نیاز محمد نے جس کا گھر مسجد کے ساتھ ہی متصل تھا خود ہی یہ خدمت اپنے سر لے لی تھی اور مولوی صاحب کو تو یہ معمول بہت ہی راس آیا تھا۔

رابعہ بیگم نے کچھ عرصے سے چوہدری سردار صاحب کے ہاں سے آنے والی سوغاتوں کو واپس موڑنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے خیال میں چوہدری صاحب کے ہاں بیٹی بیاہنے کے بعد اب ان کا ان سوغاتوں پر کوئی حق نہیں بنتا تھا اور اسی کے ساتھ مولوی صاحب کے گھر میں بننے والے ناشتے پر عجیب سی مسکینی چھا گئی تھی۔ معمول کی سوکھی روٹی کے ساتھ کبھی کبھار رات کا بچا ہوا سالن کھانے کو مل جاتا تھا' لیکن اکثر سوکھے اچار کے ساتھ ہی ناشتہ پر ٹرخا دیا جاتا۔ وہ دیسی گھی میں تلے پراٹھے' مکھن' دہی اور شکر تو جیسے خواب ہونے لگے تھے۔ ایسے میں قدرت نے خود ہی نیاز محمد والا انتظام کر کے جیسے مولوی صاحب کے دن پھیر دیے تھے۔ نیاز محمد' تلے پراٹھوں کے ساتھ کبھی انڈوں کا آملیٹ' کبھی سوجی کا حلوہ' تو کبھی موٹی بالائی کی تہ والا دہی معہ شکر کے بھجوا دیتا تھا۔ ساتھ میں لسی' جس پر تازہ مکھن بھی تیر تا تھا۔

"سبحان اللہ... اس کی قدرت ہے سب' فاقہ کشی سے بال بال بچالیا اس نے۔" مولوی صاحب آنکھیں بند کیے نیاز محمد کے ناشتے کا تصور کرتے ہوئے جھوم رہے تھے' جب اپنے قریب آہٹ سن کر انہوں نے فوراً

آنکھیں کھول دی تھیں۔ نظریں نیاز محمد کے بیٹے کے ہاتھوں اپنی طرف بڑھاتے ناشتہ دان کی منتظر ہوگئیں۔ جس کے نہ آنے پر انہیں نظریں اٹھا کر دیکھنا پڑا تھا۔ ان کی توقع کے بالکل برعکس ان کے سامنے ان کا اکلوتا داماد افتخار احمد عرف کھاری کھڑا ان سے بیٹھنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
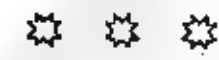
"اس نمبر کی مالک خاتون جن کا نام فلزا ولد محمد ظہور احمد ہے۔ اس وقت لاہور کی ایک آرٹ گیلری میں موجود ہیں۔ وہ گزشتہ کئی دن سے لاہور شہر ہی میں ٹھہری ہوئی ہیں۔ ان کی جائے قیام شہر کا ایک معروف فائیو اسٹار ہوٹل ہے۔ جہاں وہ چوہدری سردار نامی کسی شخص کی مہمان کی حیثیت سے رہ رہی ہیں۔ گزشتہ ماہ وہ ان ہی چوہدری سردار صاحب کے فارم ہاؤس جو شیخوپورہ کے قریب واقع ہے بھی مہمان کی حیثیت سے ٹھہر چکی ہیں۔"

بلال سلطان نے خود کو ملنے والی معلومات کو دھیان سے سنا اور آنکھیں سکیڑتے ہوئے اس پر غور کرنے لگے۔

"سر!" اسی دوران رازی کمرے میں داخل ہوا۔ رازی چند منٹ پہلے ان سے ملاقات کی اجازت لے چکا تھا۔

"ہاں بولو رازی' کوئی خاص بات؟" انہوں نے رازی کی طرف دیکھا۔

"سر! میں نے سارہ خان اور میم سیمی کے کنفرمڈ ٹکٹ ان تک پہنچا دیے ہیں۔ ضوفی ان کے ساتھ سفر کرے گی۔" رازی نے کہا۔

"ہاں... یہ بہت اچھا رہے گا' ضوفی خاصی سمجھ دار لڑکی ہے۔ وہ بہت اچھی طرح سب معاملات ہینڈل کر سکتی ہے۔"

"یس باس..." رازی بیوی کی تعریف سن کر خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"اور یہ تمہاری بھی خوش قسمتی ہے۔" بلال نے اس پر چوٹ کرتے ہوئے کہا' جسے رازی نے نظر انداز کر دیا۔

"اور سر! ایک اور اہم بات بھی بتانی تھی آپ کو۔"

"ہاں بولو۔"

"سر! کل رات مس ماہ نور آپ سے ملنے کے لیے یہاں آئی تھیں۔ ان کی آمد کی اطلاع ملتے ہی میں خود انہیں گیٹ پر ریسیو کرنے گیا۔ باقی لوگوں کو بھی الرٹ کر دیا گیا تھا۔ آپ کی ڈنر پر متوقع آمد کے پیش نظر میں اس وقت تک انہیں انٹرٹین کرنے کے لیے نشست گاہ کی طرف لا ہی رہا تھا کہ ان کا ارادہ اچانک بدل گیا اور وہ کسی اور سے ملاقات کا وقت ہو جانے کا بتا کر واپس پلٹ گئیں۔ میں نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی' مگر انہوں نے نہیں سنا۔ میں تو بلکہ انہیں مس سارہ خان کا رنگ اور پریکٹس روم دکھانے کی دعوت بھی دے رہا تھا' مگر میری بات سنتے ہی یکدم ان کا ارادہ بدل گیا۔"

رازی نے اپنی بات سنا کر ڈرتے ڈرتے باس کی طرف دیکھا۔ اسے پوری امید تھی ماہ نور کے یوں چلے جانے پر باس سخت ناراض ہوں گے اور سخت سست سنائیں گے' لیکن اس کی توقع کے برعکس باس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ ایک شرارت بھری مسکراہٹ۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

حیا بخاری

داور کے کمرے سے آتے شور میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اور جہاں آرا کی پریشانی بھی اسی قدر بڑھ رہی تھی۔ صرف داور کی ہی نہیں بلکہ اس کی ساس اور بیوی کی آواز بھی کافی واضح تھی۔ محلے والوں کا سوچ سوچ کر انہیں اندر ہی اندر شرمندگی گھیر رہی تھی۔

ان کی بہو ردا نے سویرے داور سے ماں کے گھر جانے کی فرمائش کی تھی۔ داور جلدی میں تھا سو اس کی بات ان سنی کرکے آفس کے لیے نکل گیا۔ ردا نے نہ صرف اس کے جانے کے بعد خوب شور مچایا۔ بلکہ فون کرکے ماں کو بھی بلوالیا۔ اور رو رو کے ان کو ساری بات بتائی۔ جہاں آرا اسے سمجھاتی ہی رہ گئیں۔

شام کو تھکا ہارا داور گھر آیا تو ردا اور اس کی ماں تو جیسے اس کی پیشی کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔ کمرے میں جاتے ہی دونوں ماں بیٹی نے اسے خوب سنائیں۔ تھکا ہوا داور کچھ وقت تو خاموشی سے سنتا رہا۔ مگر اسے بھی غصہ آگیا۔ اور اب وہ بھی ان کے مقابلے پر آگیا تھا۔ ساتھ والے گھروں کی عورتیں چھتوں پر چڑھ چڑھ کے تماشا دیکھنے لگیں۔ جہاں آرا دھڑکتا دل لیے کھلے دروازے سے اندر چلی آئیں۔

"ارے خدا کی پناہ! ابھی تو ایک ماہ نہیں ہوا تم لوگوں کی شادی کو' اور ابھی سے میری بیٹی کو اتنا کچھ سہنا پڑرہا ہے۔" جہاں آرا کو دیکھتے ہی گلزار بیگم مزید تیز ہوئیں۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں آپ سے آنٹی! کہ ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے بھلا کیا کیا سہہ لیا آپ کی لاڈلی نے اس ایک ماہ میں ہمارے گھر میں۔" داور نے حتی الامکان اپنے لہجے کو مہذب رکھنے کی کوشش کی تھی ورنہ وہ کس قدر غصے میں تھا' اس کی سرخ آنکھوں اور لال چہرے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"جب یوں کھڑے کھڑے تم میری اتنی بے عزتی کرسکتے ہو تو ردا کے ساتھ تم کیسا سلوک رکھتے ہوگے میں بچی ہوں جو نہ سمجھ سکوں۔" گلزار بیگم ہاتھ نچاتے ہوئے بولیں۔ ردا ان کے ساتھ لگ گئی۔ رونے میں مزید تیزی آگئی۔

"داور! تم باہر چلو۔" جہاں آرا کو اسی میں عافیت لگی کہ فی الحال ان سب کو الگ لے جاکر سمجھایا جائے۔

"ہاں ہاں۔ لے جاؤ۔ تمہارا ہی تو سبق ہے۔ بہو بیٹے کی خوشی تم سے دیکھی نہیں جاتی۔ ارے تم جیسی مائیں بیٹوں کو سہرا باندھتی ہی کیوں ہیں اگر اس کی خوشی برداشت نہیں کرسکتیں تو۔" گلزار کی بات پر جہاں تو منہ کھولے رہ گئیں۔ وہیں داور ضبط سے ہونٹ کاٹنے لگا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں گلزار بہن! میں تو۔" انہوں نے صفائی دینی چاہی کہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا۔

"بس بس۔ یہ ڈرامے صرف بیٹے کے سامنے ہی کرو تم۔ میں ان اداکاریوں میں آنے والی نہیں۔"

"آنٹی پلیز!" داور کی برداشت جواب دے گئی۔ جہاں آرا نے فوراً" اس کا بازو پکڑ کے اسے قابو میں کیا

تھا۔

"بس۔ میں نے فیصلہ کرلیا۔ روا! تم سب سامان پیک کروانا۔ اب اس گھر میں تم تب ہی قدم رکھو گی جب اس گھر کو تمہاری قدر ہوگی۔" گلزار بیگم کی بات پہ داور ایک غصیلی نگاہ روا پہ ڈالتا باہر نکل گیا۔ اور پھر جہاں آرا کے لاکھ روکنے کے باوجود وہ دونوں نہیں رکی تھیں۔

وہ نڈھال سی برآمدے میں پڑی چارپائی پہ آکر سر تھامے بیٹھ گئیں۔ ڈرائنگ روم سے نکلتے داور نے ایک اداس سی نگاہ اپنی ماں پر ڈالی۔ اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"امی۔ دروازہ بند کرلیں۔ میں رات تک آجاؤں گا۔" وہ کہہ کر باہر چلا گیا مگر جہاں آرا وہاں ہوتیں تو سنتیں۔

☼ ☼ ☼

"آپ بات کی نزاکت کو کیوں نہیں سمجھ رہے۔" اماں نے تھکن زدہ لہجے میں کہا تو وہ جو دروازے کے قریب سے گزر رہی تھی۔ ٹھٹک کے رک گئی۔

"بات کی نزاکت کو تم نہیں سمجھ رہیں عفت بیگم! جہاں آرا میری اکلوتی اولاد ہے۔ اس کے لیے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ وہ مجھ پہ بھاری نہیں۔" بابا نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"میں مانتی ہوں۔ وہ آپ کو بے حد عزیز ہے۔ آپ اس کے لیے کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ مگر اس کا گھر تو برباد نہیں کرسکتے ناں۔" اماں کی بات پر جہاں بابا چونکے تھے۔ وہیں دروازے کی اوٹ سے لگی جہاں آرا کا دل بھی کانپ گیا۔

"ابھی اس کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ اور بجائے اسے اپنے گھر میں خوش دیکھنے کے آپ اسے اپنے پاس رکھنے کا سوچ رہے ہیں۔" اماں بولتی رہیں۔ "بیٹیاں کسی پہ بوجھ نہیں ہوتیں لیکن یہ ایک حقیقت بھی ہے اور شریعت بھی کہ بیٹیاں اچھی اپنے گھر میں ہی لگتی ہیں۔ میں مانتی ہوں کہ جہاں آرا کی ساس کو اتنا سخت رویہ نہیں رکھنا چاہیے تھا مگر قصور ہمارا بھی ہے جہاں آرا کے ابا! اگر آپ مجھے اسے گرہستی سکھانے دیتے تو آج اسے ان مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ماں باپ کی سب سے بڑی غلطی یہی ہوتی ہے کہ بیٹیوں کو وداع تو کردیتے ہیں مگر انہیں یہ سمجھانا بھول جاتے ہیں کہ ان کا اصل گھر شادی کے بعد ان کا سسرال ہی ہوتا ہے۔ چھوٹی موٹی لڑائیاں تو ہر جگہ ہوتی رہتی ہیں۔ نو مہینے پیٹ میں پالنے والی ماں بھی تو غصے میں کبھی ہاتھ بھی اٹھا لیتی ہے تو ساس کی ذرا سی گرمی پر اتنی انا کیوں۔ پھر میں جانتی ہوں۔ آذر بہت اچھا لڑکا ہے اور اس کے گھر والے بھی۔ چھوٹی سی رنجش ہے اسے دلوں کا میل نہ بنائیں۔ میں خود جہاں آرا کو سمجھاؤں گی اور اس کی ساس سے بھی بات کروں گی۔ دیکھئے گا سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ابھی آذر کا فون آیا تھا۔ شام کو لینے آئے گا وہ جہاں آرا کو۔ آگے آپ کی مرضی۔"

اماں بات ختم کرکے چپ ہوگئیں۔ بابا نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔ وہ بھی چپ چاپ دروازے سے ہٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

"اماں! بابا نے کیا سوچا؟"

اماں آذر کے آنے سے پہلے ہی اس کی خاطر مدارت کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں کہ اچانک جہاں آرا نے ان کو پیچھے سے پکارا۔ انہوں نے مڑ کر ایک نظر اس کے پریشان چہرے پر ڈالی۔ اور دوبارہ کباب بنانے لگیں۔

"یہ اہم نہیں بیٹا کہ بابا نے کیا فیصلہ کیا۔ اہم بات یہ ہے کہ تم نے کیا فیصلہ کیا۔" انہوں نے کبابوں کی پلیٹ فریزر میں رکھی اور سنک میں ہاتھ دھونے لگیں۔ جہاں آرا شیلف سے ٹیک لگائے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ ہاتھ دھو کر اس کے پاس چلی آئیں۔

"تمہیں یاد ہے جہاں آرا! میں گھر کے کام کاج سے متعلق جب تمہیں ڈانٹا کرتی تھی تو تم ہمیشہ اپنے بابا کو ڈھال بنا لیا کرتیں۔ اگر اس وقت انہوں نے بھی تمہیں سمجھایا ہوتا یا مجھے سمجھانے دیا ہوتا تو آج تم یہ پریشانی نہ دیکھتیں۔ لیکن پتا ہے تم سے سب سے بڑی غلطی کیا ہوئی۔ تم نے چھوٹی سی بات کو ایشو بنا لیا۔ اور ایشو جتنی جلدی کری ایٹ ہوتے ہیں' اتنی ہی دیر لگتی ہے انہیں حل کرنے میں' اگر تم اسے معمولی بات سمجھ کر نظرانداز کردیتیں تو آج پرسکون سی اپنے گھر بیٹھی ہوتیں' لیکن سچ کہوں تو ایسی چھوٹی چھوٹی بات کو ایشو بنانے میں تمہارے بابا کا بھی کردار ہے۔ تمہیں اب پہلے کی طرح ہر بات ان سے شیئر نہیں کرنا چاہیے بیٹا! تم ٹھنڈے دماغ سے اب پہلے خود سوچو' اور اگر کسی مسئلے کا حل نہ نکال سکو تو مجھ سے شیئر کرلو۔ مگر یوں چھوٹی سی بات پہ جھگڑ کر میکے چلے آنا یا ماں باپ کو دخل اندازی پہ مجبور کرنا ٹھیک نہیں ہوتا بیٹا!"

انہوں نے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ تھامتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں کہا تو وہ رو دی۔ واقعی اس سے بہت بڑی غلطی ہوگئی تھی۔

اور پھر وہ اس کی آخری غلطی تھی۔ اس دن جب بابا کو راضی کرکے وہ آذر کے ساتھ واپس چلی گئی تو دوبارہ کبھی اس نے اپنے گھر کی بات گھر سے باہر نہ نکالی تھی۔ جیسی بھی صورت حال ہوتی' وہ محبت اور ہمت سے ہینڈل کرلیتی۔ اپنی ماں کی ایک نصیحت باندھ لینے سے اس کی زندگی آسان تر ہوتی چلی گئی اور اس کا گھر خوشیوں کا گہوارہ بن گیا۔

لیکن آج' اتنے سالوں بعد وہی چھوٹی سی غلطی ان کی بہو کر بیٹھی تھی۔ اور بدقسمتی یہ تھی کہ اس کی ماں' جہاں آرا کی ماں کی طرح اسے سمجھانے کے بجائے چھوٹی سی بات کو بڑھا رہی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ جب بیٹیاں ماں باپ کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر جاتی ہیں تو یہ ان کے لیے زندگی کی ایک نئی شروعات ہوتی ہے۔ اور بالکل اسی طرح جیسے بچپن میں انہیں بے انتہا نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدم قدم پہ انہیں سمجھانا پڑتا ہے۔ بالکل ویسے ہی شادی کے بعد نیا گھر اور ان کی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ان سے نپٹنے کے لیے بھی انہیں ایک بہترین دوست اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جس قسم کا رویہ روا کی امی نے ان کے گھر دکھایا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ روا کی مدد تو دور کی بات' الٹا اس معاملے کو بڑھا سکتی تھیں۔

انہیں اپنا گھر بہت عزیز تھا اور اپنا بیٹا اپنے گھر سے بھی زیادہ' اسی لیے انہیں اپنی بہو بھی عزیز تھی۔ وہ صرف ایک چھوٹی سی بات پہ یوں اپنے بیٹے کا گھر اجڑتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نہ ہی بیٹے بہو کی پریشانی ان سے برداشت ہو رہی تھی۔ انہیں گلزار بیگم سے اب کسی قسم کی کوئی توقع نہ رہی تھی۔ انہوں نے تو الٹا معاملے کو سنگین بنانے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ داور سے بھی بات کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ کیونکہ جس قدر غصے میں وہ تھا اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ مزید بگڑ جاتا۔

"مجھے خود روا سے بات کرنی ہوگی۔ امی نے مجھے سمجھایا تھا کہ شادی کے بعد بچیوں کا سسرال ہی ان کا اصل گھر ہوتا ہے۔ ان کی حقیقی جائے پناہ' اور ساس سسر اس کے ماں اور باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سسرال اور میکے کا فرق میں ختم کروں گی۔ میں روا کو وہ سب سمجھاؤں گی جو میری ماں نے مجھے سمجھایا' میں اپنی پوری کوشش کروں گی کہ میری طرح ہی روا پہلی ٹھوکر پہ ہی سنبھل جائے۔ اور یہ غلطی اس کی بھی آخری غلطی ثابت ہو۔ اللہ میرے داور اور روا کو ہمیشہ خوش رکھے۔"

وہ سوچتے ہوئے کچن کی طرف چل دیں۔

"اور پھر مجھے اماں کا قرض بھی تو اتارنا ہے۔ اس سے بہتر موقع بھلا اور کیا ہوسکتا ہے۔" دل ہی دل میں مطمئن ہوکر فیصلہ کرتے ہوئے وہ رات کا کھانا بنانے لگیں' ایک مرتبہ پھر سے خوشیوں بھرے گھر کی نئی امید لیے۔

☼

سمیرا حمید

خسارہ

رات کی رم زدہ (وحشت ناک) جھولی میں دیو قامت مجسمۂ نفس کو دپھاند کر فلک پاش قہقہے لگا رہا تھا۔

رم زدہ شب فلک تا خاک نام نہاد انسانوں کے چار اطراف رقصاں تھی۔

اتر کر گھوم رہی تھی۔

گھوم کر لپٹ رہی تھی۔

اور بجھ کر جل کر بھڑک رہی تھی۔

کیونکہ اسی رات عاصرہ کی چیخ گھر کے کونے کونے میں پھیل کر کائنات کے ذرّے ذرّے کو گواہ بنا ساتھ لا رہی تھی۔

کیونکہ یہ عاصرہ ہی تھی جو فیروزہ کی اماں تھی۔

اور یہی عاصرہ تھی جو صاحب اولاد نہ ہو سکی تھی۔

کیونکہ وہ شادی شدہ نہ ہو سکی تھی۔

عافیہ نے اپنی لاڈلی اکلوتی بیٹی کے منہ سے خون کی ایک پتلی لکیر نکلتے دیکھی تو اس کے اندر ایک دم سے وحشت کا ریلا کوند پھاند کر اسے پیچھے بہت پیچھے کی طرف دھکیلنے لگا۔

جیسے دلدل کا سوتا پھوٹتا ہو... جو اتنی آہستگی سے' اتنے توازن سے گہرے پاتال میں لے جاتی ہے کہ دھنسنے والے کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ وہ اندر ہی اندر دھنس رہا ہے یا دلدل کو اپنے ساتھ لیے اوپر اٹھ رہا ہے۔

فیروزہ مدہوش تھی... بے ہوش تھی یا... یا...

اس یا کے آگے بہت کچھ تھا۔ اس یا کے پیچھے بھی بہت کچھ تھا۔

اس کی بیٹی آنکھیں نہیں کھول رہی تھی... تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے... فیروزہ۔ لیکن تین بیٹوں کی اکلوتی ماں کی آنکھیں کھل سی گئی ہیں۔ اسی بیٹی کی ماما اس کے پیروں کی طرف کھڑی ہے' ساکت' خاموش اسی بیٹی کی اماں جانی اس کے سرہانے بیٹھی باؤلی سی ہو رہی ہے۔

"فیروزہ..." اس کی اماں جانی نے چیخ ماری۔

"دیکھیں... بھابھی! جلدی فون کریں ڈاکٹر کو۔ دیکھیے اسے کیا ہوا ہے' یہ ایسے کیسے' اسے کیا ہوا ہے بھابھی... فیروزہ!" ایک پاگل دوسری پاگل کو جھنجوڑ رہی تھی۔

تیسرا صحیح الدماغ بشر ان دونوں کو دیکھ رہا تھا... خاموش... جواب الجواب۔

خون کی ایک لکیر اس کی ناک سے بھی نکل رہی تھی۔

نقص کی ایک لکیر اس کے نفس پر بھی پھری تھی۔

فیروزہ کے دماغ کی رو یقیناً" کل رات غلط سمت بھاگی دوڑی ہوگی۔

غلطی کی طرف... ناسمجھی کی طرف... لاعلمی سے...

اس کی ماما کی رو بھی بھاگی دوڑی تھی... غلطی... غلط... گناہ کی طرف۔

"فیروزہ!" ماں اس کا سر گود میں رکھ کر اسے چوم رہی تھی' اسے مار رہی تھی' اس کے کانوں کے پاس چلا رہی تھی۔

"فیروزہ!" ماما جانی' جواب الجواب کھڑی دلدل ہوتی

زمین میں دھنس دھنس گئی۔ اپنی بیٹی سے نظریں ہٹاتے بچاتے' اس کی نظریں عاصرہ تک آکر مجسم انجام بن چکی تھیں۔

عافیہ' عاصرہ پر اپنی نظریں گاڑے اندر ہی اندر دھنس رہی تھی۔ اپنی بیٹی کے سرہانے سے پھوٹتی موت کے پرندے کی پھڑپھڑاہٹ اسے دہلا رہی تھی۔

پر اب دیر ہو گئی تھی۔ اعمال کے پرندے کے پروں پر اس نے سیاہی پھیر دی تھی... حضرت انسان ملامتی شیطان کیوں بنا؟ پختہ عمر کی بن بیاہی عاصرہ' فیروزہ کا سر گود میں رکھے تڑپ رہی ہے۔ اس کی بیٹی اور اپنی بیٹی جیسی فیروزہ کے لیے۔

پختہ عمر کی عاصرہ کبھی چھوٹی عمر کی فیروزہ تھی۔ جب وہ بتیس سال کی تھی تب... جب وہ اس کی اکلوتی بھابھی بنی تھی تب سے پہلے خاص کر...

وہ گہرے سانولے رنگ کی تھی۔ اور یتیم تھی۔ اپنے بڑے کنبے کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے اس کی اتنی عمر

ہوگئی لیکن شادی نہ ہوئی۔۔۔ پھر اس سے آٹھ سال چھوٹے آٹھ جماعتیں پاس گاؤں کے رہائشی کا رشتہ آیا تو شہر کی نوکری یافتہ لڑکی کو اس کی ماں نے گاؤں کے رہائشی سے بیاہ دیا۔ فرقان دراز قد اور خوب صورت تھا' بس وہ ہینڈسم تھا۔ سیدھا سادہ تھا اور سیدھی سادی ہی اس کی چھوٹی بہن تھی۔ "عاصرہ"

ان کی ماں عاصرہ کی پیدائش سے فوت ہوئی تھیں اور باپ جب عاصرہ دس سال کی ہوئی تو۔ فرقان کو ایک گھر سنبھالنے والی چاہیے تھی بس۔۔۔ اسے عافیہ کے گہرے سانولے رنگ سے مطلب تھا نہ اس کی عمر سے۔ گاؤں کا گھر بکوا کر عافیہ انہیں شہر لے آئی۔ دونوں کچھ ایسے تھے کہ جو ریڈیو پر سن لیا وہی سچ۔ جو اخبار میں پڑھ لیا وہ سچ۔۔۔ یہ سچ اور سچ ان کے لیے عافیہ بن گئی۔ شہر والی تھی۔ بہت پڑھی لکھی تھی اور عقل مند تو بہت ہی زیادہ تھی۔

فرقان پیٹرول پمپ پر نوکری کرنے لگا اور عافیہ پھر سے آفس جانے لگی۔ گاؤں میں عاصرہ باقاعدگی سے اسکول جاتی تھی۔ گاؤں چھوڑا تو اسکول بھی چھوڑا۔ عافیہ نے کہا کہ وہ اگلے سال اس کا اسکول میں داخلہ کروا دے گی' لیکن اگلے سال کیا کسی بھی سال اس کا داخلہ نہ ہوسکا کیونکہ اس کی بھابھی سچ اور سچ تھی اور وہ بے چاری سی عاصرہ اگر وہ اسکول جاتی تو گھر کے کام کون کرتا۔ عاصرہ ہی صبح ان دونوں کو ناشتا بنا کر دیتی تھی۔ برتن' صفائی' دوپہر کا کھانا وہ سب بڑی پھرتی سے کرتی۔۔۔ بن ماں کے پلی تھی۔ چودہ سال کی عمر سے ہی اسے سب کرنا آتا تھا۔

عافیہ آفس سے تھکی آتی تو آکر سو جاتی۔۔۔ شام میں عاصرہ سبزی بنا دیتی' دل چاہتا تو عافیہ سالن بنا لیتی ورنہ سالن' آٹا' روٹی عاصرہ سب خاموشی سے کیے جاتی۔

اس "سب کرنے میں" اسے اسکول بھیجنے کی غلطی کون کرتا؟

"بھابھی سال گزر گیا؟" وہ آئے دن بڑی آس سے سوال کرتی۔

"نہیں۔۔۔" وہ جھٹ کہتی۔

دونوں گاؤں کے رہائشی' سیدھے سادے نہ انہیں ایڈمیشن منتھ کا پتا تھا نہ شہری اسکولوں کے قواعد وضوابط کا۔۔۔

"اسے اسکول داخل کروا دو عافیہ!" ایک دن فرقان نے کہا جب بار بار کہنے لگا تو ناچار عافیہ اسے اسکول لے گئی' پرنسپل نے عاصرہ کے سامنے کہا۔

"ایڈمیشن تو نہیں ہوسکتا۔"

عاصرہ کو کیا بات سمجھ میں آتی عافیہ نے ہی سمجھائی کہ پرنسپل صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ تم گاؤں کے اسکول سے پڑھ کر آئی ہو نا تو گاؤں کی پڑھائی یہاں نہیں چلتی۔ انہیں تمہارا ٹیسٹ لینا ہوگا اور وہ ٹیسٹ سال بعد نہیں پورے دو سال بعد ہوگا۔

"دو سال بعد بھابھی۔۔۔ دو سال مطلب؟"

"اگلے سے اگلے سال ہوگا ٹیسٹ۔۔۔"

"میری تو تین جماعتیں رہ جائیں گی بھابھی۔"

"میں کیا کرسکتی ہوں۔ بس اب یہی ہوتا ہے یہاں۔"

عاصرہ پھر سے دو سال کے لیے انتظار میں جا پڑی۔۔۔ فرقان سے کہہ دیا پرنسپل نے انگلش میں کچھ سوال جواب کیے تھے' عاصرہ نے ان کے جواب نہ دیے۔ انہوں نے کہا فی الحال گھر میں پڑھاؤ اور عاصرہ سے کچھ نہ پوچھنا۔ اس کا دل چھوٹا ہوگا۔"

فرقان کتابیں لایا کہ عاصرہ گھر میں رہ کر پڑھے۔ چند دنوں بعد عافیہ نے کتابیں اٹھا کر رکھ دیں کہ "چھوٹا جاذب پھاڑ دے گا جب اسکول جاؤ گی تو نکال لینا۔"

عافیہ آفس جاتی رہی۔ وہ جاذب کو سنبھالتی۔ اس کا فیڈر بناتی' اسے کھلاتی' بہلاتی اور تھک کر اس کے ساتھ ہی سو جاتی۔

اگلے سال حماد آگیا۔۔۔ عاصرہ کے پاس اب دو بچے ہوگئے۔ عافیہ اپنے میکے والوں کے سامنے فخر سے کہتی۔

"میرے بچے میرے پاس نہیں آتے اور عاصرہ کے پاس سے نہیں جاتے خیر سے۔ بہت پیار کرتی ہے ان کی پھوپھو جانی ان سے۔۔۔ ہے کوئی عاصرہ جیسی پھوپھی

کسی اور کے پاس۔"

عاصرہ اپنی تعریف سن کر پھولے نہ سماتی۔۔۔ خاص کر شہری کھانے کھانے والوں اور ٹانگ پر ٹانگ جما کر بڑے بڑے صوفوں پر بیٹھنے والوں کے سامنے تو اسے لگتا کہ اس کی زندگی کا حاصل وصول ہوگیا۔

وہ اور بھاگ بھاگ کر جاذب اور حماد کے کام کرتی۔۔۔ ماسی آتی گھر کی صفائی کر جاتی اور وہ دونوں بچوں کو دیکھتی۔

دو سال گزرے۔۔۔ تین بھی گزر گئے۔۔۔ درمیان میں جب جب وہ اسکول کا سوال کرتی بھابھی کچھ یوں جواب دیتی اسے۔

"عاصرہ! یہ سرکاری اسکولوں کے استاد بہت مارتے ہیں۔۔۔ میری اماں کے ادھر ساتھ والی خالہ کی نواسی کے بازو کی ہڈی توڑ دی۔۔۔ یہ شہر ہے نا یہاں یہ سب ہوتا ہے۔ کوئی کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"یہ جو اسکول ہوتے ہیں نا گندی سندی زمینوں پر بناتے ہیں۔۔۔ خاص کر قبرستانوں کی زمین پر۔۔۔ اور یہاں جنوں' چڑیلوں کے سائے ہوتے ہیں۔۔۔ ابھی پچھلے ہفتے اخبار میں خبر آئی کہ ایک بچی کی لاش ملی اسکول کے باتھ روم سے۔۔۔ ایک بچی چھت سے گر کر اپنی دونوں ٹانگیں تڑوا بیٹھی۔۔۔ ایک کا اندھیرے میں کسی بلا نے گلا دبا دیا۔۔۔ تڑپ تڑپ کر بچی مر گئی۔۔۔ اگلے دن لاش اسکول کے بند گٹر سے ملی۔۔۔ میرا تو دل کانپ جاتا ہے یہ سوچ کر کہ تو بھی اسکول جائے گی۔۔۔ میرے بس میں ہو تو کبھی اپنی پیاری عاصرہ کو اسکول نہ جانے دوں۔ یہ شہروں کے اسکول تم سے تو موت اچھی ہے۔"

بے چاری عاصرہ سہم سہم جاتی۔

فرقان کو یاد آتا تو کہتا۔

"عاصی! تو کیوں نہیں جاتی اسکول۔۔۔ کتنی بار کہہ چکا ہوں اپنی بھابھی کے ساتھ جا اور داخلہ لے لے۔"

وہ صاف کہنے لگی۔

"مجھے نہیں جانا بھائی جان! اسکول۔۔۔ نہیں پڑھنا مجھے۔"

نہ وہ گئی نہ وہ پڑھی۔۔۔ وہ بڑی ہوتی گئی۔۔۔ گھر اور بچے سنبھالتی رہی۔۔۔ تین بھتیجوں کی پھوپھو جانی بن گئی۔ چوبیس سال کی ہوگئی۔۔۔ فرقان قطر چلا گیا۔۔۔ عافیہ نے ہی بھیجا۔۔۔ اسے بڑا گھر چاہیے تھا۔۔۔ گاڑی لینی تھی اسے۔

☆ ☆ ☆

نفس کی کلائی تھامے کاش کبھی تو انسان ذرا کی ذرا رک کر دیکھے کہ وہ نفس کے ساتھ کس راستے پر بھاگتا چلا جا رہا ہے۔

کبھی ایک لمحے کے لیے وہ سر جھکا کر اپنے پیروں کے نشانات پر تو غور کرے کہ وہ کس پاتال کی طرف جا رہے ہیں۔

کبھی تو وہ سر اٹھا کر آسمان والے کو دیکھے اور اس کی مانے۔

"ہر انسان گھاٹے کا سودا ہی کرنے والوں میں سے ہے۔"

اس کا سودا۔۔۔ "عاصرہ" بستر پر آہ و بکا کر رہی ہے۔

اس کا گھاٹا "فیروزہ" بستر پر بے حس ہوتا جا رہا ہے۔

اور کبھی تو انسان اپنے "سودے" اور اپنے "گھاٹے" کے بارے میں سوچے۔۔۔ کبھی تو۔

وہ آفس جاتی۔۔۔ ورنہ سیر سپاٹے کرتی رہتی۔۔۔ یہاں جا وہاں جا۔۔۔ گھر کی طرف سے مکمل بے فکری۔۔۔ اس کی زندگی اب ہی تو سہل ہوئی تھی' زندگی سے اب ہی تو اس نے لطف لینا شروع کیا تھا۔ پہلے ذمہ داریاں تھیں اور شادی نہ ہوسکنے کا خوف۔۔۔ اب جو ذمہ داریاں تھیں' وہ عاصرہ کی تھیں۔۔۔ اس کے پاس پیسے تھے۔ اچھے ملبوسات تھے۔ وہ زیورات پہن کر گھنٹوں باتیں کرتی رہتی کافی کا مگ ہاتھ میں لے کر' اسے پروا تک نہ ہوتی کہ اس کے بچے سوئے ہیں یا نہیں انہوں نے کھانا کھایا ہے ٹھیک سے کہ نہیں۔

فرقان کے فون پر فون آتے۔

"کوئی رشتہ دیکھا۔۔۔ کوئی رشتہ آیا؟"

"دیکھا تھا۔۔۔ عافیہ کو پسند بھی کر گئے۔۔۔ لڑکا چھ ری نکلا۔"

"لڑکے کی دکان ہے' اپنی الیکٹرونکس کی۔۔۔ لڑکا شراب پیتا ہے۔۔۔ کردار بھی بہت خراب ہے۔"

"تو پھر رشتے کہاں ملتے ہیں اتنی جلدی۔۔۔ دیکھ تو رہی ہوں۔۔۔ ہزار لوگوں کو کہہ رکھا ہے اور کیا کروں۔"

سال بعد فرقان آیا۔۔۔ رشتے والی کو بلایا۔۔۔ عافیہ نے اسی رشتے والی کو الگ سے بلایا۔ "کہتا لڑکی بی اے پاس ہے۔"

"لیکن لڑکی کا بھائی تو کہہ رہا ہے کہ یہ چھ' سات پاس ہے۔"

"جو کہا ہے وہ کرو آپا! بس یہی کہہ کر رشتہ دکھنا۔"

آپا بی اے پاس کا کہہ کر پڑھے لکھے خاندان کو لے آئی۔۔۔ لڑکی انہیں پسند آ گئی۔۔۔ بات پکی ہو گئی۔۔۔ بعد ازاں انہیں کہیں سے پتا چلا کہ لڑکی پانچ پاس بھی نہیں۔۔۔ منگنی ٹوٹ گئی۔۔۔ جب منگنی ہوئی تو فرقان واپس چلا گیا کہ واپسی پر شادی ہو گی۔ وہ وہاں اچھے خاندان کو دینے کے لیے جہیز اکٹھا کرتا رہا۔۔۔ یہاں رشتے آتے رہے۔ بنتے گئے۔ ٹوٹتے گئے۔۔۔ کبھی لڑکا جواری نکل آتا۔۔۔ کبھی شرابی' کوئی شادی شدہ ہوتا۔۔۔ کسی کے چار' چھ بچے ہوتے۔

گاہے بگاہے۔۔۔ بھابھی عافیہ نند عاصرہ کو پاس بٹھائے سچ گپ کرتی رہتی۔

"میرے بس میں ہوتا تو کبھی شادی نہ کرتی۔۔۔ ابھی بھی کہاں کر رہی تھی میری اماں نے زبردستی کر دی۔"

"کیوں بھابھی؟"

"ذلالت ہے عاصی۔۔۔ نری ذلالت۔۔۔ بددعا ہے عورت کو شادی۔۔۔ پنجرہ ہے جس میں دم گھٹتا ہے' نہ عورت مرتی ہے' نہ جیتی ہے' لعنت کا طوق ہے یہ۔۔۔"

"ہائے بھابھی! کیوں؟"

"جوتی کی نوک پر رکھتا ہے شوہر۔"

"فرقان بھائی جان تو بہت اچھے ہیں بھابھی!"

"مجھ سے پوچھ' کتنے اچھے ہیں۔۔۔ گھونگھٹ اٹھاتے ہی تیرے بھائی نے میرے منہ پر تھوک دیا تھا۔۔۔ کہتا' دوزخی' لعنتی' چڑیل۔۔۔ اور کیا بتاؤں۔ کیا نہیں کہا مجھے۔۔۔ ہزار بار دھتکارا ہے مجھے۔۔۔ کہتا ہے میں ہوں ہی اسی لائق۔۔۔ میرا رنگ۔۔۔ میری شکل سب خدا نے ہی بنائی ہے نا عاصی۔۔۔ پر ان مردوں کو کون سمجھائے۔۔۔ انہیں تو حوریں چاہئیں۔ اسی لیے تو ہر دوسری عورت کے پیچھے بھاگتے ہیں۔۔۔ مجھے تو تیرے لیے ڈر لگتا ہے عاصی! تیری تو آنکھ پر سورج گرہن بھی ہے۔۔۔ یہ اتنا بڑا سیاہ دھبہ۔۔۔ تیرا شوہر نجانے کیسے کیسے تھوکے گا تجھ پر۔"

عاصی سیاہ دھبے جیسی سیاہ ہو جاتی۔

"فرقان بھائی جان۔۔۔ وہ تو ایسے نہیں تھے بھابھی!"

"وہ بھائی ایسا نہیں۔۔۔ باپ ایسا نہیں' پر شوہر ایسا ہی ہے عاصی۔۔۔! سارے شوہر ایسے ہی ہوتے ہیں؟"

"سارے بھابھی؟"

"ہاں سارے۔۔۔ میری چھوٹی بہن جس کی شادی میں تم بھی گئی تھیں۔ شادی کے پہلے ہی دن شوہر نے چٹیا پکڑ کر سر دیوار سے دے مارا۔۔۔ کئی دن ہوش میں نہیں آئی تھی۔۔۔ اماں تو بات ہی چھپاتی رہیں۔"

"بھابھی۔۔۔ رخشندہ آپی تو اتنی اچھی ہیں۔۔۔ اتنی خوب صورت۔۔۔"

"یہ مرد ذات ایسی ہی ہوتی ہے۔۔۔ اس کے شوہر نے کہا۔ میرے جوتے صاف کر دو۔۔۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ ابھی تھوڑی دیر میں کر دیتی ہوں۔۔۔ کہتا فوراً کیوں نہ کیے۔۔۔ اتنا مارا اتنا مارا۔۔۔ کہ کیا بتاؤں۔۔۔ اور کیا کیا بتاؤں تجھے۔۔۔ مجھے تو وحشت ہوتی ہے۔"

وحشت عاصرہ کو بھی ہونے لگتی۔ اس کا دم سا گھٹنے لگتا۔۔۔ سالوں سے بھائی کے گھر کی چار دیواری میں ہی رہتی رہی تھی۔۔۔ نہ دنیا دیکھی تھی' نہ دنیا داری۔۔۔ اس کی چیت بھی بھابھی تھی پٹ بھی۔۔۔ وہ کیسے رماز (پہیلی کہنے والی) بھابھی کی رمز جان جاتی۔

سہم سہم جاتی۔۔۔ دہلی دہلی رہتی۔

گاہے بگاہے بھابھی تیر چھوڑتی رہتی۔

"میری کولیگ کی بہن کی شادی ہوئی تھی پچھلے مہینے۔۔۔ خدا دشمن کو ایسے دن نہ دکھائے جو اس کی بہن نے دیکھے۔۔۔ ہفتے کے اندر اندر طلاق دے دی۔۔۔ طلاق سے پہلے کمرہ بند کر کے چمڑے کی بیلٹ سے مارا۔۔۔ کہتا تھا بدکردار ہے۔"

"کسی لڑکے کے ساتھ چکر تھا لڑکی کا؟"

"چکر وکر کچھ نہیں تھا۔۔۔ پانچ وقت کی نمازی تھی تمہاری طرح۔۔۔ دنیا کا پاک باز سے پاک باز مرد بھی شک سے پاک نہیں ہوتا عاصی۔۔۔ اپنے بھائی کو ہی دیکھ لو۔ جب فون کرتا ہے' ہزار ہزار سوال پوچھتا ہے۔۔۔ کیا میں نہیں جانتی۔۔۔ شک کرتا ہے مجھ پر۔۔۔ کہاں گئی تھیں۔۔۔ کس کے ساتھ تھیں۔۔۔ اور اپنے بھائی سے ذکر نہ کرنا۔۔۔ مجھے بہت گندی گندی گالیاں دیتا ہے۔۔۔ بہت دل دکھتا ہے میرا۔۔۔ کاش میں نے شادی نہ کی ہوتی۔۔۔ اندر سے تو مر چکی ہوں میں۔"

عاصرہ فون پر بھی اپنے بھائی سے بات کرنے سے کترانے لگی۔

"بھائی کا فون آیا ہے۔۔۔ تجھے بلا رہا ہے' بات کر لے۔" سنتے ہی اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا۔۔۔ فرقان اتنی باتیں کرتا رہتا اور وہ ہوں ہاں کر کے بھاگنے کی کرتی۔۔۔ رہ رہ کر یہی خیال ستاتا کہ اس کا بھائی ایسا گندا ہے کہ عافیہ جیسی نمازی بیوی کو گالیاں دیتا ہے۔

نمازی بھابھی نت نئے قصے' کہانیاں اسے سناتی رہتی۔۔۔ وہ رات رات بھر نہ سو سکتی۔

"میری دور کی ایک خالہ ہیں۔۔۔ ان کی بیٹی کو اس کے شوہر نے جلا ڈالا' توبہ! بڑا کہرام مچا تھا عاصی۔۔۔ کسی چھوٹی سی بات پر میاں' بیوی میں جھگڑا ہو گیا۔۔۔ اور اس نے دوپٹے کے بل دے کر پہلے اس کا گلا دبایا' جب مر گئی تو تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔۔۔ بس کچھ نہ پوچھو۔۔۔ عاصی! میں تو دہل گئی۔ بس دعا کرتی ہوں تیری کبھی شادی نہ ہو' اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو قسم سے کبھی اس کی شادی نہ کرتی' مر جاتی اسے اس عذاب میں نہ ڈالتی۔"

اس عذاب میں پھر عاصرہ بھی کیوں جاتی۔

فرقان آیا' پھر سے عاصرہ کے رشتے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے لگا۔

"یہ دیکھ تیرے بھائی نے رات مجھے مارا ہے۔" کہیں رات میں وہ غسل خانے میں پھسل گئی تھی۔

"کیوں مارا بھائی نے؟" وہ نئے سرے سے سہم گئی۔

"وہی شک۔۔۔ رات کو اپنے بھائی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ کہتا ہے کہ کوئی اور تھا۔۔۔ میرا سر دیوار پر دے مارا۔"

"مجھ پر بھی کرتے ہیں شک؟"

"تو تو بہن ہے۔۔۔ تیرا شوہر کرے گا تجھ پر۔۔۔ لکھ لے۔۔۔ ہائے میرا تو جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔"

"میں شادی ہی نہیں کروں گی بھابھی۔" پہلی بار اس نے اعلان کیا۔

"تیرے بھائی کو کون سمجھائے۔"

فرقان نے ایک رشتہ ڈھونڈ نکالا۔۔۔ عاصی کی عمر زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ اب رشتے ملنے میں بہت مشکل ہوتی تھی۔

عاصی کو ہسٹریائی دورے پڑنے لگے' کہتی جاتی۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔۔۔ مجھے بچا لو۔۔۔ مجھے بچا لو۔۔۔"

بچاتا کون۔۔۔ جسے بچانا تھا' وہ تو ڈبو رہا تھا۔

فرقان بہت پریشان رہنے لگا۔

"کیا ہوا ہے عاصی کو۔۔۔ یہ کیوں کرتی ہے ایسے؟"

"پتا نہیں کیا الٹا سیدھا سوچتی رہتی ہے۔۔۔ کوئی آپ کا چچا کا بیٹا تھا۔۔۔ اس کی شادی ہو گئی تو کہتی ہے اسے پسند کرتی تھی۔"

"وہ تو چھوٹا تھا عاصی سے۔۔۔ لیکن اگر تمہیں بتا دیتی تو میں چچا سے بات کر لیتا۔۔۔ اب تو اس کی شادی ہو گئی ہے۔"

"شاید اسی کا روگ پال لیا ہے عاصی نے۔"

"پر شادی تو کرنی ہے نا عاصی کی۔۔۔ ویسے ہی اتنی عمر ہو گئی۔"

جب جب کوئی رشتہ آتا' عاصرہ کو دورے پڑنے لگتے۔ اس کی حالت اور سے اور بگڑنے لگی۔۔۔ عافیہ

کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھی بھیجا۔ عافیہ ڈاکٹر کو اپنی من پسند کہانیاں سنا کر دوا لے آتی۔ عاصرہ وہ دوا کھاتی رہی۔

ساتھ ساتھ چھوٹے موٹے قصے' کہانیاں عافیہ اس کے گوش گزار کرتی رہی' کچھ اس لیے بھی زیادہ کہ وہ تیسرے بیٹے کے — سات سال بعد پھر سے ماں بنی تھی۔ فیروزہ کی ماں۔

عافیہ نے فیروزہ کو عاصرہ کی گود میں دیا۔ "آج سے یہ تمہاری ہے۔"

عاصرہ نے آج تک لڑکے ہی پالے تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ مردوں سے اس کا دل برا ہونے لگا تو وہ جاذب' حماد' احمد سے بھی دور ہونے لگی۔ اس کے ذہن میں یہی خیال آتا کہ ہیں تو یہ بھی مستقبل کے شوہر ہی ناں۔ عورت کو جوتی کی نوک پر رکھنے والے۔

پہلی بار لڑکی ملی تو وہ جیسے مکمل ہی ہو گئی۔ اسے اپنی ہم جنسوں سے ہی محبت تھی۔ فیروزہ کے لیے اس کی محبت جنون کی حد تک بڑھنے لگی۔

فرقان قطر میں کسی کو دیکھ کر پسند کر چکا تھا۔ رشتہ بھی پکا کر چکا تھا۔

"فرقان نے پھر سے اپنے جیسے کسی شقی کو تمہارے لیے پسند کر لیا ہے۔"

"آپ ان سے کہتیں کیوں نہیں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔"

"میں تو یہی چاہتی ہوں۔ یہ گھر ہے۔ کتنا سکون ہے یہاں۔ نہ کوئی مارنے والا' نہ گالیاں دینے والا' نہ کوئی ذلیل کرنے والا۔ فیروزہ تمہارے پاس ہے۔ اچھا کھاتی ہو' پہنتی ہو۔ شوہر کی مار تو نہیں کھانی پڑتی ناں۔ لیکن تمہارے بھائی کو تمہارا سکون پیارا نہیں ہے۔"

"بس بھائی سے کہہ دیں بھابھی! مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ اس نومولود بچے سی نظر آنے لگتی جو آسمان پر بجلی کی چمک دیکھ کر سہم کر کئی کئی گھنٹے روتا رہتا ہے۔ بجلی پھر چمکتی ہے' وہ پھر سے روتا ہے' کوئی اختیار ہی نہیں۔

"تم خود کہہ دو اپنے بھائی سے۔"

"مجھے بھائی سے ڈر لگتا ہے بھابھی۔"

"ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ شادی ہو گئی تو روز ڈرو گی۔ ہمت کرو۔ پھر نہ کہنا مجھے۔ سمجھا رہی ہوں اب۔"

جب کبھی کوئی ملنے جلنے والا اس کی شادی کی بات کرتا اس کا سارا خون جیسے نچڑ سا جاتا۔ سر چکرانے لگتا۔ اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہتا۔ سوچ سوچ کر وہ ڈھانچہ بننے لگی۔ باہر بیٹھا فرقان الگ پریشان تھا جو چھ مہینے بعد آنا تھا' وہ پہلے ہی آ گیا۔

بالا ہی بالا سب تیاریاں کرنے لگا۔ شادی کی تاریخ رکھ دی اور نکاح سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے اس نے چوہے مار گولیاں کھا لیں۔ فرقان دم بخود رہ گیا۔ یہ کیا ہو گیا۔ اسپتال میں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتا رہا۔

اس کی جان بچ گئی۔

اس کی شادی ٹوٹ گئی۔

اس کی عمر بڑھتی گئی۔ وہ فیروزہ کی اماں جانی بن گئی۔

اگر تخلیق سے عورت کی تکمیل ہوتی ہے تو اس نے اپنی تکمیل فیروزہ سے کر لی۔

عاصرہ' فرقان کی اکلوتی بہن ایک اکلوتی ہی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

عافیہ' فیروزہ کی اکلوتی ماما عیش پسندی میں گھر گئی۔

عاصرہ کی ماتمی آوازیں کائنات سے گواہوں کے گولے اٹھا کر لا رہی ہیں۔

"یہ کیا ہو گیا؟" وہ پوچھ رہی ہیں۔

"یہ جواب ہے۔" وہ بتا رہی ہیں۔

"یہ کیسا عذاب ہے؟" وہ دلیل مانگ رہی ہیں۔

"کس نے کہا' یہ عذاب ہے۔ یہ تو بھگتان ہے۔"

فیروزہ نے ایک بھی آواز کا جواب نہیں دیا۔ اس نے ایک بار بھی آنکھیں کھول کر دنیا کی رنگینی کو نہیں دیکھا۔ فی الحال وہ آنکھیں موندے پڑی ہے۔

فرقان نے باہر بہت کمایا۔ عافیہ نے نیا بنگلہ لے

لیا۔ چوکیدار اور ڈرائیور بھی آگئے۔ دو کام والیاں بھی۔۔۔ لیکن فیروزہ کی دیکھ بھال عاصرہ نے ہی کی۔

عافیہ کے پرس میں پیسوں کی جگہ کریڈٹ کارڈز نے لے لی۔

فیروزہ اسکول آتی جاتی' سوتی جاگتی' کھاتی' کھیلتی' صرف اپنی اماں جانی کے ساتھ۔۔۔ اماں جانی اس کے منہ میں نوالے بنا' بنا کر رکھتی۔ ایک اسے کھلاتی' ایک خود کھاتی۔

دونوں ایک دوسرے کا دم چھلا بن گئیں۔

عاصرہ کہتی "سو جاؤ فیروزہ۔۔۔!" فیروزہ اگلا سوال نہ کرتی اور جھٹ آنکھیں بند کرلیتی۔ اب قیامت آئے یا طوفان۔ یہ آنکھیں اماں جانی کے کہنے پر ہی کھلیں گی۔

عاصرہ کہتی "فیروزہ! تمہیں کلاس میں فرسٹ آنا ہے۔" فیروزہ اس وقت تک اپنے ٹیوٹر کی جان نہ چھوڑتی' جب تک فرسٹ آنے جتنا پڑھ نہ لیتی۔

عاصرہ اسے اسکول چھوڑنے جاتی' اسکول سے لے کر آتی اور رات کو نہ جانے کون کون سی کہانیاں سنا کر سلا دیتی۔

لوگ کہتے "فیروزہ تو عاصرہ کی بیٹی ہے" خود فیروزہ یہی کہتی۔ عافیہ کو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔۔۔ اس نے ایک آرام دہ۔۔۔ سہل۔۔۔ اپنی مرضی کی زندگی گزاری تھی۔ اسے کوئی ذمہ داری اٹھانی نہیں پڑی تھی کبھی۔۔۔ وہ خود کو خوش قسمت سمجھتی تھی۔ اس نے اپنی بہنوں اور دوستوں کو بھی یہی مشورے دیے تھے کہ اپنی نندوں کو اپنی مٹھی میں کرو اور گھران کے سپرد کردو۔۔۔ لیکن وہ اس کی طرح اتنی کامیاب نہیں ہو سکی تھیں' ایک تو ان نندوں کی مائیں حیات تھیں' دوسرا وہ عاصرہ جیسی نہیں تھیں' جس کے لیے ایک بھابھی ہی "سچ مچ" تھی بس۔

تو چاروں بچے عافیہ کے ہی تھے۔ لیکن انہیں پال عاصرہ نے دیا تھا۔ بیٹے اسے پھوپھو جانی کہتے۔ بیٹی "اماں جانی۔" کیا فرق پڑتا تھا۔ پڑا بھی تو وہ صرف "فرق" نہ رہا۔ کبھی کبھی عافیہ تھوڑا سا چڑ جاتی' جب فیروزہ ہر وقت عاصرہ کے ساتھ ہی چپکی رہتی۔۔۔ خاندان کی کسی تقریب' شادی بیاہ میں پہلے تو وہ جاتی ہی نہ' لیکن اگر عافیہ سختی کرتی تو وہ چلی جاتی' لیکن عاصرہ کے ساتھ ہی چپکی رہتی۔

عاصرہ دلہن کے پاس جائے گی تو ہی فیروزہ جائے گی۔

عاصرہ پھولوں کی پلیٹ لے کر استقبال کے لیے کھڑی ہوگی تو ہی وہ کھڑی ہوگی۔

اور تو اور عاصرہ لپ اسٹک لگائے گی۔ بال کھولے گی تو ہی وہ لپ اسٹک لگائے گی' بال کھولے گی۔

اگر وہ عاصرہ کی ساری باتیں مانتی تھی تو عاصرہ بھی اس کی مانتی تھی۔ دونوں سوال اندر جواب تھیں ایک دوسرے کے لیے۔ فیروزہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ تو تھوڑا بہت گھل مل جاتی' لیکن ہم عمر کزن لڑکوں سے بالکل نہیں۔

عافیہ اسے اچھے کالج میں داخل کروانا چاہتی تھی۔ لیکن فیروزہ نے داخلہ نہ لیا۔ کالج کو ایجوکیشن تھا۔ وہ اپنے بھائیوں سے بھی دور بھاگتی' ہر وقت ان سے چڑی رہتی۔

"تم ہو ہی ایسے۔" اکثر وہ ان پر طنز کرتی۔

جاذب پڑھنے کے لیے باہر چلا گیا۔ حماد بھی پیچھے ہی چلا گیا۔ احمد سے بات کرنا فیروزہ پسند نہ کرتی' نہ اسے یہ پروا ہوتی کہ جاذب اور حماد اسے فون کیوں نہیں کرتے۔۔۔ یا وہ اتنے سالوں سے گھر کیوں نہیں آئے۔

یہ سب باتیں عافیہ نے بہت دیر میں محسوس کیں۔

جب۔۔۔ جب۔۔۔

اس کی بہن نے اپنے بیٹے کے لیے فیروزہ کا ہاتھ مانگا۔۔۔ وہ گھر آئی۔ مٹھائی لائی اور باقاعدہ رشتہ مانگ گئی۔۔۔ سالوں سے دونوں بہنوں نے یہی طے کر رکھا تھا۔

سالوں پہلے جو طے کیا تھا۔۔۔ سالوں بعد وہ ہو نہ سکا۔ مٹھائی کے ٹوکرے اٹھا کر فیروزہ نے باہر پھینک دیے۔ ایک دھماکا ہوا۔۔۔ ایک دور لوٹ کر واپس آیا۔ اختتامیہ ڈرامے کے پردے اٹھائے گئے۔

ابھی شو باقی تھا۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔" فیروزہ نے حلق کے بل چلا کر کہا۔

آتش فشانی دھماکوں کی ساری کی ساری آوازیں کسی نے عافیہ کے کانوں کے آرپار کردیں۔۔۔ وہ فیروزہ کو دیکھتی ہی رہ گئی۔۔۔ اتنی بڑی غلطی اس سے کیسے ہو گئی۔

الف اللہ عاصرہ نے اسے سکھایا تھا۔

"مرد برا" عاصرہ اسے یہ کیسے نہ سکھاتی؟

وہ عاصرہ کی استاد بنی تھی۔ عاصرہ' فیروزہ کی استاد کیونکر نہ بنتی۔۔۔ کیونکر نہ؟

عافیہ کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔۔۔ وہ فیروزہ کو اپنے ساتھ سلاتی' لیکن یونیورسٹی جانے والی لڑکی اب گیلی مٹی نہیں تھی۔ جس پر ایک انگلی سے کچھ بھی لکھ کر مٹا دیا جاتا۔۔۔ وہ تو۔۔۔ وہ تو۔۔۔ اب وہ پتھر بن چکی تھی' جسے گھر کی محراب کی پیشانی پر لگا دیا جاتا۔ یا قبر کے سرہانے پہ۔۔۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ نئے دور کی لڑکی۔۔۔ اخبارات' ٹی وی' انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر میں ہونے والے مظالم کی زیادہ جانکاری رکھتی تھی۔ اسے سب معلوم تھا کہ ہر سال کتنی عورتیں' شوہروں کے مظالم کے ہاتھوں مر جاتی ہیں یا نفسیاتی مریض بن جاتی ہیں۔ مرد کیسے کیسے عورت کو ٹریٹ کرتا ہے' اسے سب معلوم تھا۔

اور خاص کر اس کی اماں جانی نے شادی نہیں کی تھی تو وہ کیوں کرتی۔

سوچ سوچ کر عافیہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی۔۔۔ عاصرہ کے پاس جائے' اس کے پاؤں پڑے کہ فیروزہ کو سمجھائے۔۔۔ یا فیروزہ پر سختی کرے۔ لیکن عاصرہ کے پاؤں وہ کس طرح پکڑے۔

"مرد برا" سکھانے والی زبان۔

"مرد اچھا" کیسے بتائے گی اب۔ بہت دیر ہو گئی تھی۔۔۔ دیر کردی تھی۔

اسے اس کا ایک ہی حل نظر آیا۔ اپنی بہن کو عافیہ نے ہاں کہہ دی اور دو دن کے اندر' اندر نکاح کے لیے بلوا لیا۔۔۔ وہ بڑی خاموشی اور راز داری سے یہ سب کر رہی تھی۔ فرقان کو بھی سو جھوٹ سچ کہہ کر خاموش رہنے کے لیے کہا تھا اور نکاح سے دو دن پہلے رات کو فیروزہ نے احمد اور عافیہ کی باتیں سن لیں۔۔۔ جو وہ نکاح کی تیاری کے سلسلے میں کر رہے تھے۔

اسے یہ سب بھی بعد میں پتا چلا۔۔۔ نکاح والے دن صبح سویرے جب وہ اٹھی' ملازم نے کہا۔

"کچن میں تو کہیں چوہے نہیں ہیں' باقی گھر میں بھی کہیں نہیں دیکھے۔ آپ نے دوائی کیوں منگوائی۔ چوکیدار کہہ رہا تھا کہ وہ بتانا بھول گیا کہ اسٹور والے نے کہا تھا کہ جہاں دوا رکھو' وہاں سے ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد اٹھا ضرور لینی ہے۔"

رات کے کھانے کے بعد ملازم اس کے پاس آیا۔

"کون سی دوا؟" اس نے مصروف انداز میں پوچھا۔

"چوہے مار دوا۔ جو آپ نے منگوائی تھی کمروں کے لیے۔"

آدھی رات کو اسے یاد آیا کہ چوہے والی دوا' چوکیدار' ملازم یہ سب کیا تھا۔۔۔ کیا تھا۔۔۔ وہ اپنے کمرے سے عاصرہ کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"فیروزہ کہاں ہے؟" آج کل فیروزہ اسی کے ساتھ سو رہی تھی۔

"فیروزہ۔۔۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔۔۔ گیارہ بجے تک تو میرے ساتھ ہی سوئی رہی۔۔۔ پھر۔۔۔"

"فیروزہ!" عافیہ نے وہیں کھڑے کھڑے چیخ ماری۔

عاصرہ نے عافیہ کی شکل دیکھی اور انجانے پن سے ہی سہم کر اٹھ کر فیروزہ کے کمرے کی طرف بھاگی۔۔۔ عاصرہ کی دوڑ عافیہ کی دوڑ سے کہیں زیادہ تھی۔

عاصرہ نے فیروزہ کے کمرے کے دروازے کو دھکا دیا۔

اس دھکے سے عافیہ ڈھیر ہو گئی۔ خاک بوس ہو گئی۔

عاصرہ کی چیخوں سے فرقان' احمد' ملازم سب آگئے تھے۔ فیروزہ کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ عافیہ وہیں ڈھیر بنی پڑی تھی۔ وہ جان چکی تھی' ہونی ہو چکی تھی' موت کا پرندہ زندگی لے اڑا ہے۔

سودا گھاٹے میں گیا ہے۔ بہت گھاٹے میں۔

☆

تنزیلہ ریاض

عہدِ الست

نور محمد برطانیہ میں رہائش پذیر ہے اور لوٹن کی جامع مسجد میں موذن ہے۔ پیسے والا اور خوب دل والا ہے۔ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتا ہے۔ جس کا ایک کمرہ ایک عربی طالب علم اپنے دوست کے ساتھ شیئر کرتا ہے جبکہ دوسرے کمرے میں اس کے ساتھ ایرانی زین العابدین رہتا ہے۔ اسے اپنے ایرانی ہونے پر فخر ہے۔ وہ برطانیہ میں اسٹڈی ویزے پر جاب کرتا ہے۔ سخت محنتی ہے مگر پاکستان میں موجود بارہ افراد کے کنبے کی کفالت خوش اسلوبی سے نہیں کرپا رہا۔ مسجد میں پاکستان سے آئے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع پر نور محمد بہت گھبراتا ہے۔

عمر شہروز کا کزن ہے، جو اپنی فیملی کے ساتھ انگلینڈ میں مقیم ہے۔ وہ لوگ تین چار سال میں پاکستان آتے رہتے ہیں۔ عمر اکثر اکیلا بھی پاکستان آجاتا ہے۔ وہ کافی منہ پھٹ ہے۔ اسے شہروز کی دوست امائمہ اچھی لگتی ہے۔ شہروز کی کوششوں سے ان دونوں کی منگنی ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر زارا شہروز کی سادہ مزاج منگیتر ہے۔ ان کی منگنی بڑوں کے فیصلے کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان محبت ہے لیکن شہروز کے کھلنڈرے انداز کی بنا پر زارا کو اس کی محبت یقین نہیں ہے۔

اس کے والد نے اسے گھر پر پڑھایا ہے اور اب وہ اسے بڑی کلاس میں داخل کرانا چاہتے ہیں۔ سر شعیب انہیں منع کرتے ہیں کہ ان کا بچہ بہت چھوٹا ہے۔ اسے چھوٹی کلاس میں ہی داخل کروائیں مگر وہ مصر رہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بچے پر بہت محنت کی ہے۔ وہ بڑی کلاس میں داخلے کا مستحق ہے۔ سر شعیب اسے بچے پر ظلم سمجھتے ہیں مگر اس کے باپ کے اصرار پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ وہ بچہ بڑی کلاس اور بڑے بچوں میں ایڈجسٹ نہیں ہو پاتا۔ اسکالرشپ حاصل کرنے والے

مکمل ناول
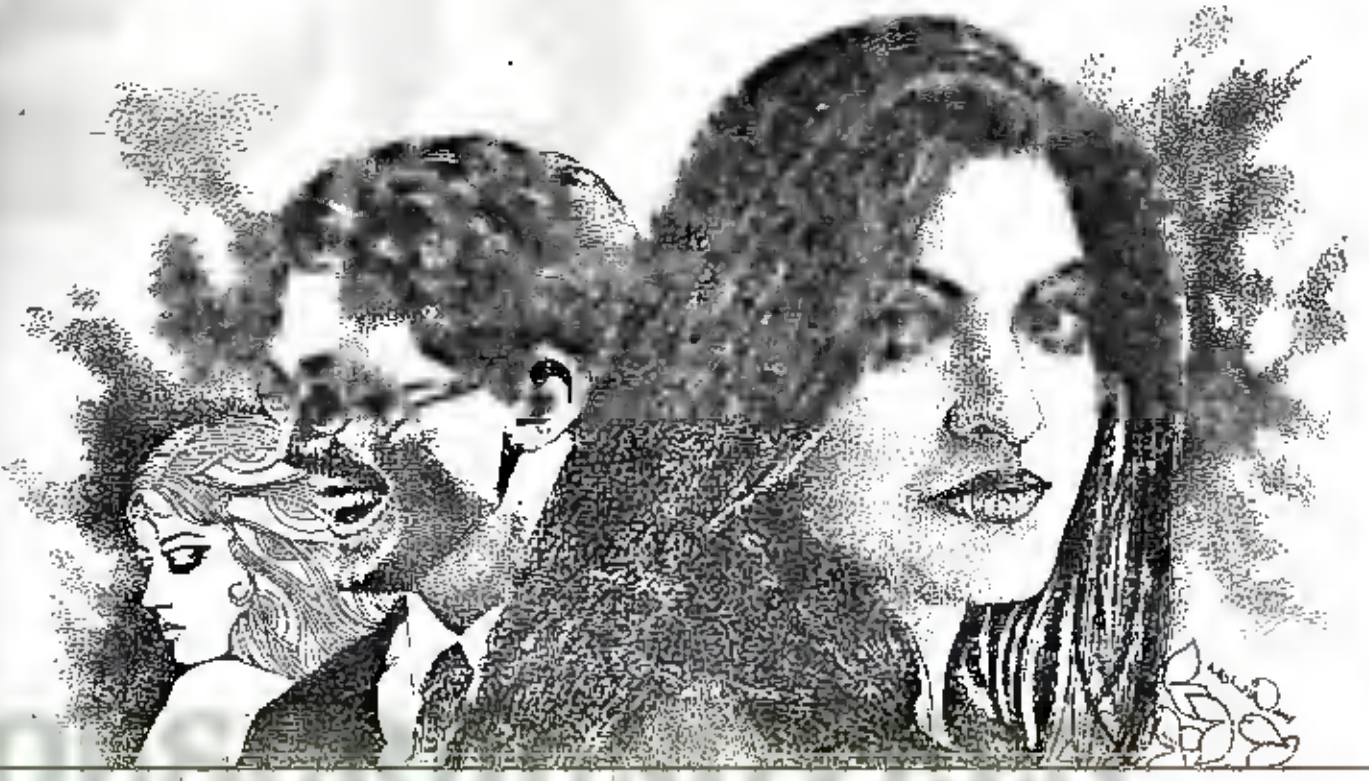
Saba

اس بچے سے حیرت انگیز طور پر نیچرز اور فیلوز میں سے بیشتر ناواقف ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے باپ کی طرف سے غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر سخت مخالفت ہے۔

وہ خواب میں ڈر جاتا ہے۔

73ء کا زمانہ تھا اور روپ نگر کا علاقہ۔

میرے شعور کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ ہیتا راؤ میری دوست مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتی ہے۔ تم ماس مچھی کھانے والے ہو۔ میں انڈیا میں اپنے گرینڈ پیرنٹس (دادا اور دادی) کے ساتھ آیا تھا۔ میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہم برطانیہ کے رہنے والے تھے۔ گرینڈ پا یہاں کسی پروجیکٹ کے سلسلے میں آئے تھے۔ گرینی نے یہاں کوچنگ سینٹر کھول لیا تھا۔ ہیتا راؤ ہمارے ہاں پڑھنے آتی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ ماس مچھی کھانے والے کسی کے دوست نہیں بن سکتے۔ وہ وفادار نہیں ہو سکتے۔ میں نے گرینڈ پا کو بتایا تو انہوں نے مجھے سمجھایا' قدرت نے ہمیں بہت محبت سے تخلیق کیا ہے اور ہماری فطرت میں صرف محبت رکھی ہے۔ انسان کا اپنی ذات سے اخلاص ہی اس کی سب سے بڑی وفاداری ہے۔

عمر کے منگنی توڑنے پر زارا نے شہروز کو فون کرکے بلایا تھا۔ شہروز نے آکر عمر سے بات کی تو دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔

اس کی کلاس میں سلیمان حیدر سے دوستی ہو جاتی ہے۔ سلیمان حیدر بہت اچھا اور زندہ دل لڑکا ہے۔ سلیمان کے کہنے پر پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیل میں بھی دلچسپی لینے لگتا۔ وہ اپنے گھر جاکر ای سے بیٹ کی فرمائش کرتا ہے تو اس کے والد یہ سن لیتے ہیں' وہ اس کی بری طرح پٹائی کر دیتے ہیں۔ ماں بے بسی سے دیکھتی رہ جاتی ہیں۔ پھر اس کے والد اسکول جاکر منع کر دیتے ہیں کہ سلیمان حیدر کے ساتھ نہ بٹھایا جائے۔ سلیمان حیدر اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور اسے ابنارمل کہتا ہے۔ جس سے اس کو بہت دکھ ہوتا ہے۔

امائمہ کی والدہ شہروز کو فون کرتی ہیں۔

کلاس میں سلیمان حیدر پہلی پوزیشن لیتا ہے۔ پانچ نمبروں کے فرق سے اس کی سیکنڈ پوزیشن آتی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے والد غصے سے پاگل ہو جاتے ہیں اور کمرہ بند کرکے اسے بری طرح مارتے ہیں۔ وہ وعدہ کرتا ہے کہ آئندہ رنگوں کو' پینٹنگ کو ہاتھ نہیں لگائے گا' صرف پڑھائی کرے گا۔

اس کے والد شہر کے سب سے خراب کالج میں اس کا ایڈمیشن کراتے ہیں۔ تاکہ کالج میں اس کی غیر حاضری پر کوئی کچھ نہ کہہ سکے اور اس سے کہتے ہیں کہ وہ گھر بیٹھ کر پڑھائی کرے۔ باہر کی دنیا سے اس کا رابطہ نہ ہو۔ اس کا کوئی دوست نہیں ہے۔

شہروز کے سمجھانے پر عمر کو عقل آجاتی ہے اور وہ اپنے والد کو فون کرتا ہے۔

اس شخص کے شدید اصرار پر نور محمد اس سے ملنے پر راضی ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے دوستی کی فرمائش کرتا ہے۔ نور محمد انکار کر دیتا ہے' لیکن وہ نور محمد کا پیچھا نہیں چھوڑتا ہے۔ وہ نور محمد کی قرات کی تعریف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے نماز پڑھنا نور محمد سے سیکھا ہے۔ پھر وہ بتاتا ہے کہ اسے نور محمد کے پاس کسی نے بھیجا ہے۔ نور محمد کے پوچھنے پر کہتا ہے۔ خضر الٰہی نے بھیجا ہے۔

روپ نگر سے واپس برطانیہ آنے پر گرینڈ پا کا انتقال ہو جاتا ہے اور گرینی مسٹرایرک میں دلچسپی لینے لگتی ہیں' وہ مجھ سے کہتی ہیں کہ میں اپنی ممی سے رابطہ کروں۔ وہ مجھے ممی کے ساتھ بھجوانا چاہتی ہیں۔ میرے انکار کے باوجود وہ ممی کو بلوالیتی ہیں اور مجھے ان کے ساتھ روانہ کر دیتی ہیں۔

میری کالج میں طلحہ اور راشد سے واقفیت ہو جاتی ہے۔

چوتھی قسط

"یہ محبت بھی بڑی ہی ذلیل و خوار کر دینے والی شے ہے۔"

اس لمبی سی سرنگ سے باہر نکلتے ہوئے اس نے اکثر سوچا تھا۔ سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اسے لاہور سے لندن کی ڈائریکٹ فلائٹ نہیں ملی تھی۔ سو سب سے پہلے وہ قطر پہنچی تھی جہاں جہاز کو شفٹ ہونا تھا' اس کے بعد قاہرہ جہاں بارہ گھنٹے کا قیام اس کے لیے ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا اور اب وہ لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ کے چھٹے ٹرمینل پر اتر رہی تھی' اترنا بھی کیا تھا بس جہاز سے باہر آگئی تھی۔

"سنا تھا جہاز میں سیڑھیاں ویڑھیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔۔۔ شاید پچھلے وقتوں کا قصہ ہوگا۔"

وہ جب جہاز میں سوار ہوئی تھی تو سوچا تھا۔ تب ذہن بھی تر و تازہ تھا اور وہ خود بھی' لیکن اب ایک لمبے سفر نے اسے بے حد چڑچڑا بنا دیا تھا۔ ہیتھرو ویسا نہیں تھا جیسا دوستوں نے بتایا تھا' انٹرنیٹ پہ دیکھا تھا یا اخباروں میں پڑھ رکھا تھا وہ اس سے کہیں بڑھ کر تھا' پرشکوہ' بلند و بالا اور کسی قدر ہیبت ناک۔ اسے چکنے فرش پر ہینڈ کیری گھسیٹتے ہوئے پہلی بار وطن سے دوری اور تنہائی کا احساس ہوا اور ساتھ ہی عمر احسان پر بے حد غصہ آیا۔ اچھا بھلا وہ اسے خود لینے آنے والا تھا پھر نجانے کیسے اس کی چھٹیاں ایک مسئلہ بن گئیں اور اسے حکم ملا کہ وہ اکیلی رخصت ہو کر سسرال چلی آئے۔ حالانکہ نکاح کے بعد سے تین سالوں تک وہ عمر کو یہی باور کرواتی رہی تھی کہ وہ خود اسے لینے پاکستان آئے گا تو وہ آئے گی' ورنہ وہیں بیٹھی رہے گی اور عمر کا وعدہ بھی یہی تھا کہ دلہنیں اکیلی سسرال آتی اچھی لگتی ہیں بھلا۔۔۔ مگر۔۔۔ اس مگر کے بعد بظاہر سب ختم ہو جاتا تھا۔

"یار! سمجھنے کی کوشش تو کرو۔۔۔ میں نہیں آسکتا۔۔۔ میں آنا چاہتا تھا یار۔۔۔ مگر۔۔۔"

اس مگر کے بعد وہ گہری سانس بھرتا تھا۔ ایسی گہری سانس کہ امائمہ چاروں شانے چت ہو جاتی تھی۔ اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر عمر کا اصرار بڑھنے لگتا۔

"میں نے تین سال سے تمہیں نہیں دیکھا۔۔۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ میں نہیں آسکتا تمہیں لینے اس سال۔۔۔ ممی ڈیڈی بھی یہی پلان کر رہے ہیں کہ نیکسٹ ایئر چلیں گے۔ وہ اس سال حج کے لیے سعودیہ جانا چاہتے ہیں اور وہاں سے پاکستان وزٹ کریں گے۔ میں اور انتظار نہیں کر سکتا یار۔۔۔ میں تھک گیا ہوں۔۔۔ پلیز تم آجاؤ۔"

یہ عمر کے الفاظ نہیں ہوتے تھے' بلکہ کوئی جنتر منتر ہوتا تھا جو اچھی بھلی امائمہ آفاق علی کو چڑیا' بلبل' کوئل ٹائپ کوئی پرندہ بنا دیتے اور اس کا دل چاہتا کہ وہ اڑ کر عمر کے پاس چلی جائے۔ گزشتہ تین سالوں میں عمر احسان نے اس کو اتنا چاہا تھا' اتنی محبت دی تھی کہ وہ۔۔۔ وہ نہیں رہی تھی کچھ اور بن گئی تھی۔ وہ جو دوستوں پہ ہنسا کرتی تھی کہ محبت بھی بھلا کوئی کرنے والا کام ہے اور وہ جو برملا کہا کرتی تھی کہ عورت چاہنے نہیں چاہے جانے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ جیسے کشتی دریا پہ راج کرتی ہے تو قائم رہتی ہے۔ اگر دریا کشتی پر راج کرنے لگے تو کشتی کا کچھ نہیں بچتا وہ ڈوب جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب عورت مرد سے محبت کرتی ہے تو وہ ختم ہو جاتی ہے' فنا ہو جاتی ہے۔

عمر احسان کے ساتھ نکاح کے چند بولوں نے اسے واقعی فنا کر دیا تھا۔ ابتدا میں اس نے بھی ڈوبتی کشتی کی طرح بچاؤ کی کوششیں کی تھیں' پھر جب بس نہیں چلا تو وہ عمر کی محبت میں پور پور ڈوب گئی تھی۔

"اللہ کے کاموں میں انسانوں کا کیا دخل۔" وہ فخریہ انداز میں فرینڈز کے سامنے اپنی محبت کو تسلیم کر لیتی تھی۔

اس نے اپنی انگلی میں پڑی پلاٹینم کی انگوٹھی کو گزشتہ تین سالوں میں کبھی خود سے علیحدہ نہیں کیا تھا۔ نکاح کے بعد عمر نے یہ انگوٹھی خود اس کی انگلی میں پہنائی تھی۔ حالانکہ تب وہ بہت خفا تھی۔ وہ انگوٹھی پہننا چاہتی تھی نہ نکاح کرنا چاہتی تھی۔ اسے یہ شخص جیون ساتھی کے طور پر پسند ہی نہیں تھا۔ وہ پہلے دن

سے اس سے سخت متنفر تھی اور پھر جب وہ منگنی کے بعد جھگڑا کر کے اس سے انگوٹھی واپس لے گیا تھا' اس نے تب ہی امی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس قصے کو بھول جائیں۔ وہ یہ شادی نہیں کرے گی' لیکن اس کے باوجود نجانے امی نے کیا جادو چلایا تھا کہ عمر کے ابو نے اس کے ابو کو فون پر فون کرنا شروع کر دیے تھے۔

"ہم چاہتے ہیں بچوں کا نکاح کروا دیا جائے۔۔۔ بعد میں پیپرز وغیرہ آسانی سے بن جائیں گے۔"

اس کے ابو تو پہلے ہی ایسے معاملات میں عجلت پسند واقع ہوئے تھے۔ سو فوراً" یہ مطالبہ مان لیا گیا۔ امائمہ کو بعد میں عمر نے بتایا تھا کہ اس کے ابو نے یہ مطالبہ عمر کی فرمائش پر کیا تھا۔

نکاح کے چند دن بعد عمر لندن چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے وہ ایک بار لائمہ کو ڈنر پر لے گیا تھا۔

اس ڈنر سے واپسی پر بھی لائمہ' امی سے سخت خفا ہوئی تھی' وہ پہلے ہی نکاح کے لیے کسی طور راضی نہیں تھی۔ وہ امی کے اصرار پر عمر کے ساتھ گئی تھی اور واپس آکر اس نے امی کے سامنے عمر کو "بونگا" قرار دیا تھا اور گزشتہ تین سالوں میں اسی بونگے نے نجانے اس پر کیا سحر پھونکا تھا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"یہ محبت بھی بڑی ذلیل و خوار کر دینے والی شے ہے۔"

یہ محبت ہی تو تھی کہ وہ یوں اکیلی اتنی دور سفر کر کے آگئی تھی' ورنہ عمر اس کی خاطر ملازمت چھوڑنے کو تیار تھا۔ یہ اس کا تصور ہی تو تھا جس نے اسے اکیلے سفر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے ابو نے کہا بھی تھا کہ وہ اگلے سال اپنے ساس سسر کے ساتھ جائے تو بہتر ہے۔ مگر امی نے کہا تھا کہ بہتر ہے کہ وہ اپنے شوہر کے پاس جائے' کیونکہ وہ خود بھی حج کے لیے جانا چاہتے تھے۔ سو امائمہ کی رخصتی شوہر اور سسرالیوں کے بغیر ہو گئی تھی۔ یہ کوئی ایسی انہونی بات بھی نہیں تھی۔ بہت سے بیرون ملک مقیم پاکستانی خاندان ایسے ہی شادی بیاہ رچانے کے عادی ہیں' سو وہ بھی بہت اعتماد سے تن تنہا یہاں تک آگئی تھی۔

سامان وغیرہ سمیٹ کر اور ساری کارروائیوں سے فراغت کے بعد اسے ویٹنگ لاؤنج میں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔

"ویلکم ٹو مائی ورلڈ۔" کوئی بہت دھیمی آواز میں گنگنایا تھا۔ وہ فوراً" اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ عمر اس کے مقابل آگیا تھا۔ امائمہ نے ایک نظر ہی اس کی جانب دیکھا۔ پھر اس کے چہرے سے اشتیاق و بے چینی کی پھوٹتی روشنیوں سے جھجک کر نظریں جھکالیں محبت کا سنہرا رنگ' سیاہ آنکھوں پہ اتنا حاوی تھا کہ ہر چیز جھلملاتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔ ایک شخص جسے وہ نہ جانے کون کون سے ناموں سے پکارا کرتی تھی۔ اب ایسے سامنے کھڑا تھا کہ اس سے زیادہ وجیہہ شاید کبھی کوئی نظر ہی نہ آیا ہو۔ وہ کیسا لگ رہا تھا' یہ کوئی لائمہ کے دل سے پوچھتا۔ چہرے پر ہلکی داڑھی جیسے بہت دن سے شیو نہ کی ہو' ڈارک گرین ہائی نیک جرسی اور بلیو جینز میں وہ لائمہ کو بے حد مکمل انسان لگا۔ ایسا انسان جس کی ہمراہی کسی بھی عورت کے لیے خوش قسمتی کا باعث بن سکتی تھی۔

یہ وہی چہرہ تھا جو چند سال قبل اس کے لیے ڈفر' بونگا اور للو تھا اور اب۔۔۔ یہ عمر نہیں تھا جو بدل گیا تھا' بلکہ یہ امائمہ تھی' جس کی کایا پلٹ گئی تھی۔

"السلام وعلیکم۔" اس کو بھرپور استحقاق سے دیکھتے ہوئے عمر نے سلام میں پہل کی تھی اور اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ وہ جھجک تو رہی تھی' مگر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے اعتماد سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"ایسے تو کام نہیں چلے گا یار!" اس نے بشاشت سے مسکراتے ہوئے اس کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ لمحے بھر کا کھیل تھا۔ اب وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے ممی' ڈیڈی سے ملوا رہا تھا اور لائمہ خود کہاں تھی۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ شاید ہوا بن کر آسمانوں میں جھوم رہی تھی۔ خوشبو بن کے باغوں میں منڈلا رہی تھی یا شاید سانس بن کر کسی کے وجود میں سما گئی تھی۔ محبت مجسم موجود ہوتی تو شاید سرمستی کے

عالم میں رقص کرنے لگتی۔ محبت واقعی فاتح عالم ہے۔ کون کہتا ہے' محبت کی طبیعت میں بچپنا ہے۔ غلط۔۔۔ محبت کی طبیعت میں بڑھاپا ہے' ٹھہراؤ ہے' قوت ہے' طاقت ہے' علم ہے' عمل ہے اور سب سے بڑھ کر معجزہ ہے۔ یہ زمین پر بیٹھے آسمان دکھا سکتی ہے' آسمان پر بیٹھ کر زمین گھما سکتی ہے۔

یہ رب نہیں ہے۔ یہ رب کی عطا ہے' اس کا کرم ہے' اس کی جزا ہے۔

ایک ایسی چیز جو من و سلویٰ نہیں ہے' مگر روح کی بھوک مٹا دیتی ہے۔

ایک ایسی چیز جو پیغمبر نہیں ہے' مگر پیغمبروں کی سی کرامات دکھا سکتی ہے۔

ایک ایسی چیز جو علم نہیں ہے' مگر پتھر کو ہیرے اور ہیرے کو پتھر میں بدل سکتی ہے۔

ایک ایسی چیز جو قرآن نہیں ہے' مگر دل کے جزدان میں لپیٹ کر رکھی جاتی ہے۔

"محبت۔۔۔" کن فیکون۔۔۔ کی عملی تفسیر۔۔۔ اللہ کی دنیا والوں کے لیے ایک باصلاحیت نعمت۔۔۔ محبت۔۔۔ فقط۔۔۔ محبت۔

اگلی صبح اس کی زندگی کی ایک خوب صورت صبح تھی۔ آنکھ تو کھل گئی تھی۔ مگر ذہن پر ابھی بھی نیند کا غلبہ تھا۔ سوئے ہوئے اعصاب کو جگانے کے لیے اسے کافی محنت کرنی پڑ رہی تھی۔ لمبے سفر کی تھکان اور پھر تاخیر سے سونے کے باعث اس کی نیند پوری نہیں ہو پائی تھی۔ وہ مزید سونا چاہتی تھی۔ اس کے پورے وجود پر کسل مندی طاری تھی۔ لیکن اعصاب خوابیدہ ہونے کے باوجود اسے احساس دلا رہے تھے کہ اسے بیدار ہو جانا چاہیے۔ گھر سے دوری کا احساس لاشعور میں کہیں دبکا بیٹھا تھا۔ ذہن منتشر سا تھا۔ اس لیے بھی آنکھیں پوری طرح کھل نہیں پا رہی تھیں۔ آنکھوں کو پٹپٹا کر اس نے نیند کو بھگانے کی کوشش کی' پھر گہری جماہی لیتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی' تب ہی اسے احساس ہوا کہ وہ کسی کی نظروں کے حصار میں ہے۔ اسے یک دم یاد آیا کہ وہ کمرے میں اکیلی نہیں ہے۔ سو فوراً" ہی اپنا آپ سمیٹتے ہوئے وہ کمبل میں سکڑ سی گئی تھی۔

عمر بالکل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی یہ حرکت عمر کی نظروں سے محفوظ نہیں رہی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ لائمہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"گڈ مارننگ۔۔۔ مزید سونے کی اجازت نہیں ہے میم!" وہ بڑے مگن سے انداز میں اس کی جانب بڑھا تھا۔ امائمہ جھجکتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی' پھر ٹانگیں سمیٹ کر اس کے لیے جگہ بنائی تھی۔ اسے جھجک سی محسوس ہو رہی تھی۔ کوشش کے باوجود وہ اپنا اعتماد بحال نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں تھوڑی دیر اور سو جاؤں۔۔۔ پلیز!" جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو یہی کہہ دیا۔ عمر بے ساختہ ہنس دیا۔

"یہ بات میری طرف دیکھ کر بھی تو کہی جا سکتی ہے۔" وہ اسے زچ کر رہا تھا۔

امائمہ نے بدقت آنکھیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ چند سیکنڈز ہی اس کی جانب دیکھ پائی تھی' پھر اس نے اپنا سر ان آنکھوں کے سامنے سرنگوں کر دیا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ اب اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"عمر! مجھے کنفیوژ مت کرو پلیز۔" اسے خود اپنی کیفیت سے الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ گزشتہ تین سالوں سے عمر کے خواب دیکھ رہی تھی۔ دن بھر میں وہ ایک دوسرے کو لاتعداد ایس ایم ایس کرتے تھے۔ رات کو وہ اکثر انٹرنیٹ پر باتیں کرتے رہتے تھے اور ویک اینڈز پر عمر اس کو لمبی لمبی کالز کرتا تھا۔ بلکہ جھگڑتا۔۔۔ بھی تھا کہ وہ اس کی وجہ سے کچھ روپے جمع نہیں کر پاتا اور اس کی تنخواہ فون کالز میں ہی ختم ہو جاتی ہے اور اب نجانے کیا جادو ہوا تھا کہ منہ سے لفظ ہی نہیں نکل رہے تھے۔

"میں تمہیں کنفیوژ نہیں کر رہا یار۔۔۔ میں تو ایک اچھا سا گانا یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو میں تمہیں دیکھ کر گا سکوں۔۔۔ تم بہت خوب صورت ہو امائمہ اور اللہ کا شکر ہے کہ میری ہو۔۔۔ مجھے شروع سے یقین تھا

کہ میں بہت خوش قسمت ہوں۔"

"یہ تعریف امائمہ کے لیے نئی بات نہیں تھی' وہ اکثر کھلے دل سے اس کی تعریف کرتا تھا اور خود کو خوش قسمت قرار دیتا تھا' لیکن اس طرح اس کے منہ سے اسی کے سامنے بیٹھ کر یہ سب سننا امائمہ کو ایک نئی خوشی... ایک نئے احساس سے دوچار کر رہا تھا۔ عمر اگر خود کو خوش قسمت سمجھتا تھا تو امائمہ اس لمحے خود کو خوش قسمت ترین سمجھ رہی تھی۔ وہ عمر کو چاہنے کے باوجود کبھی نہیں بتا پائی تھی کہ وہ اپنے آپ کو اس کی محبت پا کر کتنا معتبر محسوس کرتی ہے یا یہ کہ اگر وہ عمر کو خوب صورت لگتی ہے تو عمر بھی اس کے لیے خوب صورت ترین مرد تھا۔

"ا... سے... واقعی سو تو نہیں گئی ہو؟" اس کی خاموشی سے عمر یہی سمجھا تھا۔ وہ منہ اٹھا کر ایک بار پھر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"تم خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ مزید سونے کی اجازت نہیں ہے۔" وہ منہ بسور کر بولی تھی۔

"تم سونا چاہتی ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ امائمہ نے جھٹ اثبات میں گردن ہلائی۔

"اونہہ... بدذوق... میں نے سوچا تم کہو گی۔" بات ادھوری چھوڑ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ امائمہ بات مکمل ہونے کا انتظار کرتی رہی' جب وہ کچھ نہ بولا تو پوچھنے لگی۔

"کیا؟" عمر اس کی بات پر مسکرایا پھر بولا۔

"اب ہر بات بچوں کو بتانے والی بھی نہیں ہوتی۔" اس کا انداز اتنا ذومعنی تھا کہ امائمہ سے دوبارہ اس کی جانب دیکھا ہی نہیں گیا۔

"اب دوبارہ سو مت جانا... فریش ہو جاؤ میں تمہارے لیے چائے لاتا ہوں... چلو چلو اٹھو ہری اپ... سب ناشتے کے لیے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ امائمہ کو ریلیکس کرنا چاہتا تھا' سو تاکید کرتا کمرے سے باہر نکل گیا' جبکہ وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ خالی پیٹ چائے پینے کی عادی نہیں ہے۔ لیکن عمر نے اتنی محبت سے کہا تھا کہ وہ زہر بھی پی سکتی تھی۔ عمر کے جاتے ہی وہ بستر سے نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہم ممی لوگوں کے ساتھ بھی تو رہ سکتے ہیں عمر!"

امائمہ نے ایک بار پھر بے چارگی سے کہا تھا۔ اسے یہ گھر بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ یہ گھر تھا بھی نہیں' بلکہ ایک ڈربا نما سی چیز تھی جسے دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اس نے سن رکھا تھا کہ لندن میں لوگ بہت چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہتے ہیں' لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ گھر اتنے چھوٹے بھی ہو سکتے ہیں۔ ایفرڈ میں ان کا یہ ڈربا دراصل ایک بڑے گھر کی اینکسی ٹائپ چیز لگتی تھی۔

یہ تو پہلے ہی طے شدہ تھا کہ وہ لوگ الگ رہیں گے۔ امائمہ کے پاکستان سے آنے سے پہلے عمر اس گھر کو فرنشڈ کر چکا تھا۔ بلکہ اس نے بہت سی چیزیں امائمہ سے پوچھ پوچھ کر خریدی تھیں۔ تب امائمہ بھی بہت پرجوش ہوئی تھی۔ لیکن اب جب لندن آمد کے ایک ہفتے بعد وہ باقاعدہ اس گھر شفٹ ہوئے تھے تو امائمہ کا مزاج کافی خراب ہو گیا تھا۔ یہ ایک عجیب طرز کا گھر تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی کچن تھا۔ جس کا دروازہ لاؤنج میں کھلتا تھا۔ لاؤنج بہت کشادہ بھی نہیں تھا اور بہت تنگ بھی نہیں تھا۔ لاؤنج سے ہی ایک دروازہ باہر کی جانب کھلتا تھا۔ لاؤنج سے ہی سیڑھیاں اوپر کی جانب جاتی تھیں جو ایک چھوٹی راہ داری پر ختم ہوتی تھیں۔ جس کے سامنے والا کمرہ ان کا بیڈ روم بن گیا تھا۔ بیڈ روم میں باتھ روم تھا اور عمر نے اسے بتایا تھا کہ بعض لوگوں کے بیڈ روم کے ساتھ باتھ روم نہیں ہوتا اور انہیں کچن اور باتھ روم کے لیے ایک جگہ استعمال کرنا پڑتی ہے۔ اس کی بات سن کر امائمہ نے شکر ادا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اسے عجیب ناگواری کا احساس ہوا تھا۔ اسے اپنا باتھ روم بھی کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

چھوٹا سا باتھ روم تھا۔ ایک طرف ٹوائلٹ تھا اور دوسری جانب واشنگ مشین رکھی ہوئی تھی۔ کھڑے ہونے کے لیے بمشکل جگہ تھی۔

امائمہ کے سامنے اس کے ساس' سسر ظاہر کر چکے تھے کہ وہ چاہتے ہیں عمر اور امائمہ ان کے ساتھ رہیں' مگر عمر نہیں مانا۔ پہلے امائمہ بھی دل ہی دل میں راضی تھی۔ مگر پھر یہ گھر دیکھ کر اسے احساس ہوا تھا کہ بہتر ہے کہ ان کے ساتھ رہ لیا جائے۔ سو وہ چاہتی تھی۔ عمر ان کی بات مان لے۔ وہ لوگ بھی نزدیک ہی رومفرڈ میں رہتے تھے۔ ان کا ذاتی گھر تھا۔ وہ گھر دو بیڈ کا تھا جہاں اس کے ساس' سسر اور عمیر رہتے تھے۔ ممی نے امائمہ سے کہا تھا کہ اگر وہ عمر کو رضامند کر پائی تو بخوشی اس گھر میں ان کے ساتھ رہ سکتی ہے' لیکن عمر راضی نہیں تھا۔

وہ امائمہ کو صاف کہہ چکا تھا کہ وہ الگ ہی رہے گا۔ سو وہ آج ہی یہاں شفٹ ہو گئے تھے۔ عمر... اس کی آمد سے بھی پہلے ممی کے ساتھ مل کر گھر سیٹ کر چکا تھا۔ ضرورت و سہولت کی ہر چیز اس نے پہلے ہی خرید کر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن کوئی بھی چیز امائمہ کے دل کا ملال کم نہیں کر رہی تھی۔

"ہم ابو کے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتے عمر؟" سوال گھوم پھر کر ایک ہی نقطے پر مرتکز تھا۔

وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں فلور کشنز پر بیٹھے تھے۔ اس کمرے میں فرنیچر کے نام پر ایک ٹی وی ٹرالی تھی اور ایک طرف دیوار میں ریک نصب تھا جبکہ ایک کونے میں کارنر ٹیبل بھی دھری تھی۔ کارپٹ کے اوپر عین درمیان میں بڑا خوب صورت سا پینٹ کیا گیا تھا۔ فلور کشنز کے کورز اس کے رنگ کے مناسبت سے خریدے گئے تھے۔ کمرے میں تمام آرائشی چیزیں بہت خوب صورت اور اچھے ذوق کو ظاہر کرتی تھیں۔ کشنز سے لے کر پردوں تک جو اس کمرے میں موجود کھڑکی نما چیز پر لٹکایا گیا تھا۔ کوئی بھی چیز رنگ' سائز یا خوب صورتی کے لحاظ سے بدذوقی کو ظاہر نہیں کرتی تھی' لیکن کشادگی کا یہ عالم تھا کہ دو لوگ بھی وہاں زیادہ لگتے تھے۔ امائمہ نے پاکستان میں بڑے بڑے گھر ہی دیکھے تھے۔ اس کا اپنا گھر بھی کافی بڑے رقبے پر پھیلا تھا اور انتہائی خوب صورت بنگلوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ گھر اس کی ناک کے نیچے نہیں سما رہا تھا۔

"میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا' کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔"

اس نے کان میں انگلی گھما کر اسے کھجایا تھا۔ وہ کچھ دیر قبل نہا کر نکلا تھا اور اب لیپ ٹاپ لے کر بیٹھا تھا۔ کل سے اس کا آفس شروع ہو رہا تھا۔ امائمہ کی وجہ سے اس نے ایک ہفتہ کی چھٹیاں لی تھیں۔

"تم ان کو اتنا ناپسند کیوں کرتے ہو... آج بتا ہی دو مجھے۔"

"کم آن امی۔ ناپسند کیوں کروں گا۔ بس میری بنتی نہیں ہے ان کے ساتھ۔" وہ لیپ ٹاپ کا پاور بٹن دبا رہا تھا۔

امائمہ نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہ جانچنا چاہتی تھی مگر کیا؟

"لیکن کیوں... کوئی خاص وجہ؟" اس کے لہجے میں عجیب سے شکوک تھے۔ عمر نے حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"اتنی نفرت کیوں کرتے ہو اپنے ابو سے؟" اس کے لہجے میں اب کی بار صرف شک نہیں تھا۔ بے چارگی بھی تھی۔

"وہ میڈم! جذباتی کیوں ہو رہی ہو... نفرت کیوں کروں گا ان سے... میرے ابو ہیں وہ۔"

"ان کے ساتھ ایک گھر میں رہنے میں کیا مسئلہ ہے پھر تمہیں..." وہ ابھی بھی وہیں اٹکی تھی۔ عمر نے گہری سانس بھری۔

"ہم ان کے ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں۔ یہاں سب اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ پیرنٹس کب تک بچوں کو اپنے ساتھ رکھیں۔"

عمر نے بہت نرم لہجے میں کہا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے امائمہ کی جانب رخ کر لیا تھا۔

"ہم برٹش نہیں ہیں عمر... ہمارے یہاں بچے مرتے دم تک پیرنٹس کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔ عمر نے سارے لاؤنج کا جائزہ لیا۔

"تمہیں کچھ بھی اچھا نہیں لگاتا؟" اس کے لہجے سے تاسف جھلکنے لگا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے عمر۔ سب کچھ بہت اچھا ہے' مگر سب کچھ بہت چھوٹا چھوٹا ہے۔ کچن میں بمشکل دو لوگ اکٹھے کھڑے ہوسکتے ہیں۔ باتھ روم میں ایک بندہ بھی ٹھیک سے کھڑا ہوسکے تو یہی بڑی بات ہے اور وہ جو واشنگ مشین ہے اس میں تو دو جینز ڈالو تو تیسرا کپڑا ڈالنے کی گنجائش نہیں رہے گی۔ ہر چیز دیکھ کر گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔ اسی لیے میں کہہ رہی تھی کہ ہم ابو کے ساتھ رہ لیتے ہیں۔ ان کا گھر کشادہ تو ہے۔" وہ اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے بہت آس سے کہہ رہی تھی۔ عمر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

"ان کے ساتھ رہنے کا خیال دل سے نکال دو۔ ہمیں یہیں رہنا ہے۔ تمہیں اگر یہ گھر پسند نہیں آیا تو میں کوئی اور جگہ تلاش کرلوں گا' مگر وہ بھی ہوگا ایسا ہی۔ مطلب چھوٹا اور تنگ۔ پاکستان جیسا گھر تو یہاں میں بڑھاپے میں بھی افورڈ نہیں کرسکوں گا۔"

"ابو کہہ رہے تھے 'اگر ہم ان کے ساتھ رہیں تو پیسے بچ سکتے ہیں۔'" اس کا موقف نہیں بدلا تھا۔

"وہ مجھے بھی یہی کہہ رہے تھے۔ وہ مجھے مسائل سے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں' میں ان کے ساتھ رہوں' مگر یہ بھی تو سوچو کہ ان کے ساتھ رہنے پر وہ کتنے پرابلمز میں آجائیں گے۔ ان کے پاس بھی تو دو بیڈ روم کا گھر ہے۔ ایک ان کے استعمال میں ہے' ایک میں اور عمیر شیئر کرتے تھے اب یہ تو اچھا نہیں لگتا کہ میں عمیر کو کہوں کہ وہ سٹنگ روم میں شفٹ ہوجائے اور اپنا بیڈ روم ہمیں دے دے۔ یہ پلان ممی نے دیا۔ جسے میں نے قبول نہیں کیا۔ ابو کہتے ہیں' وہ ڈرائنگ روم ہمیں دے دیتے ہیں۔ او کے ہم ڈرائنگ روم لے لیتے ہیں تو وہ گیسٹ جو ہمارے گھر آتے ہیں۔ ان کو کہاں بٹھائیں گے۔ لاؤنج میں۔ چلو او کے۔ ان کو سٹنگ روم میں بٹھالیا تو جو صبا ہر سال گرمیوں میں یہاں آتی ہے اس کا کیا کریں۔ اب تو ماشاء اللہ اس کا بے بی بھی ہے ان کو بھی کم از کم ایک روم تو دینا ہوگا نا۔ مجھے تو یہ بالکل اچھا نہیں لگے گا کہ ہماری وجہ سے ممی کو پرابلم ہے۔"

وہ بہت ملائمت سے اس پر اپنا برطانوی موقف واضح کررہا تھا۔ امائمہ نے فقط گردن کو ہلایا۔ اس نے اس نہج پر واقعی نہیں سوچا تھا۔ عمر کو اس کا بجھا بجھا انداز دیکھ کر دکھ ہوا۔

"میری جان! اتنا پریشان مت ہو۔ میرا یقین کرو' سب کچھ جلدی ہی ٹھیک ہوجائے گا' ابتدا میں تھوڑی مشکل ہوگی' مگر پھر آہستہ آہستہ تم عادی ہوجاؤ گی۔ ابھی مجھے اپنی گاڑی لینی ہے۔ میرے پاس گاڑی بھی نہیں ہے۔ میری جاب اور سیلری بہت اچھی ہے' مگر تم مہنگائی بھی تو دیکھو' کس تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی سہولتیں پانے کے لیے بڑی بڑی سہولتوں کو اگنور کرنا پڑ رہا ہے۔" وہ خود بھی بجھے بجھے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ امائمہ کو افسوس سا ہوا۔

"مجھے پتا ہے ممی کو بھی اچھا نہیں لگا کہ ہم ان کی بات مان کر ان کے ساتھ نہیں رہ رہے' مگر وہ خود بھی جانتی ہیں کہ صورت حال کتنی خوف ناک ہوچکی ہے۔ میں اب بچہ تو نہیں ہوں کہ سارا بوجھ ان پر ڈالے رکھوں۔ میرے پیرنٹس نے بہت محنت کی ہے۔ تب یہ مقام حاصل کرپائے ہیں۔ جب ہم چھوٹے چھوٹے سے تھے تب سے انہیں ایسے ہی کام کرتے دیکھ رہے ہیں۔ پاپا یعنی میرے دادا نے بہت چاہا کہ ڈیڈی پاکستان آکر رہیں' وہاں ان کا اچھا خاصا بزنس تھا' مگر ابو کہتے تھے کہ وہاں میری تعلیم کی قدر نہیں' سو میں یہاں ہی رہوں گا۔ ممی نے بہت عرصہ جاب کی' اپنی خواہشوں کو مارا اور ضرورتوں کو اگنور کیا' تب کہیں جاکر زندگی کی یہ شکل بنی ہے۔ اب عمیر رہ گیا ہے۔ وہ کسی اچھے انسٹی ٹیوٹ سے ڈگری لینا چاہتا ہے۔ اس کا ایک ہی جنون ہے۔ اسے انجینئرنگ کرنی ہے۔ اس کی اسٹڈیز بہت مہنگی ہے۔ وہ ہم تینوں بہن' بھائی میں سب سے زیادہ ذہین ہے۔ ابو کی بچت اس پر خرچ ہو تو زیادہ اچھا ہے نا۔ میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ ائمہ نے اس کے ایک ایک لفظ کو بغور سنا تھا اور اسے اس کی ساری باتیں سن کر احساس ہوا تھا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ وہ لاابالی سا لڑکا جو تین سال پہلے اسے ملا تھا۔ کتنا سمجھ دار ہو چکا تھا۔ اسے زندگی کو طریقے سے گزارنے کا سلیقہ آچکا تھا۔ ائمہ نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر اس کے گھٹنے پر رکھا' پھر اپنا سر وہیں ٹکا دیا۔

"پریشان ہو گئی ہو نا؟" وہ اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ائمہ نے سر اس کے گھٹنے سے اٹھایا تھا۔ اس کے پاس ایک آئیڈیا تھا۔

"عمر! میں بھی تو جاب کر سکتی ہوں نا؟"

"جی نہیں۔۔۔ شکریہ۔۔۔ مجھے پتا ہے تم کر سکتی ہو' مگر مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ میں نے ساری زندگی ممی کو جاب کرتے دیکھا ہے۔ میں اسکول سے آتا تھا تو کبھی گھر میں ممی نظر نہیں آتی تھیں۔ میں' عمیر اور صبا کے لیے کھانا گرم کرتا تھا۔ انہیں کھلاتا تھا۔ ان کا خیال رکھتا تھا۔ تم کیا چاہتی ہو کہ جب میں آفس سے آؤں تب بھی یہی صورت حال ہو۔"

وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔ ائمہ کو یہ بات وہ پہلے بھی بتا چکا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ ائمہ جاب کرے اور یہ بات پہلے ہی بحث کی گنجائش سے نکل چکی تھی۔

"اب پلیز اس ٹاپک پر اتنا مت سوچو۔۔۔ صورت حال اتنی خوف ناک نہیں ہے جتنی تم نے تصور کر لی ہے۔ سب کچھ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ پہلے اسے ڈراتا تھا' پھر تسلی دینے لگتا تھا۔ ائمہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی' پھر اس نے گہری سانس بھری تھی۔ عمر نے اپنی ٹانگیں پھیلا کر اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا تھا۔ وہ ملائمت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ وہ پریشان ہو گئی۔

"ہاں۔۔۔ ان شاء اللہ۔۔۔ آئی ایم ساری عمر۔۔۔ میں نے تمہیں پریشان کر دیا۔" محبت کرنے والوں کی یہی مجبوری ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔

"سوری تو مجھے بولنا چاہیے۔۔۔ تم کیوں ایکسکیوز کر رہی ہو۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تم بھی ایکسکیوز مت کرو۔۔۔ میں بلاوجہ تکرار کر رہی تھی۔ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"اچھا۔۔۔" عمر بھی مسکرایا' پھر اس کی دائیں آنکھ کے کنارے کو نرمی سے چھو کر بولا۔

"تو۔۔۔ ان کو بند کرنے کا انتظام کروں۔"

☼ ☼ ☼

اس نے بہت جلد خود کو حالات کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ نہ صرف ڈھال لیا تھا بلکہ وہ بہت جلد ہر چیز کو خوش دلی سے قبول کرنے میں لگ گئی تھی۔ بہت ساری باتیں تھیں جو عمر نے اسے نہیں بتائی تھیں۔ لیکن وہ خود ہی سمجھ گئی تھی اور جب سمجھ گئی تھی تو اس کی شکایات خود بخود دور ہونے لگی تھیں۔ اسے بہت جلد اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا گھر بے شک بہت چھوٹا سا تھا' لیکن وہ ایک اچھے علاقے میں رہ رہی تھی۔ اس کے ساتھ رہنے والوں کے دل اتنے کشادہ تھے کہ گھر کی تنگی محسوس بھی نہیں ہوتی تھی۔

عمر اسے بے پناہ چاہتا تھا تو ساس' سسر بھی اس کی بہت قدر کرتے تھے۔ ویک اینڈز زیادہ تر ان ہی کے یہاں گزارتے تھے۔ ویسے بھی دونوں گھروں میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ ائمہ وہاں اکیلی بھی آجایا کرتی تھی۔ عمیر بھی اسے بڑی بہنوں کی طرح ٹریٹ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ویسے بھی وہ بڑا پڑھاکو سا لڑکا تھا۔ کتابوں سے نکلتا تو انٹرنیٹ پہ پروجیکٹ اور تھیسز وغیرہ میں مگن رہتا' مگر فرصت ملنے پر وہ اس کے پاس بیٹھتا تھا اور اپنے برٹش لہجے میں اس سے پنجابی میں باتیں کرتا تھا۔ ائمہ ان سب کا رویہ دیکھتی تو ای کی بصیرت اور جہاں دیدہ نظر کو داد دیتی نہ تھکتی۔ اسے ای کے فیصلے پر بجا طور پر فخر محسوس ہوتا تھا۔

"ایک وقت آئے گا ائمہ! کہ تم خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین عورت سمجھا کرو گی۔"

جب عمر اس سے انگوٹھی واپس لے گیا تھا تو ای نے اس کی وکالت میں کہا تھا۔ ای ہمیشہ اسے مطمئن کرنے کی خاطر دلیلیں اکٹھی کرتی رہتی تھیں۔ جب تک اس کا دل عمر کی جانب مائل نہیں ہو گیا تھا وہ اس سے ڈھیروں باتیں کرتی رہتی۔۔۔ تھیں۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے موضوع تلاش کرتیں کہ جن میں خود بخود عمر یا اس کے گھر والوں کا ذکر آجاتا اور پھر وہ اکثر اسے باور کرواتی تھیں کہ وہ بہت خوش قسمت ہے اور اب وہ واقعی ان کے اس دعوے پر ایمان لے آئی تھی۔ عمر کی محبت ہی قابل قدر نہیں تھی' بلکہ وہ اس کی عادتوں کی بھی گرویدہ ہو گئی تھی۔

وہ اسے ناشتے' کھانے کے لیے کبھی بھی جگا کر نہیں کہتا تھا۔ وہ اگر سو رہی ہوتی تو وہ اپنا ناشتہ خود بنا لیتا تھا' کھانا بھی مائیکرو ویو اوون میں گرم کر لیتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات وہ ائمہ کے لیے بھی یہ سب کام کر دیتا تھا۔ ائمہ اس کے ذاتی کام کر دیا کرتی تھی۔ کبھی اس کے کپڑے استری کر دیتی یا الماری ٹھیک کر دیتی تھی' لیکن وہ اس چیز کے لیے ائمہ کا اتنا شکر گزار ہوتا کہ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوتی رہتی۔ اسے گیلا تولیہ بستر پر پھینکنے کی عادت تھی' نہ ہی وہ میلے کپڑے ادھر ادھر پھیلاتا تھا۔ اپنی ڈی وی ڈی' اخبار' آفس کی فائلز ہر چیز سمیٹ کر رکھا کرتا تھا۔ لیکن ویک اینڈز پر وہ ایک بالکل مختلف عمر کے روپ میں نظر آتا۔ وہ ہر کام میں ائمہ کی مدد کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ گروسری کے لیے اکٹھے جاتے تھے۔ گھر کی کوئی مرمت کرنی ہوتی یا بیک یارڈ میں لگی گھاس کی جھاڑ جھنکار کرنی ہوتی وہ فوافٹ سب کام کر لیا کرتا تھا۔ ممی لوگ کی طرف جا کر بھی اس کی یہی روٹین رہتی۔ وہ ابتدا میں بہت حیران ہوئی تھی اور اسی حیرانی کا اظہار اس نے عمر کے سامنے بھی کر دیا تھا۔

"اس میں ایسی کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ تم اتنی حیرانی کا اظہار کرو۔ میں بالکل اپنے ابو کے جیسا ہوں۔ وہ بھی میری ممی کے ساتھ ہمیشہ اتنے ہی لونگ اور کیئرنگ رہے ہیں۔ ایسی باتوں پر جھجکتے نہیں ہیں ہم' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ میں کیا کرتا ہوں بس یہی تو کرتا ہوں۔ اپنا کام ہی تو اپنے ہاتھوں سے کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

عمر نے ائمہ کے استفسار پر عام سے لہجے میں کہا تھا اور اس نے سچ کہا تھا۔ واقعی ابو بھی ایسے ہی تھے۔ وہ اپنا کھانا ختم کر کے نہ صرف پلیٹ کچن میں رکھ کر آتے تھے' بلکہ اپنے حصے کے برتن بھی دھوتے تھے۔ اسی طرح ویک اینڈز کی چائے عمیر کے ذمے تھی جسے وہ بخوشی بنایا کرتا تھا۔

ان کی دیکھا دیکھی ائمہ نے بھی ممی کے ساتھ کچن کی ذمہ داریاں بانٹ لی تھیں۔ وہ سلاد کے لیے سبزیاں چوپ کر دیتی تھی۔ سینڈوچز کی فلنگ کر دیتی تھی۔ اوون میں بیک ہوتے کھانوں کو چیک کر لیا کرتی تھی۔ کچن کے تمام شلف اور کیبنٹس کی تفصیلی صفائی وہ ہر ویک اینڈ پر کیا کرتی تھی۔

ممی کی کمر میں درد رہتا تھا' سو وہ ان کے گھر آتے ہی ویکیوم اور جھاڑن لے کر صفائی میں جت جاتی۔ قرینہ اور سلیقہ تو ان سب میں تھا' مگر پھر بھی ائمہ صفائی ستھرائی کے دوران اپنی مہارت دکھا دیتی۔ اسے احساس تھا کہ اس کی ساس بے حد سگھڑ ہیں' سو وہ ان سے سیکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ ای کی سخت ٹریننگ میں گزشتہ تین سالوں میں کوفتوں سے لے کر بریانی اور رس ملائی سے لے کر کھیر تک ہر چیز بنانا جان گئی تھی' لیکن وہ لوگ ایسا کھانا کم کھاتے تھے۔ پاستا' نوڈلز' اسٹیم چکن' پزا یا پھر بہت سادہ سینڈوچز یا پھر ڈارک براؤن چاکلیٹ کیک کو ونیلا کسٹرڈ کے ساتھ سجا کر کھانا انہیں بریانی' پلاؤ سے کہیں زیادہ مرغوب تھا۔

سو ائمہ کو کچن میں بھی زیادہ وقت نہیں دینا پڑتا تھا۔ غرض یہ کہ ائمہ کی زندگی ایسی تھی کہ لڑکیاں جس کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔ خوشیوں کے جھولے جھولتے کیسے چھ ماہ گزر گئے' پتا ہی نہیں چلا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے ناشتا کیا یا نہیں۔۔۔ اوف۔۔۔ کب سے اٹھے

ہو تم۔ اتنا ست بنا رکھا ہے تمہاری گرینی نے تمہیں۔ کافی نہیں بنا سکتے تھے اپنے لیے۔"

میری ممی اکتائے ہوئے انداز میں تیز تیز ہاتھ چلا رہی تھیں۔ کچن کی حالت عجیب ابتری کی تھی۔ ویسے سارا گھر ہی دلبرداشتہ کرتے ہی بے ترتیبی کا رونا روتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ مگر کچن کچھ زیادہ ہی بکھرا ہوا تھا۔ فریج اور کیبنٹس خالی جبکہ شیلف اور درمیانی کاؤنٹر بھرے ہوئے تھے۔

گرینی کہتی تھیں کہ ممی بدسلیقہ عورت ہیں اور یہ بات ممی کے انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ سفید باتھ گاؤن میں ملبوس تھیں۔ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے جو کاؤنٹر پر دھرے برتنوں میں گر رہے تھے۔ مگر انہیں پروا نہیں تھی۔ ان کا چہرہ کل کی نسبت کچھ پھیکا مگر خوب صورت دکھتا تھا۔

مجھے ان کے کچن کو دیکھ کر اپنے ویک فیلڈ والے فارم ہاؤس کا کچن یاد آیا اور ممی کو دیکھ کر گرینی کی یاد آئی۔ ممی کو گرینی والی نفاست چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ میرا دل ان کی یاد سے بوجھل ہونے لگا۔ میں ممی کے اس گھر میں ایک رات گزار چکا تھا اور یہ رات بہت بھاری تھی۔ میرے پاس اس خوف ناک رات کو بیان کرنے کے لیے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ میں رات بھر روتا رہا تھا۔ اتنا اکیلا پن زندگی میں پہلے کبھی نہیں سہا تھا میں نے۔

اکلاپا واقعی بڑا سیاپا ہوتا ہے۔ یہ انسان کی ذات کو راس نہیں آتا۔ تنہائی کا خوف موت کے خوف سے بڑا ہوتا ہے۔ ایک رات کی تنہائی نے میرے کس بل نکال دیے۔

اس رات نے مجھ پر تنہا ہونے کے نئے معنی واضح کیے تھے۔ "تنہا" ہونا یہ نہیں ہوتا کہ آپ کے پاس کوئی نہیں ہے۔ تنہا ہونا دراصل یہ ہوتا ہے کہ سب آپ کے پاس ہیں، لیکن آپ کا کوئی نہیں ہے۔ مجھے رات بھر یہ احساس رہا کہ جیسے میں ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہوں اور سمندر عبور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور میرے سب دوست احباب ایک بڑے "بحری جہاز" میں مجھے دیکھتے ہوئے، مجھ پر ہنستے ہوئے میرے پاس سے گزر گئے ہیں۔ یہ تھا میرا اکیلا پن۔

"کافی بنانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ شوگر، کریم، دودھ ملاؤ۔ کافی تیار ہے۔ اتنا سا کام تو تم خود کر لیتے۔ میرے انتظار میں بیٹھے رہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آئندہ ایسا مت کرنا۔" انہوں نے ٹرے آگے رکھتے ہوئے ناگواری سے کہا۔ میں کاؤنٹر کے گرد ایک اونچے سے غیر آرام دہ اسٹول پر بیٹھا تھا۔ کچن میں ایک طرف دو کرسیاں اور میز بھی پڑی تھیں، لیکن ممی نے مجھے وہاں بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔

میں نے وہیں بیٹھنے کا فیصلہ کر کے ٹرے اپنے مزید آگے کر لی۔ اس میں کافی کا ایک مگ اور کیک کے چند ٹکڑے تھے۔ میں نے حیران ہو کر ان کا چہرہ دیکھا۔ کیا انہیں اتنا بھی احساس نہیں تھا کہ میں کتنا بھوکا تھا۔ میں نے کل دوپہر سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ سفر میں مجھ سے کچھ کھایا نہیں جاتا تھا اور گھر آ کر بھی ممی نے مجھے پوچھا ہی نہیں تھا کہ مجھے کھانے کو کچھ چاہیے یا نہیں۔ اب مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی اور وہ مجھے کھانے کو کیا دے رہی تھیں۔ میری تو آنکھیں بھی بھوک سے خشک ہو گئی تھیں۔

"آپ نہیں آئیں گی؟" میں نے عادت کے مطابق پوچھا تھا، کیونکہ مجھے اور گرینی کو اکٹھے ناشتہ کرنے کی عادت تھی۔ انہوں نے پہلے اپنی پرکشش گہری آنکھیں پھیلا کر دیکھا تھا، پھر ناگواری ان کے چہرے پر پھیل گئی۔

"سارے زمانے کے لیے ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور دنیا میں صرف زندہ رہنا اہم نہیں ہوتا، کامیابی سے زندہ رہنا اہم ہوتا ہے۔"

انہوں نے لفظ کامیابی پر زور دیا، پھر اپنا بایاں ہاتھ اوپر کر کے مجھے دکھایا۔ اس میں کافی کا مگ تھا۔ وہ مجھے جتا رہی تھیں کہ وہ اپنے لیے کافی لے چکی ہیں۔

"ایک بات یاد رکھنا۔ کامیابی تب ملتی ہے جب انسان سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچے۔ میں اپنے پیٹ کا خیال تم سے بہتر رکھ سکتی ہوں، اس لیے جو کام تم بہتر طریقے سے کر ہی نہیں سکتے۔ اس کے بارے میں سوچ کر اپنا وقت ضائع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

انہوں نے اپنی بات پوری کر کے کافی کا گھونٹ بھرا اور پھر اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ میں نے تذبذب کے عالم میں اپنا کپ اٹھایا اور دائیں ہاتھ میں کیک کا پیس لے کر کھانا شروع کیا۔ وہ کیک سخت باسی اور بدمزا سا تھا۔

مجھے ویک فیلڈ کے اصول ترک کرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ وہاں کبھی میں ناشتے کی میز پر اکیلا نہیں بیٹھا تھا۔ گرینی اس بات پر اصرار کرتی تھیں کہ کھانے کی میز پر گھر میں جتنے افراد بھی ہوں موجود ہوں۔ ان کے پڑھائے ہوئے سبق یہاں فرسودہ اور غیر ضروری محسوس ہونے لگے تھے۔ ممی کے گھر کے اور ان کے اپنے سب اصول گرینی سے مختلف تھے۔

گھر پہنچ کر انہوں نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ جب تک میرے لیے کچھ بندوبست نہیں ہو جاتا میں یہ کمرہ استعمال کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد میں اس کمرے میں ہی رہا تھا اور اب صبح باہر آیا تھا۔ وہ دو بیڈ کا گھر لگتا تھا۔ یہاں گندگی اور بے ترتیبی بہت زیادہ تھی جو پہلی نظر میں ہی محسوس ہو جاتی تھی۔ کیک کے سوکھے سلائسز اپنے اندر منتقل کرتے ہوئے میں ادھر ادھر بھی نظر ڈال رہا تھا۔

یہ کوئی غیر ارادی فعل نہیں تھا۔ میں دراصل کھاتے ہوئے اس کیک کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا، کیونکہ ایسا کرنے پر شاید میں انہیں کھا نہیں پاتا۔ میرے سامنے ممی نے جو کیک رکھا تھا، اگر گرینی نے مجھے دیا ہوتا تو میں منہ بھی نہ لگاتا، لیکن ثابت ہوا کہ بھوک بے شرم ہوتی ہے، اس کی کوئی انا نہیں ہوتی۔

میں خاموشی سے اپنا ناشتہ ختم کرتا رہا۔ ایک، دو، تین سب سلائسز ختم ہو گئے تھے اور بھوک ابھی باقی تھی۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ممی سے مزید کچھ کھانے کے لیے مانگ سکتا۔ میں نے کیک کے بعد کافی ختم کی اور ٹرے کو سنک میں رکھ دیا۔ میں نے ٹشو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ میں کاؤنٹر کو بھی صاف کر دوں، مگر وہ وہاں موجود نہیں تھے یا شاید مجھے نظر نہیں آئے۔ میں نے کاؤنٹر پہ گرا نادیدہ کچرا ہاتھ سے صاف کیا اور اسے بھی کچن سنک میں بہا دیا، کیونکہ مجھے وہاں ڈسٹ بن بھی نظر نہیں آیا تھا۔ میں واپس ابھی اسی جگہ بیٹھا ہی تھا کہ ممی دوبارہ نازل ہوئیں۔

"تم ابھی تک یہیں بیٹھے ہو۔ اتنی سستی اچھی نہیں ہوتی۔ تمہاری عمر کے بچے تو بہت پھرتیلے ہوتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور توانائی بھی۔ وہ ادھر ویکیوم مشین پڑی ہے۔ تم یہاں ہال میں اور۔۔۔ اور اپنے روم میں صفائی ستھرائی کر لو۔ اپنی چیزوں کو ترتیب دے لو۔"

انہوں نے مجھے دیکھا، ٹوکا، اگلا حکم دیا اور واپس اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ایک سانس، دو نظریں، چند سیکنڈز اور اتنے لفظ۔ وہ تو بہت پھرتیلی عورت تھیں۔ میں اٹھ کر اس سمت کے کیبن کو کھولنے لگا جہاں ممی نے اشارہ کیا تھا۔ چند لمحوں بعد میں اس جگہ پر ویکیوم مشین کو واپس اس کے کیبن میں رکھ کر دہری کمر سیدھی کی تھی کہ ممی کی آمد ہوئی۔

وہ اب نک سک سے تیار تھیں۔ نیوی بلیو، پولکا ڈاٹس والی فراک کے ساتھ بلیک ہائی ہیل شوز پہنے ممی ایک گلیمرس، چونکا دینے والی شخصیت کی حامل خاتون لگ رہی تھیں۔ ان کے بال کھلے اور چہرہ کھلا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر سراہنے والے انداز میں مسکرائیں، مجھے ذرا حوصلہ ہوا تھا۔

"تم بہت اچھے لڑکے ہو۔" انہوں نے میری تعریف کی تھی۔ اسی دوران میں نے ممی والے کمرے میں سے کسی کو باہر کی سمت آتے دیکھا۔ وہ سیاہ بالوں اور براؤن رنگت والا اونچے قد کاٹھ کا شخص تھا۔ اس نے ملگجا سا لباس پہن رکھا تھا جس پر سلوٹیں پڑی تھیں۔ اس شخص کی چال متوازن تھی۔ میری نظروں کو اس جانب پا کر ممی نے بھی ادھر دیکھا تھا۔

"تم اٹھ گئے روڈی۔" وہ مسکرائی تھیں۔

"یہ روڈی ہے۔" انہوں نے اس شخص کا تعارف کروایا' پھر اس کی جانب دیکھ کر بولیں۔

"روڈی۔۔۔ یہ بلی ہے۔۔۔ میرا کزن۔۔۔ اس کے ممی' ڈیڈی مر چکے ہیں۔۔۔ اب میرے ساتھ رہے گا۔"

"کزن۔۔۔" میری آنکھیں پھیل گئی تھیں' میں نے چونک کر ممی کا چہرہ دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"ڈنگ ڈونگ۔۔۔" ڈور بیل کی آواز کسی بدصورت' بوڑھی جادوگرنی کے کریہہ قہقہے کی صورت میرے کانوں میں پڑی تھی۔ میں ہال کے لیدر کاؤچ پہ منہ پہ کشن دھرے لیٹا تھا۔ نجانے کب میری آنکھ لگ گئی تھی۔ اس لیے میں بیل کی آواز پر ہڑبڑا سا گیا۔

ایک لمحے کے لیے میں سمجھ نہیں پایا کہ یہ کیا ہوا ہے' کیونکہ میں نے ابھی تک اس گھر میں رہتے ہوئے ڈور بیل کی آواز سنی تھی نہ ہی کبھی کسی کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ اس گھر میں کوہو اور اس کے پارٹنر کے علاوہ کوئی نہیں آتا تھا۔ جبکہ ان دونوں کے پاس ڈپلی کیٹ چابی ہمہ وقت موجود ہوتی تھی۔ سو وہ بیل نہیں بجاتے تھے۔ میں یہ سب سوچتا ہوا دروازہ کھولنے کے لیے آیا تھا۔

"کون ہو تم۔۔۔؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟ پیچھے ہٹو۔۔۔ اندر تو آنے دو مجھے۔" وہ جو کوئی بھی تھیں' اخلاقیات سے بالکل عاری تھیں۔ انہوں نے پہلے جھٹکے میں مجھے اور دوسرے جھٹکے میں دروازے کو ہٹا کر قدم اندر رکھا تھا۔ اوائل اکتوبر کے دن تھے۔ دروازے کی جھری سے روشنی کی چھریری لکیریں بن بلائے اندر آ رہی تھیں اور میرے پاؤں سے بغل گیر ہونے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ ان خاتون سے زیادہ مجھے وہ لکیر بھلی لگی تھی۔

"میں نے پوچھا کون ہو تم؟ اب بتاؤ گے یا یونہی اپنے پاؤں کی طرف دیکھتے رہو گے۔" وہ چلا کر پوچھ رہی تھیں۔ ان کا حلیہ بھی بڑا چیختا چلاتا سا تھا۔ گہرا میک اپ' بھڑکیلا لباس اور غراتا ہوا لہجہ۔۔۔ وہ اتنا چیخ کر بول رہی تھیں کہ ان کے بولنے سے ان کے بھورے گھنگھریالے بال بھی مرتعش ہوتے لگ رہے تھے۔ ان کا چہرہ خوب صورت مگر کرخت تھا اور ان کی آواز کرخت مگر خوب صورت تھی۔

"میں کوہو کا کزن ہوں۔" میں نے بے بسی سے چور لہجے میں کہا۔

اتنے دن ہو گئے تھے مجھے یہاں رہتے ہوئے اور یہ پہلا موقع تھا جب میں کسی کو اپنے منہ سے اپنے اور ممی کے رشتے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ ممی نے مجھے اپنے حلقہ احباب میں کزن کہہ کر متعارف کروایا تھا بلکہ وہ پہلے دن اس بات پر غصہ کر رہی تھیں کہ میں انہیں "ممی" کیوں کہتا ہوں سو اب میں انہیں ان کے اسی نام سے بلاتا تھا جو ان کے دوستوں میں عام تھا۔ ہمارے درمیان زیادہ بے تکلفی نہیں تھی لیکن بڑوں کے ساتھ جو ایک احترام روا رکھا جاتا ہے۔ ممی نے مجھے اس سے بھی آزاد کر دیا تھا۔ سو اب وہ میرے لیے صرف میری کزن تھیں۔۔۔ کوہو۔۔۔

"کیا۔۔۔ کوہو کے کون ہو تم؟" وہ ایک بار پھر غرائیں۔ میں جو ذرا پر اعتماد ہونے کی کوشش کر رہا تھا ان کی آواز پر پھر لڑکھڑا گیا۔

"کزن۔۔۔ کزن ہوں۔۔۔ کوہو کا۔۔۔ کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

"اوشٹ اپ۔۔۔ مجھے یہ مت بتاؤ کہ تم میری بھانجی کے کزن ہو اور میں تم سے پہلی مرتبہ مل رہی ہوں۔"

وہ آگے بڑھ کر ہال کی جانب چلنے لگی تھیں۔ میں ان کے پیچھے پیچھے تھا۔

"تم مجھ سے پوچھ رہے ہو مجھے کس سے ملنا ہے۔ اس گھر کی مالکن ہوں میں۔۔۔ سمجھے تم۔"

انہوں نے مڑ کر میری جانب انگلی کر کے کہا تھا۔ مجھے اس صورت حال سے بڑی کوفت سی ہوئی۔ میری بلا سے وہ جو بھی تھیں مجھے کوئی غرض نہیں تھی۔

"جی۔۔۔ میری معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے بڑا شکریہ۔" میں نے جذبات کو قابو میں رکھ کر کہا تھا۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا بیگ درمیانی میز پر رکھا تھا اور پھر سر سے لے کر پاؤں تک میرا طنزیہ نظروں سے جائزہ لیا تھا۔

"اب مجھے یقین آگیا کہ تم کوہو کے کزن ہو سکتے ہو۔ وہ بھی تمہاری طرح بے حد بدلحاظ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھے اس بھروسے پر بھی آپ کا شکریہ ادا کر دینا چاہیے۔"

"نہیں بچے۔۔۔ اپنا شکریہ بچا کر رکھو۔ ابھی بہت مواقع آئیں گے اسے ادا کرنے کے۔۔۔ میں اتنی جلدی نہیں جانے والی یہاں سے۔۔۔"

انہوں نے بالکل میرے انداز میں میری بات کا جواب دیا اور پھر کاؤچ پر ڈھیر ہو کر اشارے سے میز پر پڑی کرسٹل باسکٹ پکڑانے کا کہا۔ میں نے خاموشی سے وہ باسکٹ انہیں پکڑا دی۔ اس میں میری پسندیدہ بھنی ہوئی مونگ پھلیاں تھیں۔ انہوں نے اسے ٹونگنا شروع کر دیا۔ میں انہیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر اس کمرے میں آگیا جسے میں اتنے دن سے بطور بیڈ روم استعمال کر رہا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے مجھے بہت دن ہو گئے تھے لیکن زندگی جیسے وہیں اس ٹرین کے ڈبے میں کھڑی رہ گئی تھی۔ عین اسی مقام پر جب میری ممی کے ارادے ان کے اس جملے کے ذریعے مجھ تک پہنچے تھے۔

"مجھے ٹرین کا سفر اس لیے پسند ہے کہ اس میں کوئی "یوٹرن" نہیں ہوتا۔۔۔ انسان کو یوٹرن لینے کے لیے خود ٹرن لینا پڑتا ہے۔ میری زندگی گزارنے کی فلاسفی بالکل ٹرین کے جیسی ہے۔ میں یوٹرن نہیں لے سکتی' لے ہی نہیں سکتی۔۔۔ ٹرین کی طرح۔"

انہوں نے جو بھی کہا تھا سچ کہا تھا۔ مجھے ان کے ساتھ رہنے کے لیے ایک یوٹرن نہیں لینا پڑا تھا بلکہ ہر گھنٹے بعد وہ مجھ سے اس کی توقع کرتی تھیں۔ میں خود کو موڑتے موڑتے اتنا مڑ چکا تھا کہ بعض اوقات مجھے اپنی پچھلی زندگی ایک خواب لگتی تھی۔

چند مہینوں میں ہی اپنے گھر کے کئی بڑے چھوٹے کام انہوں نے میرے ذمے لگا دیے تھے۔ کچن کی صفائی ستھرائی' اپنا ناشتا بنانا' ڈسٹنگ کرنا' لانڈری دیکھنا۔۔۔ میں سب کر لیتا تھا۔ کوہو نے مجھے کسی اسکول میں داخل نہیں کروایا تھا وہ مجھے اگلے سال کے لیے رجسٹر کروانا چاہتی تھیں سو وہ خود جس اسکول میں اسسٹنٹ ٹیچر کے طور پر کام کر رہی تھیں وہیں مجھے بھی لے جاتی تھیں۔ وہ جان کیس فاؤنڈیشن کے تحت چلنے والا ایک کنڈر گارڈن تھا۔ تیرہ سال کے بچے کے لیے وہاں کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن کوہو کو کوئی پروا نہیں تھی۔

کوہو نے میرے لیے اجازت لی تھی لیکن میری اجازت نہیں لی تھی۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ جاتا تھا۔ میں ویک فیلڈ میں بہت اچھے اسکول میں جاتا تھا۔ میں پڑھائی میں بہت اچھا تھا اور غیر نصابی سرگرمیوں میں آگے آگے رہتا تھا لیکن یہاں ایلبنڈ گیٹ میں سب ختم ہو گیا تھا۔ گریبی اس بات پر مطمئن تھیں کہ میں اپنی ماں کے ساتھ رہ رہا ہوں لیکن انہیں اس بات کی پروا نہیں تھی کہ میں کس طرح رہ رہا ہوں۔ کسی کو بھی اس کی پروا نہیں تھی۔

میں نے بھی انہیں زیادہ یاد کرنا چھوڑ دیا تھا۔ مجھے کسی کی "یاد" کو کانٹا ہوا جوتا بنانے کی عادت تھی بھی نہیں کہ ہر اٹھتے قدم کے ساتھ درد و تکلیف میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ میں حالات کو اپنے مطابق نہیں بنا پایا تھا' سو میں نے اب خود کو حالات کے مطابق بنانا شروع کر دیا تھا جس میں سرفہرست یہ اقدام تھا کہ میں اپنے کام سے کام رکھتا۔ اب بھی ان خاتون کو جو خود کو کوہو کی آنٹی کہتی تھیں' ہال میں چھوڑ کر آگیا تھا۔ وہ خاتون کچھ زیادہ ہی ضدی تھیں۔ انہوں نے مجھے دس منٹ بھی اکیلا نہیں رہنے دیا تھا۔

"اے لڑکے۔۔۔ کہاں مر گئے ہو۔۔۔؟ یہاں آؤ۔۔۔"

وہ پکار رہی تھیں۔ میں ان کی بات سننے کے لیے واپس ہال میں آگیا۔

"کچھ کھانے کو ہے تو لے کر آؤ۔" مجھے دیکھتے ہی انہوں نے حکم دیا۔

وہ باسکٹ اب خالی تھی جو میں انہیں تھما کر گیا تھا۔ میں ان کی رفتار پر حیران ہوتا ہوا کچن میں آیا تھا۔ وہاں کل میں نے بسکٹ رکھے تھے لیکن وہ مجھے کسی کیبنٹ میں نظر نہیں آئے۔ میں اس بات پر مزید حیران ہوا۔

کوہو کو کھانے پینے سے زیادہ رغبت نہیں تھی۔ وہ جاگنگ کرتی تھی جم جاتی تھی یوگا کرتی تھی اور جو وقت بچ جاتا تھا' اس میں فاقے کرتی تھی۔ اس کے بوائے فرینڈ کو میں صرف ویک اینڈ پر ہی دیکھ پاتا تھا تو بسکٹ کہاں چلے گئے تھے۔ اسی دوران مجھے داخلی دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ میں باہر آگیا۔ وہاں بسکٹ کے پیکٹ کا خالی ریپر گرا ہوا تھا۔ کوہو کی آنٹی بہت ندیدی خاتون تھیں۔

"کون آیا ہے بلی؟" کوہو کی آواز بھی ساتھ ہی سنائی دی تھی۔ کوہو نے داخلی دروازے کے پاس پڑے سفری بیگ کو دیکھ کر پوچھا تھا۔ ان کی آواز میں حیرانی سے زیادہ پریشانی محسوس ہوئی تھی مجھے' باہر کے دروازے سے ہال کے اندر تک نگاہ پڑتی تھی۔ کوہو نے بھی بیگ کو دیکھنے کے بعد دوسری نظر کاؤچ میں دھنسی ہوئی خاتون پر ڈالی تھی۔ میں نے ان کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگوں کو دیکھا۔ ان کی پیشانی پر تیوریاں نمایاں ہوئیں اور اپنا اثر چھوڑے بغیر غائب ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے سن گلاسز اور ہیٹ کو میز پر رکھ دیا۔

"آپ آئی ہیں۔" گہری سانس بھری پھر بولیں۔ "واپسی ہو گئی آپ کی؟" کوہو کا انداز طنزیہ تھا۔ ان خاتون نے گردن گھمائی اور مسکرائیں۔

"کیا بہت یاد کرتی رہی ہو مجھے۔ سننے میں کافی اچھا لگ رہا ہے۔"

"اوہ کم آن وینڈی آنٹی۔ اتنا پوز مت کیجئے۔ ایکٹریس آپ نہیں میں ہوں۔" ان کے چہرے پر ناگواری بڑھی تھی۔ آنٹی وینڈی نے قہقہہ لگایا۔ انتہائی مصنوعی اور چڑا دینے والا قہقہہ۔

"میں ایکٹریس نہیں ہوں مگر ایکٹریس کی آنٹی تو ہوں ناں۔ کیا میں نہیں ہوں؟"

کوہو نے سر جھٹکا جیسے اس لایعنی بحث سے چڑ رہیں ہو۔

"تم یہاں سے جاؤ بلی۔" کوہو نے ان کی جانب سے نگاہ ہٹا کر مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ مجھے ویسے بھی اس صورت حال سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں سکون سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

"اے رکو۔ کدھر جا رہے ہو۔ ذرا رکو۔" یہ وینڈی آنٹی تھیں۔

"اس سے کیا کام ہے آپ کو؟" کوہو نے جیسے غرا کر کہا تھا۔ وہ اپنی آنٹی کے بجائے مجھے گھور رہی تھیں۔

"یہ کون ہے۔ میں چاہتی ہوں' مجھے اس سے متعارف کروایا جائے۔ یہ خود کو تمہارا کزن کہہ رہا ہے۔ اتنا پیلا پیلا سا کزن کہاں سے آیا تمہارے پاس۔" وہ آنکھیں گھما گھما کر اپنا موقف بیان کر رہی تھیں۔

"آنٹی وینڈی... اس معاملے سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ اپنے کام سے کام رکھیے۔" کوہو نے جھٹکے سے اپنے ہائی ہیل شوز اتارے تھے جو باری باری دور جا گرے تھے پھر وہ خود بھی تن فن کرتی دور کچن والی سائیڈ چلی گئیں۔ ان کی بڑبڑاہٹ واضح نہیں تھی۔ آنٹی وینڈی میری جانب مڑیں۔

"میں وینڈی والس ہوں۔ تمہاری کوہو کی آنٹی۔ تم کون ہو؟" یہ سوال مجھ سے کیا گیا تھا۔ اب میں پہلی دفعہ غصہ دلا دینے والے تذبذب کا شکار ہوا تھا۔

"میں کچن سے آپ کے لیے کافی لینے گئی تھی۔ زہر لینے نہیں۔ تھوڑا تحمل برتیں... میں آپ کو آپ کے سوالوں کا جواب دیے بغیر مروں گی نہیں اور آپ کو بھی مرنے نہیں دوں گی۔ اور تم کیوں کھڑے ہو اب تک یہاں۔ دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔" وہ دو کافی کے مگ ہاتھ میں لیے باہر آئی تھیں۔ مجھے زندگی میں اتنی بے عزتی کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ میں نے دونوں خواتین کے رویے پر لعنت بھیجی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ میرا کمرہ استعمال کر رہا ہے۔ میرا کمرہ مجھ سے پوچھے بغیر اسے کیوں دیا گیا؟ یہ میرا دوسرا سوال ہے اور میرا پہلا سوال یہ ہے کہ یہ کون ہے؟"

ان کی آواز نے میرا تعاقب کیا تھا۔ مجھے کوہو کے رویے پر غصہ تو آیا تھا مگر نجانے کیوں میں دروازے کے پاس جا کر رک گیا اور کمرے کے اندر جانے کے بجائے وہیں رک کر سننے لگا کہ وہ میری بابت اپنی آنٹی کو کیا بتاتی ہیں۔

"یہ میرا اور باب کا بیٹا ہے۔ ویک فیلڈ سے آیا ہے۔ اب یہ میرے ساتھ رہے گا۔"

کوہو کی آواز میں شکست خوردگی سی تھی۔ مجھے آنٹی وینڈی پر رشک آیا کہ کوئی تو ایسا تھا جو کوہو کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

"میں اسے تمہاری بدقسمتی سمجھوں؟" کافی دیر بعد آنٹی وینڈی کی آواز آئی تھی۔

"نہیں۔ بے وقوفی۔"

"اوہ کم آن کوہو۔ ایک ہی بات ہے۔ بے وقوفی ہی وقت گزرنے کے بعد بدقسمتی بن جاتی ہے۔" آنٹی وینڈی کے ہنکار ابھرنے کی آواز آئی تھی۔

"یہ آپ کے ساتھ ہوا ہو گا وینڈی آنٹی۔ میری بے وقوفی میری خوش قسمتی بن جائے گی۔ کچھ سال کی بات ہے۔"

پہلی بار کوہو کی آواز میں عجیب سا رنگ چھلکا تھا۔ میں تھوڑا سا اور آگے ہوا تاکہ کوہو کی آواز مزید بہتر طریقے سے مجھ تک پہنچ سکے۔

"ایسے دعوے تو تم پچھلے کئی سالوں سے کر رہی ہو ڈیر کوہو۔"

"یہ دعوا نہیں ہے آنٹی۔ یہ اطلاع ہے۔" وہ ہنسی بھی تھیں۔

"یہ اطلاع تو مجھے گھر کے اندر قدم رکھتے ہی مل گئی تھی کہ تم آج کل ماں کی ڈیوٹی سرانجام دے رہی ہو۔"

آنٹی وینڈی کا انداز بوڑھی چالاک جادوگرنیوں کا سا تھا۔ اپنی بات مکمل کر کے اب وہ ہنس رہی تھیں۔

"یہ صرف اطلاع نہیں ہے۔ یہ خوش خبری بھی ہے۔" کوہو کا لہجہ بہت پرسکون سا تھا۔

"میں نے اگر تمہیں پالا نہ ہوتا تو اس خوش خبری پر ضرور مبارک باد دیتی تمہیں لیکن میں چونکہ تمہاری اس چالاک لومڑیوں والی خصلت سے واقف ہوں اس لیے مجھے حقیقت بتاؤ۔ یہ لڑکا بھلے تمہارا بیٹا کیوں نہ ہو' بغیر اپنی کسی غرض کہ تم ان چکروں میں کبھی نہ پڑو۔"

"آنٹی وینڈی! اپنی کھوپڑی پر اور مجھ پر ترس کھائیں اور براہ مہربانی اپنے آنے کی وجہ بتائیں۔" میری طرح کوہو بھی اس لایعنی بحث سے اکتانے لگی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے کہ میں تمہارے پاس کیوں آیا کرتی ہوں۔" وہ پہلی دفعہ بہت مطمئن سی لگی تھیں۔ اس کے بعد چند لمحے خاموشی چھائی رہی اور پھر آنٹی وینڈی کی تڑپتی ہوئی آواز آئی۔

"مجھے بے وقوف سمجھتی ہو۔ یہ فائیو ہنڈرڈ پاؤنڈز دے کر جان چھڑا رہی ہو مجھ سے۔"

"ایسی غلطی میں کیسے کر سکتی ہوں۔ آپ کو بے وقوف سمجھتی ہوتی تو اب تک آپ سے جان چھڑا چکی ہوتی۔ اب تک آپ کو بھگت رہی ہوں۔ اسی بات سے میرے دل میں اپنی اہمیت کا اندازہ لگالیں۔"

"تمہارے دل میں میری اہمیت میری اپنی محنت کی وجہ سے ہے اور چونکہ تم جانتی ہو کہ میں بہت قیمتی ہوں سو تم مجھے دو ہزار پاؤنڈ دے دو۔"

"کیا آ۔ آ۔ آ" کوہو چلائی تھیں۔

"کوہو میرے پاس ضائع کرنے کے لیے صرف وقت ہی ہے اور تمہارے پاس وقت بھی ہے اور دولت بھی۔"

"وینڈی آنٹی۔ میں محنت کرتی ہوں۔ گھر بیٹھے پیسے نہیں ملتے مجھے آپ کی طرح۔" کوہو نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

"میرے شوہر کی پینشن ملتی ہے مجھے جبکہ تمہیں تمہارے شوہر کا ترکہ ملنے والا ہے۔ اب مجھے جھٹلانا نہیں۔ مجھے سب پتا ہے۔ یہ اپنا لڑکا جو تم ویک فیلڈ سے لائی ہو نا' یہ اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ بالآخر بڈھے کے ساتھ تمہارے معاملات بخیریت انجام پا گئے ہیں۔ بڈھے کے بعد تو ویسے بھی اب کوئی بڑی رکاوٹ رہی نہیں تھی۔ بڈھی نے کیا آفر دی ہے تمہیں اس جھنجھٹ میں پڑنے کی۔ سچ سچ بتا دو۔"

آنٹی کا اشارہ یقیناً "گرینڈپا اور گرینی کی طرف تھا۔ یہ میری سمجھ میں آگیا تھا لیکن کوہو اور گرینی کے درمیان کوئی معاملات بھی طے ہوئے تھے اس کا مجھے ذرا بھی احساس نہیں تھا۔ کوہو مجھ سے کم بات کرتی تھیں لیکن گرینی نے بھی مجھے یہاں بھیجنے کے لیے جذباتی بلیک میلنگ کا سہارا ضرور لیا تھا لیکن کسی قسم کی ڈیل کے متعلق تو کوئی بھنک نہیں پڑی تھی مجھے۔ میں اور بھی چوکس ہو کر ان دونوں کی باتیں سننے لگا۔

"اس نے مجھے کوئی آفر نہیں دی اور جہاں اتنی خبریں تھیں آپ کے پاس' وہاں آپ کو یہ کیوں نہیں پتا چل سکا کہ بڈھی نے اپنے پرانے عاشق سے شادی کرلی ہے۔"

کوہو کے الفاظ نے ان کی آنٹی کو تو پتا نہیں ہلایا تھا یا نہیں مگر مجھے ضرور ہلا دیا تھا۔ مجھے لگنے والا یہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ میں چند لمحوں کے لیے جیسے سُن ہو گیا۔ گرینی سے میں نے کبھی یہ توقع نہیں کی تھی کہ وہ مجھ سے جھوٹ بولیں گی۔ وہ بے شک شادی کرتیں لیکن مجھ سے چھپاتی تو نہیں۔ کیا واقعی یہ وہی گرینی تھیں جن کے ساتھ میں نے زندگی کے تیرہ سال گزارے تھے۔ میری زندگی اگر کوئی فیری ٹیل ہوتی تو میں سوچتا کہ شاید گرینی کو کسی بدصورت جن نے خوفناک جادو گرنی سے بدل دیا ہے لیکن ظاہر ہے ایسا نہیں تھا۔ میری آنکھیں پانی سے لبالب بھرنے لگیں۔ مجھے رونا آرہا تھا۔ یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہو رہا تھا۔

مجھے کوہو اور ان کی آنٹی کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ میں بہت سارا رونے کے لیے اپنے کمرے میں آگیا۔

"تمہیں میگی نے کچھ نہیں بتایا۔ اپنے اور میرے بارے میں' اوپور بے بی۔ وہ تمہیں سرپرائز دینا چاہتی ہوگی۔ وہ ایسی ہی ہے۔ سویٹ' زندگی کے چھوٹے چھوٹے لمحوں کو خوش گوار بنانے کے لیے وہ ایسی حرکتیں کرتی رہتی ہے۔"

مسٹر ارک بہت خوش گوار موڈ میں تھے۔ مجھے بہت رات کو دیک فیلڈ فون کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں کوہو کی غیر موجودگی کا یقین کر کے اپنے کمرے سے آیا تھا۔ میں عجلت کا شکار تھا مگر دوسری جانب مسٹر ارک نے فون اٹھایا تھا اور یقیناً "عجلت میں نہیں تھے۔ گرینی کی بابت پوچھنے پر وہ بتا رہے تھے۔ ان کا لہجہ ایسا تھا جیسے مجھے چڑا رہے ہوں۔ اتنی رات گئے اپنے فارم ہاؤس کے فون پر ان کی آواز سن کر ہی مجھے یقین آگیا تھا کہ کوہو اور ان کی آنٹی گرینی کے متعلق جو باتیں کر رہی تھیں وہ سب سچ تھیں۔ میں اپنے کمرے میں بند ہو کر بہت رو چکا تھا اور اب میرا خیال تھا کہ مجھے مزید رونا نہیں آئے گا لیکن میں غلط تھا۔ میرا اندازہ درست نہیں تھا۔ تیرہ سال کا کوئی بھی بچہ اپنے متعلق درست اندازے لگا بھی تو نہیں سکتا۔

"مجھے گرینی سے بات کرنی ہے مسٹر ارک۔" میں نے گہری سانس بھر کر گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔ انہوں نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے گرینڈپا کہو ینگ مین۔ میں اور میگی اب مسٹر اور مسز بن چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں اس خبر سے بہت خوشی ہو رہی ہوگی۔ میگی میرے لیے کچن سے پینے کو کچھ لینے گئی ہے۔ میگی جلدی آؤ۔ تمہارے لیے فون ہے۔"

وہ بہت پرجوش ہو رہے تھے۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے مزید کچھ کہے سنے بغیر فون بند کر دیا۔ مجھے اب زندگی بھر ان سے کوئی بات نہیں کرنی تھی۔ میں نے کاؤچ کی پشت سے اپنا سر ٹکا دیا جو روتے رہنے کی وجہ سے بہت بھاری ہو رہا تھا لیکن دل پر اس درد کا بوجھ نہیں تھا۔ اصل بوجھ اس درد کا تھا جو مجھے اپنی ذات سے وابستہ لوگوں کی لاتعلقی کی وجہ سے سہنا پڑ رہا تھا۔ بہت دیر تک میں ایسے ہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ سوچنے کے لیے اب بچا بھی کیا تھا۔ میں زندگی کب گزار رہا تھا' زندگی مجھے گزار رہی تھی تو جو کام میں کر ہی نہیں رہا تھا اس کے متعلق سوچنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

یہ وہ پہلا سبق تھا اس رات کا جس رات نے مجھے سکھا دیا تھا کہ "رشتے" آپ کی ذات سے اہم نہیں ہوتے۔ پہلے آپ کی ذات ہوتی ہے' اس کے بعد باقی چیزیں ہوتی ہیں۔ یہ وہ پہلی طاقت کی گولی تھی جو میں نے نگلی تھی۔ اسی طاقت کی گولی کو صبر کہتے ہیں شاید۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ مجھے بھوک ستا رہی تھی۔ میں آپ کو "بھوک" کی فطرت کے بارے میں ایک عجیب بات بتاتا ہوں۔ یہ تب ظاہر ہوتی ہے جب آپ "صبر" کرتے ہیں اور تب ختم ہو جاتی ہے جب آپ "شکر" کرتے ہیں۔ میں ثابت قدمی سے اٹھا اور کچن کی جانب چل دیا۔ میں "صبر" کر چکا تھا اور "شکر" کرنا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے کئی دن طلحہ اور راشد اس سے خفا رہے۔ انہوں نے اگرچہ اس سے بات چیت بند کی تھی نہ اس کے ساتھ بیٹھنا چھوڑا تھا لیکن ان دونوں کے رویے میں ایک عجیب سا کھنچاؤ آگیا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے آپس میں زیادہ باتیں کرتے تھے۔ اس کے نوٹس یا کتابیں شیئر کرنے کے بجائے وہ کسی اور لڑکے سے یہ چیزیں مانگ لیتے' لیکن اس سے ایک بال پوائنٹ یا ڈائی گرام ڈرا کرنے کے لیے ایک پنسل تک مانگنے کے روادار نہ رہے تھے۔

یہ سب چیزیں اسے بہت بری طرح ہرٹ کر رہی تھیں۔ وہ بھی اگر باقاعدگی سے کالج جا رہا ہوتا یا اس کا حلقہ احباب اب دونوں کے علاوہ کسی اور دوست پر بھی مشتمل ہوتا تو شاید ان دونوں کے انداز اس کے لیے قابل برداشت ہوتے مگر اب تو ان دونوں کی اس ذرا سی خفگی سے ادھ موا ہوا جا رہا تھا۔ وہ انہیں بلاوجہ مخاطب کرنے کی کوشش کرتا' ان کی ہر بات پر مسکرانے کی کوشش کرتا اور ان کے کہے بغیر ان کی جنرل بکس بدلنے کے لیے تیار ہو جاتا' مگر وہ سرد مہری جو ان دونوں کے انداز میں آتی جا رہی تھی' وہ کسی طور پر ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔

ان دونوں کو خوش کرنے کے لیے اس نے بے حد ڈرتے ڈرتے ابو سے ایک مرتبہ پھر دوستی کے نام پر ایک اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

"وہی ہوا نہ جس کا مجھے ڈر تھا۔" اس کے ابو سنتے ہی بھڑک اٹھے۔

"میں نے کہا تھا نہ کہ کالج یا اکیڈمی کو تفریح کی جگہ مت سمجھنا۔۔۔ تم سمجھتے ہو میں کالج میں پہنچ گیا۔ اب بس ہر کام کی آزادی ہے۔۔۔ پڑھائی کی کوئی فکر نہیں دوستوں میں وقت برباد کرنے کا شوق۔۔۔ یہ دوست کچھ نہیں دیں گے تمہیں۔۔۔ خبردار جو دوبارہ مجھ سے ایسی کوئی بات کی۔۔۔ میں اب دوبارہ نہ سنوں کہ تم نے کسی دوستی کو اتنا آگے بڑھایا کہ نوبت گھر آنے جانے تک پہنچ جائے۔"

وہ ہمیشہ دوٹوک لہجے میں نصیحت کرتے تھے۔ ان کے یہاں کبھی کسی دلیل کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ یہ پندو نصائح اسے ہمیشہ سر جھکا کر آنسو پینے پر مجبور کر دیتے تھے۔ لیکن پہلی بار اس نے سر جھکایا تھا نہ اس کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔ وہ چند لمحے خالی خالی نظروں سے ابو کی جانب دیکھتا رہا۔ ابو کے لہجے میں ہی نہیں' ان کے چہرے کے نقوش میں بھی ایک سختی اور درشتی تھی۔ اس نے ان کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ وہ ان کے چہرے کی جانب نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ کمرے سے ہی باہر نکل آیا تھا۔ ابو کی ڈانٹ نے پہلی بار اسے خوف زدہ نہیں کیا تھا۔ دوستوں کی خفگی اسے زیادہ ڈرا رہی تھی۔ لیکن چند دن بعد ان دونوں کا رویہ اس کے ساتھ خود بخود ٹھیک ہو گیا تھا۔ سرد مہری کی برف پگھلنے لگی تھی' مگر اب اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ دونوں اس کو اسی طرح ٹریٹ کریں جیسے وہ ایک دوسرے کو کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو اکثر اپنے گھروں میں مدعو کرتے تھے۔

انہوں نے اس کو بتایا تھا کہ وہ دونوں شاپنگ ایک ساتھ کرتے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے جتنا قریب تھے ظاہر ہے یہ قربت اس کے ساتھ پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اکیڈمی کے علاوہ بھی ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا جس کی اجازت اس کے ابو کبھی نہیں

دیتے" بلکہ وہ تو انہیں فون کال بھی نہیں کر سکتا تھا جبکہ اس کا دل چاہتا تھا کہ جو پرخلوص سا رشتہ طلحہ اور راشد کے مابین ہے۔ ویسا ہی رشتہ وہ ان کے ساتھ قائم کر سکتا۔ اس کی بڑھتی ہوئی عمر کے تقاضے اس کے ابو کے لیے فقط وقت کا ضیاع تھے۔

انہیں نجانے کیوں اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ سوڈے کی بوتل کو لبالب بھر دینے سے اس کے پھٹنے کے امکانات سو فیصد بڑھ جاتے ہیں اور وہ بوتل کو نہ صرف بھر چکے تھے بلکہ اس پر کارک لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میرے گھر چلتے ہیں۔ بہت مزا آئے گا۔" ارشد نے طلحہ کو پیش کش کی تھی، جسے اس نے فوراً" قبول کر لیا تھا۔ جبکہ اسے انہوں نے رسماً" بھی اپنے ساتھ آنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ وہ تینوں کتابیں سمیٹ رہے تھے۔ موسم اچانک ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔

گہرے سیاہ بادلوں نے پہلے زمیں کے حصے میں آنے والی سنہری روشنی کو نگلا تھا۔ پھر باقی ماندہ زرد رنگ کو بھی نگل لیا تھا اور ہر طرف سرمئی سے رنگ پھیل گئے تھے۔

بادل سورج بادشاہ کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اپنی اس کامیابی پر شاید ان کی اپنی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ تب ہی رم جھم سی شروع ہو گئی۔ ہلکی بونداباندی ہونے سے ہوا میں بھی تازگی آ گئی تھی۔ اکیڈمی میں موجود لڑکوں کی اکثریت پڑھنے کے بجائے مون سون کی پہلی بارش سے لطف اندوز ہونا چاہ رہی تھی۔ سوٹیوٹر نے سب ہی کلاسز کو چھٹی دے دی تھی۔ وہ کون سا لڑکیاں تھیں، جو بیٹھ کر انتظار کرتیں کہ کوئی لینے آئے گا تو ہی گھر جا سکیں گی دیکھتے دیکھتے سب لڑکے باہر نکل گئے تھے۔

"آنٹی سے کہوں گا۔ پکوڑے بنا کر کھلائیں۔ چائے بھی پیوں گا اور ہاں، وہ پچھلی دفعہ کس چیز کا حلوہ کھلایا تھا تم نے۔؟" طلحہ نے راشد سے فرمائش کرنے کے ساتھ ساتھ پوچھا تھا۔ وہ چٹورا بھی بہت تھا اور راشد کی امی سے کافی بے تکلف بھی تھا۔

"لوکی کا حلوہ تھا وہ۔" راشد نے اپنی سائیکل کا لاک کھولتے ہوئے اسے بتایا تھا طلحہ نے بھی گردن ہلائی تھی۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کس چیز کا حلوہ تھا۔

ان دونوں کے ساتھ وہ بھی اپنی سائیکل کیریر پر بیگ رکھتا حسرت سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے ان دونوں کے مابین یہ بے تکلفی بہت بھاتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی معیت میں کتنا مزا کرنے والے تھے یہ سوچ کر ہی اس کے دل میں خواہش انگڑائی لے رہی تھی۔ اس نے ایسی بے تکلف دوستی کا مزا بھی نہیں چکھا تھا۔ لیکن وہ چکھنا چاہتا تھا، مگر کیسے۔؟ اب وہ تینوں اپنی سائیکلوں پر سوار ہو رہے تھے۔ چند لمحوں بعد وہ اپنی اپنی سمتوں میں روانہ ہو جاتے۔ اس کے ذہن میں یکدم ہی ایک خیال آیا تھا۔

"میں بھی اگر ان دونوں کے ساتھ چلا جاؤں تو کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ ابھی تو چھٹی میں دو گھنٹے پڑے ہیں۔ میں وقت پر گھر پہنچ جاؤں گا۔ اگر ابو کو پتا چل بھی گیا کہ آج جلدی چھٹی ہو گئی تھی تو میں کہہ دوں گا کہ میں اکیڈمی میں بیٹھ کر پڑھتا رہا تھا۔ ہاں۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ بہت مزا آئے گا۔"

اس نے سوچا تھا، نجانے کیسے سوچا تھا ایسا بہانہ پہلے کبھی نہیں بنا پایا تھا وہ۔ جھوٹ بولنے کے لیے ہمت درکار تھی جو اس کے پاس نہیں تھی۔ لیکن یہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو وہ کسی دکان سے خرید لاتا۔ اسے اپنے اندر یہ "چیز" اپنے آپ پیدا کرنی تھی۔ وہ خود کو آزمانا چاہتا تھا۔

"میں۔ میں بھی چلوں۔ تمہارے ساتھ؟" اس نے سوچنے میں زیادہ وقت لگایا تھا، مگر کہنے میں ایک لمحہ بھی نہیں۔

"تم۔ ہمارے ساتھ۔ میرا مطلب ہے راشد کے گھر؟" طلحہ کے لہجے اور راشد کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"تم چلو گے میرے گھر؟" راشد نے بھی بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔ اس نے جھینپتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ہاں ضرور چلو۔ بہت مزا آئے گا۔ میں تمہیں کمپیوٹر دکھاؤں گا۔ میری خالہ نے نیویارک سے بھیجا ہے۔"

راشد اسے پرجوش لہجے میں بتا رہا تھا۔ وہ تینوں اپنی اپنی سائیکل پر سوار ہو گئے تھے۔ وہ شام اس کی زندگی کی بہترین شام تھی۔ اپنے دوستوں کے ساتھ اس کی زندگی کے ایک نئے رخ سے متعارف ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس کے لیے اطمینان بخش بات یہ تھی کہ اس کے ابو اس کی اس سرگرمی سے قطعاً" بے خبر رہے تھے۔ یہ شام اسے طلحہ اور راشد کے مزید قریب لے آئی تھی۔

"تم اپنے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتاتے۔" وہ تینوں کسی بات پر ہنس رہے تھے، جب طلحہ نے اچانک کہا۔

"کیا بتاؤں؟ تم پہلے ہی میرے بارے میں کافی کچھ جان چکے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ دل ہی دل میں اسے طلحہ کا یہ شکوہ بہت اپنائیت بھرا لگا تھا۔

"جی نہیں۔ کچھ نہیں جانتے ہم۔ سچ تو یہ ہے کہ تم اپنے بارے میں کبھی کوئی بات کرتے ہی نہیں ہو۔" طلحہ نے اس کی تردید کی تھی۔ اب کی بار وہ کچھ حیران ہوا۔ اپنی دانست میں وہ انہیں کافی کچھ بتا چکا تھا۔ اتنی باتیں تو اس نے آج تک کسی سے بھی نہ کی تھیں جتنی وہ ان دونوں سے کرتا تھا۔

راشد نے سر ہلا کر کہا تھا۔ اکیڈمی میں تھیوری ٹیکل کورس ختم ہو چکا تھا اور پریکٹیکلز کی پریکٹس شروع ہو چکی تھی، جس کی وجہ سے انہیں باتیں کرنے کے لیے زائد وقت مل جاتا تھا۔

"پھر بھی۔ کچھ نہ کچھ تو ہو گا۔" طلحہ بضد تھا۔

"کیا بتاؤں؟" اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

"میں ایک عام سا لڑکا ہوں۔ ابو کے بارے میں تم لوگوں کو پتا ہی ہے۔ امی ہاؤس وائف ہیں۔ ایک بہن ہے۔ چھوٹی ہے مجھ سے۔ تم لوگوں کی طرح میری کوئی خاص ہابی نہیں ہے۔ میرے ابو کو فلمیں دیکھنا پسند نہیں ہے۔ ہمارے گھر ڈش اینٹینا اور ویڈیوز وغیرہ نہیں ہے۔ کمپیوٹر بھی نہیں ہے۔ اور۔ اور ہاں میری سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں کنگ ایڈورڈ سے ایم بی بی ایس کروں اور میں بڑا ہو کر کارڈیالوجسٹ بننا چاہتا ہوں۔ اور۔"

وہ اپنے بارے میں چیدہ چیدہ باتیں دوبارہ سے بتا کر اب پرسوچ انداز میں ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس مزید کچھ نہیں تھا بتانے کے لیے۔

"کتنا میسنا ہے یہ۔" طلحہ نے راشد کی جانب دیکھ کر کہا تھا، ساتھ ہی اس کی پشت پر دھپ رسید کی۔

"ہمارے ساتھ چالاکیاں۔ ہاں۔" راشد بھی سر ہلا رہا تھا۔

"پتا نہیں تم لوگ کیا جاننا چاہتے ہو۔" وہ بے بسی سے مسکرایا۔ اپنی ناسمجھی و نادانی پہ شرمندگی بھی ہو رہی تھی۔

"یہ۔ یہ ساری باتیں تو ہمیں پہلے سے پتا ہیں۔ یہ سیکرٹس تو نہیں ہیں تھنے۔" طلحہ کہنے کے ساتھ آنکھیں بھی گھما رہا تھا۔

"تو پھر کیا سیکرٹس؟" وہ اب واقعی حیران تھا۔

"اوئے اسٹوپڈ۔ اس کا مطلب ہے لڑکیوں کی باتیں۔ کوئی لڑکی تو ہو گی تمہاری لائف میں۔ کوئی تو پسند ہو گی تمہیں یا تم کسی کو پسند ہو گے۔ کوئی کزن۔ ہمسائی یا کلاس فیلو۔ یہاں اکیڈمی میں بھی کتنی ہی لڑکیاں آتی جاتی ہیں۔ کبھی تو کوئی اچھی لگی ہو گی نا۔"

راشد کا انداز بھی طلحہ جیسا ہی تھا۔ وہ جھینپ سا گیا۔ راشد اور طلحہ کبھی کبھار اپنی کزنز کا حوالہ دیتے تھے۔ لیکن اس نے کبھی ایسی باتوں میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے ایسی باتیں سمجھ میں ہی نہیں آتی تھیں۔ ایسی باتیں سننے کے بعد اسے مزید وضاحت کی ضرورت پڑتی تھی۔

"میری زندگی میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ابھی ہم اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ ایسی باتیں کریں۔"

وہ جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا تھا۔ طلحہ اور راشد ڈش کلچر سے متعارف ہونے کی وجہ سے اس

معاملے میں کسی قدر ہٹ دھرم ہو چکے تھے۔

"تمہارا مطلب ہے ایسی باتوں کے لیے ہمارا بڑا ہونا ضروری ہے۔ جب ہمارے بچے ہمارے جتنے ہو جائیں' تب ہم ایسی باتیں کریں... ہے نا... بہت عقل مند ہو تم... آفٹر آل پوزیشن ہولڈر ہو... اپنی سمجھ کے مطابق بات کرو گے... اسٹوپڈ... اٹھارہ سال کا ہو چکا ہوں میں... اور یہ... یہ راشد ایک مہینہ ہی چھوٹا ہے مجھ سے۔"

طلحہ کا انداز استہزائیہ تھا۔ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔

"گرچہ یہ بات ہمیشہ میرے لیے شرمندگی کا باعث بنی رہی ہے... مگر ہے سچ... یہ عمرو عیار مجھ سے ایک ماہ بڑا ہے۔"

راشد نے بے ڈھنگے پن سے طلحہ کی تائید کی تھی۔ ان کا انداز اتنا مزاحیہ تھا کہ وہ ہنستا ہی چلا گیا اور بات آئی گئی ہو گئی' لیکن اس کے دوستوں کے ہاتھ ہنسنے کا ایک منفرد ٹاپک لگا تھا۔ وہ اکثر اسے چڑانے لگے۔

"تم اپنے لیے کوئی گرل فرینڈ ڈھونڈو ورنہ مجبوراً مجھے اپنی ایک آدھ گرل فرینڈ تمہیں دینی پڑے گی۔" راشد اس کو کہتا تھا۔

اگرچہ تینوں ہی "گرل فرینڈ" کے اصل مفہوم سے آشنا تھے' لیکن اس کے لیے تو یہ لفظ ہی بے حد انوکھا اور نیا تھا' اس لیے وہ خجل سا ہو جاتا۔

"ہاں بھئی' پڑھا کو کوئی گرل فرینڈ ملی یا نہیں؟" طلحہ بھی اکثر سوال کرتا۔ وہ چپ چاپ خجالت بھرے انداز میں ہنستا رہتا۔ اسے ان کی باتیں اچھی لگتی تھیں۔ اس کے لیے یہ سب سنجیدہ موضوعات نہیں تھے' بلکہ دوستوں کے بے تکلفی کے مظاہرے تھے۔

پریکٹیکلز کے بعد اکیڈمی میں ٹیسٹوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ طلحہ اور راشد بھی بے شک پوزیشن ہولڈر نہیں تھے' لیکن امتحانات ان کے لیے بھی اہم تھے' سو باتیں کرنے کے مواقع کم ہو گئے' اگرچہ ختم نہیں ہوئے تھے۔

"یہ صبا نورین کون ہے؟" اس نے طلحہ سے پوچھا تھا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" طلحہ کی ذہنیت ہوں ہوں تبدیل ہو رہی تھی' وہ فوراً ہی ذومعنی انداز اختیار کر لیتا تھا۔

"عاطف صاحب آج بہت تعریف کر رہے تھے' کہہ رہے تھے لڑکیوں کے سیکشن میں صبا نورین ٹاپ پر جاری ہے۔ اس نے سیریز ٹیسٹ میں کیمسٹری کے سبجیکٹ میں مجھ سے تین مارکس زیادہ لیے ہیں' جبکہ بائیو اور فزکس میں میرے مارکس زیادہ ہیں اور انگلش میں ہم برابر ہیں۔"

اس نے کیمسٹری کے آخری ملنے والے ٹیسٹ کی جوابی کاپی کو دوبارہ سے صفحہ بہ صفحہ دیکھنا شروع کیا تھا اور ساتھ ہی طلحہ کو وضاحت دی تھی۔ نمریکل کی ایک غلطی نے اسے ٹیسٹ میں تین مارکس کم دلوائے تھے۔ اسے فی الحال اپنے ابو کے خوف سے زیادہ کوئی چیز یاد نہیں تھی' جبکہ طلحہ کو شرارت کا موقع مل گیا تھا۔

"تم پڑھاکو لوگ بھی بس ایویں ہی ہوتے ہو... اب لڑکی بھی کون سی پسند آئی جو منہ متھے لگنے کے قابل بھی نہیں ہے... سانولی اور موٹی... جسے مسکرانا بھی نہیں آتا... اونہہ..." طلحہ بظاہر اسے چڑا رہا تھا۔ بڑھتی عمر کے ساتھ اس کی گفتگو زیادہ ہی بے لگام ہوتی جا رہی تھی۔

"مجھے وہ لڑکی پسند نہیں آئی... میں نے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں... میں نے اس کا نام بھی آج پہلی بار سنا ہے... مجھے کیا پتا وہ سانولی ہے یا موٹی... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ کیمسٹری میں مجھے بیٹ کر رہی ہے... میرے ابو کو باقی تینوں سبجیکٹس نظر نہیں آئیں گے۔ صرف کیمسٹری کا رزلٹ نظر آئے گا اور صبا نورین کا نام نظر آئے گا۔" وہ اکتا کر بولا تھا۔ اکیڈمی میں لڑکے لڑکیوں کی کلاسز الگ الگ ہوتی تھیں' لیکن حوصلہ افزائی کے لیے رزلٹس ایک نوٹس بورڈ پر ڈسپلے کیے جاتے تھے۔

"تمہارے ابو کو یہ نام بعد میں نظر آئے گا۔ پہلے تمہاری نظر اس نام پر اٹکے گی... سچ سچ بتاؤ' کہیں تم نے جان بوجھ کر تو کیمسٹری میں کم مارکس نہیں لیے؟" طلحہ کی ٹرین ایک ہی اسٹیشن پر رک سی گئی تھی۔

"میرا دماغ ابھی اتنا ناکارہ نہیں ہوا۔" اس نے غلط ہو جانے والے نمریکل کو دوبارہ چیک کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جگہ والیوم کا یونٹ نہ لکھنے پر سر نے اس کے تین مارکس کاٹ لیے تھے۔ اسے اس چیز کے لیے سر سے بھی شکایت تھی کہ یونٹ نہ لکھنے پر ایک نمبر کٹنا چاہیے تھا۔

"ہو جائے گا... ہو جائے گا... دماغ کو ناکارہ ہوتے کون سی دیر لگتی ہے۔"

طلحہ نے پھر کہا تو وہ اکتا کر اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔ دوستی اپنی جگہ تھی' لیکن پڑھائی اس کی ترجیحات میں سرفہرست تھی' جسے وہ کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا تھا۔ لیکن اس کے دوست زندگی کی غیر ضروری دلچسپیوں میں مگن رہنے لگے تھے۔ اس کی ان دونوں کے ساتھ بے تکلفی بڑھی تھی تو وہیں ان دونوں کی کچھ عادات سے اسے چڑ بھی ہونے لگی تھی۔ خصوصاً" طلحہ سے اسے زیادہ شکایات تھیں۔

طلحہ کافی منہ پھٹ تھا اور پڑھائی کے لیے اتنا سنجیدہ نہیں تھا' جتنا کہ شروع میں نظر آتا تھا۔ اونچے قد کاٹھ اور تیکھے نین نقش والا طلحہ کا بلاشبہ خوش شکل لڑکوں میں شمار تھا' لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنی اس خوبی کے زعم میں کچھ زیادہ ہی مبتلا رہنے لگا تھا۔ نچلے درجے کے فیشن اور شوبز میگزینز پڑھ پڑھ کر وہ خود کو کسی فلمی ہیرو سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اس کی گفتگو بھی فلمی جوکس اور فلمی گوسپ کے گرد گھومتی تھی' تب ہی اس کے منہ سے ایک لڑکی کا نام سن کر اور اس کے متعلق استفسار سن کر وہ بلاوجہ اسے اس لڑکی کا نام لے کر چھیڑنے لگا تھا۔

فرسٹ ایئر کا رزلٹ آنے والا تھا۔ اسی لیے اکیڈمی کے ٹیچرز اکثر اپنے بہترین اسٹوڈنٹس کا ذکر لیکچر یا پریکٹیکل کے دوران کرتے تو صبا نورین کا نام بھی بکثرت سننے کو ملتا۔ جب بھی یہ نام سنائی دیتا طلحہ خوامخواہ اور ذومعنویت سے اسے تکنے لگتا' کہنی مار کر متوجہ کرنے کی کوشش کرتا یا آنکھیں گھما گھما کر مسکرانا شروع کر دیتا۔ وہ ان کی ایسی حرکت کو نظر انداز کرتا' مگر کبھی کبھی اسے ہنسی بھی آجاتی جس سے انہیں مزید شہ ملتی۔

یہ سلسلہ شاید اسی طرح چلتا رہتا' مگر فرسٹ ایئر کے رزلٹ نے یکدم ہر چیز پر بڑا سا فل اسٹاپ لگا دیا تھا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔" ابو نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ کبھی اسے دیکھتے تھے اور کبھی ہاتھ میں پکڑی مارکس شیٹ دیکھنے لگتے تھے۔ ان کے سامنے میز پر اس لڑکی کی مارکس شیٹ پڑی تھی' جس نے بورڈ میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی' جبکہ وہ اس بار تیسری پوزیشن حاصل کر پایا تھا۔ اس کے ابو ان لوگوں میں سے تھے' جن کے لیے تیسرا درجہ آخری ہوتا ہے۔ اس کے اوپر نیچے درمیان میں کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی تیسری پوزیشن ان کے لیے کوئی کارنامہ نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس پر برس رہے تھے اور یہ سلسلہ تب سے جاری تھا' جب سے رزلٹ باقاعدہ اناؤنس کیا گیا تھا۔ آج وہ نجانے کس طرح فرسٹ اور سیکنڈ آنے والی لڑکیوں کی مارکس شیٹ نکلوا لائے تھے اور اب ایک بار پھر اس پر برس رہے تھے۔

"تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم لاتوں کے بھوت ہو... تم سے نرمی برتنے کا مطلب ہے... غلطی... صرف غلطی۔"

انہوں نے اس کی مارکس شیٹ اس کے پاؤں میں پھینک دی تھی۔ وہ پہلے ہی سر جھکائے کھڑا تھا۔ مارکس شیٹ قدموں میں گرتے ہی اس نے گردن مزید جھکالی تھی۔ مارکس شیٹ پر لکھا اس کا اپنا نام اسے ذرا سا دھندلایا ہوا لگ رہا تھا۔ حالانکہ اس کی آنکھوں میں نمی نہیں تھی۔ ابھی تک ابو نے اسے ایک بھی تھپڑ رسید نہیں کیا تھا۔ وہ شاید آج صرف لفظوں کی مار سے اسے گھائل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

"میری محنت کا یہ صلہ دیا ہے تم نے مجھے... لوگوں کو باتیں بنانے کا اچھا موقع مل گیا... تم اپنی نہ سہی

میری عزت کا خیال کریں۔ لیکن نہیں۔۔۔ تم ایسا کیوں کرو گے۔ تمہیں تو موقع چاہیے باپ کو ذلیل کرنے اور کروانے کا۔ سب لوگ کہتے تھے کہ اسے کسی بڑے کالج میں داخل کرواؤ، میں نے کہا نہیں۔۔۔ بڑے کالج میں ایڈمیشن کا مطلب ہے الٹی سیدھی سرگرمیوں میں وقت ضائع کرنا۔ چھتیس طرح کی سوسائٹیاں بنی ہوتی ہیں ایسے کالجز میں۔۔۔ بچوں کو گھیر گھار کر اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ پھر ان کا وقت ضائع کرتے ہیں، لیکن مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ میرا بیٹا کسی سوسائٹی کا حصہ بنے بغیر بھی یہ کام اچھے طریقے سے کر سکتا ہے۔ میں ذرا مصروف کیا ہوا تمہیں پر پرزے نکالنے کا موقع مل گیا۔" ان کا لہجہ سرد تھا، مگر الفاظ شعلوں کی طرح گرم تھے۔ اسے اپنے ماتھے پر پسینے کی نمی محسوس ہونے لگی تھی۔

"جانتے ہو نا اس سال سے انٹری ٹیسٹ ہوگا۔۔۔ پورا پنجاب بیٹھے گا اس ٹیسٹ میں۔۔۔ ایک ایک نمبر کے لیے سخت مقابلہ ہوگا اور ڈس کوالیفائی ہونے کا مطلب ہے میڈیکل کی فیلڈ میں نو انٹری۔۔۔ سن رہے ہو میری بات۔ ایک ایک نمبر کا مقابلہ ہے۔۔۔ ایک بات غور سے سن لو۔۔۔ میں دوبارہ نہیں دہراؤں گا۔۔۔ اگر تم میرٹ لسٹ پر نہ آسکے تو میں بخشوں گا نہیں تمہیں۔۔۔ اپنے ہاتھوں سے گولی مار دوں گا۔"

اس کے ابو بھول گئے تھے کہ بخشنے کا اختیار صرف اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنا غصہ اپنے بیٹے پر اتار رہے تھے، جبکہ بیٹا ان کی باتوں پر پہلی بار اتنا غمگین نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے اس کے ابو کی باتیں جوہڑ کے پانی کی طرح تھیں۔ سڑی ہوئی اور بدبودار جو اسے سر درد اور ذہنی تعفن کے علاوہ کچھ نہیں دیتی تھی۔ اس نے فرسٹ آنے والی لڑکی سے آٹھ نمبر کم لیے تھے۔ وہ پرامید تھا۔ فرسٹ پوزیشن حاصل کر لینا بہت بڑا معرکہ سر کر لینے کے برابر نہیں تھا۔ وہ میٹرک میں یہ کام کر چکا تھا، مگر تب بھی ابو نے اسے گلے لگا کر مبارک باد نہیں دی تھی۔ وہ تب بھی اس سے اتنا ہی دور تھے جتنا کہ اب۔۔۔ ان کا اور اس کا درمیانی فاصلہ آج بھی برقرار تھا۔ اس کے اندر کھلبلی سی مچ گئی تھی۔

"ابو فرسٹ پوزیشن لینے پر بھی خوش نہیں تھے۔ ابو تھرڈ پوزیشن لینے پر بھی ناراض ہیں۔۔۔ جب میں ابو کو خوش کر ہی نہیں سکتا تو کس لیے۔۔۔ کیوں؟"

اس کے ابو کو اس سے "صلہ" چاہیے تھا اور وہ "گلہ" کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ارے لڑکے۔۔۔ کیا ہر وقت فارغ بیٹھے رہتے ہو۔۔۔ یہاں آؤ۔" میں گھر کے دروازے کے باہر بیٹھا خشک ٹنڈ منڈ بکھرے میلے میلے سہ رنگی پتوں کو دیکھ رہا تھا جو میرے سامنے ہی درخت سے علیحدہ ہوئے تھے۔ ان میں اور مجھ میں بہت مماثلت تھی اور فرق صرف ایک تھا۔ وہ پاؤں کے نیچے کچلے جاتے تھے تو چڑمڑ ہو کر شور مچاتے تھے، اپنے ہونے کا احساس دلاتے تھے جبکہ میں نے یہ کام چھوڑ دیا تھا۔ گریجی۔ مسٹر ایرک اور کوہو۔۔۔ میں سب سے لاتعلق اور لاپروا ہو چکا تھا۔ میں نے سب کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

"اے لڑکے! میں تم سے مخاطب ہوں۔"

لکڑی کے جنگلے کے اس پار سے پھر کوئی پکار رہا تھا۔ میں نے کھڑے ہو کر دیکھا۔ وہ مسٹر ایمرسن تھے۔ میرا ان سے تعارف تھا، نہ کبھی ملاقات ہوئی تھی گو ہونے مجھے ایک بار ان کے بارے میں بتاتے ہوئے محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی کہ وہ کافی بدمزاج شخص ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ والے گھر میں رہتے تھے، میں نے انہیں کئی بار آتے جاتے اپنے گھر کے لان میں خود سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کچھ بدمزاج اور غصیلے قسم کے انسان ہیں۔ وہ اپنے گھر میں اپنی ہاؤس کیپر پر اتنی زور سے چلاتے تھے کہ ان کی آوازیں ہمارے گھر کے لان تک آتی تھیں۔

"میں ڈی ونچی کا آرٹ پیس نہیں ہوں۔۔۔ اتنے غور سے مت دیکھو مجھے۔۔۔ میں اس بات کا برا مانتا ہوں۔"

ان کی آواز میں اور ان کے انداز میں مزاج کی

جھلک تھی نہ بے تکلفی کا کوئی عنصر۔۔۔ وہ سنجیدہ اور کسی قدر کرخت دکھائی دیتے تھے۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی کسی معمول کی طرح سیڑھیاں اتر کر جنگلے تک اور پھر دروازہ کھول کر ان کے ساتھ چلنے لگا۔

"میرے گھر آؤ۔۔۔ کچھ بات کرنی ہے۔" وہ ساٹھ کے پیٹے میں لگتے تھے۔ ان کی چال میں چستی تھی اور ان کے ہاتھ میں لاٹھی بھی نہیں تھی، لیکن ان کی پشت تھوڑی خمیدہ تھی۔

"ہم یہاں ہی کھڑے ہو کر بات کر لیتے ہیں۔" جب وہ اپنے گھر کے اندر قدم رکھنے لگے تو میں نے کہا تھا۔ وہ میری جانب مڑے۔ ان کی آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔

"مرد راستے میں کھڑے ہو کر باتیں کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔۔۔ بالخصوص دو پڑھے لکھے، سمجھ دار اور وجیہہ مرد۔"

انہوں نے بنا مسکرائے کہا تھا۔ میں بھی نہیں مسکرایا تھا۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کی حس مزاح یقینا "ناکارہ اور قابل مرمت" تھی۔ میں ان کے پیچھے ان کے گھر میں داخل ہو گیا۔

ان کا گھر کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ ہلکی سی حدت کے ساتھ فضا میں میٹھی سی خوشبو بھی محسوس ہوتی تھی۔ مجھے سب کچھ بہت بھلا سا محسوس ہوا۔ تمام تر حسیات کو جیسے سکون ملا ہو۔ میں نے چند بے آواز لمبی سانسیں بھریں۔

"آپ تنہا رہتے ہیں؟" وہاں کوئی آہٹ سنائی دی تھی نہ آواز، سو میں نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔ وہ ہال سے ہو کر اوپر کی جانب جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں بھی ان کے پیچھے تھا۔

"میں گناہ گار ہوں نہ فرشتہ۔۔۔ میں کیوں رہوں تنہا۔" وہ مجھے جتا رہے تھے۔ مجھے ان کے اس جملے کے ابہام نے الجھا دیا۔

"میں معافی چاہتا ہوں، لیکن مجھے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اس لیے میں نے پوچھ لیا۔" میں نے وضاحت کی۔ سیڑھیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اب ہم کوریڈور سے گزر رہے تھے۔ دیوار پر جابجا چھوٹے بڑے فریم آویزاں تھے۔ ہر چیز میں بہت سلیقہ اور قرینہ نظر آرہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں مسٹر ایمرسن کی نفاست و خوش ذوقی کو سراہا۔

"کون نظر نہیں آیا تمہیں۔۔۔ کسے دیکھنا چاہ رہے ہو تم۔۔۔ میرے ساتھ کوئی نہیں رہتا۔۔۔ اکیلا ہوں میں۔"

انہوں نے ڈپٹ کر کہا۔ میں نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ لیکن چونکہ میری جانب ان کی پشت تھی، سو میں ان کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ وہ ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

"آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ اکیلے نہیں رہتے۔۔۔ آپ گناہ گار ہیں نہ فرشتہ۔"

میں نے انہیں یاد دلایا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے سامنے مسٹر ایمرسن نہیں، بلکہ گرینڈ پا کھڑے ہوں۔ میں ان کے ہمراہ جس کمرے میں داخل ہوا تھا وہ دراصل ایک بڑی سی لائبریری تھی۔ چاروں دیواروں کے ساتھ چھت تک کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ ایک جانب آرام کرسی تھی، جبکہ دوسری جانب اسٹڈی ٹیبل تھی۔ جس پر ایک کتاب اوندھی پڑی تھی۔ ایک الگ کارنر میں رائٹنگ ٹیبل بھی نظر آرہی تھی۔

"میں اکیلا رہتا ہوں، مگر تنہا نہیں ہوں۔۔۔ دونوں باتوں میں فرق ہے اور میرے پاس نہ تو اتنا دماغ ہے، نہ وقت کہ میں اس فرق کو تم جیسے احمق کو سمجھا سکوں۔"

ان کی آواز میں غصہ نہیں جھلکتا تھا، لیکن الفاظ وہ غصیلے ہی استعمال کرتے تھے۔

"یہ میری دنیا ہے۔۔۔ اسے صاف کرنے کے کتنے پیسے لو گے؟" انہوں نے میرے تاثرات کی پروا کیے بنا پوچھا تھا۔

"اپنی دنیا کو گندا کرنے کے کتنے پیسے خرچ کیے تھے آپ نے؟" میں ان کی پہلی بات پر غصہ میں تھا۔ اس لیے میں نے ان ہی کے انداز میں پوچھا تھا۔ انہوں نے مڑ کر بغور میرا چہرہ دیکھا، پھر دوسری جانب مڑے۔

"تمہارا مطلب ہے کہ جتنے پیسے اس کو گندا کرنے

میں لگے ہیں' اتنے ہی پیسے لے کر تم اسے صاف کرو گے۔" وہ ایک ریک کی جانب بڑھ رہے تھے۔ مجھے لگا' وہ اپنی مسکراہٹ چھپا رہے ہیں' میں خاموش رہا۔

"اس حساب سے تمہیں ایک پینی بھی نہیں ملے گی۔" وہ اب کتاب اٹھا رہے تھے۔

"ایک پینی چاہیے بھی کسے؟" میں نے کہا۔

"تو پھر؟" ان کی پشت میری جانب اور ساری توجہ کتاب کی طرف تھی جسے وہ اپنے ٹراؤزر سے رگڑ کر نادیدہ مٹی صاف کر رہے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" کتاب صاف کرکے انہوں نے ریک میں رکھ دی اور میری جانب مڑے۔

"پہلے آپ کام بتایے۔" میں نے بنا سوچے سمجھے کہا۔ مجھے ان سے باتیں کرنے میں مزا آرہا تھا۔ مہینوں بعد شاید کسی سے اتنی باتیں کی تھیں میں نے۔

"اتنے احمق بھی نہیں ہو برخوردار جتنا میں نے تمہیں تصور کرلیا تھا۔"

وہ گردن ہلا رہے تھے شاید مجھے سراہ رہے تھے۔ میں ہنس دیا۔ ایک خالص' بے ریا' بے ساختہ ہنسی بڑی نعمت ہوتی ہے۔

"میں آپ کی اسی غلط فہمی کو دور کرنا چاہ رہا تھا۔" میں نے دونوں ہاتھ ٹراؤزرز کی جیبوں میں اڑس لیے۔

"تم کامیاب ہوگئے ہو لڑکے۔ آؤ اب کام کی بات کریں۔" مسکراہٹ ان کی ٹھوڑی تک آئی اور پھر غائب ہوگئی۔

"تمہیں یہ ساری کتابیں ترتیب کے ساتھ رکھنی ہیں۔ بے حد احتیاط کے ساتھ اور بے حد احترام کے ساتھ۔ اس میں کچھ کتابیں بہت مقدس ہیں' اس لیے ان کا احترام کرنا ہے اور کچھ بہت بوسیدہ ہوچکی ہیں' اس لیے ان کی احتیاط کرنی ہے اور باقی بچ جانے والی کتابیں مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ اس لیے تم پر ان کا احترام بھی لازم اور احتیاط بھی۔ بولو کر پاؤ گے۔ اتنا ظرف ہے تمہارے ہاتھوں میں۔؟"

"احتیاط اور احترام ہاتھوں کے محتاج نہیں ہیں۔ یہ دل کی پیداوار ہیں اور دل ہی ان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جی کرلوں گا۔" میں اعتماد کے ساتھ بولا تھا۔

"فرض کرلیا۔ تم اچھی باتیں کرسکتے ہو۔ چلو یہ بھی فرض کرلیا کہ تم ذہین ہو۔ براہ مہربانی یہ بھی بتادو کہ کیا چارج کرو گے تم اس سروس کے لیے۔"

وہ جو کہہ رہے تھے کہ ان کا چہرہ اس کی نفی کررہا تھا۔ میں نے فقط سرہلایا جیسے بڑوں کی بات سن کر "تعظیماً" ہلاتے ہیں۔

"میری ہاؤس کیپر ہفتے میں تین دن آتی ہے۔ اچھی عورت ہے' کام کاج کی ستھری ہے' مگر ایک مسئلہ ہے۔ جاہل ہے۔ کتاب سے کیا سلوک کرنا چاہیے' اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔"

وہ چلتے چلتے اپنی آرام کرسی پر بیٹھ گئے اور مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہاں بیٹھنے کے لیے کوئی دوسری چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے ان کی نظروں کی سمت دیکھا۔ وہاں رائٹنگ ٹیبل کے ساتھ ایک کرسی تھی' میں اسے اٹھا کرلے آیا۔

"اس بات سے میں بھی بے خبر ہوں۔ کیا سلوک کرنا چاہیے کتاب کے ساتھ؟" میں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ارے برخوردار۔ اتنا دماغ مت کھاؤ میرا۔ مجھے اپنے فیصلے پر پچھتانے کے لیے مجبور بھی مت کرو۔ میں تمہیں دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ تم جو نظر آتے ہو' اصل میں وہ ہو نہیں۔ سارا دن بدھا کی طرح سیڑھیوں پر آسن جمائے بیٹھے رہتے ہو۔ ابھی تک کوئی گیان حاصل ہوا کہ نہیں۔ اگر تمہیں بھی مجھے یہ سمجھانا پڑے گا کہ "کتاب" کے ساتھ کیا رویہ رکھنا ہے تو مسز برگنڈی ہی ٹھیک ہیں۔ کم از کم وہ خاموش تو رہیں گی نا۔"

وہ چڑ کر بول رہے تھے۔ میں چپ چاپ ان کی بات سنتا رہا۔ وہ کچھ زیادہ ہی زود رنج قسم کی شخصیت کے مالک تھے۔ میں انہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہت دن بعد مجھے گرینڈپا جیسا کوئی انسان ملا تھا۔ بہت دن کے بعد میرا دل کسی کو دوست بنانے کے لیے ہمک رہا تھا۔

"مجھے اس کام کے لیے کچھ نہیں چاہیے۔ میں بلامعاوضہ کردوں گا۔" میں نے عجلت میں کہا تھا۔ مبادا وہ مجھے چلے جانے کے لیے نہ کہہ دیں۔

"میرے خدا۔" انہوں نے اپنا سر پکڑ لیا' پھر لحہ بھر کا توقف کرکے بولے۔ "مجھے معاف کرو۔ میں نے تمہیں بارے میں غلط اندازہ لگایا۔ تم جاؤ یہاں سے۔ میرا دماغ اور وقت خراب کرنے کا بے حد شکریہ۔"

وہ انتہائی غصے سے بولے تھے۔ پہلی دفعہ مجھے ان کا انداز برا لگا' مگر مجھے خوف بھی آیا۔ میں ان کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"مجھے معاف کردیجیے جناب! میں دراصل۔ میں۔" پہلی بار مجھے لفظوں کے انتخاب میں مشکل ہوئی۔

"محنت کی قیمت جھجک کر وصول کرنے والے ہمیشہ ناکام رہتے ہیں احمق لڑکے۔ قدرت نے جو تحائف تمہیں دے رکھے ہیں' ان کی قدر پہچاننے میں سستی کا مظاہرہ مت کرو۔" وہ جلدی ہی نرم پڑگئے تھے۔ میں خاموشی سے ان کی بات سنتا رہا۔

"میں تمہیں پانچ پاؤنڈز فی گھنٹہ کے حساب سے دے سکتا ہوں۔ ہفتے میں تین دن جھاڑ پونچھ کرنی ہوگی' ان کی ترتیب درست کرنی ہوگی' اگر کسی کتاب کے اوراق کو مرمت کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی کرنی ہوگی۔ بے ایمانی اور چوری ناقابل معافی ہوں گے۔ منظور ہے؟"

"آپ برا نہ منایے جناب' لیکن یہ تجارت تو نہیں ہے کہ لین دین صرف رقم سے مشروط ہو۔"

میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ انہوں نے مجھے گھورا' پھر گردن ہلائی اور مجھے مزید بولنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے پانچ پاؤنڈز نہیں چاہئیں۔"

"تمہیں جو چاہیے وہ بتاؤ۔" انہوں نے مجھے اجازت دی۔ مجھے جھجک سی محسوس ہورہی تھی۔

"میں ایک بات کی وضاحت کردوں۔ اپنی کتابیں مجھے اپنی محبوبہ کی طرح عزیز ہیں۔ یہ میں کسی کو نہیں دیا کرتا۔ تم یہاں بیٹھ کر جو چاہے لے لو' لیکن میں اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم انہیں یہاں سے نکال کر کہیں اور لے جاؤ۔" ان کا لہجہ قطعی تھا۔

"مجھے کتابیں نہیں چاہئیں۔ میں یہیں بیٹھ کر پڑھ لیا کروں گا۔" دوسرا جملہ میں نے عجلت میں بولا۔ مبادا اسے وہ کتاب کی "شان" میں گستاخی ہی نہ سمجھ لیں۔

"اب بک بھی دو۔ تمہارا مطالبہ کیا ہے۔" وہ اکتا گئے تھے۔

"آپ مجھ سے میرے اس کام کے عوض تھوڑی باتیں کرلیا کریں گے۔ ہفتے میں ایک دفعہ ایک گھنٹہ۔ پورا ایک گھنٹہ۔"

میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ انہوں نے آنکھیں پھیلا کر مجھے دیکھا' پھر ناگواری سے گھورا اور آخر میں ناک سکوڑ کر لمبی سانس بھری۔

"مانگ لی نا میری سب سے قیمتی چیز۔ میرا وقت۔ اتنی سی عمر میں ڈیلنگ ایسی ہے۔ بڑے ہو کر اچھے بزنس مین بنو گے۔ کیا یاد کرو گے تم بھی۔ منظور ہے۔" وہ ذرا سا مسکرائے تھے اور میں بہت زیادہ۔

✡ ✡ ✡

"تم کہیں جارہے ہو؟" کوہو نے مجھے باہر نکلتے دیکھ کر سوال کیا تھا۔ اتوار کا دن تھا اور وہ نجانے کیسے آج جلدی اٹھ گئی تھیں۔ میں اپنا سب کام نپٹا کر مسٹر ایمرسن کی طرف جارہا تھا۔ جب انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔ میں بہت عجلت میں تھا۔ مجھے مسٹر ایمرسن سے اس کتاب کو ڈسکس کرنا تھا جو انہوں نے مجھے کل پڑھنے کو دی تھی۔ وہ اب مجھے اپنی کتابیں گھر لے جانے کے لیے بھی دے دیا کرتے تھے۔ اس کتاب میں چند بہت دلچسپ تھیوریز کو ڈسکس کیا گیا تھا اور چونکہ میں انہیں واضح طریقے سے سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس لیے میں جلد از جلد مسٹر ایمرسن کے پاس جانا چاہتا تھا۔

مسٹر ایمرسن جن کا پورا نام نک ایمرسن برنارڈسن تھا ادیب' محقق' مورخ اور پبلشر تھے۔ ان کے اور میرے

درمیان ایک بات مشترک تھی' وہ انسانوں سے اکتائے ہوئے تھے اور میں انسانوں کا ستایا ہوا تھا۔ ہم دونوں بہت اچھے دوست بن چکے تھے۔ میں ان کی لائبریری کا کیئر ٹیکر بن گیا تھا۔ ان کی لائبریری میں کمیاب اور نادر کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ ابتدا میں مجھے کتابیں پڑھنے کا اتنا جنون نہیں تھا' لیکن میرے پڑھنے کی رفتار اتنی تیز تھی اور مسٹر ایمرسن نے ابتدا میں مجھے چند کتابیں پڑھنے کو دی تھیں۔ جو انہیں میں نے بہت جلد پڑھ کر واپس کردیں جس سے وہ بہت خوش اور حیران ہوئے۔ پہلی بار انہوں نے مجھے ازراہ مروت اپنی کتابیں دی تھیں' پھر وہ مطالعہ کو میرا جنون سمجھ کر خوشی خوشی یہ کام کرنے لگے اور میں نے بھی پہلی بار کتابیں صرف ان کا دل جیتنے کو پڑھنا شروع کی تھیں' لیکن مجھے بھی دھیرے دھیرے اس کام میں مزا آنے لگا۔

کوہو کا بلاوجہ وبلا ضرورت سوال اسی لیے مجھے بدمزہ کر گیا تھا۔

"کوئی کام ہے... مجھ سے؟" میں نے بنا ان کی جانب دیکھے سوال کیا تھا۔ وہ چپ رہیں جیسے کچھ سوچ رہی ہوں۔ میں نے اپنا جیکٹ پہنا اور اس کے کالرز کو کانوں تک پھیلا کر باہر نکلنے لگا۔

"تم جہاں بھی جارہے ہو... وہاں سے جلدی واپس آجانا۔ تمہارا سامان پیک کرنا ہے۔"

وہ سابقہ انداز میں بولیں' جبکہ میں نا صرف حیران ہوا بلکہ عجب شش وپنج میں گھر گیا۔ کوہو کا شروع سے ہی یہی انداز تھا۔ وہ مجھ سے اپنی مرضی سے مخاطب ہوتی تھیں اور مرضی کی ہی بات کرتی تھیں۔

پہلے میرا دل چاہا کہ ان سے پوچھوں کہ اب مجھے کہاں بھیجا جارہا ہے' لیکن جان بوجھ کر انہیں چڑانے کے لیے میں نے یہ ارادہ ترک کردیا۔

"او کے... میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔" ان کے سامنے سے تو میں سپاٹ چہرہ لیے ہٹ گیا تھا۔ لیکن دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی جیسے میرا دل بے چین ہو اٹھا۔

"میرا سامان اب کیوں پیک کروایا جارہا تھا۔" دروازے کے باہر سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے سوچا تھا۔

"یہ دونوں عورتیں کب تک مجھے پنگ پانگ سمجھتی رہیں گی۔"

سیڑھیوں کے بعد اب سرخ روش شروع ہوگئی تھی۔ مسٹر ایمرسن کے سامنے بھی میں کچھ بجھا بجھا سا تھا۔ اپنا سب کام نپٹا کر۔ جب میں ان کے سامنے بیٹھا تو زیادہ دیر تک اس کلبلاتے سوال کو ان سے پوچھنے سے روک نہیں پایا تھا۔

"کیا بدقسمتی کا کوئی تریاق نہیں ہوتا؟" میرے لہجے سے رنجیدگی چھپاتے ہوئے بھی ٹپک رہی تھی۔

"سنا ہے وہم کی بیماری لاعلاج ہوتی ہے... اور میری معلومات کے مطابق لاعلاج بیماریوں کے لیے کوئی تریاق نہیں ہوا کرتا۔"

وہ اپنے مخصوص چڑچڑے سے انداز میں کہہ رہے تھے۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے ہمیشہ یہ احساس حاوی رہتا تھا کہ شاید وہ آپ کی باتوں کو ناپسند کررہے ہیں' لیکن مجھے اتنے دنوں میں ان کے ساتھ رہتے ہوئے یہ اندازا ہوگیا تھا کہ ان کے چہرے کا یہ تاثر مستقل تھا اور تجربات زندگی کی دین تھا۔

"آپ بدقسمتی کو وہم کہہ رہے ہیں؟" میں نے پوچھا تھا۔

"نہیں... وہم کو بدقسمتی کہہ رہا ہوں۔" یہ بھی ایک مخصوص طنزیہ جملہ تھا مجھے باور کروانے کے لیے کہ جب بات واضح ہے تو بلاوجہ سوال کی کیا ضرورت تھی۔

"تم جانتے ہو تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" وہ میری جانب متوجہ تھے۔ وہ ایک گھنٹہ جو وہ میری خدمات کے معاوضے کے طور پر مجھے دیتے تھے۔ اس میں وہ کسی استاد کی طرح مکمل نیک نیتی سے مجھے برداشت کرتے تھے۔

"قدرت نے تمہیں چھوٹی عمر اور بڑا دماغ دے دیا ہے... تم قدرت کی اس مہربانی پر شکر گزار ہونے کے

بجائے اسی سے انتقام لینے پر تل گئے ہو۔ اتنا مت خرچ کرو اس دماغ کو... آئندہ بہت مرحلے آنے ہیں اس کام کے لیے۔"

ایک بار پھر وہی مخصوص ناگوار انداز' ناصحانہ الفاظ۔ مجھے بھی ہمیشہ کی طرح غصہ آیا۔

"آپ خود بھی بوڑھے ہوچکے ہیں اور آپ کا دماغ بھی۔ آپ کی ساری جنریشن کا یہی مسئلہ ہے کہ جو چیز آپ لوگوں نے اپنی ذات پر نہیں برتی ہوتی آپ اسے "وہم" قرار دے دیتے ہیں' لیکن مسٹر ایمرسن! لازمی نہیں کہ جو چیز آپ نے زندگی میں کبھی تجربہ نہ کی ہو وہ صرف وہم ہی ہو۔ ہم زندگی کو جس رنگ کے شیشوں کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں زندگی اسی رنگ کی نظر آتی ہے' لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ باقی رنگ ہیں ہی نہیں یا پھر ہمارا وہم ہیں۔ آپ کسی پیدائشی اندھے شخص سے پوچھیں کہ تاریک رات کے اس پار کیا ہوتا ہے تو وہ یہی جواب دے گا کہ مزید تاریک رات... اسے بھی آپ اس کا وہم قرار دیں گے؟"

میں نے ان سے سوال کیا تھا۔ میرا انداز جارحانہ ہوگیا تھا۔ ان کی عینک ان کی نوکیلی ناک کے آخری سرے پر تھی اور وہ مکمل طور پر اخبار میں منہمک نظر آنے کی اداکاری کررہے تھے۔

"اندھا نہیں جانتا کہ رات کے بعد دن بھی ہوتا ہے' کیونکہ اس نے کبھی دن دیکھا نہیں ہوتا... اس لیے ہم اسے "وہمی" نہیں کہہ سکتے... وہ بدقسمت ہوتا ہے مسٹر ایمرسن... بدقسمت...."

میں نے آخری لفظ پر اپنی ساری قوت لگادی تھی۔ انہوں نے گردن ہلائی۔

"تم تو بہت ذہین ہوگئے ہو۔" وہ بظاہر مجھے سراہ رہے تھے۔ "چلو مان لیتا ہوں کہ اندھا شخص بدقسمت ہوتا ہے... لیکن کیا تم اندھے ہو؟" یہ ان کا پہلا سوال تھا۔ انہوں نے آنکھوں سے عینک اتاری تھی۔

"تم کسی اور معذوری کا شکار ہو... گونگے ہو یا بہرے... لولے' لنگڑے یا کسی دائمی مرض کا شکار ہو۔"

عینک کے شیشوں پہ ان کا عکس دھندلا ہونے لگا تھا۔

"قدرت نے تمہیں مکمل تندرست اور ایک جائز بندھن کے نتیجے کے طور پر دنیا میں بھیجا ہے۔ کسی بھی انسان کی خوش قسمتی کی اس سے بڑی دلیل کوئی نہیں ہوسکتی کہ قدرت اس کی اتنی معاونت کرے... یہ ذرا میری عینک صاف کرو۔"

بات کرتے کرتے انہوں نے اپنی عینک مجھے تھما دی تھی۔ میں اپنے رومال سے اسے صاف کرنے لگا۔

"اس لیے خود کو بدقسمت کہہ کہہ کر قدرت کو زیر کرنے کا خیال دل سے نکال دو... تم یہ کام نہیں کرسکتے۔"

ان کا انداز قطعی تھا اور میرا موقع بھی سو میں نے پرعزم ہو کر ان کی عینک ان کی جانب بڑھائی اور چوکس ہو کر میدان میں آیا۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے... میں نے وہ کام کرنا ہی ترک کردیے ہیں جو میں نہیں کرسکتا یا اچھے طریقے سے نہیں کرسکتا' لیکن جو کام میں اچھے طریقے سے کرسکتا ہوں... وہ تو میں ضرور کروں گا۔"

"اچھا... میں بھی تو سنوں کہ تم کون سا کام اچھے طریقے سے کرسکتے ہو۔"

انہوں نے ٹانگ پر ٹانگ اور ناک پر عینک رکھ لی۔ ہاتھ میں جو کتاب تھی۔ وہ بھی کرسی کی ہتھی پر اوندھی رکھ دی۔

"بحث... کم از کم یہ میں کرسکتا ہوں مسٹر ایمرسن۔"

"تمہارے پاس بمشکل تیس منٹ باقی ہیں... کام کی بات کرنی ہے تو کرو ورنہ جاؤ یہاں سے۔"

انہوں نے دوبارہ کتاب کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ یہ ان کا نفسیاتی حربہ تھا۔

"کیا واقعی "بدقسمتی" صرف ہمارا وہم ہوتی ہے۔" میں نے پوچھا تھا۔ انہوں نے زچ ہو کر گہری سانس بھری۔

"میرا موقف تو کم از کم یہی ہے کہ "بدقسمتی"

صرف وہم ہوتی ہے۔ تم خود سوچو قدرت ایک دنیا بناتی ہے' اسے محبت سے تخلیق کرتی ہے' اسے نعمتوں سے برکتوں سے مالا مال کرتی ہے۔ اپنی مخلوق کے لیے ہر آسانی عطا کرتی ہے۔ اس کا مطمع نظر کبھی یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی مخلوق کو پریشان کرے یا اسے دکھ دے یا اس کی بے چینی کا باعث بنے۔ یہ کام حضرت انسان خود کرتا ہے۔ اس دنیا میں جتنی کشمکش ہے' جتنی بے سکونی ہے وہ ہماری یعنی انسان کی پیدا کردہ ہے۔ بد قسمتی بھی اسی بے سکونی کا نام ہے۔" وہ لمحہ بھر کے لیے رکے پھر بولے۔

"قدرت نے اسے تخلیق نہیں کیا... اس نے تقدیر لکھی ہے۔ چلو تم اسے قسمت کہہ لو... ایک بات ذہن نشین کر لو... قدرت آپ کی "تقدیر" کو آپ کی آسانی کے لیے لکھتی ہے۔ یہ پاؤں کی بیڑی ہے نہ ہتھکڑی نہ زنجیر' یہ وہی ہے جو آپ ہیں یعنی آپ کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے قدرت جس حفاظتی پرت سے آپ کو ملفوف کر دیتی ہے اسے "تقدیر" کہتے ہیں۔ قدرت آپ کو جس "تقدیر" کا تحفہ دیتی ہے... یقین کرو وہی "مناسب ترین" ہوتی ہے۔ ایک عمدہ موزوں لباس کی طرح۔ آپ کسی اور کے لباس میں اتنی آسانی سے نہیں سما سکتے جتنا کہ خود اپنے لباس میں... اس لیے اسے قدرت کا دان سمجھو... عطا... مہربانی... یہ بندش نہیں ہے کہ اس کا توڑ ڈھونڈا جائے... یہ بیماری نہیں ہے کہ اس کا تریاق مانگا جائے۔ فرض کرو قدرت انسان کو اپنے ہاتھوں سے تقدیر لکھنے کا موقع دے دیتی تو کیا ہوتا... دنیا کا اس سے برا حال ہو جاتا جو اب ہے۔ انسان تو آزادانہ طور پر اپنی خوراک کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ پہر کو کیا کھا رہا ہے تو شام کو کیا کھائے گا... کل کیا کھائے گا... کل کے بعد کیا کھائے گا... یہ قدرت کا کام ہے میرے بچے... اسے کرنے دو۔"

وہ ایک بار پھر رکے اور چند گہری سانس بھریں۔

"میں یہ مانتا ہوں کہ تقدیر کے دو پہلو ہیں۔ اچھی تقدیر' جب آپ اپنی تقدیر پر ہنسی خوشی قانع ہو جائیں تو یہ اچھی تقدیر ہے اور جب آپ اپنی تقدیر پر قانع نہ ہوں اور دو بدو مخالفت پر اتر آئیں تو یہ بری تقدیر بن جاتی ہے۔

قدرت کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مقابلہ اپنے برابر والوں سے ہوتا ہے۔ قدرت پر راضی ہوا جاتا ہے۔ اس کی لکھی تقدیر پر قانع ہوا جاتا ہے۔ یہ بات تم جتنی جلد سمجھ لو اتنا اچھا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ قدرت آپ کو تحمل پیدا کرے اور ایک ایسے بندھن کے نتیجے میں پیدا کرے جو جائز ہو تو یہ ہی اس کی آپ پر سب سے بڑی مہربانی ہے۔ اس مہربانی پر شکر ادا کرنا سیکھو۔ قانع ہونا سیکھو' تقدیر کو اوڑھنی مت سمجھو' بچھونا نہیں' اسے پشت پر نہیں بہادروں کی طرح سینے پر رکھو' تقدیر کو "زیر" نہیں "زبر" کرنا سیکھو۔"

ان کا انداز ہمیشہ کی طرح مدلل اور مفصل تھا۔ مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا تھا لیکن ان کے کہنے کے مطابق تقدیر کو زبر کیسے کرنا تھا یہ میں نہیں جانتا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اپنے حالات سے مطمئن نہیں ہو۔ تمہاری زندگی میں کچھ مشکلات ہیں' لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم اس وہم کا شکار ہو جاؤ کہ تم بد قسمت ہو۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ اپنی ناکامی پر اپنے ہاتھوں سے ماتھے پر "بد قسمتی" کا ٹیکہ لگا لو اور اس کے بعد خود کو کوسنے کے بجائے قسمت کو' تقدیر کو کوستے رہو۔ اس سے تم کامیاب نہیں ہو جاؤ گے۔ کامیابی کے پیچھے صبر آزما محنت درکار ہوتی ہے۔ تم کامیاب عظیم لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کر کے دیکھو۔ ہر شخص مشکلات سے دوچار رہا' صبر آزما رہا۔ جیسن کرانسٹ سے لے کر نیوٹن' آئن اسٹائن تک ہر شخص کی زندگی میں مشکلات تھیں لیکن آج کی دنیا ان کا نام کامیاب انسانوں کے طور پر لیتی ہے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔ تم اچھے لڑکے ہو۔ تم میں بہت صلاحیتیں ہیں۔ میں نے تمہیں آزما لیا ہے۔ تمہاری انگلیوں میں لفظوں کے خزانے دفن ہیں۔ تم ابھی اس سے بے خبر ہو۔ وقت آنے پر اس خزانے کو دل کھول کر استعمال کرنا۔ تم خود کو بد قسمت کہنا چھوڑ دو گے۔ شرط صرف یہی ہے کہ شارٹ کٹ مت تلاش کرو۔ محنت کرو اور تقدیر پہ قانع ہونا سیکھ لو۔"

انہوں نے گھڑی دیکھی اور کتاب دوبارہ اٹھالی۔ ایک گھنٹہ پورا ہونے میں ایک منٹ ہی باقی تھا۔

"مزید کچھ پوچھنا ہے تمہیں؟" یہ انہوں نے منہ سے نہیں کہا تھا لیکن ان کا انداز میری سمجھ میں آرہا تھا۔

"تقدیر پہ قانع ہونے کا کوئی تریاق ہے؟" میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا' وہ گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ہاں... سوئمنگ کیا کرو۔" انہوں نے کہا اور کتابوں میں گم ہو گئے۔ ایک گھنٹہ ختم ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ دین سکھا دیں گے نا مجھے؟"

احمد معروف کے لہجے میں آس ہی نہیں کرب بھی تھا۔ وہ بہت دھیمی آواز میں ہر لفظ پر زور دے کے بول رہا تھا۔ نور محمد کو اس پر غصہ نہیں آیا۔ احمد معروف پر غصے کا اثر ہوتا بھی نہیں تھا۔ نور محمد کو اس پر ترس آیا۔ وہ کیسا اونچا لمبا سا شخص تھا' دیکھنے میں توانا بھی تھا مگر نا جانے کس کس کا ستایا ہوا تھا کہ جب اپنے مخصوص لہجے میں نیلی آنکھوں کو جھکا کر التجائیہ انداز میں بات کرتا تو منہ سے لفظ جلتی موم بتی کے موم کی طرح پگھل پگھل کر نیچے گرتے۔ ان لفظوں کو ہاتھ لگاتے بھی نور محمد کو ڈر لگتا تھا کیونکہ موم گرم بھی ہوتا ہے لیکن پھر نور محمد کو ترس آنے لگا کیونکہ موم ٹھنڈا بھی ہو جاتا ہے۔

"آپ نماز سیکھنا چاہتے ہیں؟" موم ہی ٹھنڈا نہیں ہوتا' انسان کا مزاج بھی ٹھنڈا ہو جایا کرتا ہے۔ نور محمد کے لہجے میں نرم سی ٹھنڈک اتری تھی۔ خدا ترسی مزاج کو نرم کر ہی دیا کرتی ہے۔

"میں کوئی بچہ تو نہیں ہوں۔ نماز آتی ہے مجھے۔" احمد معروف نے ذرا سا مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں بھی ہچکچاہٹ پنہاں تھی۔

"آپ قرآن پڑھنا چاہتے ہیں؟" نور محمد نے دوسرا سوال کیا تھا۔

"وہ تو پڑھ چکا ہوں میں۔" احمد اب اپنے ہاتھوں کی جان دیکھنے لگا تھا۔ نور محمد نے ناسمجھی کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھا۔

"نماز آپ کو آتی ہے' قرآن آپ پڑھ چکے ہیں۔ تو پھر مجھ سے کیا سیکھنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ تذبذب میں گھر کر پوچھ رہا تھا۔ اسے معمے حل کرنے نہیں آتے تھے۔

"کیا دین میں نماز قرآن کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے؟" احمد نے سر اٹھائے بنا پوچھا تھا۔ نور محمد اس کے سوال پر ششدر رہ گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

کنیز نور علی

حق

"پھپھو! یہ دیکھیں فاطمہ کے لیے شرٹس لائی ہوں۔ اس کا کلرز ڈریس کل اور کوئی ڈھنگ کا ڈریس نہیں تھا۔ مجھے بہت فکر تھی۔ لیکن یہ دیکھیں امی نے لے کردی ہیں۔"

عریشہ خوشی خوشی شاپنگ بیگز سے کپڑے نکال نکال کرساس کو دکھارہی تھی۔

"اچھے ہیں نا۔"

"اچھے ہیں۔ بہت اچھے ہیں۔" ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ناگواری کے تاثرات کو چھپاتا ہوا۔ لیکن خوشی کا اظہار بھی مفقود تھا۔ عریشہ سمجھ تو گئی تھی۔ لیکن فی الوقت شاپنگ کی خوشی میں اس طرف توجہ نہیں دینا چاہتی تھی۔

"یہ بدر کے شوز بھی ہیں۔ سیل لگی ہوئی تھی۔ کافی مناسب قیمت پر مل گئیں سب چیزیں۔"

اس نے ایک مشہور برانڈڈ شاپ کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"اب جلدی سے کھانا بنالو۔ بچے آنے والے ہوں گے اسکول سے۔" پھپھو کو شاپنگ کی تفصیلات سے زیادہ بچوں کے آنے میں دلچسپی تھی لیکن عریشہ کچھ اور سوچے بیٹھی تھی۔

"سالن بنا ہوا ہے پھپھو! شام کو احسن کے لیے کچھ بنالوں گی۔" قدرے بے فکری سے اب وہ چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

"بچوں کے لیے کچھ تازہ مزے دار سی چیز بنالو ان کی پسند کی۔ خوش ہوجائیں گے۔ کل کا سالن اور روٹی بڑے تو کھالیں لیکن بچوں کے لیے تو سزا ہی ہے۔"

عریشہ پچھلے کچھ سالوں سے الگ رہ کر آزادی کی عادی ہوگئی تھی۔ اب ساس ایک بار پھر اس کے پاس رہنے کے لیے آگئی تھیں۔ ان کی یہ روک ٹوک، نصیحت اور مشورے اسے کسی وقت بے حد کھٹکتے تھے اور کسی موقع پر ان کی کوئی ہدایت بے حد کام آتی تھی۔ ایسے موقع پر اسے بے حد خوشی بھی ہوتی تھی۔ ساس بہو کی اگر کسی بات پر نہیں بنتی تھی تو ایسے بھی بہت سارے معاملات تھے جن میں دونوں کا اتفاق ہوجاتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی بات سنا بھی کرتی تھیں اور وقت آنے پر ایک دوسرے کو سمجھا بھی لیا کرتی تھیں۔ بدگمانی، طنز اور منافقت سے آپس کے رشتے کو تلخ نہیں بناتی تھیں۔ بلکہ الجھی ہوئی گرہ کو تھوڑی محنت کرکے سلجھا لیتی تھیں۔ اس لیے دل میں ایک دوسرے کے لیے محبت قائم تھی۔

عریشہ کی ساس شاہدہ بیگم پچھلے چند سال سے بڑے بیٹے کے پاس کراچی میں مقیم تھیں۔ اب کچھ عرصے پہلے وہ اپنی فیملی کے ساتھ یورپ شفٹ کرگئے تو وہ اپنے چھوٹے بیٹے کے پاس واپس لاہور چلی آئیں۔ وہی اپنا گھر وہی معمولات تھے۔ بچے اب بڑے ہوچکے تھے۔ اسکول جاتے تھے۔

شاہدہ بیگم کی لاڈلی بھتیجی اور پیاری بہو کے ساتھ خوب بنتی تھی۔ جہاں وہ اس کے اخلاق، مروت اور سگھڑاپے پر خوش تھیں۔ وہیں انہیں عریشہ کے کچھ کاموں پر اعتراض اور تشویش بھی ہوتی تھی۔ انہیں آئے ہوئے چار ماہ ہورہے تھے اس دوران انہوں نے محسوس کیا کہ عریشہ بے شک سگھڑ ہے گھر کے کاموں میں طاق بھی ہے، لیکن بعض جگہوں پر وہ بے جا فضول خرچی کرکے اپنے لیے خود ہی تنگی کا سامان پیدا کرلیتی تھی۔ قریب ہی میکہ تھا۔ ہر دوسرے دن وہاں کے چکر اور پھر وہاں سے شاپنگ کے لیے نکل جانا۔ اگر اپنے پیسے برباد نہیں کرتی تھی تو ماں کے پلے سے خرچ کرکے سامان اٹھائے گھر چلی آتی تھی۔ آج بھی بچوں کے اسکول جانے کے بعد گھر کے کچھ کام نپٹا کر میکے گئی تھی۔ وہاں سے اپنی امی کے ساتھ مارکیٹ اور اب گھر واپس بچوں کی شاپنگ کے ساتھ آئی تھی۔ شاہدہ بیگم کو اس بات پر سخت اعتراض تھا۔ وہ ان عورتوں میں سے نہ تھیں۔ جو اس بات پر خوش رہتی ہیں کہ بہو میکے سے لالا کر گھر بھرتی رہے اور ان کے بیٹوں کی کمائی میں سے خرچ نہ ہو۔ انہوں نے بہت محنت سے اپنے بچوں کو پالا تھا۔ اپنی اولاد کے لیے ایسی آسائشوں کے حق میں نہ تھیں، جو بعد میں آلام کا باعث بنیں۔

سو اب جب عریشہ آچکی تھی تو انہوں نے بھی اسے سمجھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

عریشہ شاپنگ بیگز کمرے میں رکھنے جاچکی تھی۔ واپس آکر وہ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ انہوں نے کہہ دیا۔

"وہ کباب رکھے ہوئے ہیں بچوں کے لیے برگر بنادو۔ کیچپ اور مایونیز وغیرہ ڈال کے۔ خوش ہوجائیں گے۔"

"ہائے پھپھو! وہ چیزیں بنیں گی۔ اس طرح تو بجٹ آؤٹ ہوجائے گا۔ کباب تو مہمانوں کے لیے بناکر رکھے ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔ برکت کی دعا کیا کرو۔ اچھا بھلا تو ہو رہا ہے گزارہ۔ سلیقے سے چلوگی تو کچھ آؤٹ نہیں ہوگا۔"

"کہاں پھپھو! ابھی یہ شاپنگ امی نے کروادی ہے۔ میں نے تو شکر کیا۔ بے فکری ہوگئی، ورنہ سب کچھ خود لینا پڑتا تو مہینے کے آخر میں بہت مشکل ہوجاتی ہے۔ بجٹ دیکھ کر چلنا پڑتا ہے۔"

پھپھو کو یہ بات ناگوار گزری تھی۔

"اتنا کم تو نہیں کماتا میرا بیٹا کہ تمہیں یوں ماں سے لے کر گزارہ کرنا پڑے۔ میں جب سے آئی ہوں تمہیں سمجھائے جارہی ہوں کہ سلیقے سے، سمجھ داری سے خرچ کرو۔ لیکن کچھ فائدہ نہیں کہنے کا۔" انہوں نے ناراضی سے کہا۔

"آپ مہنگائی تو دیکھیں پھپھو! میں نے کون سی فضول خرچی کردی ہے۔ جو آپ خفا ہورہی ہیں۔ یہ سب آج امی نے لے کردیا ہے۔ میں نے خود نہیں لیا میں سچ کہہ رہی ہوں۔" عریشہ نے ان کی غلط فہمی کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ ابھی تک اس کی "امی

نے لے کر دیا ہے۔" کی تکرار جاری تھی۔ پھپھو کے سمجھانے کو وہ غلط رنگ دے رہی تھی۔

"کیوں لیا ہے ماں سے؟ کوئی خاص وجہ ہے اس کی؟ کوئی عید سالگرہ خوشی کا موقع۔ کس وجہ سے ماں نے یہ تحائف دیے ہیں' بتاؤ۔" ان کے الفاظ سخت لیکن لہجہ کافی نرم تھا۔

"میری امی مجھے ویسے نہیں دے سکتیں کیا پھپھو! اس میں حساب کتاب کیسا؟" عریشہ صدمے میں بولی تھی کہ پھپھو نے کس قدر عجیب بات کی ہے۔ ماں سے لینے پر اعتراض کیوں بھلا!

"عریشہ! میں اگر تمہیں ایک بات سمجھاؤں۔ کوئی نصیحت کروں تو اسے غلط مت سمجھنا بیٹا! میری کوئی بیٹی نہیں ہے اور بہوؤں کو بیٹی ہی سمجھا ہے میں نے۔ پھر تم تو میرے بھائی کی اولاد ہو۔" ان کا لہجہ نرم سے نرم تر ہوتا جا رہا تھا۔ عریشہ کو ایک دم فکر لاحق ہوئی تھی کہ آخر بات کیا ہے۔ عجیب قسم کے اعتراض اور عجیب تر بات۔

"کیا بات ہے پھپھو! مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا۔ بتائیں پلیز۔" وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

"اپنے شوہر کی کمائی سے گھر چلاؤ بیٹا! اللہ اسی میں برکت دے گا۔ ماں کے گھر پر تمہارا لاکھ حق سہی۔ لیکن یوں روز روز ماں سے لینا بھابیوں کے دل میں تمہارے لیے نفرت کا بیج بوئے گا۔ اور ان ہی باتوں کی وجہ سے ماں کے بعد لڑکی کو میکے میں خوش دلی سے بلانے والا کوئی نہیں ہوتا۔"

"یہ کیا بات ہوئی پھپھو!" اس نے قدرے ناسمجھی سے انہیں دیکھا تھا' جیسے بات اس کی سمجھ سے قدرے باہر تھی لیکن پھپھو کی بات ابھی جاری تھی۔

"جو مائیں ہر وقت بیاہی ہوئی بیٹیوں کے لیے مال اور چیزیں اکٹھی کرنے میں لگی رہتی ہیں' ان کے دل بہوؤں کے لیے تنگ ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کے لیے دل میں جگہ نہیں رہتی۔ ایسی مائیں اچھی نانیاں تو بن جاتی ہیں لیکن دادیاں بہت ظالم اور کٹھور ہوتی ہیں یہ۔ بچوں میں بھی فرق رکھتی ہیں۔ پہلے بیٹی کے لیے۔ بعد میں نواسے نواسیوں کے لیے ہی فکرمند رہتی ہیں۔ کیا فائدہ ایسی فکر کا جو دل میں نفرت پیدا کر دے۔ اگر وہ دونوں طرف محبت بانٹیں تو آئندہ بھی ان کی اولادیں خوش و مطمئن تو رہیں ناں۔ یہی اصل بات ہے۔ تم لو اپنی ماں سے۔ فرمائش بھی کرو مگر۔ عید بقر عید پہ' تم پی اور بچوں کی سالگرہ پر جیسے ہر گھر کی روایت ہے ویسے۔ لیکن ہر وقت کے اس لین دین سے بچو۔ دوسروں کے حقوق مار کر اپنا گھر مت بھرو۔ بہتر یہی ہے دوسروں کے حق انہیں لینے دو۔ تم اپنے حصے پر قانع رہو۔

میرے بیٹے کی کمائی پر گزارا کرو۔ جتنا رزق تمہارے نصیب میں ہے وہ تمہارے گھر تک پہنچ کر رہے گا لیکن اگر یوں زور زبردستی سے ماں کے گھر سے پیسہ لا کر اپنے گھر کی غربت ختم کرنے کا جتن کرو گی تو یہ اور بڑھے گی کیونکہ یہ غربت نہیں تمہارے دل کی حرص ہے۔ جو ختم نہیں ہوتی۔"

وہ اپنی بات پوری کرنے کے بعد اسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ عریشہ بے حد گم صم ہو گئی تھی۔

"پھپھو! اس حوالے سے تو میں نے کبھی نہیں سوچا۔ میرا تو خیال تھا امی کے گھر پر میرا حق ہے۔"

"پہلے نہیں سوچا تو اب سوچو بیٹا۔ مانتی ہوں تمہارا حق ہے لیکن صرف تمہارا حق نہیں ہے۔ اور بھی حق دار ہیں۔ انہیں ان کا حق لینے دو۔ بیٹیوں کے حوالے سے مائیں بہت جذباتی ہوتی ہیں۔ بہوؤں کی حق تلفی کرنے میں عار محسوس نہیں کرتیں۔ لیکن اگر بیٹیاں تم جیسی سمجھ دار ہوں تو ماؤں کو ان غلطیوں سے بچا لیں گی۔ مجھے یقین ہے تم میری بات پر غور کرو گی۔ میں اب وضو کر لوں۔ تم روٹیاں بنا لو۔ بچے بس پہنچنے والے ہوں گے۔"

وہ اٹھ کر وضو کرنے چل دی تھیں اور عریشہ کے اندر سوچ کا ایک در وا ہو رہا تھا۔

☼

سائرہ رضا

محبت داغ کی صورت

"آپ ہر بار یہی کہتی ہیں۔" وہ کچھ ماننے کو تیار نہیں تھا۔ آر یا پار کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔

"نہیں بیٹے۔!" وہ لہجے میں مزید شہد سمو کر گویا ہوئی۔ "ہر بار کیوں؟ کتنی امپورٹنٹ ہے آپ کے لیے پڑھائی "ففتھ اسٹینڈرڈ" کا ایگزام۔ اس کے رزلٹ پر آگے آپ کو۔"

"نام!" اس نے بات کاٹ دی۔ "ایگزام تو امپورٹنٹ ہی ہوتا ہے مگر یہ چھٹیاں ہیں اور سب گھر جا کر انجوائے کر رہے ہیں۔"

"گھر میں کیا انجوائے منٹ.... میں اپنے آفس میں بزی ہوتی ہوں۔ آپ کے بابا ویسے بھی کسی آفیشل ٹور پر ہوں گے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ آپ کیا کرو گے۔ وہ تو بہت ہی چھوٹے ہیں نا۔" اس کی ساری سلجھے لہجے کی گفتگو درحقیقت بکواس تھی۔ وہ خود بھی سمجھ رہی تھی اور سامنے بچے کو بھی اس "بکواس" سے کوئی سروکار نہیں۔

"ہاں تو میں ان ہی کے ساتھ کھیلوں گا نا۔" اس نے اپنے دل کی بات کہی۔

"میں گود میں اٹھاؤں گا، گھوڑا بنوں گا، دونوں کو باریاں دوں گا اور ہم کھلونوں سے کھیلیں گے نا۔"

"ارے۔ ارے۔ ایسے تو وہ گر جائیں گے۔ چوٹ لگے گی تو رونا پڑیں گے۔" اس نے چہرے پر

مکمل ناول

مصنوعی ہراس پیدا کیا۔
"میں گرنے بھی نہیں دوں گا اور چوٹ تو کبھی بھی نہیں لگے گی اور رو میں گے تو چپ کرواوں گا۔ میں بڑا بھائی جان ہوں مام۔۔۔!"
"وہ تو آپ ہو ہی۔۔۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کے بال سنوارے۔
"میں تو دراصل یہ چاہ رہی تھی کہ آپ اسکول گروپ کے ساتھ سیر کو جاتے 'یہی تو انجوائے کرنے کے دن ہیں۔"
"مجھے بس گھر آنا ہے اور صرف گھر کے اندر رہنا ہے۔ کہیں بھی نہیں جانا۔ یہاں تک کہ میں لنچ یا ڈنر کے لیے بھی باہر نہیں جانا چاہتا۔ ایوری تھنگ ایٹ ہوم۔" وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا اور اسے اس لہجے کی پہچان تھی۔
"آپ بس مجھے گاڑی بھیج دیں ۔ ورنہ میں اسد کے ساتھ آجاؤں گا۔"
"اوہ۔۔۔ نہیں۔" وہ گھبرائی۔ "اکیلے مت نکلنا میں بھیج دوں گی۔" اس نے ہارے لہجے میں کہا تھا۔
وہ اس کے لہجے کا ضدی پن' قطعیت دیکھ آئی تھی۔ وہ اسے خوامخواہ کی باتوں سے بہلا رہی تھی جبکہ بخوبی جانتی تھی۔ اتنے دن کی چھٹیوں میں وہ اکیلا ہاسٹل میں کیا کرے گا۔ وہ ہاسٹل یا پڑھائی سے بھاگنے والا بچہ نہیں تھا۔ بہت کلیئر تھا اپنی پڑھائی کے حوالے سے۔ اس نے کبھی ضد نہیں کی کہ اسے ہاسٹل میں رہ کر نہیں پڑھنا۔ خاندان کے کئی بچے پڑھتے تھے اور جہاں اس کی مام کی پوسٹنگ تھی وہاں اچھا اسکول نہیں تھا۔ اٹس اوکے۔۔۔ بٹ وہ چھٹیوں میں ادھر ادھر کیوں گھومتا ہے۔ اسے گھر میں رہنا ہے پہلے جب بہت چھوٹا تھا تب سب سمجھ جاتا تھا' لیکن اب وہ بڑا ہو رہا تھا وہ سوال وجواب کرکے لاجواب کرنے میں ماہر ہو گیا تھا۔
کم از کم اس کو تو ایسا ہی لگتا۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی' مگر اس کے ساتھ بیٹھ کر وقت گزارنا بہت مشکل لگتا۔ بچوں کے لایعنی سوالوں کے جواب تحمل اور کاملیت کے ہمراہ دینا اور بچوں کو سننا ویسے ہی صبر آزما کام ہے۔ دل گردے اور ظرف کا اور پھر اگر بچہ ذہین ہو اس کے سوالوں' اور حیرتوں اور اعتراضات کا جواب تو وہ گوگل سرچنگ کے ذریعے بھی نہ دے پاتی۔
اب بھی دانتوں تلے ہونٹ دبائے اسے دیکھ رہی تھی جو لاؤنج کے بیچ و بیچ کھڑا سراپا سوال تھا' حیران تھا' بے یقین تھا اور سب سے بڑھ کر دکھی تھا۔
"آپ نے میرے بغیر شہیر کا برتھ ڈے سیلیبریٹ کرلیا۔"
"کوئی خاص سیلبریشن نہیں۔ بس آپ کے بابا اچانک کیک۔۔۔"
"دس از ناٹ اچانک کیک مام۔۔۔!" وہ چلایا تھا۔
"اچانک ایسے نہیں ہوتا۔" وہ رو دینے کو تھا۔ مام اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
وہ چار فٹ قد کا بچہ تھا۔ بڑے نیکر اور ریڈ شرٹ میں ملبوس' مگر چہرے پر غم صدیوں کو بھگتائے بابے جیسا تھا اسے صدمے نے شل کر دیا تھا۔ وہ جواب چاہتا تھا' یہ جانتے ہوئے بھی کہ ماں اسے مطمئن نہ کر سکے گی۔
"بیٹا! آپ کی پڑھائی۔۔۔"
"کیا پڑھائی! آپ مجھے انفارم کر دیتیں' میں آجاتا۔ میری میم مجھے فوراً" چھٹی دیتیں کہ میں ان کا فیورٹ اسٹوڈنٹ ہوں' میں نے کبھی چھٹی نہیں کی سب کام وقت پر کرتا ہوں۔ وہ مجھے اپیری شیٹ کرتی ہیں۔ میں ان سے ایک بار کہہ دیتا' وہ مجھے خود بھیج دیتیں اور آپ کہتی ہیں کہ۔۔۔"
وہ چپ کر گیا۔ مثالیں کم نہیں ہوئی تھیں' وہ یک دم نڈھال ہو گیا تھا۔
مام کو بھی چپ لگ گئی تھی۔ وہ اپنے بارے میں ایک لفظ غلط نہ کہہ رہا تھا۔ یہ خوبیاں اور عادتیں تو اس کی جینز کا حصہ تھیں۔
"اس سے پہلے۔۔۔" اسے کچھ اور یاد آیا۔ "پھپھو کے بیٹے احسن بھائی کی شادی کا میں انتظار کرتا رہا کہ ہم سب اکٹھے ہوں گے' سب فیملی کزنز۔۔۔ آپ سے بھی پوچھتا رہا ڈیڈ سے بھی۔۔۔ آپ دونوں نے کہا۔ ابھی طے نہیں ہوا۔ کچھ دن باقی ہیں' کبھی یہ بولا کبھی وہ بولا اور میں نے گھر فون کیا تو پتا لگا۔ آپ سب لوگ شادی میں گئے ہیں۔ مجھے بتایا تک نہیں۔" اس کی آواز پھٹنے لگی تھی۔
"بیٹا! شادی تو بس یک دم ہوئی۔ احسن کی ہونے والی مسز کے دادا جی بیمار تھے تو انہوں نے زور دیا تو بس جیسے منٹوں میں۔۔۔ فیصلہ ہو گیا۔"
"تو مجھے کیوں نہیں بلوایا؟" اس کا ریکارڈ وہیں اٹکا ہوا تھا۔
"بیٹا شادی تھی۔ سب ہڑبونگ میں ہوا۔ آپ کا نہ ہونا اتنا۔۔۔"
"لیکن برتھ ڈے میری بغیر کیسے کرلی گئی اب آپ کہہ دیں کہ اس میں بھی میرا کیا کام شادیوں میں بچوں کا کیا کام۔۔۔؟"
"ہاں نا۔" مام تائیدا" سر ہلانے لگی۔ تشفی کا نیا جملہ مگر۔۔۔
"شادی تو بڑوں کا ایونٹ ہے۔۔۔ بچے تو۔۔۔"
"کیوں؟" اس نے لڑاکوں اور جاہلوں کی طرح ہاتھ نچایا۔ "میں نے تو آج تک کوئی ویڈنگ کارڈ نہیں دیکھا جس پر لکھا ہو بچے ناٹ الاوڈ۔ وہ اردو میں لکھتے ہیں بمعہ اہل و عیال۔۔۔ شادی کلب پارٹی نہیں ہوتی کہ اونلی مسٹر اینڈ مسز جاتے ہوں۔" وہ اسے ہر بار لاجواب کر دیتا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ ہر بار حیران ہوتی تھی۔
"اچھا ابھی آرہی ہیں نا آپ کے تایا کے گھر شادیاں۔۔۔ تو اس میں تو آپ ہوں گے ہی' پیپرز کے بعد اپریل میں رکھی جائیں گی' سدرہ کا برتھ ڈے بھی نزدیک ہے۔"
"آپ اس میں بھی کوئی بہانہ کر دیں گی کہ نئی کلاسز شروع ہیں شادی میں کیا رکھا ہے۔"
"میں ایسا نہیں کروں گی زین۔۔۔!" وہ چاہنے کے باوجود اسے ڈانٹ نہیں پاتی تھی نہ اونچا بول پاتی۔ وہ جتنا بھی بھڑکتا۔ وہ اتنی دھیمی ہوتی جاتی۔ اس کا کیا قصور تھا۔ سارے قصور خود اس کے ہی نکلتے تھے۔ سارے جرم' ساری دفعات' سارے خسارے۔۔۔ اس کے تھے۔ ان کے تھے' ان دونوں کے۔۔۔
"اور کبھی آپ نے میرا برتھ ڈے تو ایسے سیلیبریٹ نہیں کیا' فیملی اوکیژن کہہ دیتی ہیں' کبھی میرے دوستوں کو نہیں بلاتیں بس کیک کاٹ دیتی ہیں گفٹس دے دیتی ہیں آپ!"
"اچھا! اس بار آپ کی برتھ ڈے بھی ایسے ہی کریں گے۔"
"آپ جھوٹ بولتی ہیں۔ اور سوری۔۔۔ آپ غلط وعدہ کرتی ہیں یا بھول جاتی ہیں یا کبھی بزی ہو جاتی ہیں۔" اسے ماں کے رتبے کا احساس تھا' اس نے کسی کے ٹوکے بغیر تصحیح بھی خود سے کرلی تھی۔
"شادی میرے بغیر ہو سکتی ہے بچوں کا کیا کام؟ شہیر' سدرہ' مونا' علی' خدیفہ' یمنی' پارو۔۔۔ کوئی نہیں گیا ہوگا نا؟" اس نے اپنے ہم عمر کزنز کا نام لینا شروع کر دیا۔ "حسن اور شامین بھی۔۔۔"
"اور برتھ ڈے بھی میرے بغیر۔" وہ صوفے پر اسی کے برابر گر سا گیا۔
"میں اتفاق سے البم نہ دیکھ لیتا نیٹ پر پوری ویڈیو تھی۔ مجھے تو پتا بھی نہ لگتا آپ پھر جھوٹ بول۔۔۔ بتاتیں ہی نہ بلکہ۔۔۔" وہ رونے لگا۔
"آپ لوگ مجھے اپنے ساتھ رہنے ہی نہیں دیتے۔" وہ ہتھیلی سے آنسو رگڑنے لگا۔
مام کا دل موم ہو گیا۔ قطرہ قطرہ۔ اس نے آگے ہو کر اسے بانہوں میں بھر لیا۔ اپنے ہونٹ اس کے بالوں سے جوڑ دیے۔ وہ بالوں سے اٹھتی مہک کو اندر روح تک کھینچ رہی تھی' سکون مل رہا تھا مگر وقتی۔
جو بے سکونی دل میں تھی۔ زندگی میں تھی اس کا کیا علاج۔۔۔

✡ ✡ ✡

بھرپائی کرنے کے خیال سے اگلے کئی دن ماں نے اس کے ساتھ گزارے۔ وہ اسے لے کر پارک گئی۔ تینوں بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کارٹونز فلم دیکھیں ایک جانب زین کو بٹھایا۔ ایک طرف سدرہ۔ گود میں شہیر۔ اسے شاپنگ کروائی یہاں تک کہ اس کے لیے اپنے ہاتھوں سے کچھ کھانے بھی بنائے۔

چپس کیچپ اور سینڈوچز۔ بالوں کو بہت اوپر سمیٹے ایپرن لگا کر آستین موڑے وہ ایک ماڈرن شیف لگ رہی تھی۔

"تو ناظرین آج کے پروگرام میں ڈی او صاحبہ ہماری مہمان ہیں اور ہمیں بتائیں گی کہ اپنے بچوں کے لیے کھانا کیسے بناتے ہیں۔" زین نے بیلن کو ایزا مائک اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔

"محبت سے۔" مائک اس کے سامنے آیا تو اس دو حرفوں میں بات سمیٹ دی۔

"نہیں ہمارے ناظرین اجزاء کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں کہ آپ نے کیا کیا استعمال کیا۔ کتنی مقدار میں۔"

"بہت سی محبت۔ ڈھیر سارا پیار۔ بس حسب ضرورت۔"

وہ بھی شرارت اور مزے کے موڈ میں تھی۔ اس نے اپنی کچن ہیلپرز کو باہر نکال دیا تھا' وہ خود بچوں کے لیے کچھ بنائے گی۔ حالانکہ اسے کچھ بھی خاص بنانا نہیں آتا تھا کچن اس کی فیلڈ ہی نہ تھا۔ شادی سے پہلے پڑھائی کے چکر۔ بعد میں ایک ملازمہ سرکاری مل گئی۔ ایک سرتاج صاحب نے رکھ دی' لیکن ابھی وہ کچھ نہ کچھ تو بنا لیتی۔

کام والی خیرن اس فرصت سے لطف اٹھانے کے لیے لان میں نکل آئی۔ وہ مالی سے اندر کا حال بیان کررہی تھی۔ ڈرائیور بھی نزدیک سرک آیا۔

"صاحب تو کل آئے گا۔" وہ بولا تھا۔ "کرکٹ کا سب سامان وہاں تیار رکھو۔ زین بابا کے ساتھ میچ ہوگا اور ادھر نہر میں مچھلی پکڑنے کا بھی بولا۔ سب تیاری کرکے رکھنی ہے بابا!" دونوں کے پاس اپنی اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے اطلاعات تھیں۔

"آں بابا میرے کو بھی بولا۔ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے لوں۔ زیادہ لوگ ہوں گے تو زین بابا کو اچھا لگے گا۔" ڈرائیور نے ذرا فخر سے کہا۔

"ہمارا صاحب ہے ہی بہت اچھا اور میڈم صاحب بھی ابھی اندر۔" خیرن تفصیل سے بتانے لگی۔

"او بابا آؤ۔ اللہ سائیں کا خاص لوگ ہوتا ہے ایسا ورنہ ایسا لے پالک بچے کو کون پیار کرتا ہے۔" مالی نے انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ وہ آنکھیں بند کرکے جھوم رہا تھا۔

خیرن اور ڈرائیور نے تائیداً زور و شور سے سر ہلائے تھے۔

✡ ✡ ✡

محبت خواب کی صورت۔
نگاہوں میں بسی رہتی ہے کسی مہتاب کی صورت
محبت آگ کی صورت
بجھے سینوں میں جلتی ہے تو دل بیدار ہوتے ہیں
محبت کی۔

اس نے اس بار چھٹیاں خوب انجوائے کی تھیں۔ بہت خوش کن وقت گزارا' مگر واپس تو آنا ہی تھا مگر واپس آتے ہوئے وہ خوش نہیں تھا۔ دوبارہ کب جاپائے گا۔ مام اور ڈیڈ۔ اور گھر' لان اور سارا شہر۔

حالانکہ اس کی بہت ساری خواہشات پوری نہیں ہوئی تھیں۔ پھپھو اور تایا کے گھر۔ مگر نرم خو ماں نے سختی سے ڈانٹ دیا تھا۔ اسے رویوں کی سمجھ بہت پہلے سے آنے لگی تھی مگر رویوں کی وجوہات۔؟ وہ کھوج نہ لگاپاتا۔ اسے لگتا اسے اگنور کیا جاتا ہے۔ علیحدہ رکھا جاتا ہے یا پوشیدہ رکھا جاتا ہے مگر کیوں؟

اس کا سارا سامان چوکیدار اندر لے جاچکا تھا۔ وہ مین گیٹ سے اندرونی عمارت کو جاتی سیاہ سڑک پہ بہت تھکے قدموں چل رہا تھا۔ سر پر کیپ تھی ہاتھ میں گیند تھی جسے تولتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہا تھا اس کے پیچھے اس کا بیٹ زمین پر رگڑ کھاتا گھسٹ رہا تھا۔ گیند ہاتھ سے لڑھکی' روڈ سے اتری لان میں دوڑی۔ گملے سے ٹکرائی اچھلی اور پھر گھومتی گھومتی کتنی ہی دور چلی گئی۔

وہ رک گیا اور گیند کی بےبسی کو دیکھنے لگا جو ساکت ہونے سے پہلے کتنی دیر تک لرزتی رہی تھی۔ اسے لگا وہ بھی گیند ہے مگر بس اس کی سوچ اتنی ہی تھی۔ وہ گیند لینے آگے بڑھ گیا۔ بیل بج رہی تھی۔ اسے اب اندر جانا تھا۔

مگر نو عمر ذہن میں آنے والا ایک جملہ کہ "وہ گیند جیسا ہے" واقعی حقیقت تھا۔ وہ واقعی گیند تھا۔ ___ لڑھکتا۔ ٹھوکر کھاتا اور آج سے نہیں ہمیشہ سے۔ جب پانچ سال کا تھا تب سے۔

✡ ✡ ✡

"میں منافقت میں نہیں جی سکتا۔ بس تم اسے واپس کردو۔"

"یہ بےجان مانگی ہوئی کیتلی نہیں ہے جو ضرورت پوری ہوگئی تو واپس لوٹادیں۔ یہ جان دار انسان ہے بچہ ہے اور وہ بچہ جس نے ہماری زندگی میں اس وقت رنگ بھرے جب ہم جیتے جاگتے انسان تھے مگر کفن پوش دکھائی دیتے تھے۔"

"ہاں تو میں نے کب انکار کیا۔ بدلے میں سب کچھ تو دیا محبت' توجہ' خوراک' سرد و گرم سے بچا کر رکھا' لیکن! تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ اب نہ تو ہمیں اس کی ضرورت ہے اور نہ ہی اسے ہماری۔"

"یہ کیسی بات ہے۔ وہ فقط پانچ برس کا بچہ ہے اسے کیسے ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو کولر کی ٹونٹی دبا کر پانی تک نہیں نکال سکتا اور آپ کہتے ہیں۔" وہ تڑپ اٹھی۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" وہ جھنجلایا۔ کیسے سمجھائے اس عورت کو۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اب ہماری اپنی اولاد ہے۔ ہمارا اپنا بچہ۔ مجھے لگتا ہے' ہم انصاف نہیں کرپائیں گے۔"

"کیوں نہیں کرپائیں گے۔" وہ تڑپ کر بولی۔ دونوں قریب ہی بیڈ پر سو رہے تھے۔ پانچ سالہ زین اور دو ماہ کا سبطین۔ "لوگوں کے درجن درجن بچے ہوتے ہیں ... نئے بچے ہوتے رہتے ہیں تو پرانوں کو نکالتے جاتے ہیں۔" اس نے اپنے تئیں اسے لاجواب کردیا تھا۔

"نہیں نکالتے۔ کبھی نہیں نکالتے مگر وہ ان کے اپنے بچے ہوتے ہیں۔ یوں یہ بھی میرا اپنا بچہ ہے۔ میرا خون۔ میرا دل۔ میری۔" بچہ تو سو رہا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے سے لگا کر یوں بھینچے جیسے ان میں بچہ ہو سینے سے لگا ہو۔

"بہرحال میں فیصلہ کرچکا ہوں۔ اور۔ اور باقی سب بھی یہی مناسب خیال کرتے ہیں۔"

"باقی سب کون؟" وہ بری طرح چونکی۔

"باقی سب' امی' ابا اور بھائی بہن۔" وہ نظریں چرا کر

بولا تھا۔ ”اور دوسرے اصل بات یہ ہے کہ اب وہ پہلے جیسی مجبوری بھی نہیں ہے۔ نہ ہمیں اور نہ انہیں۔“

”کیا مطلب؟“ وہ ناسمجھی سے شوہر کی صورت دیکھنے لگی۔

”مطلب یہ کہ۔۔۔ وہ وقت گزر گیا۔ بھول بھال گئی دنیا کہ یہ بچہ۔۔۔ پہلے کی بات اور تھی مگر اب تو وہ ویل اسٹیبلشڈ ہے۔ ایک عہدے پہ۔۔۔ رتبہ ہے۔ بات میں وزن ہے۔ اب وہ اسے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔“ وہ جملوں سے زیادہ آنکھوں سے سمجھا رہا تھا۔

”لیکن کیا ان کی اس نئی زندگی میں اس کی جگہ ہوگی؟ کوئی نہیں جانتا کہ۔“ وہ اٹک گئی۔

”سب سیٹ ہوجاتا ہے۔ جگہ خود بخود بن جاتی ہے‘ میں بہرحال فیصلہ کرچکا ہوں۔ ناانصافی میرے اپنے بچے کے ساتھ ہوگی‘ یہ ڈر نہیں ہے‘ مگر میں اس سے محبت نہیں کرسکوں گا اب۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو۔“

وہ اب پینترا بدل کر داؤ کھیل رہا تھا۔ وہ سوچ میں ڈوبی تھی۔

☼ ☼ ☼

کالج میں گزارے جانے والے پانچ گھنٹے ذہنی اور جسمانی اعتبار سے پرمشقت تھے اور پھر اگر پڑھنے والی شجرۃ الدر ہو تو۔۔۔ جو کبھی ”بیس“ ریڈ نہیں کرتی تھی۔ فارغ وقت میں بھی دوستوں کے جھنڈ میں بیٹھنے کے بجائے وہ لائبریری چلی جاتی۔ کتابیں پڑھتی‘ اخبار کی ورق گردانی کرتی‘ کینٹین جانے کا شوق بھی نہیں تھا اور پاکٹ منی اس کی اجازت بھی نہیں دیتی تھی۔ وہ اخبار کا پورا صفحہ چہرے کے آگے پھیلا لیتی اور بند ہونٹوں کے ساتھ بے آواز گھر سے لائے پراٹھے کے لقمے اتارتی رہتی۔

لائبریرین نے اس بات کو دیکھ لیا تھا۔ مگر وہ نظر انداز کردیتی تھیں۔ وہ سیکنڈ ایئر میں تھی اور ان پورے دو سالوں میں سب سے زیادہ کتابیں جاری کروانے کا اعزاز اسی کو حاصل تھا۔ اس کے ظاہری حلیے سے اس کی کلاس کا پتا چلتا تھا۔ ایک سفید پوش گھرانے کی سادہ سی لڑکی‘ سستا سا بیگ‘ ڈھیلا ڈھالا یونیفارم لمبی چوٹی‘ سادگی سے بنا مانگ نکالے گندھی ہوتی۔ وہ چوٹی آگے ڈال لیتی اور پڑھنے کی محویت کے دوران چند لٹوں سے کھیلتی رہتی۔

سارے اخبارات چاٹ جاتی۔

اتنی قابل اور علم دوست لڑکی کے لیے لائبریرین کے دل میں خود بخود گنجائش پیدا ہوگئی تھی۔

اور بے پناہ ذہنی مشقت کے بعد وہ جسمانی مشقت بھی جھیلتی تھی۔ اور شاید بخوشی بھی۔ یا شاید اب عادی ہوگئی تھی۔ کالج گھر سے کافی دور تھا اور اسے دو بسیں کرنا پڑتی تھیں مگر وہ صبح میں جلدی کے باعث دو بسیں کرلیتی مگر واپسی پر ایک ہی بس لیتی۔ محسنہ اسے پورا کرایہ بھی دیتی تھیں اور جیب خرچ کے نام پر بھی کچھ نوٹ تھما دیتیں۔ مگر شجرۃ کو وہ پیسے بچانے ہوتے تھے۔ اور اسی۔۔۔ لیے وہ پراٹھا کھاتی اور پیدل چلتی۔ اور مہینے کے آخر میں کوئی کتاب خریدتی۔ نوٹس لیتی اور اپنی پڑھائی کے دیگر اخراجات نکالتی۔ وہ جانتی تھی محسنہ اسے اتنی ہی رقم دے سکتی ہیں۔ جس میں کٹوتی خارج از امکان نہیں تھی اور بڑھوتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

☼ ☼ ☼

کلاس میں شجرۃ کی واہ واہ تھی۔ ٹیچر اس کے رزلٹ سے بہت خوش تھیں۔

شجرۃ کی لکھائی موتیوں جیسی تھی اور اغلاط سے پاک پیپر اس قابل تھا کہ اسے اخبار میں چھپوا دیا جاتا۔

”تمہارے پیرنٹس بہت خوش ہوئے ہوں گے ناں شجرۃ۔“ ٹیچر کے جانے کے بعد کچھ لڑکیاں تو جلے منہ بناتی کلاس روم سے بھاگیں۔ مگر ایک ڈھیر سا اس کے گرد بھی اکٹھا ہوگیا تھا۔ سب اس کا پیپر دیکھنے کی کوشش میں ڈیسک پر گھیرا بنا کر جھکی ہوئی تھیں۔

”پیرنٹس نہیں۔“ ایک لڑکی نے ٹوکا۔ ”صرف مدر۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں ناں شجرۃ۔ تمہارے فادر؟“ وہ قصداً ”رکی کہ شجرۃ خود ہی درست جواب دے دے۔

”ہاں!“ اس نے واضح صاف لہجہ میں اثبات میں سرہلایا۔

”وہ فوت ہوچکے ہیں۔ جب میں چھ برس کی تھی۔“

”اوہ!“ کورس میں تاسف کا اظہار سب کی طرف سے تھا۔

”تو پھر تم کیا اکیلی رہتی ہو۔ یعنی۔ میرا مطلب ہے کہ۔“

”نہیں۔ ہم اپنے ماموؤں کے ساتھ رہتے ہیں۔ میرے دو ماموں ہیں۔“ اس کے انداز میں عجلت تھی۔

اسے لائبریری جانا تھا‘ صرف ان پیپرز کی وجہ سے یہاں رکنا پڑ رہا تھا۔ اس۔۔۔۔۔ کی عجلت چند کو ناگوار گزری۔ منہ پر مارنے کے سے انداز میں پیپرز اس کے سامنے پٹخے گئے۔ اس نے قطعاً ”برا نہ مانا۔ بیگ کندھے پر رکھے کھڑی ہوگئی۔

اس کی جانب سے متوقع ری ایکشن نہ دیکھ کر پیپر پٹخنے والی لڑکیوں کو اور زیادہ برا لگا۔ جیسے وہ انہیں اہمیت دے ہی نہ رہی ہو۔

”ویسے کلاس میں تو تم خاموش رہتی ہو۔ میرے خیال میں کوچنگ وغیرہ بھی نہیں لیتی ہو۔ نوٹس کی بہت تعریف کررہی تھیں ٹیچر۔ کیا اپنے ماموؤں سے بنواتی ہو؟ یا کسی سے خریدتی ہو ویسے تم خریدنے والی لگتی تو نہیں ہو۔“ کہنے والی نے اسے سر سے پیر تک دیکھا اور پھر تائید اپنی ہم نوا دوستوں کو بھی۔

”صحیح کہہ رہی ہو‘ میں واقعی نوٹس خریدنے والی نہیں ہوں۔ اور میرے ماموں۔ بڑے ماموں کی ورکشاپ ہے جہاں اسپیئر پارٹس کا کام ہوتا ہے اور چھوٹے ماموں میٹرک فیل ہیں۔ میں یہ نوٹس لائبریری میں جاکر بناتی ہوں۔ ٹیچر کے لیکچر نوٹ کرلیے جائیں‘ کلاس میں دماغ حاضر رکھا ہو اور چھوٹے سے چھوٹے ٹاپک کے لیے بھی کم از کم چار کتابوں سے ریفرنس لے لیا جائے تو تم سب اس سے بھی اچھے نوٹس بنا کر واہ واہ سمیٹ سکتی ہو۔“

اس نے بہت دھیمے لہجے میں نسخہ کیمیا بیان کیا۔ وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ ڈھیر خود بخود چھٹ رہا تھا۔ اسے راستہ دینے کے لیے۔ ”میں وہیں جارہی ہوں‘ چاہو تو آپ سب بھی آسکتی ہو۔“

اس نے آخری جملہ کسی قدر تیزی سے کہا تھا اور اس سے بڑھ کر تیزی دکھاتے ہوئے وہ کلاس روم سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

ہر تعریف و تنقید سے پرے شجرۃ الدر بہت خاموش کیفیت کے زیر اثر اخبار چہرے کے آگے پھیلائے بیٹھی تھی اس کے رول کیے پراٹھے میں بھنڈی کی بھرت تھی۔ مگر نہ تو اخبار پڑھا جارہا تھا اور نہ ہی شدید بھوک کے باوجود وہ کھانے سے لطف اٹھا رہی تھی۔ بس نوالے حلق سے اتر رہے تھے۔ وہ سطر سطر پڑھ رہی تھی مگر غائب دماغی سی تھی۔ اس کا سارا دھیان کلاس فیلوز کی گفتگو میں اٹکا تھا۔

”تمہارے پیرنٹس بہت خوش ہوتے ہوں گے‘ والا قیافہ اس کے لیے ایک تکلیف تھا۔۔۔۔۔ ارمان تھا جو حسرت میں تبدیل ہوچکا تھا۔ اور جیسے اب وہ اس حسرت کو بھی فراموش کرچکی تھی۔ اس کے ابو اس وقت اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے جب بچوں کے تالیاں پیٹنے اور ہنسنے رونے ہی کو سراہا جاسکتا ہے۔ یعنی وہ چھٹے برس میں تھی جب وہ فوت ہوگئے۔ پڑھائی لکھائی کے حوالے سے سراہے جانے کا دور شروع ہونے سے پہلے ہی۔ یقیناً ”اگر وہ آج ہوتے تو ان سے زیادہ سراہنے والا اس پوری دنیا میں کوئی اور نہ ہوتا۔ مگر وہ نہیں تھے۔ امی تھیں۔ اور دیگر بہت سے لوگ بھی تھے۔ مگر ان سب کو شجرۃ کی کامیابیوں سے کوئی سروکار

نہیں تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے جلتے تھے۔ یا کسی بھی قسم کا عناد و بغض تھا۔ دراصل محسنہ اور دیگر اہل خانہ ادراک رکھتے ہی نہ تھے کہ شجرۃ کتنی قابل ہے۔ کتنی محنتی ہے اور کتنی کامیابیاں سمیٹتی ہے۔

محسنہ یہ ضرور چاہتی تھیں کہ وہ پڑھے لکھے اور ضرور ہی کچھ بن جائے اس کے اسکول کی اہمیت اتنی تھی کہ وہ اس کا یونیفارم دھو دیتی تھیں اور اس بات کا دھیان رکھ لیتیں کہ کوئی نہ کوئی سوکھا سالن آلو کی بھجیا یا کبھی کبھار انڈا لازمی صبح سویرے موجود ہو جسے وہ اس کے لنچ کے پراٹھے میں رول کر سکیں۔ اس کی کتابوں کے ڈھیر کو سنبھال کر رکھتی تھیں اور ایک ورق بھی ضائع نہ جانے دیتیں۔ یہاں تک کہ گولا بنا کر پھینکے کاغذ کو بھی ہاتھوں سے پریس کر کے سیدھا کر لیتیں اور اسے دکھا کر قطعاً" بے کار کی تسلی کے بعد ضائع کرتیں۔

گھر کا ماحول قطعاً" علمی نہیں تھا۔

بڑے ماموں نے بڑے بیٹے کو اپنے ساتھ ورک شاپ لے جانا شروع کر دیا اور لڑکیاں بھی ماؤں کے ساتھ ہاتھ بٹاتے بٹاتے گھر میں رہ گئیں اور پھر بہت کم عمری ہی میں اپنے گھروں کی ہو گئیں۔

ایسے لاپروایانہ ماحول میں شجرۃ الدر کی ذہانت و محنت خداداد تھی۔ اور شوق مرحوم والد کی جانب سے لہو میں گردش کرتا تھا۔ وہ اسکول ٹیچر تھے اور محسنہ فقط اتنا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں کہ گزارہ ہو جاتا۔ کما کے لانے کے لیے شوہر تھے۔ گھر کیسے چلانا ہے۔ اس کی گائیڈ لائن بھی دے دیتے۔ اور محسنہ ان عورتوں میں سے تھیں جو بنا رد و کد کے شوہر کے بتائے راستے پر چلتی ہیں کہ وہ بالکل درست کہتے ہیں۔ اور ماسٹر عبدالرحیم تو پھر سچ مچ شاندار انسان تھے۔

زندگی نے مہلت نہ دی۔ ابھی تو صرف پوری ب اور آدھی ب کا فرق بتایا تھا۔ اردو اور انگلش میں نام لکھنا سکھایا تھا۔ اس کے ساتھ لہک لہک کر پانچ تک کے پہاڑے یاد کیے تھے۔

دو ایکم دو۔ دو دونی چار۔ دو دائیں دس۔ کہ زندگی کی بس ہو گئی۔

شہر کے دوسرے کونے کے کرائے کے گھر میں عدت گزارنی بھی بہت مشکل تھی۔ وہ تھوڑا بہت سامان سمیٹ کر ہمراہ بچی بھائیوں کے گھر لوٹ آئیں۔ بھائیوں نے کوئی دعوا نہیں کیا تھا سر پر ہاتھ بھی نہ رکھا۔ بنا کچھ کہے نئے سامان کو سوزوکی میں چڑھاتے رہے۔ بھابھوں کو اندازہ تو ہو چکا تھا کہ یہ زندگی بھر کی ذمہ داری سر پر پڑی ہے مگر وہ بھی ماں بیٹی کو خود سے لگائے ہچکیاں بھر بھر کے روتی تھیں۔

جوان نند۔ کم سن بچی۔

یہ محسنہ کے ابا کا بھی گھر تھا۔ اور وہ اس میں برابر کی حصے دار تھیں۔ مگر شادی کے بعد اب یہ بھابھوں کا گھر تھا۔ اور محسنہ احسان مند تھیں۔ انہیں مرحوم ابا اماں کا کمرہ دے دیا گیا۔ ایک الماری۔ پلنگ۔ چار کرسیاں۔ میز چٹائی۔ برتن محسنہ نے خود ہی لا کر باورچی خانے میں رکھ دیے۔

بھابھی نے پرانا کولر پھینک کر محسنہ کا نیا کولر اسٹینڈ میں رکھا تو محسنہ نے کروشیہ کا بنا کور پوش بھی نکال کر اوپر ڈال دیا۔

عدت میں چار ماہ تک گھر سے نہ نکلنے کا حکم ہے مگر گھر کے اندر کونا لینے کی اجازت کوئی نہیں دیتا۔ چار دن تک بھابیوں، بھتیجیوں نے کھانا پانی رکھا اور پانچویں دن محسنہ خود ہی صبح سویرے اٹھ کر آٹا چھاننے لگیں۔ سب کو ناشتہ دیتے دیتے سوئی دس سے اوپر چلی گئی۔ بڑی بھابھی ٹوکری ہاتھ میں لے کر سبزی لینے جا رہی تھیں۔

"آج کیا پکائیں محسنہ۔ یہ بھی روز کی مصیبت ہے۔ اب تم ہی بتا دو۔"

"مٹر آلو بنا لیتے ہیں ساتھ ٹماٹر کی چٹنی۔" محسنہ نے بھی کام میں جتے جتے ہوئے جواب دیا۔ جیسے یہ روز ہی کا معمول ہو۔ "تین دن سے گھوم پھر کے گوشت یا چاول ہی بن رہے ہیں۔" ساتھ وجہ بھی بیان کر دی۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" چھوٹی بھاوج نے تائید کی۔

اور یوں زندگی ایک نئے ٹریک پر یوں چڑھی اور بھاگنے لگی جیسے صدیوں سے بس یونہی ہوتا رہا۔ اور ہوتا رہے گا۔

ایک بے حد نارمل زندگی۔ صبح اور شام کی ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش۔

گھر کا ماحول خوشگوار ہی رہا۔ بیوہ نند مالی لحاظ سے بوجھ نہیں بنی تھی۔ اسے میاں کی پنشن مل جاتی تھی۔ جو بہت قلیل رقم تھی مگر ماں بیٹی کے لیے کافی تھی۔ نوے کی دہائی کا آغاز تھا۔

سادگی کا زمانہ تھا۔ اورنج کلر کے 101 صابن سے مائیں کپڑے بھی دھو لیتیں اور بعد میں بچوں کے سر بھی۔ منہ دھونے کا الگ صابن۔ اماں اپنے ہاتھ پر صابن رگڑتیں اور ایک ہاتھ سے چار بچوں کے منہ نمٹا دیتیں۔

لباس ضرورت کی طرح استعمال ہوتا نا کہ نمائش کے لیے۔

خوراک کے نام پر بھی سادگی۔ کبھی کبھار ناشتے کی حلوہ پوری۔ بچے ریوڑیاں اور پاپڑ کھاتے۔ امیروں کا پتا نہیں۔ غریبوں کے گھر میں پھل تبرک ہی کی طرح آتا تھا۔ اور تقسیم ہو جاتا۔

محسنہ کے لیے یہ سب کچھ معمول کا حصہ تھا۔ وہ اسی گھر سے آٹھ سال پہلے رخصت ہوئی تھیں۔ سو آسانی سے ایڈجسٹ ہو گئیں۔ مگر۔ شجرۃ الدر؟

وہ اپنے ابو کی اکلوتی لاڈو تھی۔

ابو اسے بات بے بات سراہتے تھے۔ وہ محسنہ سے زیادہ عبدالرحیم کے قریب تھی۔ ابو پرائمری اسکول ٹیچر تھے مگر وہ اسے ساتھ لے کر جاتے۔ وہ چاک اور ڈسٹر پکڑے کمرہ کمرہ گھومتی۔ ابو حساب کے فارمولوں سے پورا تختہ سیاہ بھر دیتے۔ وہ اپنے قد برابر کا کونہ سفید کرتی رہتی۔ منہ سر سب سفید۔ تھوڑا چاک کھا بھی جاتی پھر۔

محسنہ سے ڈانٹ کھاتی کبھی مار بھی۔ مگر عبدالرحیم کچھ نہ کہتے۔ اکلوتی بیٹی جی جان سے پیاری تھی۔

وہ کسی بھی جماعت میں بیٹھ جاتی تھی۔ سب سے اگلے ڈیسک پر۔ بہت ضد کر کے مانیٹر اور پرفیکٹ دونوں کے بیج بھی سینے پر اکٹھے لگا لیتی۔

اور اب یہاں ماموؤں کے گھر آنے کے بعد کسی کو دھیان ہی نہ رہا کہ اسے اسکول بھی جانا ہے۔ محسنہ عدت سے اٹھیں تو ایک دن اسے گھر کے نزدیکی اسکول میں داخل کروا آئیں۔ اسے اسکول پسند نہیں آیا۔ یہاں اسے سب سے آخری ڈیسک دیا گیا۔ یہ پرائیویٹ اسکول تھا۔ ایک کثیر المنزلہ عمارت۔ اسے گراؤنڈ اور پھول پودے درکار تھے اور بڑا درخت وہاں ابو کے گورنمنٹ اسکول کا گراؤنڈ بہت بڑا تھا۔ وہ بھاگ بھاگ کر تھک جاتی تھی اور ابو نے ایک

درخت پر جھولا بھی ڈلوادیا تھا۔ اسے نئے اسکول میں ہوا کا فقدان لگتا اور اندھیرا محسوس ہوتا۔ اسکول جانے کے نام پر رونا محسنہ کے لیے حیران کن تھا۔ اسے تو اسکول بہت پسند تھا۔

"مجھے ابو والا اسکول پسند ہے امی! ہم یہاں کیوں آگئے ہیں۔ اپنے گھر واپس چلتے ہیں پھر تو میرا وہ اسکول نزدیک ہوگا' دو گلیاں آگے بس۔" اس نے محسنہ کی سخت بازپرس پر دل کی بات کہی۔

"تمہیں سمجھا چکی ہوں شجرۃ۔! وہ گھر ہمارا نہیں تھا۔ اور اسکول بھی نہیں۔"

"وہ میرے ابو کا اسکول تھا امی۔" وہ یوں چلائی جیسے کسی نے دل نوچ لیا ہو محسنہ چلانے پر بھڑکی تھیں خود کو برداشت کا درس دیا۔

"اور ابو اب نہیں ہیں بیٹا۔!"

"تو ابو کہاں گئے۔ آپ انہیں بلالیں میرے بہت مسئلے ہوگئے ہیں امی۔ مجھے بہت سارا کام سمجھنا ہے۔ انگلش کا اور میتھ کا بھی۔ اردو کا میں نے کرلیا۔"

"وہ واپس نہیں آسکتے۔" "تم بچی نہیں ہو شجرۃ۔" محسنہ دانت بھینچ کر چلائیں۔ "یہی ہمارا گھر ہے اور یہی تمہارا اسکول۔ اگر ایسے ہی تنگ کرتی رہیں تو اس اسکول سے بھی چھٹی ہوجائے گی۔ ٹیچر نام کاٹ دیں گی پھر تم رہنا گھر کے اندر۔ گندی بچی بن کرہاں۔" محسنہ نے تیر نشانے پر لگایا۔ اور وہ ڈر بھی گئی۔

ٹھیک ہے میں جاؤں گی لیکن میں مانیٹر نہیں ہوں اور آگے بھی نہیں بیٹھتی ہوں۔"

"تم اچھی لائق بچی بنو اور فرسٹ آؤگی۔ تو ٹیچر خود ہی مانیٹر بنادیں گی تمہارے ابو بھی یہی چاہتے تھے تاکہ تم بہت سارٹ ہو۔"

اور شجرۃ کو ایک بار پھر بات سمجھ میں آگئی۔ اسے پڑھنا ہوگا۔

لیکن یہاں پھر ایک مسئلہ ہوگیا۔ اب ابو تو نہیں تھے۔ وہ اپنا کلاس ورک ماموؤں کے سامنے رکھ دیتی جو تین چار بار پکارنے پر سرسری نگاہ اس پر "آگے بڑھائی کاپیوں پر ڈال کر گال سہلا دیتے۔ اس کے لب کھلنے سے پہلے ہی کہنے لگتے۔

"ہاں ہاں۔ بہت اچھا ہے۔ شاباش۔ تم تو بڑی قابل ہو۔" وہ پھر کسی سے محو گفتگو ہوجائے جبکہ شجرۃ کو پوری تسلی کروانی تھی۔ نقطے لائن رنگ ہر شے ایکسپلین کرنی تھی۔ اور غلطیاں نکلوانی تھیں اور تصحیح کروانی تھی جیسے۔ جیسے کہ ابو کرتے تھے۔ لیکن یہ ان کا مزاج نہیں تھا۔ وہ بچی سمجھ کر پچکار دیتے بہلا دیتے مگر پھر آواز لگانے لگے۔

"نازیہ! آکر دیکھو۔ بہن کیا کہتی ہے۔ محسنہ اسے لے جاؤ۔ جاؤ بیٹا امی سے پوچھ لو یا بھائی سے سمجھ لو۔" کبھی مامیاں پکارتیں۔ "شجرۃ! ادھر آجاؤ۔ ماموں تھکے ہوئے آئے ہیں۔ پانی تو پینے دو۔ تم کیا بستہ لے کر پہنچ جاتی ہو۔"

وہ انہیں بتانہ پاتی کہ اسے امی سے نہیں پڑھنا اور نہ ہی اپنی تعریف و توصیف کسی اور کو بتانی ہے اسے بس ماموں ہی کو بتانی ہے جیسے ابو کو بتاتی تھی۔ اور پھر ابو جیسے اسے لے کر گھنٹوں بیٹھ جاتے تھے۔ مگر یہاں ماموں۔ اور ماموں کو اس سے کوئی عناد یا چڑ نہیں تھی وہ اس ٹائپ کے تھے ہی نہیں۔ مشینی انسان۔ اپنی نفسیاتی و جذباتی مجبوریوں کی بنا پر وہ پڑھائی پر توجہ نہ دے پاتی جس کے باعث کلاس میں کبھی کوئی خاص مقام حاصل نہ کرپاتی کہ سراہی جاتی۔ الٹا وہ خراب کارکردگی دکھا رہی تھی۔

محسنہ نے سب کچھ سوچ رکھا تھا مگر وہ فیل ہوگی۔ کبھی نہیں۔

"تم پڑھنے پر توجہ نہیں دیتیں شجرۃ۔" محسنہ کو صدمہ ہوا تھا "کیا اپنے ابو کو یہ رزلٹ دکھاتیں۔"

"ابو نہیں ہیں امی!" اس نے ٹھنڈے لہجے میں قصہ ہی ختم کردیا۔ محسنہ دنگ رہ گئیں۔ بہت دیر تک کچھ نہ بول سکیں۔

"لیکن بہت سے لوگ ہیں جو یہ جانتے ہیں تم ماسٹر عبدالرحیم کی بیٹی ہو اور ماسٹر عبدالرحیم کی بیٹی کا ایسا رزلٹ؟ لوگ کیا کہیں گے۔" محسنہ کو جملوں کی مار مارنا نہیں آتی تھی' مگر شجرۃ الدر کو بہت زور سے لگی۔ وہ

چونک اٹھی پوری آنکھیں کھول کر ماں کا چہرہ دیکھنے لگی۔ محسنہ اپنی بات کہہ کر اٹھ کر جانے لگی تھیں۔ ان کا چہرہ اداس تھا' پرملال۔ وہ شجرۃ کو حسب ضرورت توجہ و محبت نہیں دے پا رہی تھیں۔ انہیں اس کی کمی کا ادراک ہی نہیں تھا۔

شجرۃ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر پھر بھینچ لیے پھر دوبارہ نہ تو کبھی محسنہ بولیں نہ شجرۃ۔ جو چند الفاظ محسنہ نے کہہ دیے اس نے گرہ سے باندھ لیے۔

"میں ٹیوشن لگوادیتی ہوں شجرۃ۔ تم اتنا مسئلہ کیوں بنا رہی ہو۔ کلاس میں جو مس بتائیں اسے غور سے سنو اور گھر آکر یاد کرلو۔ اپنا کام پورا رکھو۔ تھوڑی توجہ' تھوڑی محنت بس ہر ایک کے آگے کاپی کیوں رکھ دیتی ہو۔"

اس کے یہ کہنے پر کہ اسے کچھ یاد نہیں ہوتا۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ محسنہ نے حل بتایا تھا۔ شجرۃ نے سوچا یعنی ذرا سا غور' توجہ اور ہر شے کو یاد کرلینا۔ یہ تو اتنا مشکل کام نہیں۔

"پھر تم نے بھی تو اپنے ابا کی طرح ٹیچر بننا ہے نا۔" محسنہ نے گرم لوہے پر چوٹ لگائی۔

"ہاں۔ وہ تو مجھے بننا ہے۔" اس کے ارادے واضح تھے۔

"تو بس جو کرنا ہے' تمہیں خود ہی کرنا ہوگا۔" محسنہ اٹھ گئیں۔ انہیں کچن میں بہت کام تھے۔ روایتی متوسط گھرانے کی طرح یہاں کام کے پیچھے لڑائی نہیں تھی۔ محسنہ قطعاً" بھابھیوں کی چاکری نہیں کرتی تھیں' مگر اتنے بھرے پُرے گھر میں وہ ایک کام بھی اپنے ذمے لیتیں تو گھنٹوں گزر جاتے۔ مل جل کر ہی کام ہوتے تھے۔ بڑی بھابھی کپڑے دھوتیں تو چھوٹی جھاڑو پوچا کرتیں۔ محسنہ کچن دیکھ لیتیں۔ کبھی ترتیب بدل جاتی' مگر فارغ بیٹھنے کی گنجائش قطعاً" نہیں تھی۔

شام کے وقت مدرسے سے واپسی کے بعد مامیں چیخ چیخ کر بچوں کو دری ڈال کر بٹھا دیتیں کہ ہوم ورک کرلیں۔ وہ سب بیٹھ جاتے' مگر پھر پنسل ربڑ پر جھگڑتے۔ چھینا جھپٹی میں وقت گزرتا۔ اس شور ہنگامے میں شجرۃ کے لیے ایک لفظ پڑھنا بھی عذاب ہوجاتا۔ وہ خاموشی سے بیگ لے کر پچھلی سیڑھیوں میں آبیٹھتی۔ محسنہ کا بتایا نسخہ کیمیا اب ہر مسئلے کا حل تھا۔ وہ ہر شے کو یاد کرتی حلق خشک ہوجاتا' مگر رٹے لگاتی رہتی اور پھر کبھی اسکول سے شکایت نہ آئی پھر کبھی وہ فیل نہ ہوئی پھر کبھی اس نے اپنی کاپی کسی کے آگے نہ رکھی نہ کچھ پوچھنے کے لیے نہ بتانے کے لیے نہ ہی دکھانے کے لیے جبکہ اب اس کی کاپیاں اسٹارز سے رپورٹ کارڈ Good سے بھری ہوتی تھیں۔

اس کی زندگی کا مقصد کورس کی کتابوں کو رٹنا تھا۔ گھول کر پینا تھا۔

وہ ہائیسٹ نمبر لے کر گھر پہنچتی تھی' مگر اب نہ تو چہرہ خوشی سے تمتماتا تھا نہ کچھ بتانے کے جوش سے لب کپکپاتے تھے نہ دکھانے کے شوق میں وہ بھاگی پھرتی تھی۔ محسنہ نے کبھی پوچھا ہی نہیں کہ وہ جو راتوں کو جاگ جاگ کر یاد کرتی ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے جبکہ وہ صبح غیر ارادی طور پر محسنہ کو مصلے پر بیٹھے دیکھ کر کہہ چکی تھی۔

"امی! دعا کریں۔ میرا ٹیسٹ اچھا ہوجائے۔"

محسنہ نے جواب نہ دیا۔ دعا کے بعد کمرے میں پھونک ماری تو وہ خود بخود پھونک کے دائرے میں شامل ہوگئی۔ وہ ناشتے میں گرم چائے کے بڑے بڑے گھونٹ لیتے ہوئے بھی کتاب پر ہی نظر دوڑا رہی تھی' مگر گھر لوٹنے پر محسنہ نے ایک بار بھی نہ پوچھا کہ ٹیسٹ کیسا ہوا' وہ منتظر ہی رہی۔

سب گھر والے یہ ضرور جانتے تھے کہ شجرۃ پڑھاکو ہے ایک پڑھنے لکھنے والی سیدھی بچی۔ مگر کتنی قابل کتنی ذہین ہے اس کی گہرائی میں کوئی نہیں اترا ہاں وہ محنتی ہے جنون کی حد تک اور کبھی ناکام نہیں ہوئی مہینے میں ایک آدھ بار ماموں اس کی مثال دیتے کہ عقل سیکھو شجرۃ سے۔ کتنی قابل ہے۔

لیکن اس کی قابلیت کسی درجے کی ہے نہ کبھی کسی نے جانا اور نہ سراہا۔

لیکن پھر ایک روز... اور ایک دفعہ...

☆ ☆ ☆

چھوٹے ماموں ساری زندگی ڈیلی ویجز پر کام کرتے رہے' ملی ملی نہ ملی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے وہ ایسی امید و بیم والی زندگی پسند نہیں کرتے تھے۔ نوکری ہو تو سرکاری۔ کم کام۔ جیئے مرے تنخواہ ملے گی پھر آخر میں ایک ڈھیری نوٹ اور پنشن الگ... دوا دارو بھی ملتا ہے۔ پہلے شہزاد کو سرکاری اسکول میں داخل کروایا گیا۔ پھر جب ارادہ کرلیا کہ اسے فوج میں بھیجیں گے تو اپنے حساب سے ایک اچھے پرائیویٹ اسکول میں داخل کروا دیا۔ وہ اچھا تو پتا نہیں کتنا تھا۔ مہنگا البتہ خوب تھا۔ شروع کے سال تو وہ پاس ہوتا رہا' مگر اب کچھ سالوں سے رزلٹ خراب سے خراب تر ہوتا چلا گیا' یہاں تک کہ وہ فیل ہو کر اس کلاس میں اٹک گیا یہ سب کے لیے شرمندگی آمیز صدمہ تھا جبکہ ماموں کے لیے معاشی دھچکا... یعنی کہ یونہی فالتو میں اسی پچھلی کلاس میں سال گزارا جائے گا۔ وہی کتابیں' کاپیاں اور فیس ہائے...

وہ دندناتے ہوئے اسکول پہنچے اور بڑبڑاتے ہوئے گھر لوٹے۔ پرائیویٹ اسکول کی پرنسپل کو انگلش بولنی آتی تھی' ساڑھے سینتیس منٹ کی گفتگو میں اس نے انگلش بول بول ماموں کا دماغ شل کردیا۔ ماموں ایک جملہ تک نہ سمجھے' مگر یہ ضرور جان لیا' ذلت کسی بھی زبان میں کی جائے۔ حرف بہ حرف پتا لگتی ہے۔ اتنا نالائق بیٹا... سمجھ میں نہ آیا کس منہ سے پرنسپل سے درخواست کریں کہ اسے پروموٹ کردیں' وہ سر دھڑ کی بازی لگادیں گے اسے لائق بنانے کے لیے...

"شجرۃ... شجرۃ بات کرے گی پرنسپل سے' اتنی موٹی موٹی کتابیں تو پڑھتی ہے انگلش کی۔" شجرۃ نے حیرت سے سنا اور کوئی بھی تسلی دیے بنا' یقین دلائے بغیر ماموں کے ساتھ نکلی۔

اس نے پرنسپل کا حرف حرف سمجھا کہ وہ اس سے اردو ہی میں بات کررہی تھیں اور جس کا لب لباب یہ تھا کہ شہزاد ریاض انتہا درجے کا نکما لاپروا لڑکا ہے۔ اسے ایک کلاس آگے بڑھانے کی نہیں' پیچھے بھیجے جانے کی ضرورت ہے۔ ماموں کے چہرے کا رنگ بدلتا جاتا تھا۔ شجرۃ کو وعدہ کرنا پڑا۔ وہ چونکہ بقول پرنسپل خود اتنی پڑھی لکھی سنجیدہ قابل لڑکی دکھائی دیتی ہے تو اسے ہی اپنے بھائی کو پڑھانا ہوگا۔

ماموں خوش ہوگئے اور شہزاد بھی۔ نئی کتابیں خریدلی گئیں اور شہزاد دوستوں کے سامنے ہیٹی سے بچ گیا۔ کام ہوگیا تھا۔ سب نے مانا شجرۃ بہت عقل مند ہے۔ کیسے پرنسپل کو قائل کرلیا بھئی واہ...

لیکن...

مگر... ارے...

اگلا دن حیران کن تھا۔ شجرۃ ماموں یا شہزاد کی طرح جان چھڑا کر وقتی وعدہ نہیں کرکے آئی تھی۔ اس نے جو کیا' وہ کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ فرسٹ ایر میں تھی اور شہزاد سکس کلاس میں۔ قد میں دونوں برابر لگتے تھے تقریباً۔

اس نے شام کو ہاتھ میں موٹا ڈنڈا پکڑا' اسے پاس بٹھالیا اور پھر اللہ دے اور بندہ لے۔ ڈانٹ ڈانٹ کر' کان مروڑ کر' بالوں کے گچھے ہاتھوں میں پکڑ پکڑ کے۔ آخر میں ڈنڈے سے مار مار کے اسے پڑھانا شروع کردیا۔

"ارے کیا جان لینی ہے لڑکے کی!" چھوٹی مامی کا دل بند ہونے لگا۔

"خبردار مامی! آپ کا کیا خیال ہے' میں وقتی فائدہ حاصل کرنے کے لیے جھوٹا وعدہ کرکے آئی ہوں۔ پہلے سمسٹر میں اچھے نمبر نہ لایا تو دوبارہ بھیج دیں گے پچھلی کلاس میں۔ اسے انسان کا بچہ بننا ہی ہوگا۔" جملے کے انت میں کتاب اس کے سر پر برسادی جو گنگ سن رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ تیرے لاڈ پیار ہی نے یہ دن دکھایا ہے۔" ماموں نے مامی کو جھاڑ دیا۔ "جیسے دل چاہے پڑھانا بس اسے پاس ہونا ہے فوج میں بھیجوں گا' اگر کہو تو چمڑے کا بیلٹ بنوا کرلادوں؟"

ہاں... سب کے کھلے منہ پر ہاتھ ٹک گئے۔

اور چار ماہ بعد شہزاد کلاس میں پانچویں نمبر پر آیا تھا۔ ابھی یہ حیرت آمیز خوشی ہی کم نہ ہوئی تھی کہ محلے کے معتبر پڑھے لکھے بندے عبدالغفور صاحب نے ماموں کو روک کر شجرۃ کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے شروع کردیے۔ ان کی دونوں بیٹیاں نائنتھ کلاس میں اچھے نمبر لائی تھیں اور وہ شجرۃ سے میتھ پڑھتی تھیں۔

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں بیٹے کو بھی آٹھویں جماعت کے حساب کے لیے بھیج دوں۔ بیٹیاں بہت تعریف کررہی تھیں بچی کی۔ پڑھائی کے معاملے میں بہت سنجیدہ ہے۔ شہزاد کو بھی اسی نے چلایا ہے ویسے تو شجرۃ سے سیکھا حساب ہمیں اسے کرواہی رہی ہیں' مگر وہ ان کے ہاتھ آتا نہیں ہے۔ میرے پاس وقت نہیں ہوتا تو..."

دونوں ماموں ایک خوش گوار حیرت میں گھر گئے۔ شجرۃ قائل تو تھی مگر اتنی...

"میرے پاس ٹائم نہیں ہوتا ماموں!" شجرۃ نے جواب دیا تھا۔

"ہائیں...!" وہ حیران رہ گئے۔

"اور دوسرے جب انعم' ارم کو پڑھایا۔ تب میں فارغ تھی' وہ چھت سے کود کر آجاتی تھیں۔ اب میری اپنی پڑھائی..."

"بیٹا! وہ تو تمہاری بہت تعریفیں کررہے تھے' انکار کرتے شرم آئے گی۔ ایک ہی تو لڑکا ہے وہ۔"

"بہرحال اگر وہ اتنا ہی زور دے رہے ہیں تو میں فیس لوں گی۔"

اس بار کا "کیا؟" کورس میں تھا سب حق دق رہ گئے تھے کوئی عزت افزائی کی قیمت لیتا ہے۔

"میرا وقت بہت قیمتی ہے۔ پڑھانے کی کیا قیمت لوں گی' وقت کی تو لے لوں۔ کام آئے گی۔"

اور خود میں مگن شجرۃ نے شام کے ایک گھنٹے کے لیے ایک کلاس تیار کرلی۔ اسے آگے کالج میں داخلہ لینا تھا۔ اسے بہت آگے جانا تھا۔ کامیاب ہونا تھا ابو کی طرح ٹیچر بننا تھا۔

اسے اپنے لیے خود راہیں چننا تھیں۔ فیصلے کرنے تھے۔

محسنہ اس سے گھر کا کوئی کام نہ لیتیں۔ وہ دو بجے تک کالج سے آکر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹہ آرام کرتی۔ پھر ٹیوشن والے بچے اور پھر گھر کے اپنے بچے جو ماؤں کی کڑی نگرانی میں بیٹھتے تھے سب کو پورے دھیان سے پڑھاتی۔ اس سے بڑے تو پڑھے لکھے بغیر ہی زندگی کی ریس میں شامل ہوچکے تھے' مگر بعد والے اس کے پیچھے چلنا چاہ رہے تھے۔ نئی راہ...

اب اکثر معاملات میں اس سے رائے لی جاتی یا اگر اس نے کچھ کہہ دیا ہے تو... لیکن وہ اب ایک خاموش' خود میں مگن لڑکی تھی۔ اپنے کام سے کام رکھنے والی... رات گئے تک پڑھنے لکھنے والی... جس کے اندر کوئی جھانکتا نہیں تھا یا اس نے کھڑکی ہی بند کردی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ پوری کوشش کررہی تھی کہ سر کے لیکچر پر دھیان لگائے' مگر ناکام ہو رہی تھی۔ چہرے سے لگتا تھا موڈ آف ہے۔ مایوس' بے چین اور دل گرفتہ وہ سر کو دیکھنے کے بجائے اپنے گرد بیٹھے دوسرے اسٹوڈنٹ کو دیکھ رہی تھی۔ خاص طور پر ان کو جن کے پاس بے حد ضخیم ڈکشنری موجود تھی۔

سر آج کا کیا لیکچر دے رہے تھے' کچھ پتا نہیں تھا' مگر سر نے پرسوں کیا لیکچر دیا وہ اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ یاد آرہا تھا اور نئے طریقے سے غم و غصہ میں مبتلا کررہا تھا۔

"انگلش لینگویج سیکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کو ایک سرٹیفکیٹ دے دیا جائے اور آپ منہ بگاڑ کر سوری' تھینک یو' ہاؤ آر یو... آئی ایم فائن تھینک یو جیسے چند لفظ اور جملے بولنا سیکھ لیں۔"

"میں یہاں آپ کو انگلش بولنا سکھاؤں گا۔ درست گرامر کے ساتھ اور یہ بھی کہ آپ جواب کو مادری

زبان میں تیار کرکے پھر انگلش میں ترجمہ کرکے نہ بولیں بلکہ وہ آپ کی سوچ کے اندر بھی انگلش ہی میں تیار ہو اور اس برق رفتاری کے لیے ضروری ہے۔ ذخیرہ الفاظ اور متبادل الفاظ سے گہری واقفیت اور اس کا بہترین ذریعہ ہے ڈکشنری کا مطالعہ۔"

ٹیچر مسلسل بولتے جارہے تھے۔

"سو آپ میں سے کتنے اسٹوڈنٹ ڈکشنری رکھتے ہیں؟" آدھی کلاس کے ہاتھ اٹھے "کتنے ہیں جو ساتھ رکھتے ہیں؟" دو اسٹوڈنٹ کے ہاتھ اٹھے۔ ایک کے پاس ڈائجسٹ سائز کی کتاب تھی اور شجرۃ کے پاس اتنی چھوٹی ڈکشنری تھی کہ ہپ پاکٹ میں آرام سے آجائے۔

"گڈ۔۔۔ لیکن میں جس ڈکشنری کا نام لے رہا ہوں وہ یہ ہے۔" سر نے روسٹرم پر پڑی اپنی ڈکشنری اٹھا کر دکھائی۔ یہ تاریخ کی کسی کتاب کی طرح بے حد موٹی اور وزنی کتاب تھی۔

"جو دو بک آپ نے دکھائی ہیں۔" انہوں نے شجرۃ اور دوسرے اسٹوڈنٹ کو دیکھا۔ "یہ چھوٹی کلاسوں میں تو کام آسکتی تھیں، مگر اب جب آپ سیریسلی اور پروفیشنلی انگلش کو اپنانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر یہی والی۔۔۔ یا اس جیسی کی ضرورت ہے۔" انہوں نے اپنی بک پر ہاتھ بجایا۔ سر نے اپنی بکس اسٹوڈنٹ کی جانب بڑھادیں۔ شجرۃ بھی بہت جوش سے دیکھنے بڑھی۔

سب اوراق پلٹ رہے تھے، مگر جب شجرۃ کی باری آئی تو اس نے بہت تیزی اور جوش سے قیمت ڈھونڈی تھی اور۔۔۔ اور۔۔۔ جیسے تڑپ کر رہ گئی اتنے زیادہ پیسے۔ اس نے تین ہندسوں والی قیمت کو بے یقینی سے دیکھا۔ محسنہ اسے مخصوص رقم دیتی تھیں اب جبکہ اس کی اپنی پڑھائی بہت زیادہ وقت مانگتی تھی، اس نے صرف تین بچے ٹیوشن کے رکھ چھوڑے تھے اور اس فیس میں کچھ پیسے وہ محسنہ سے لے کر اس بے حد مہنگے انسٹیٹیوٹ کی فیس ادا کرپا رہی تھی اور اس پر اتنی مہنگی کتاب اف۔۔۔ محسنہ سے کچھ کہنا فضول تھا۔ پنشن کی محدود رقم بنا کسی کے کہے گھر میں خرچ ہوجاتی۔ محسنہ نے کچھ

کمیٹیاں ڈال رکھی تھیں۔ آخر کو انہیں کل کو شجرۃ کو بیاہنا تھا۔ اپنی شادی کا ڈھائی تولے کا سیٹ بھی سنبھال رکھا تھا اور وہ کتابوں کے لیے اتنی پاگل ہو رہی تھی کہ اگر ممکن ہوتا تو ایک انگوٹھی یا بندہ ہی دے کر کتابیں لے آتی۔

مگر چونکہ یہ ہوا نہیں تھا اور ہونا ممکن بھی نہیں تھا سو اس وقت وہ ساری دنیا سے اور خود سے بھی خفا ہو کر بیٹھی تھی۔

کچھ اسٹوڈنٹ نے اپنی کتابیں دکھادی تھیں۔ کچھ دو ایک روز میں لانے والے تھے اور وہ۔۔۔

"شجرۃ! آپ کچھ نہیں بولیں۔"

اپنے نام کی پکار پر وہ چونک کر کھڑی ہوئی۔ سر اس سے پوچھ رہے تھے۔

"سوری سر۔۔۔ میں بکس نہیں خرید سکتی۔ یہ بہت مہنگی ہیں۔ میری پرچیزنگ پاور سے باہر۔۔۔" اس کی آواز واضح اور دو ٹوک تھی۔۔۔ بے جھجک۔۔۔

سر سمیت سب یکدم اسے دیکھنے لگے۔

"اوہ۔۔۔ آئی سی۔۔۔" سر نے چشمہ ہاتھ میں پکڑ لیا اور اسے بغور دیکھنے لگے اس نے پلکیں نہ جھپکیں۔۔۔ مایوسی کا شائبہ تک چہرے پر نہ تھا۔ سر کو یہ اعتماد اور سچائی بھائی تھی۔ وہ چند پل خاموش رہ کر دل سے مسکرائے۔

"آپ کو ضرورت محسوس ہو تو آپ کلاس میں کسی سے بھی ہیلپ لے سکتی ہیں۔ اے کم آن کلاس! شجرۃ کو آپ سب کتابیں پڑھنے کے لیے دیں گے؟"

"یس سر! آف کورس سر۔۔۔!" سب یک آواز بولے۔

"اور میں تو ہوں ہی۔۔۔" سر نے چشمہ دوبارہ ناک پر ٹھہرایا۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تھینک یو سر۔۔۔!" وہ خود اعتمادی سے بیٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اے ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔ شجرۃ الد۔۔۔ شجرۃ الدر۔۔۔

پیچھے سے پڑنے والی پکار میں اس کے نام کو درست تلفظ سے لینے کی کوشش نمایاں تھی۔

وہ چونک کر مڑی اور سینے پر ہاتھ لپیٹ کر اسے بغور دیکھا۔ وہ سنان الیاس تھا۔ کلاس فیلو۔ "شجرۃ۔۔۔ الدر۔۔۔ شجرت 'ل' در۔" اس نے اپنا نام توڑ کر ٹھہر ٹھہر کے اس طرح جتایا کہ دوبارہ زیر زبر کی غلطی نہ ہو۔

"او ہاں۔۔۔ سوری تمہارا نام خاصا مشکل ہے۔" وہ بھاگ کر آیا تھا سو سانس بحال کر رہا تھا وہ کچھ نہ بولی۔

"تم میری بکس لے سکتی ہو۔ یہ ڈکشنری اور یہ گرامر بک، یہ اس کا نیو ایڈیشن ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ آگے کردیے تھے، مگر شجرۃ کی آنکھوں میں حیرت آرکی اور پھر سوال۔

"تم ہی کیوں بھئی۔۔۔ سر نے اکیلے تم ہی کو تو نہیں کہا۔ کوئی بھی دے دے اور وہ بھی جب مجھے ضرورت ہوگی۔"

"ہاں، سر نے یہی کہا ہے، مگر جب تین دن پہلے میں یہ بک خرید رہا تھا۔ تب تم بھی دکان میں آئی تھیں۔ تب گرامر بک کی ایک ہی کاپی تھی۔ اس سے پہلے کہ دکاندار تمہیں دے دیتا میں نے تیزی سے پیسے پکڑا کر لے لیا۔ مجھے بس شرمندگی ہی ہو رہی تھی اس لیے۔"

"تمہاری شرمندگی فضول ہے۔ میں صرف یہ معلوم کرنے گئی تھی کہ کتنا کنسیشن مل سکتا ہے مگر۔" اس نے اب تک کتابیں پکڑی نہیں تھیں۔

"تم جو بھی کرنے گئی تھیں مگر۔۔۔ تم انہیں رکھ لو۔ مجھے فی الوقت ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں تمہیں کچھ نہیں پڑھنا۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ "پھر خریدی کیوں تھیں؟"

"پڑھنے ہی کے لیے لی تھیں، مگر آج کل میں کچھ اور پڑھ رہا ہوں۔ یونہی الماری میں پڑی رہیں گی۔ تم دیکھ لو۔ آئی سوئیر میں سچ کہہ رہا ہوں۔ شجرۃ ال۔۔۔"

"اس کے نام پر پھر اٹک گیا تھا جو نظروں کو ایکسرے مشین بنائے جیسے اندر کا سارا بھید جان لینا چاہتی تھی۔

"شجرۃ الدر۔۔۔!" اس نے ٹھنڈا سانس لے کر دوبارہ نام کا صحیح تلفظ ٹھہر ٹھہر کر دہرایا۔ ساتھ ہی ہاتھ آگے بڑھادیا کہ کتابیں دے دے۔

سنان کے چہرے پر طمانیت و مسرت پھیل گئی۔

"کل سنڈے ہے منڈے کو واپس لاؤں گی۔" وہ ورق پھڑپھڑانے لگی تھی۔

"نہیں، نیکسٹ ویک تک رکھ لو۔ کوئی ایشو نہیں۔" وہ ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔ شجرۃ کو اسی لینگویج کلاس میں دیکھا تھا۔ صرف نام سے واقف تھا اور یہ کہ اس کا تمام ہوم ورک کمپلیٹ ہوتا ہے۔ سر کا دیا جانے والا تمام کام وہ جیسے گھول کر پی کے آتی تھی۔ ویسے خاموش، خود میں مگن قطعاً "نوٹس" میں نہ آنے والی لڑکی تھی کہ کلاس میں ایک سے ایک طرح دار لڑکیاں موجود تھیں جو خود کو اجاگر کرنے کے فن سے بخوبی واقف تھیں۔ ایسے میں شجرۃ اپنے کالج یونی فارم ہی میں ہوتی تھی۔ سیاہ بڑے منہ والے جاگرز۔۔۔ صبح گھر سے نکلتے وقت جو چوٹی گوندھتی، وہ تین بجے تک اُجڑ بجڑ جاتی۔ اس کے چہرے پر تکان ثبت ہوتی۔ عام سی شکل و صورت تھی نمکین سی رنگت چمک دار شفاف بے داغ جلد کی وجہ سے گندمی لگتی تھی۔ البتہ آنکھیں بہت خوب صورت تھیں، کالی سیاہ گہری ان میں اداسی بھی تھی سنجیدگی اور ذہانت بھی جو دیکھنے والوں کو متوجہ کرتی تھی لیکن اس کی بے نیازی کسی کو قریب نہیں ہونے دیتی تھی۔

چھٹی سوا ایک بجے ہوتی تھی۔ وہ اس کے بعد کا تقریباً" ڈیڑھ گھنٹہ کالج ہی میں گزار دیتی کہ گھر جا کر دوبارہ آنا فزیکلی تو مشکل تھا ہی مگر فنانشلی ناممکن۔۔۔ وہ سارا دن خوار ہوتی پانچ ساڑھے پانچ بجے گھر پہنچ پاتی۔

ایسی نڈھال، حساب کتاب میں الجھی لڑکی کسی کی نگاہ میں نہیں تھی، کوئی اسے نہیں جانتا تھا، مگر آج چند جملوں نے ساری حقیقت آشکار کردی تھی۔

"دس دن تک کے لیے رکھ لوں؟" شجرۃ کے چہرے پر پہلی بار اچنبھا پھیل گیا۔

"ہاں۔ رکھ لو۔" وہ بے پروائی سے اپنا بیگ کمر پر

سیٹ کر رہا تھا۔

"تو تم کیا کرو گے۔ اتنے دن تک۔ کیا پڑھو گے؟"

"میرے پاس دو تین ڈکشنریز اور بھی ہیں' ضرورت ہوئی تو مانگ لوں گا ویسے بھی میں نے کہا ناں میں آج کل کچھ اور پڑھ رہا ہوں۔"

"کچھ اور... کچھ اور کیا پڑھ رہے ہو؟" وہ حیران ہوئی ایسا کیا کہ اتنی اہم بکس کو سرسری سے لے رہا ہے۔

"میں تو خیر کچھ نہ کچھ پڑھتا ہی رہتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے بغلوں کے پاس بیگ کے فیتے سیٹ کر رہا تھا۔ "لیکن آج کل "نسخہ ہائے وفا" پڑھ رہا ہوں۔ بعض جگہ مشکل لگتا ہے اور بعض جگہ اتنا خوب صورت کہ پڑھ پڑھ کے دل نہیں بھرتا۔ کبھی پوری غزل پر اٹک جاتا ہوں' کبھی مصرع پر اور کبھی صرف ایک لفظ پر بھی... تم نے تو..."

"کیا پڑھ رہے ہو... نسخہ...؟" وہ چونکہ بولتے وقت بھی مسحور کن کیفیت میں گھر گیا تھا اور لہجہ قدرتی تیز تھا' لہٰذا شجرۃ کو اس کے تمام جملے سر سے گزرتے محسوس ہوئے۔

"نسخہ... نسخہ وفا... تم کیا کوئی حکیم ہو... حکمت وغیرہ کرتے ہو؟"

"واٹ...!" وہ بھونچکا رہ گیا۔ ایڑی پر ہلتا لاپروا انداز... وہ اچھلا تھا اور پھر جیسے ساکت ہو گیا تھا۔ جنبش سے بھی قاصر... اور وہ ابھی تک جواب کی منتظر تھی۔

جینز کی پینٹ' جاگرز جیکٹ... بالوں کی تراش بہت جاذب نظر تھی اور وہ اچھا خاصا اول... ہوں... خاصا اسمارٹ تھا۔ ماموں جن حکیم صاحب سے دوا لایا کرتے تھے۔ وہ تو دبلے پتلے تنکے سے تھے ساری کمزوریوں کا علاج ان کے پاس تھا۔ بس اپنے جسم پر پاؤ بھر بوٹی بھی پیدا نہ کر سکے اور ان کے دونوں بیٹے بھی ان کی فوٹو کاپی تھے تو پھر کیسا حکیم تھا اور اپنے پیشے سے اتنا مخلص کہ باقاعدہ کتب بینی کرتا ہے' واؤ...

وہ حیران تھی اور وہ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کے سر پر تربوز اگ آیا ہو۔

☼ ☼ ☼

"میں نے تمہیں دس دن تک کے لیے دی تھیں اور تم آج تیسرے دن ہی واپس لے آئیں۔" اس نے حیرت سے کہا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر کتابیں لے لیں۔

"ہاں تم نے دس دن تک کے لیے دی تھیں۔" اپنا بیگ کرسی کی بیک سے لٹکاتی بیٹھ گئی وہ ابھی ابھی انسٹیٹیوٹ پہنچی تھی۔ سانسیں کسی قدر منتشر تھیں پھر جھک کر جاگرز کے لیس کو کسا۔

"مگر میں ایک الجھن میں گرفتار ہو گئی۔ واپسی کے خیال میں چونکہ دن گنتے تھے کہ تین ہو گئے اور سات رہ گئے تو ارتکاز پیدا نہ ہو سکا... بے چینی سی تھی اور پھر سچ کہوں' لیتے وقت دل کے کس کونے میں خیال تھا' ساری کی ساری فوٹو کاپی کروالوں' مگر وہ کام مشکل تو نہ ہی مہنگا بھی لگا بس اس لیے۔"

"عجیب بات کرتی ہو تم... تم جب دل کرتا واپس کرتیں' میں نے تمہیں کہا تھا ناں۔" وہ عجیب سی منطق سن کر حیران تھا۔

"تمہیں کچھ نہیں کہہ رہی بس بے سکونی سی تھی۔ پھر میں نے اس دن کہا تھا ناں کہ میں افورڈ نہیں کر سکتی' مگر کچھ جوڑ توڑ کیا ہے' میں عام طور پر امی ابا سے پیسے نہیں مانگتی مگر پھر سوچا' پوچھوں تو سہی۔ تو وہ کہنے لگیں' وہ کوشش کر کے عنقریب لے دیں گی۔ بس اسی لیے۔"

"آئی سی..." وہ سمجھ گیا۔ "ایسا کرو تم چندہ کر لو۔ تھوڑے بھائیوں سے مانگ لو... تھوڑے بھابھیوں سے... بہنوں سے بھی اور ہاں ابو سے... میں تو جب بھی فنانشل کرائسز میں گھرتا ہوں' ڈونگے کا کاسہ کر سب کے آگے پہنچ جاتا ہوں اور کہتا ہوں۔ کوئی زور زبردستی نہیں' حسب توفیق عنایت کی جائے' میری شکل پر مت جائیں... میری اوقات مت دیکھیں۔ اپنی اوقات کے حساب سے دیں' ضرورت دو سو کی ہوتی ہے پر جمع ہمیشہ ڈبل ہو جاتے ہیں۔"

وہ بڑے مزے سے گھر کی بات بتا رہا تھا اور شجرۃ کی آنکھیں پھیلی جا رہی تھیں۔ وہ اس کے سنانے کے پارٹ کو وژولائز کر کے دیکھ رہی تھی اور گری انشا...

مکمل ہونے پر مسکرائی اور پھر بہت زور سے ہنس دی۔ اس نے اس کی ہنسی پر اسے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔

"تم شاید مذاق سمجھ رہی ہو۔ یقین کرو میں ایسے ہی کرتا ہوں۔"

"بلکہ..." وہ اس کی جانب رخ موڑ کر بیٹھ گیا۔ "تم بھی ایسے ہی کرنا دنوں میں مالی بحران سے باہر آؤ گی۔" اس نے چٹکی بجائی۔

شجرۃ نے ہنسی روکی۔ آنکھ میں آیا پانی انگلیوں کی پور سے پونچھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ متوقع نگاہوں سے کہ وہ ترکیب کو سراہے اور ہامی بھی بھرے۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔ ہمارے گھر میں صرف جمعرات کو آنے والے فقیروں کو دو دو روپے دیے جاتے ہیں اور دوسرے میرے بھائی بھی نہیں ہیں اور نہ بہنیں... میں اپنی امی کے ساتھ ماموں کے گھر رہتی ہوں اور ان کے زیادہ تر بچے مجھ سے چھوٹے ہیں صرف ایک روپیا لیتے ہیں چیز کھانے کے لیے۔ ابو میرے تب فوت ہو گئے تھے جب میں چھ برس کی تھی۔"

تھوڑی دیر پہلے کا ہنستا تاثرات سے بھرپور چہرہ اچانک سپاٹ ہو گیا۔ وہ اپنی بات کہہ کر جیسے اس کے وجود کو بھی نظر انداز کر گئی۔ پیچھے لٹکتا بیگ آگے کیا۔ نوٹ بکس اور قلم نکال کر بالکل سیدھا بیٹھ گئی۔ نگاہیں بلیک بورڈ پر تھیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے اسے اسٹاپ کہہ رہا ہو۔

"آئی ایم سوری۔" سنان کی آواز دھیمی تھی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا میرے فادر کی بھی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ جب میں نائنتھ کلاس میں تھا مگر میری ماشاء اللہ بڑی فیملی ہے امی ہیں اور بھائی..."

"گڈ آفٹرنون سر...!" ساری کلاس کی کورس میں آواز اور ہیڑ ڈر وہ دونوں بھی چونکے اور تیزی سے کھڑے ہو گئے۔ سر آ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ارے ہیلو... شجرۃ... تل در... ہیلو سنو شجرۃ رکو۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ موسم سرد اور اوپر سے بادل... اسے شام پانچ بجے ہی اندھیرے کا احساس ہو رہا تھا۔ گھر جانے تک تو گہری سیاہ رات پڑ جاتی تھی۔

وہاں لینگویج کلاس میں پکارنا یا بات کرنا اور بات ہے لیکن ایسے سر راہ... اس کے چہرے پر سوال اور ماتھے پر ناگواری کی لکیر ابھر چکی تھی۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک زبردست سلوشن ہے۔ آئی مین میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔ تم میرے ساتھ اولڈ بکس اسٹالز پر چلو۔" لہجے میں ایکسائٹمنٹ انتہا کی تھی۔ عجلت یقین اور خوشی بھی' مگر شجرۃ نے فقط "میرے ساتھ چلو" کو سنا تھا۔ سابقے لاحقے سنے ہی نہیں جیسے۔

اور سنان نے بھی ایک لمحے کے توقف کے بعد جیسے شجرۃ کی سوچ پڑھ لی۔ وہ یک دم چپ ہوا تھا۔ "میرا مطلب ہے تم سیکنڈ ہینڈ بکس خرید لو۔ آدھی قیمت پر۔ نئی نہیں خرید سکتی ہو تو... تمہیں خود خیال کیوں نہ آیا؟"

شجرۃ بدمزہ ہوئی۔

"میں نے پتا کر لیا تھا' مگر سرسید اردو بازار سے صرف کورس سے ریلیٹڈ بکس ملتی ہیں اور..."

"ارے نہیں... پرانی کتابوں والے فٹ پاتھوں سے دنیا کی ہر کتاب ملتی ہے۔ ڈھونڈنے والی آنکھ اور ہاتھ چاہئیں بس..."

"کون سے فٹ پاتھ؟ یہ کہاں ہیں؟"

"شہر میں جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں اور میں سب جانتا ہوں' میں تمہیں لا کر دے سکتا ہوں' بالکل سیم نہ بھی ملی تو تمہارا کام ہو جائے گا بلکہ بعض اوقات توقع سے بڑھ کر اچھی ملتی ہیں۔ سر کی بتائی ہوئی سے بھی اچھی..."

"تو یہ جگہ کہاں ہے۔ نزدیک ترین بتاؤ۔" اسے دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ "میں زیادہ دور نہیں جا سکتی۔"

"او کے۔ تو پھر میرے ساتھ کریم آباد چلو۔ بارہ پندرہ ریڑھیاں تو ادھر بھی ہیں اور مجھے یقین ہے' مزید

کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" شجرۃ نے چند پل سوچا پھر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☼ ☼ ☼

شجرۃ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسے ڈکشنری کتابیں ٹٹولنے کے پندرہویں منٹ میں مل گئی اور لینگویج گائیڈ بک پون گھنٹے میں۔ اسے یہ بھی یاد آگیا کہ کورس کی کتابوں میں ایک ریفرنس بک جو کہیں نہیں ملی تھی اس کے ہی جیسی ایک بک یہاں تھی۔

دن کے دو بجے کا وقت تھا اور دکانیں ابھی کھلی ہی تھیں۔ اس کے پیچھے بازار فیصل تھا اور عین سامنے مینا بازار۔

"حیرت ہے تم یہاں کبھی نہیں آئیں؟" سنان سچ مچ بے یقین تھا۔

"کیوں... تم اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو۔ یہاں آنا کیوں ضروری تھا؟" وہ سوال پر حیران تھی۔

"یار! مجھے تو تم اس دنیا کی لڑکی لگتیں نہیں لڑکیاں تو اتنی شارپ ہوتی ہیں۔ اندر بیوٹی پارلرز ہیں لاتعداد... جنہیں عورتیں ہی چلاتی ہیں۔ مہندی شادی میک اپ فیشن کے تمام کام ہوتے ہیں بلکہ پورے پاکستان میں سب سے کری ایٹو مہندی کی ڈیزائننگ یہیں سے نکلتی ہے۔ پورے ملک میں سپلائی ہوتی ہے مینا بازار کی کون مہندی اور تم کہتی ہو کہ..."

"اچھا!" شجرۃ کا چہرہ یک دم پر سکون ہو گیا۔ "تو یہ وہ مینا بازار ہے جہاں سارے کورسز بھی کروائے جاتے ہیں۔" اسے یاد آگیا۔ "بیوٹیشنز وغیرہ کے۔"

"تم یہاں کبھی نہیں آئیں؟"

"نہیں کبھی نہیں..." اس بار سنان کچھ نہ بولا ۔بس اسے دیکھ کر رہ گیا جو چند منٹ تک سامنے بنی طویل عمارت کے کونوں کھدروں کو کھوجنے کے بعد اب زمین پر بیٹھ کر نیچے پڑی کتابوں کے ڈھیر کو جانچ رہی تھی۔ وہ بھی پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"سنو سنان! جب مردوں کا جانا ممنوع ہے تو تم کو کیسے اتنی معلومات ہیں تم نے کیسے دیکھا۔"

"ارے!" وہ پہلے مسکرایا پھر زور سے ہنس دیا۔

"چار میری بہنیں ہیں' تین بھابھیاں اور ایک امی۔ بچپن میں امی کے ساتھ اندر تک چلا جاتا تھا۔ دس برس پہلے تک۔ اب بہنوں بھابھیوں کے ساتھ آتا ہوں اور احمقوں کی طرح ان کا انتظار کرتا ہوں۔ وہ چار چار گھنٹے بعد برآمد ہوتی ہیں۔ مہندی سے لپی پتی سرخ چہرے۔ اپنی طرف سے اچھی بن کر آتی ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے پٹ کر آتی ہیں۔ سو جے منہ۔ ساری کمائی جھونک دیتی ہیں اپنے میاں کی اور وہ دیکھو اس لڑکی نے کتنی مہندی لگا رکھی ہے۔ میری نمبر دو والی بھابھی کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔"

شجرۃ نے اس کے اشارے پر سامنے دیکھا۔ لڑکی نے شلوار اوپر تک چڑھا رکھی تھی۔ آدھی پنڈلی برہنہ تھی اور بیل بوٹوں سے چھپی ہوئی تھی۔ دونوں کلائیاں کہنی تک مہندی سے بھری ہوئیں۔ دونوں بازو سر سے اوپر تک اٹھا رکھے تھے۔

"ایسے لگتا ہے یہ مدد کی طالب ہے کہ جیسے سیلاب آگیا ہو۔ پائنچے گیلے نہ ہوں تو مقدور بھر چڑھا لیے اور ہاتھ ہوا میں اٹھا دیے۔ ہی ہی ہی۔" وہ ہنس پڑی۔ پھر اس کے ہاتھوں میں کتابوں کا ڈھیر دیکھ کر بولی۔

"ارے ہاں۔ تم نے اتنی دیر میں کیا ڈھونڈا! میں تو کامیاب ہو گئی۔ تمہیں کیا ملا دکھاؤ۔" وہ اس کے کچھ نزدیک سرک آئی تو اس نے ایک کے بعد ایک اپنی کتابیں اس کے آگے بڑھانی شروع کر دیں۔

شجرۃ کے لیے کتابوں کے نام اجنبی تھے اور لکھنے والوں کے بھی۔

یہ بہت پرانی اور کافی حد تک بوسیدہ کتب تھیں مگر سنان بہت خوش نظر آتا تھا۔

"کیا یہ سب تمہارے کورس کی کتابیں ہیں؟" وہ اچنبھے کا شکار تھی۔ یہ سب شاعری تھی۔

"تم ان کتابوں کو لینے آتے ہو ادھر؟"

"صرف ادھر ہی کیوں؟ جہاں سے بھی ملنے کا گمان ہو' سب سے پہلے پہنچنے والا میں ہی ہوتا ہوں۔"

"مگر کیوں؟ کس لیے؟"

"کس لیے کا مطلب؟ اس لیے کہ مجھے شعر و شاعری سے عشق ہے' لفظوں کا کھیل مبہوت کر دیتا ہے مجھے۔ سحر زدہ' ششدر... سکون عطا کرتا ہے۔ کیا تم نے کبھی شاعری نہیں پڑھی۔"

"ہاں بس... یاد کی تھی۔ وہ جب کورس میں ہوتی تھی۔"

"شاعری یاد کرتے ہیں؟" وہ چلایا تھا جیسے۔

"تو کیا نہیں کرتے۔" وہ اس کے ردِ عمل پر حیران ہو گئی۔

"بالکل نہیں کرتے' یہ تو خود بخود دل و دماغ میں اتر جاتی ہے' کون پاگل شعروں کے رٹے لگاتا ہے؟"

"خیر شعروں کے رٹے تو میں نے کبھی نہیں لگائے" اس نے اپنی صفائی دینی شروع کی۔ "مگر میں شاعری کے بارے میں بس اتنا جانتی ہوں کہ اچھی تشریح سے آپ فل مارکس لے سکتے ہیں۔"

اس نے صاف گوئی کی حد کر دی اور حقیقت پسندی کی انتہا۔ سنان کو لگا کسی نے اس کے سر پر زور سے ڈنڈا مار دیا ہو۔

"تمہارے نزدیک شاعری صرف تشریح کے لیے ہے' ایگزام میں فل مارکس کے لیے؟ کبھی کوئی شعر دل میں نہیں کھبا؟"

"نہیں۔" اس نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔

"غالب' جوش' میر تقی میر' درد' سودا' ساغر' ساحر اور اور..." سنان نے رٹو طوطے کی طرح نام دہرانے شروع کیے "ان میں سے کسی کے بارے میں کچھ نہیں سنا؟ کچھ نہیں جانتیں ان کے بارے میں؟"

شجرۃ نے چند لمحے رک کر تمام ناموں کو ذہن میں دہرایا۔

"نہیں۔ ان میں سے کچھ کو جانتی ہوں۔ ہماری اردو کی ٹیکسٹ بک میں ان کی پوئٹری ہے۔ جیسے غالب' ہاں علامہ اقبال کو جانتی ہوں شاعر مشرق اور میر تقی میر۔ اور میر انیس مرثیہ گو' یہ بھی پتا ہے' لیکن؟" وہ رک گئی۔

"میر جعفر اور میر صادق کے بارے میں بھی سنا ہو گا۔ یہ کیسے شاعر تھے؟" سنان کے سر پر لگ چکی تھی۔

"میر جعفر... میر صادق..." شجرۃ نے ہونٹ دبائے' وہ آنکھیں سکیڑ کر سوچنے لگی تھی۔ یہ دونوں تو وہ نہیں جو ٹیپو سلطان کے غدار تھے؟ اس نے ثابت کر دیا تھا۔ اسے شاعری سے دلچسپی نہیں مگر اس کا علم محدود یا چھوٹے دے کر حاصل کیا ہوا نہیں ہے۔

"یہ دونوں غداری کے علاوہ شاعری بھی کرتے تھے؟" اس نے سنان سے پوچھا۔ اب اس سے بڑھ کر کون درست معلومات دیتا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ دونوں شاعر بھی تھے۔" سنان نے سوچا' خود کشی کا آسان فوری طریقہ کیا ہے۔

وہ روڈ پر چت لیٹ جائے؟

سامنے کھمبے کے ننگے تاروں سے لپٹ جائے

یا اونچے اوور ہیڈ برج سے کود کر جان دے دے؟

اس نے شجرۃ کو دیکھا جو ہنوز جواب کی منتظر تھی۔

"اللہ!" اسے خدا یاد آیا۔

☼ ☼ ☼

شجرۃ گھر میں داخل ہوئی تو بہت خوش تھی۔

مگر گھر میں گھستے ہی اس کی مسکان دم توڑ گئی۔ رونے کی آواز بلند تھی مگر ایک سناٹا سب پر طاری تھا۔ حیرت' خوف زدگی اور مختلف اوہام سے پہلے ہی۔ وہ آواز پہچانی اور فقط دو جملے سن کر جو وہ بھی جان گئی۔ اس نے طویل لمبا سانس لیا۔

یہ ہما بھابھی کی آواز تھی۔ بڑے ماموں کی اکلوتی بڑی بہو جو اولاد سے محروم تھیں۔ گھر کی بڑی خواتین خاموش تھیں' بھی کبھار تسلی کا بول بول دیتی تھیں۔ آفاق بھائی بھی ہاتھ میں براون لفافہ لیے بالکل ساکت بیٹھے تھے اور شجرۃ نے ان سب کے چہرے اور پھر لفافے کو دیکھ کر مضمون بھانپ لیا تھا۔

"میں کتنا خوش تھی اور ڈاکٹر کہتی ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ الٹرا ساؤنڈ میں کچھ نہیں ہے۔ مجھے اتنا غصہ آیا۔ میں نے کہا۔ تمہاری مشین خراب ہے اور

تم نکمی ڈاکٹر ہو۔ ہم دوسری ڈاکٹر کے پاس گئے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان رو رہی تھیں۔ "وہ بھی یہی سب بولی۔"

"بہت سارے ٹیسٹ بھی لکھ کر دے دیے ہیں۔" آفاق بھائی نے بھی جملہ جوڑا۔ بھابھی کے رونے میں شدت آگئی۔

"تو چلو۔ اب وہ ٹیسٹ بھی کروالو ناں' جو ڈاکٹر نے کہے ہیں۔ کوئی مسئلہ ہوگا تو علاج شروع کریں گے۔" محسنہ نے کہا۔

"پہلے ٹیسٹ پھر علاج۔ اور وہ بھی کامیاب ہوگا کہ نہیں اور کب تک؟ مجھ سے ایک دن صبر نہیں ہوتا پھوپھو! اور اس بار آپ سب ہی نے کہا کہ 'کچھ ہے' مجھے تو جیسے ڈاکٹر نے پہاڑ سے دھکا دے دیا۔" ہما نے تڑپ کر جواب دیا تھا۔

"بس جب اللہ کا حکم ہوگا۔" مایوسی 'دکھ' بے چینی آفاق کے چہرے پر بھی تھی اور لہجے سے بھی عیاں تھی۔ وہ لفافے کو تخت پر رکھتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔ ایک نظر سب پر ڈالی اور باہر کو نکلے۔ چال سے بھی شکستگی اور تاسف نمایاں ہو رہا تھا۔

"ان کا ٹیسٹ بھی بولا ہے ڈاکٹر نے۔" ہما بھابھی کا لہجہ دھیما ہوگیا۔ کچھ جھجکا ہوا ڈرا سا' تینوں خواتین چونک گئیں۔ اور باہر نکلتے آفاق بھائی بھی تیزی سے گھومے۔

"تو میں نے کب انکار کیا ہے۔ کروالوں گا۔ ٹیسٹ ہی تو ہے۔ پتا تو لگے کہ کیا وجہ ہے؟" ہما بھابھی آنسو پونچھنے لگیں۔ لفافہ سنبھالنے لگیں۔ اسی میں ٹیسٹ لکھا ہوا تھا۔

محسنہ اور دونوں مامیاں ازحد حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں' آدمیوں کے ٹیسٹ کب ہوتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر بھی ناں۔

محسنہ 'ہما بھابھی کو پچکار رہی تھیں۔ آنسو پونچھ رہی تھیں۔ شجرہ کے دل پر غبار سا چھانے لگا اس نے صبح نکلتے وقت محسنہ سے کہا تھا۔ وہ آج کتابیں' ڈھونڈنے کے لیے کہیں جائے گی۔ دعا کریں کامیابی ہو۔ وہ موٹی موٹی کتابیں اٹھا کر گھر لوٹی تھی۔ محسنہ نے اس کا چہرہ دیکھا جو کامیابی کو دکھا رہا تھا۔

لیکن۔

وہ اب تک اندر نہیں آئی تھیں کہ "شجرہ کتابیں مل گئیں۔ پیسے کم تو نہیں پڑے یا بچ گئے ہیں تو لوٹا دو۔ اور آج تم کافی لیٹ آئی ہو۔ کہاں گئی تھیں' کن کے ساتھ گئی تھیں؟"

سب اس پر اعتماد کرتے ہیں یہ خوشی کی بات تھی مگر اس کی فکر نہیں کرتے۔

اس نے کم عمری سے اپنے لیے فیصلے لینے شروع کردیے تھے آٹھویں جماعت میں اس نے اسکول میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کا نام سائنس اسٹوڈنٹ کی فہرست میں سب سے اوپر تھا۔ اس نے گھر آکر محسنہ سے مدد مانگی کہ وہ سمجھ نہیں پارہی کہ وہ سائنس لے یا آرٹس۔ اور محسنہ نے جواب دیا تھا۔

"بھئی۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جو تمہیں ٹھیک لگے۔ اب تم کو ہی معلوم ہوگا ناں کہ تم کیا پڑھ سکتی ہو کیا نہیں" محسنہ اٹھ گئیں۔ گیند اس کے کورٹ میں۔

بہت بچپن ہی سے اسے جو چیزیں مل نہیں پاتی تھیں۔ وہ ان کے پیچھے پڑجاتی تھی۔ چیز سمجھ میں نہیں آئی مگر رٹے لگا لگا کر اسے ازبر ضرور ہوجاتی تھی۔

مضامین چننے کے اس مرحلے میں وہ سب تک گئی۔ آفاق بھائی نے ڈرا دیا۔ سائنس بہت مشکل ہے سیدھا سیدھا آرٹس پڑھو۔ شازیہ' مازیہ نے بھی آرٹس کو آسان قرار دیا۔ ماموں کو دلچسپی نہیں تھی۔ بیوہ بہن کی بیٹی خود پڑھا کو تھی۔

"بیٹا! تم تو خود اتنی قابل ہو' جو کرو گی ٹھیک ہی ہوگا۔ مجھ ان پڑھ کو کیا پتا۔"

شجرہ چپ کر گئی۔ وہ دونوں مضامین کے فائدے اور مستقبل کے راستے بتا تو رہی تھی ناں۔

شجرہ کتابیں جگہ پر رکھ رہی تھی۔ اس نے یونیفارم بدلا۔ ٹھنڈے پانی سے چہرے پر چھپاکے مارے۔

محسنہ کی اس کی جانب سے لاپروائی اسے کھل رہی

تھی۔ وہ کب کہہ رہی تھی کہ وہ اسے گود میں بھر کے بیٹھ جائیں۔ وہ تو بس۔ پتا نہیں۔

☼ ☼ ☼

"نہیں تو کوئی زور زبردستی ہے۔" وہ مصنوعی جھنجلاہٹ سے کہہ رہی تھی۔ "ضرورت ہی کیا ہے؟"

"ضرورت ہے جب ہی تو کہہ رہا ہوں۔" وہ مصر تھا اور پریقین بھی۔ (وہ ہنسی روک رہی تھی۔ اچھی زبردستی ہے بھئی۔)

"قسم سے سنان! میں لے جاؤں گی پڑھ بھی لوں گی۔ تم کہو تو یاد بھی کرکے آجاؤں گی۔ ایک سانس میں سناؤں گی اگر غلطی نکلے ناں۔ ایک ذرا سی بھی تو۔" اس نے چٹکی بنا کر دکھائی۔ "تو جو چاہے سزا دے دینا مگر مجھے شعر سمجھ میں نہیں آتے۔" اس کا لہجہ سچائی کا مظہر تھا۔ ملتجی بھی۔ وہ ہر صورت اسے باز رکھنا چاہتی تھی۔

"تم کو ناں کورس کی ان بور کتابوں سے آگے بھی کچھ پڑھنا چاہیے۔" وہ نئے سرے سے نئے دلائل دینے لگا۔

"تو پڑھتی تو ہوں ناں۔ سارے اخبار ایک ایک لفظ۔ اس نے تیزی سے کہا۔

"وہ اخبار" سنان نے بدمزہ ہو کر کھینچ کر کہا۔ "وہ بور روکھے سوکھے کالمز۔ وہ سیاست و معاشرت کے۔ عرفان صدیقی کی باتیں حسن نثار کے زہر میں بجھے تیر اور گالیاں' ہارون رشید کی پیش گوئیاں نذیر ناجی کی قلابازیاں ان کو تم پڑھنا کہتی ہو۔ مسرت جبین۔" وہ تیز لہجے میں شروع ہوا تھا۔ شجرہ نے فوراً" ٹوکا۔

"اے مسرت جبیں کو کچھ نہ کہنا۔ وہ تو اتنا شاندار لکھتی ہیں اور عطاء الحق قاسمی اور عرفان صدیقی کی تو بات ہی۔"

"تو میں نے کب کہا کہ وہ اچھا نہیں لکھتے مگر تم ان سب کے علاوہ کچھ اور پڑھتیں کیوں نہیں۔" وہ شاید اپنے بال نوچنے والا تھا۔ شجرہ کو مسلسل ہی ہنسی آرہی تھی مگر ہنسنے سے وہ شاید خفا ہوجاتا۔ اس لیے سنجیدگی سے قائل کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ اب ضبط نہ رہا۔ اور ہنسی کی گرفت ڈھیلی کردی۔ قل قل قل۔

"یار! تم پڑھو تو جسٹ ریڈ اینڈ فیل۔" وہ مسحور کیفیت میں گھر گیا۔ اس کے ہاتھ میں نسخہ ہائے وفا تھی۔ "میں تمہیں پہلے کچھ آسان چیزیں سناتا ہوں۔"

سنان کے لیے ہر صفحہ اور ہر سطر خوب صورت اور سحر زدہ کردینے والی تھی۔ مگر اس نے شجرہ کے لیے۔

خدا وہ وقت نہ لائے۔

خدا وہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہو تو
سکون کی نیند تجھے بھی حرام ہوجائے
تیری مسرت پیہم تمام ہوجائے
تیری حیات تجھے تلخ جام ہوجائے
غموں سے۔۔۔

"کیسا؟" بہت خوب صورت لب و لہجے میں جذب کے ساتھ پڑھتا سنان کسی اور ہی جہاں سے بول رہا تھا۔ واپس لوٹا مگر جی بھر کے بدمزہ ہوا۔ دل ٹوٹ گیا۔

شجرہ نے اس کی اس کیفیت کو محسوس کیا تھا اور وہ حیران رہ گئی تھی۔ اسے اس طرح شعر پڑھتے اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اور ایسے میں اس کے لہجے کی خوب صورتی اور آواز کا اتار چڑھاؤ دل موہ لینے والا تھا۔ اسے اس کو سننا بہت اچھا لگا تھا۔ کانوں کو بھلا اور دل میں اترتا سا مگر۔ اس کا سوال۔

"کیسا؟

"بہت اچھا۔ سنان بہت اچھا۔ تم بہت اچھا پڑھتے ہو۔" وہ سچ کہہ رہی تھی۔

"اوہ!" سنان نے سر پر ہاتھ مارا۔ "پڑھنے کو چھوڑو شعر کیسے ہیں؟"

"اوہ شعر اچھے ہیں۔ شعر۔ اچھے۔ اچھے بہت اچھے۔" وہ اس گہرائی میں گئی ہی کب تھی جہاں سے وہ ابھرا تھا۔ اسے تو شاید کنارہ بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ اور یہ سنان نے بھانپ لیا۔

"تم—" وہ اپنی ہتھیلی میں مکا مار کر رہ گیا۔

"نہ— نہیں۔ حماقت ہو۔ اب ایسی بھی بات نہیں۔ شاعر کا انداز دعاگو ہے۔ وہ اپنے محبوب کو کسی بھی مصیبت یا مشکل میں گرفتار نہیں دیکھ سکتا اور۔ دراصل شاعر ان شعر میں۔"

"بس— بس۔ خدا کے لیے چپ کر جاؤ۔" سنان نے ششدر رہ کر سنا تھا اور پھر نجانے ضبط کی کن کن راہوں سے گزر کر بولا تھا (چلایا تھا کہ۔ ارد گرد سے گزرتے کچھ اسٹوڈنٹ چونک کر متوجہ ہوئے تھے)

سنان نے سب کے چونکنے کو محسوس کر کے اپنے ہاتھ صلح جو انداز میں پھیلائے' وہ جیسے خود کو شانت رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔ سانس لے رہا تھا۔ سانس چھوڑ رہا تھا۔

مار دینے کے سو طریقے (یہ کتاب کہاں سے ملے گی؟) نہیں۔

مر جانے کے سو طریقے (اسے ڈھونڈنا ہوگا۔) بس۔

"سوری۔ سوری سنان۔" سنان کا چہرہ دلی جذبات کا ترجمان تھا۔ شجرة نے فوراً" کہا۔ "ایسی بات بھی نہیں۔ مجھے "مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ" کا پتا ہے بلکہ وہ مجھے یاد بھی ہے۔ اور اسے میں سمجھ بھی سکتی ہوں۔"

وہ اپنی صفائی میں تیز تیز بول رہی تھی۔

"یہ بھی تمہیں شاعری کے حوالے سے یاد نہیں ہوگی۔ نور جہاں کی وجہ سے۔ کہ انہوں نے اسے اتنی خوبی سے گایا ہے۔" وہ دانت پیس کر اب کتاب کو بند کر رہا تھا۔ سیاہ جلد پر چاندی رنگ کے الفاظ۔

شجرة کو ایک بار پھر زور سے ہنسی آئی۔ اتنی خفگی؟

"اچھا نور جہاں نے اسے گایا ہے؟ مجھے نہیں پتا؟ میں نے تو۔"

"تو پھر تمہیں کیسے یاد ہوگئی؟" وہ بیگ بند کر رہا تھا۔ ذرا سا رکا۔ شجرة نے ہونٹ کا کونا دانت میں دبایا۔

"سچ بتاؤں؟"

"سچ ہی۔" اس نے تادیبا" انگلی اٹھائی۔

"وہ اردو کی ٹیکسٹ بک میں تھی ناں تو۔"

"او گاڈ۔ گڈ گاڈ۔!" وہ سر پر پیر رکھ کے بھاگنے کو تھا۔

"اچھا اندر مت رکھو۔ مجھے دو۔ قسم سے میں پڑھنے کی کوشش کروں گی۔ نہیں میرا مطلب ہے سمجھنے کی۔ نہ۔ میرا مطلب ہے۔" سنان کے چہرے کے تاثرات بگڑتے دیکھے تو اپنے جملے کی تصحیح کر دی۔

"میرا مطلب ہے انجوائے کرنے کی۔"

☼ ☼ ☼

شجرة نے گھر لوٹتے ہی ٹیوشن والے بچوں کو جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کی۔ وہ ساتھ ساتھ بیٹھی اپنے ہوم ورک کے کچھ صفحات بھی کرتی جا رہی تھی۔ عام طور پر محسنہ اسے کام نہیں کہتی تھیں لیکن کھانے کے برتن اٹھانے جیسا کام بھی اسے آج ناگوار گزر رہا تھا۔ گھر میں کام کاج کے سلسلے میں کوئی لڑائی نہیں تھی۔ بڑے ماموں کی دو بیٹیوں کی جلد شادی کر دی گئی تھی۔ تیسری پڑھنے کی شائق رہی تھی۔ مگر وہ کند ذہن تھی۔ میٹرک میں ایک پیپر رہ جانے کے بعد دل ہی چھوڑ بیٹھی۔ اس سمیت دیگر اہل خانہ سب شجرة کی محنت' شاندار کامیابی کو جانتے تھے' مانتے تھے اور جب جب راستے میں لوگ ماموں کو روک کر سفارش گزارش کرتے کہ اگر شجرة ان کے بچوں کو بھی ایک گھنٹہ دے دے تو ماموں کا سر فخر سے بلند ہو جاتا۔

شہزاد کو مار مار کر پڑھانے کے بعد سے تو وہ چھوٹی مامی کی پسندیدہ ترین ہو چکی تھی۔ شہزاد کے گھونسے' چھتر کھا کر کسی کے پاس دادرسی کے لیے نہیں جاتا تھا کہ ہر در سے ٹھکرایا ہی جاتا۔ اب تو خیر اس نے سمجھوتا کر لیا تھا اور خود سے پڑھنے اور پوچھنے بیٹھ جاتا۔

سو اس وقت برتن دھونے کے نام پر آنے والی شکن چھوٹی مامی سے پوشیدہ نہ رہی۔ سب ہی جانتے تھے' وہ رات گئے تک پڑھتی ہے۔ ٹہل ٹہل کر کبھی اونچی آواز' کبھی مدھم۔

"رہنے دو محسنہ! شجرة سے نہ کہو' سارا دن کھپتی ہے بے چاری۔ میں تازیہ دھو لے گی۔"

اور نازیہ نے قطعاً" برا نہ مانا۔ تابع داری سے سرہلادیا۔

"مامی! چائے کا ایک کپ میرے لیے بھی۔" شجرۃ نے بلا جھجک کہا اور اندر بڑھ گئی۔ مامی نے سرہلادیا تھا۔ کسی کے ماتھے پر شکن نہیں تھی۔

"شہزاد! سوال یاد کیے بغیر مت سونا۔ میں سر پر پانی ڈال دوں گی۔" اس نے اونچی آواز میں کہا تھا۔ شہزاد پھنس جانے پر نظریں چرانے لگا۔ کسی نے بھی نہیں کہا۔ "اب رہنے دو' سوجانے دو۔" اسے اب سوال یاد کرنا ہی تھا۔ سب کے کانوں میں پڑ گیا تھا ناں کہ شجرۃ نے سوال یاد کرنے کو دیا ہے۔

شجرۃ نے سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد بڑی تسلی سے نسخہ ہائے وفا نکال لیا۔

وہ اپنی چارپائی پر تکیے کا سہارا لیے نیم دراز تھی۔ ٹانگوں کی قینچی بنی تھی اور گود میں کتاب دھری تھی۔ وہ ورق پلٹ رہی تھی۔

اشعار پڑھتی تھی۔ غزلیں اور نظمیں۔ کچھ لفظ سمجھ میں آتے تھے اور کچھ نہیں۔ انہیں وہ دوبارہ اور سہ بارہ پڑھتی۔ چار پانچ مرتبہ اسے اٹھ کر لغت سے معنی ڈھونڈنے پڑے۔ مگر اسے یہ کتاب پڑھنی تھی ہر صورت۔

شعروں سے ناواقفیت کے باوجود وہ کچھ چیزوں پر چونکی تھی۔ کچھ بحریں دل کو لگی تھیں' کچھ پر ورق پلٹتا ہاتھ تھما تھا۔

بالیں پہ کہیں رات ڈھل رہی ہے
یا شمع پگھل رہی ہے
پہلو میں کوئی چیز جل رہی ہے
تم ہو کہ میری جاں نکل رہی ہے

سننے کو بھیڑ ہے سرِ محشر لگی ہوئی
تہمت تمہارے عشق کی ہم پر لگی ہوئی
رندوں کے دم سے آتش مے کے بغیر بھی
ہے میکدے میں آگ برابر لگی ہوئی

لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

وہ چونکہ کتاب میں موجود فیض کی یادداشتیں' جیل کے ایام' کچھ دوستوں کے خیال بھی ساتھ ساتھ پڑھ رہی تھی تو پہلی بار سب کچھ جان رہی تھی بعض چیزیں اسے اس تناظر میں بھی سمجھ میں آنے لگیں۔

اپنے انعامِ حسن کے بدلے
ہم تہی دامنوں سے کیا لینا
آج فرقت زدوں پہ لطف کرو
پھر کبھی صبر آزما لینا

ایک بار پوری کتاب ختم کرلینے پر اس نے پایا کہ اسے کتاب میں موجود شاعری سے زیادہ نثر نے متاثر کیا تھا۔ اس نے نثر کو دوبارہ پڑھنے کے لیے خود کو مجبور پایا تھا۔

رات کی آنکھ میں کاجل تھا اور دھیرے دھیرے پھیل رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہر سو سیاہی کی چادر تن گئی۔

☼ ☼ ☼

"تم نے اسے ایک رات میں پڑھ لیا؟" وہ یہ جملہ چیخ کرلینا چاہتا تھا۔ مگر صدماتی حیرت نے گویا آواز کا گلا گھونٹنا شروع کردیا تھا۔

"ہاں!" وہ طمانیت سے چیونگم کا ریپر کھولتے ہوئے بولی۔ "دو مرتبہ۔"

"ک۔ کیا؟" اس کے حلق سے سیٹی سی آواز نکلی۔ "دو مرتبہ؟"

شجرۃ نے منہ میں چیونگم رکھ لی تھی۔ سر زور زور سے ہلا کر اثبات کہا۔ پھر یکدم اسے سنان کے چہرے کے بے یقین شدید صدمے میں گھرے چٹخے چہرے کا دھیان آیا۔

"کیا اور زیادہ پڑھنی تھی۔؟"

"بے وقوف لڑکی!" وہ مقدور بھر ضبط کے باوجود چلایا۔ "فیض کے ایک مصرعے پر گیارہ راتوں تک غور کیا جاسکتا ہے کہ گہرائی سے ابھر نہیں پاتے گیارہ راتوں کے گیارہ سو معنی اور کیفیتیں۔ اور تم نے

ایک۔ رات میں۔ پورا آآآ۔ دیوان پڑھ لیا۔"

"وہ بھی دو مرتبہ" اس کی خاموشی پر شجرۃ نے ٹکڑا لگایا۔ یاد دہانی۔

"ارے میرے اللہ!" وہ سرہاتھوں پر گرا کے بیٹھ گیا تھا۔

"اتنی ڈھیر ساری چیزیں تو مجھے زبانی بھی یاد ہوگئیں۔" وہ اب ذرا گھبرائی۔ سناؤں؟"

"بھاڑ میں جاؤ۔ دو ادھر میری کتاب۔" اس نے جھپٹا مارا۔

شجرۃ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کلاس کی بیل ہوگئی۔ دونوں بھاگے۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ شجرۃ کا دھیان کئی بار لیکچر سے بھٹکا اور نگاہیں ٹیچر سے ہٹ کر سنان الیاس پر گئیں۔ جس کا قلم تیزی سے چل رہا تھا۔ مگر چہرے پر خفگی سی تھی۔ شجرۃ نے سوچا شاید اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہو' وہ سوری کرلے گی۔ مگر چھٹی میں موقع نہیں ملا۔ وہ کچھ لڑکوں کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔

انسٹیٹیوٹ سے پہلے اسٹاپ کی بس میں ڈنڈا پکڑ کر کھڑی وہ سنان ہی کو سوچ رہی تھی پھر اسٹاپ سے گھر تک تین راڈ اور تو گلیاں۔ آج ٹھوکروں پہ چلتا ہمسفر پتھر کئی بار ادھر ادھر لڑھکا۔ وہ عجب غائب دماغی سی کیفیت میں تھی۔ رات بستر میں جانے تک۔

اور آج کی رات کی آنکھوں میں پچھلی رات سے بڑھ کر کاجل کی لکیریں تھیں جو پھیل کر ہر سو حاوی ہورہی تھیں۔ سیاہی حد سے سوا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دے۔ اوپر سے سردی۔ رات کپکپا رہی تھی۔ صبح کے سورج کو سوچ رہی تھی۔ وہ بھی بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ پلکیں ایک دوسرے سے ہم آغوش تو ہوتی تھیں۔ مگر یہ وقتی قربت تھی' کبھی جڑتیں کبھی ٹوٹتیں۔ ایک دوسرے سے مدغم ہو کر سکون نہیں پارہی تھیں۔ شجرۃ کو بھی صبح کے سورج کا بے چینی سے انتظار تھا۔

☼ ☼ ☼

شجرۃ نے سوچا وہ سنان سے سوری کہے گی۔ شاید وہ ہرٹ ہوا تھا یا کچھ بھی۔ آج کالج آف تھا اور وہ گھر سے انسٹی ٹیوٹ کی جانب آئی تھی۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ وہ سول ڈریس میں ہو۔ سبز رنگ کے کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں بالکل نئی نئی لگ رہی تھی۔ آج بال بھی سلیقے سے بنے ہوئے تھے جمے ہوئے۔ جب کالج سے آتی تھی تو وقت سے پہلے موجود ہوتی تھی۔ مگر آج ٹائم کا اندازہ نہ لگاپائی پھر بس بھی دیر سے ملی' سو وہ حد سے زیادہ لیٹ ہوچکی تھی۔ ہانپتے بھاگتے اندر پہنچی تو کلاس خالی تھی۔ اس نے اچنبھے سے گردو پیش کو دیکھا۔ سامنے سے ماسی آرہی تھی۔

"سر کے گھر میں کوئی ایمرجنسی ہوگئی ہے۔ بہت سوں کو تو فون کردیا گیا تھا۔ تمہیں نہیں پتا لگا۔"

"اوہ۔" وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ اس کے گھر فون نہیں تھا۔ وہ باہر نکلی باقی پریڈز ہورہے تھے۔ بیرونی ہال میں آکر وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ ہال کی بیرونی دیوار شیشے کی تھی۔

اسے دور سے سنان الیاس آتا دکھائی دیا اس کے قدموں میں بہت تیزی تھی اسے بھی نہیں پتا تھا کہ کلاس آف ہے۔ دیوار کے دونوں جانب وہ دونوں تیزی سے بڑھے۔ کلاس ڈور اندر اور باہر کھلتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آن رکے۔ دونوں دروازے کو دھکیلنے لگے۔ شجرۃ نے اپنا ایک ہاتھ ہینڈل پر رکھا تھا۔ کہ کھولے تو وہی۔ دوسری جانب سنان کی بھی یہی کوشش تھی۔ وہ ہینڈل پکڑ کر زور لگا رہا تھا۔

سنان نے سوچا اگر وہ ذرا سا ٹھیک دباؤ ڈال دے تو دروازہ جھٹکے سے کھل جائے گا۔ اس صورت میں شجرۃ پیٹھ کے بل بہت زور سے دور جاگرے گی۔

وہ یکدم پیچھے ہٹ گیا۔ جیت شجرۃ کی ہوگئی تھی۔ اس کا چہرہ روشن ہوگیا جگمگانے لگا۔ وہ جو مسکراتی بھی بہت کم تھی۔ پچھلے کچھ دن سے تھوڑا تھوڑا ہنسنے لگی تھی۔ مگر اب کی بار ہال کمرے کے سناٹے میں گونجنے والی اس کی ہنسی خود اس کے لیے حیرانی تھی۔ اسے پہلی بار پتا لگا۔ دل کھول کر ہنسنے سے دل کتنا خوش ہوتا ہے اور پھیپھڑے کتنے تازگی محسوس کرتے ہیں۔ کیسی

تازہ ہوا۔۔۔ تازگی اندر تک بھر جاتی ہے۔
وہ اپنی کتابیں اور بیگ پیٹ سے لگائے ہنستے ہوئے باہر نکلی تھی۔
سنان ہنسا نہیں۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے جیت کا جشن مناتے دیکھ رہا تھا۔
اسے بھی پہلی بار پتا لگا۔ وہ ہنستے ہوئے کتنی نئی نئی اور خوبصورت و دلفریب لگتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"سوری! میں نے شاید تمہیں ہرٹ کیا۔" شجرۃ نے کہا تھا۔
"نو۔ تو سوری شاید میں نے زبردستی تمہیں مائل کرنے کی کوشش کی۔ ہر شخص کی سوچ ہوتی ہے دلچسپی۔ جیسے دنیا میں ہر انسان شاعری نہیں کر سکتا۔ ویسے ہی ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ سوری تو مجھے کرنا چاہیے۔" سنان بھی سوری ہی سوچ کر آیا تھا۔
"نہیں۔ سوری مت کہو۔ میں واقعی شاعری کو سمجھنا چاہوں گی۔"
"شاعری سمجھنے کی چیز نہیں ہے بے وقوف!" وہ اس کی کم علمی پر اب خفا نہیں تھا۔
"او کے۔ میں جاننے کی کوشش کروں گی۔"
"شاعری کوشش کا نام ہی نہیں ہے۔ یہ تو ابہام ہے۔ کیفیت ہے۔ گمان اور ہیجان ہے۔"
"پتا نہیں۔ مگر میری ایک عادت ہے سنان۔ اچھی یا بری۔ پتا نہیں۔ میں ہار نہیں مانتی۔ کسی چیز کے پیچھے پڑ جاؤں ناں تو بس۔ اب اتنی بھی کوڑھ مغز نہیں۔ میں واقعی تمہیں کر کے دکھاؤں گی۔" اس نے اپنی فطری خوبی یا خامی بتائی اور ساتھ دعوا بھی کر دیا۔
"لاؤ۔ مجھے وہ کتاب دو۔"
"وہ تو میں گھر چھوڑ آیا۔"
"اوہ۔"
"ہاں۔ لیکن یہ" وہ اپنے بیگ میں ہاتھ مارنے لگا۔ ہاتھ باہر آیا تو وہ "چاند نگر" تھی۔ "میں نے شاید پہلے تمہیں کچھ مشکل چیز دی تھی۔ آسان تو خیر یہ بھی نہیں مگر یہ دل کو قریب سے چھونے والی شاعری ہے۔ بہت گہری بہت سادہ۔" شجرۃ نے جملے شاید سنے بھی نہیں۔ اس نے یونہی کتاب کھول لی۔

ہم دل کو لیے پردیس پھرے۔ اس جنس کے گاہک مل نہ سکے
اے بنجارو ہم لوگ چلے۔ ہم کو تو خسارہ ہوتا ہے

ہم کسی در پہ ٹھہرے نہ کہیں دستک دی
سینکڑوں در تھے میری جان تیرے در سے پہلے

ہم کسی سمت بھی نکلے ہوں وہیں جا نکلیں
ہم سے بھولی ہے وہ کوچہ جاناں کوئی

بھیگی شاموں میں کھلے صحن میں تنہا تنہا
بے قرار انہ ہی دیکھا ہے خراماں کوئی

اور رات کے اس پہر وہ سیڑھیوں پر تنہا بیٹھی تھی۔ چاند نگر کے اوراق پھڑپھڑا رہے تھے۔ اسے شعر سمجھ میں آتے نہ ہوں یاد ضرور ہو جاتے تھے گھٹنوں پر سر رکھے آنکھیں موندے وہ نیند سے بے حال ہو رہی تھی۔ دروازے کو کھولنے کی کشمکش کا وہ منظر بار بار دھیان کے دریچے پر دستک دیتا تھا۔
چہرے پر مسکان آتی پھر حیرت۔ پھر ہنسی۔ اس نے کبھی ایسے کھیل نہیں کھیلے تھے۔
رات بستر میں نیند اچھی نہیں آئی۔ مگر وہ ایک عجیب سا گڈمڈ خواب بار بار دیکھتی رہی۔ وہ دونوں اطراف کا زور۔ شرارت۔ کوشش۔ نتیجہ۔
اس کی بے تحاشا ہنسی پر مقابل کی مسکراہٹ وہ جیسے اتنے بڑے دل کا تھا کہ اس کی جیت کو بھی منا رہا تھا۔
سب سے عجیب بات یہ تھی۔ خواب کی منظر نگاری میں وہ شیشے کی دیوار کہیں نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز شجرۃ الدر چور نظروں سے سنان الیاس کو دیکھتی رہی۔ وہ سر کے لیکچر کو شعوری کوشش سے سنتی تھی کہ دھیان پلٹ جاتا تھا۔
سر کی والدہ کل شدید بیمار تھیں۔ سر پریشانی میں گھرے تھے۔ وہ زیادہ دیر تک لیکچر نہ دے پائے۔ کتاب بند کر کے کرسی پر براجمان ہو گئے۔ وہ اسٹوڈنٹ سے ان کے فیوچر پلان کے بارے میں پوچھنے لگے۔ ہاتھ سے اشارہ کرتے جاتے اور اپنی باری آنے پر سب اپنے دل کی کہتے۔ سر خاموش تھے۔ ہاں کسی سے کوئی سوال کر لیتے۔
ایک سے ایک حیران کن جوابات۔ ہر شخص کے لیے پڑھائی اس لیے اہم تھی کہ وہ اسے پروفیشن کے طور پر آگے کام لا سکے۔ جتنی اچھی پڑھائی اتنی اچھی کمائی کا فارمولا۔ ایک نے تو حد کر دی۔ انگلش لینگویج میں اس لیے انٹرسٹڈ ہے کہ شادی ہو کر امریکہ جانا ہے سو ابتدائی تعلیم تو حاصل کر کے ہی جائے۔
کلاس کبھی حیرت میں مبتلا ہوتی تھی۔ کبھی رشک میں اور حسد میں۔ ہنس بھی پڑتی تھی۔ سنان الیاس کے جواب نے سب کو حیرت رشک و حسد میں مبتلا کر دیا۔
"سر! میرے لیے پڑھائی ایک اچھے پروفیشن کو حاصل کرنے کی سیڑھی نہیں ہے۔ میرا ایک فیملی بزنس ہے۔ جسے بھائی چلاتے ہیں اور مرحوم والد میرا شیئر رکھ گئے ہیں مگر میں کوئی بھی چیز اس لیے پڑھتا ہوں کہ مجھے پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ میرے نزدیک تعلیم خوب صورتی ہے۔ اسے اپنا کر آپ اپنے اندر جو دل فریب خوبصورتی پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ دنیا کی کسی بھی بیوٹی پروڈکٹ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔"
سر بے ساختہ کھڑے ہو گئے۔ وہ تالی بجا رہے تھے۔ شجرۃ سمیت سب کے سب گنگ ہو گئے جیسے سنان کلاس میں کبھی بہت نہیں بولا تھا۔ مگر آج کے چند جملے اس کی پوری شخصیت اور سوچ کو عیاں کر گئے۔
دوسری جانب شجرۃ الدر کے جواب نے سب کو حیران بھی کیا اور کئی جیسے احمقانہ بات پر ہنسے بھی۔
"سر! میں بی اے بی ایڈ کر کے اسکول ٹیچر بننا چاہتی ہوں۔"
"ہائیں!" ساری کلاس حیران ہو گئی۔ اپنی ذہانت پلس محنت وہ کلاس کو دکھا چکی تھی۔ اس کے سارے کام مکمل ہوتے تھے اور ایک بار کی سمجھائی بات اس نے کبھی دوبارہ نہ پوچھی تھی اور جواب اتنا سادہ اور دو ٹوک۔ حیرت۔ ہنسی اور شریر سا "اوہ۔"
"بس!" سر نے پوچھا۔
"یس سر۔ بس۔" وہ بولی۔
"گریٹ۔" سر نے سراہا۔ وہ کچھ کہنے والے تھے۔
"سر! دراصل لیڈی ٹیچر ہونے کی صورت میں ساٹھ سال کی عمر تک مس پکارا جاتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا آپ اتنی ایج کانشس ہیں۔" یہ کسی کی شریر جملے بازی تھی۔
شجرۃ نے مڑ کر کہنے والے کو دیکھا۔
"دراصل سر! میرے فادر۔ میرے مرحوم فادر اسکول ٹیچر تھے۔ میں بس ان جیسا بننا چاہتی ہوں۔ وہ گورنمنٹ ٹیچر تھے۔ اور بہترین استاد تھے اسپیشلی میتھ سر۔"
سر کے چہرے پر ستائش پھیل گئی۔ وہ بتانے لگے کہ استاد ہونا کتنی بڑی عنایت ہے۔ یہ پیغمبروں کا شعبہ رہا ہے۔
شجرۃ کے چہرے پر تفاخر آمیز مسکراہٹ بڑھتی چلی گئی۔ اسے لگ رہا تھا۔ سر اس کے فادر کی صفات بیان کر رہے ہیں لیکن۔
"مجھے نہیں پتا تھا تم اتنی بڑی کنویں کی مینڈک ہو۔ اور دور کی نگاہ اتنی کمزور ہے؟" سنان نے چھوٹتے ہی اسے لتاڑا تو وہ بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
"تم بھی ان باقیوں کی طرح ٹیچنگ کو انسلٹنگ پروفیشن سمجھتے ہو۔" وہ ششدر رہ گئی تھی۔
"ہاں۔" سنان نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ گھسائے ہوئے استہزائیہ انداز میں گردن پیچھے ڈھلکائی۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ شجرۃ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسے بہت

برا لگا۔ وہ اس کی توہین کر رہا تھا۔ اور اس کے خیال کی اور اس کے والد کی بھی۔ ہاں۔ اس کی فطری درشتی عود کر آئی۔

"سر کے آگے بڑی حسین جملے بازی کر کے آئے ہو۔ خود انٹر سے آگے پڑھ کر نہ دیے۔ ہاں یا پھر شاعری کو تعلیم کہتے ہوں گے۔ انٹر کا نام بھی خود ہی لے لیا ہے۔ ہمیں کیا پتا پاس ہوئے کہ فیل۔ باتوں کے بادشاہ ہو۔ جملوں کا خزانہ ہے۔ دونوں ہاتھوں سے صبح و شام لٹاتے ہو۔ دنیا دریا دلی کی تعریف نہ کرے تو کیا کرے۔"

وہ غصے سے سرخ ہو گئی تھی۔ ادھار رکھنے کی وہ فطرتاً" قائل نہیں تھی۔ اسے لگا" سنان نے اس کے ابا کی بے عزتی کی ہے۔ وہ اس کے اپنی ذات پر بہت سے احسان مانتی تھی۔ مگر ابو کے لیے۔ ہاں وہ تھی احسان فراموش۔

اس کے بھبھو کا چہرے اور سخت تلخ لہجے پر وہ برا نہیں مانا۔ مربیانہ انداز میں مسکرایا اور مسکراتا ہی چلا گیا۔ شجرۃ الدر کو اور زیادہ برا لگا۔

"تم تو بہت غصے والی ہو بھئی۔ دن میں تارے دکھا سکتی ہو اور آئینہ دکھا سکتی ہو اور۔ میرے پاس جملوں کا خزانہ ہے تو تمہارے پاس جملوں کا اسلحہ خانہ۔ منٹوں میں اگلے کے پرخچے اڑا سکتی ہو۔ نیست و نابود کر سکتی ہو۔" وہ خفا نہیں ہوا تھا۔ جھوم گیا تھا۔ جیسے خیام کی رباعی سن لی ہو۔

شجرۃ کا چہرہ ہنوز پتھر تھا۔ وہ شاید آستین چڑھا کر لڑنا چاہتی تھی۔ اس کی خاموشی بھی کھل رہی تھی۔ وہ کچھ بھی کہے تاکہ وہ اسے تاک تاک کر جواب دے سکے۔ اور وہ چہرے کی تحریر کا حرف حرف پڑھ رہا تھا۔ سمجھ رہا تھا۔

"میٹرک میں شروع کے بیس اسٹوڈنٹ میں میرا نام تھا۔ اور انٹر میں اے ون گریڈ۔ آنرز کے لیے یونیورسٹی میں ایڈمیشن بھی ہو گیا تھا۔ مگر شدید خطرناک ایکسیڈنٹ کے باعث تقریباً" ایک سال بیڈ پر رہا۔ اب نیو ایڈمیشنز میں جاؤں گا۔"

وہ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بہت سرسری سا بتا رہا تھا۔ شجرۃ کے چہرے کے تاثرات نہ بدلے۔ وہ بے یقین تھی۔ کیا پتا سچ کہہ رہا تھا کہ جھوٹ۔ وہ اس کے بارے میں جانتی ہی کیا تھا۔ سنان چہرہ شناسی کے فن میں ماہر تھا یا شجرۃ ہی کو پڑھ پاتا تھا۔ وہ یکدم بیگ پر لگا بیگ اتارنے لگا۔ پھر نیچے جھک کر اپنی جینز کے پائنچے مقدور بھر موڑنے کی کوشش کی۔

"یہ ادھر دیکھو۔" اسے پکار کر پھر وہ خود ہی اس طرح آگے آگیا کہ شجرۃ کی نظر پڑ جائے اور شجرۃ۔ بن رہ گئی اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

دونوں پنڈلیوں کا رنگ باقی جلد کی نسبت زیادہ سیاہ تھا۔ ہڈی میں ہلکا سا خم محسوس ہو رہا تھا۔ اور ٹانکوں کے نشان یوں نمایاں تھے۔ جیسے ابھی ابھی لگائے ہوں۔

"تیز رفتار ڈرائیور اپنے حساب سے میری ٹانگیں کچلتا ہوا ہی گزرا تھا۔ یہ تو شاید میری ماں کی دعائیں تھیں کہ میں زندہ بچ گیا اور معذوری سے بھی بچ گیا۔" وہ بہت ٹھنڈے بے تاثر لہجے میں بتا رہا تھا۔

شجرۃ کا ہاتھ ہونٹ پر جا رکا۔ وہ غیر ارادی طور پر نزدیک چلی آئی۔ اس کا چہرہ شرمندگی کے احساس سے چٹخنے لگا تھا۔ سنان کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہ ہوئی۔ وہ پائنچے نیچے کر رہا تھا۔ شجرۃ غیر ارادی طور پر ذرا سا پیچھے سرکی۔

"ہاں۔ یہ نشان رہ گئے ہیں جو وقت کے ساتھ یقیناً" مندمل ہو جائیں گے اور۔" وہ مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کر رہا تھا۔

"اور جہاں تک نقص رہ جانے کی بات ہے تو کوئی بات نہیں۔ یہ معمولی سا لنگ زندگی بھر کی معذوری سے بڑھ کر تو نہیں۔ زندگی سے بڑھ کر تو نہیں۔"

صرف اس کا چہرہ اور آنکھیں متبسم نہیں تھیں۔ اس کا لہجہ بھی تبسم سے بھرپور تھا۔ اور شجرۃ جیسے کسی نے پشت سے وار کر کے بھالا اس کے دل میں اتارا تھا۔ اسے بھل بھل کرتا خون دکھائی نہ دیتا تھا" وہ صرف بھالے کی خون آلود نوک دیکھتی تھی جو چہرے کے عین سامنے دل کے مقام سے نکل کر کھڑی تھی۔

"لنگ کون سا۔ لنگ۔ کس کے۔ کب۔ کہاں؟" وہ الجھتے ڈیلوں کے ساتھ آگے ہو کر اس کی ٹانگوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے تو کوئی لنگ نظر نہ آ رہا تھا۔ کہاں۔

"تم تو یوں ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے تمہیں خبر نہیں۔" وہ ایک بار پھر بیگ پشت پر کسنے لگا تھا۔

"مجھے خبر نہیں تھی۔" اس کے جملے میں ٹوٹ پھوٹ تھی۔ آواز جیسے قبر کی اتھاہ گہرائی سے ابھری ہو۔

"مذاق کر رہی ہو ناں؟" وہ جو لاپروائی سے باہر نکل رہا تھا۔ آنکھیں چندھی کر کے اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں۔ نہیں۔ قسم سے۔" وہ اس کے قریب کھسک آئی۔

خوف اور حیرت میں اب شرم ساری کا عنصر غالب آگیا تھا۔ اور آنکھ سے بہنے لگا تھا۔

"یہی۔ یہی تو۔ تم خود میں اتنی مگن رہتی ہو یا پھر کہاں رہتی ہو شجرۃ۔ تمہیں سامنے پڑی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ تم لاپرواہ ہو۔ یہ تو میں نے مان لیا تھا۔ اندھی ہو۔ یہ مجھے بھی نہیں پتا تھا۔ اب بھی سچ کہہ رہی ہو یا میرا مذاق اڑا رہی ہو؟" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"میں سچ۔" اس نے اپنے ہونٹ کچلے۔ وہ جملہ خود ہی ادھورا چھوڑ کر ڈیسک پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

اتنے عرصے کے ساتھ میں۔ ساتھ ساتھ چل کر بھی وہ چیز نہ دیکھ سکی تھی۔ جو اس کے فقط تین قدم آگے بڑھانے پر اس نے اب دیکھی تھی۔

بہت معمولی سی۔ بے حد غیر معمولی سی لڑکھڑاہٹ۔ جیسے۔ جیسے۔ اسے کوئی تشبیہہ نہ سوجھی۔ اس لڑکھڑاہٹ کا نام نہ تھا۔ مگر وہ تھی۔

"یہی تو تمہارا فالٹ ہے شجرۃ الدر!" اس نے اس کا نام صحیح تلفظ سے ادا کیا۔

"تم اپنی سوچوں میں۔ اپنے آپ میں شاید اتنی محو رہتی ہو کہ ارد گرد دیکھتیں ہی نہیں۔ جو سوچ چکی ہو۔ کہہ چکی ہو۔ اب کاربند ہی رہو گی۔ اور تم ہی ٹھیک ہو اور تمہیں کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ۔" اس نے قصداً" جملے روک دیے حالانکہ وہ بہت سارے تھے۔

"میں ہمیشہ اپنے فیصلے خود کرتی رہی ہوں آج تک تو غلط نہ نکلے۔" اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ یہ خود کلامی تھی۔

"بی اے بی ایڈ میں کوئی برائی نہیں۔ قطعاً" نو نیور۔" وہ دائیں بائیں سر ہلا رہا تھا۔ "اسکول ٹیچر ہونے سے زیادہ اہم بنیاد کوئی نہیں۔ مگر۔ شجرۃ الدر۔ ایم اے ایم ایڈ کیوں نہیں۔ پی ایچ ڈی کے بعد ڈاکٹر کیوں نہیں۔ آب حیات کا ایک گھونٹ ہی کیوں۔ ذہانت و محنت کا ہنر خداداد ہے تم سیرابی کیوں نہیں حاصل کرتیں۔"

یہ سنان الیاس کا نیا روپ تھا۔ بیگ کو پشت پر لادے۔ بغلوں میں فیتوں کو سیٹ کرتا شعر پڑھتا ایک عام سا" بے فکرا نظر آتا نوجوان۔

وہ منہ اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ سن تو چکی ہی تھی۔ وہ اسے اشارہ کر رہا تھا۔ دیر ہو رہی ہے۔ بیگ اٹھائیے اور چلیے اور وہاں نکلنے سے پہلے ذرا اپنی آنکھیں پونچھ لے جو ڈھل رہی تھیں جن میں سرخیاں تھیں۔ کالی سیاہ گہری آنکھیں غم میں پڑ کے وہ اتنی گہری ہو گئی تھیں کہ کوئی ڈوبے تو ہاتھ پاؤں چلانے کی مہلت بھی نہ ملے۔

سنان الیاس کو اپنے دل کی دیوار کی کمزوری بخوبی محسوس ہوئی۔ اس بہاؤ کا مقابلہ کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ اس نے نگاہیں چرائی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"محبت ابر کی صورت۔"

دلوں کی سرزمین پر گھر کے آتی اور برستی ہے۔ چمن کا ذرہ ذرہ جھومتا ہے۔ مسکراتا ہے۔

ازل سے بے نمو مٹی میں سبزہ سر اٹھاتا ہے۔ محبت ان کو آباد اور شاداب کرتی ہے۔

جو دل ہیں قبر کی صورت۔ محبت ابر کی صورت۔

اسے پانچ برس کی عمر ہی میں دھتکارا نہیں گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی۔ جب وہ چھوٹا سا تھا۔ پنگھوڑے

میں حلق پھاڑ پھاڑ کر روتا تھا۔ اور سب اس کے نزدیک آنے سے کتراتے تھے۔ یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ چپ رہے اور بالکل آواز نہ نکالے۔
آواز! نہ تکلیف کی۔ نہ آسودگی کی۔ بس پتا ہی نہ چلے کہ وہ ہے اور وہ اتنا ہی بڑا رونددو تھا۔ خوشی میں بھی روتا' دکھ میں بھی روتا۔ اس کی ماں نے اسے اپنا دودھ نہیں دیا تھا کہ کہیں وہ عادی نہ ہو جائے وہ ڈبے کا دودھ پیتا تھا مگر وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اسے فیڈر ہاتھ میں پکڑایا نہیں جاسکتا تھا۔ گود میں لے کر سینے سے لگا کر پچکارتے ہوئے بہلایا جاتا تھا۔
سب اس کے قریب آنا بھی چاہتے اور دور رہنا بھی۔ اور تو اور جنم دینے والی ماں بھی اسے حیرت سے دیکھتی تھی اس کے پورے وجود کو ناک' ہونٹ' سر' آنکھیں۔ یہ کہاں سے آگیا تھا۔ ایسے کیسے؟ ایسا بھی ہوتا ہے ہو سکتا ہے مگر ہوا کیسے؟
وہ کبھی کسی گم صُم کیفیت میں اس تک آبھی جاتی تو چند لمحوں کے ٹھہراؤ کے بعد وہاں سے بھاگ آتی جیسے بھوت دیکھ آئی ہو۔ چھپ جاتی یا کم از کم چھپ جانے کی خواہش کرتی۔
مگر چھپ جانے سے خطائیں کب چھپتی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اسے بھرے جہان میں ایک آدم نظر نہ آتا۔ کون دعوے دار ہو سکتا ہے کہ اس نے کبھی کسی مقام پر لغزش نہ کھائی؟
"میں گلا گھونٹ کر ماردوں گا اس کو۔ اس کی آواز بند کروادو۔ مجھے نہ نظر آئے اس کی صورت۔"
اس حکم پر عمل درآمد مشکل تھا۔ صورت تو چھپائی جاسکتی تھی چھپالی جاتی مگر آواز۔
"ہم اسے رکھ لیتے ہیں ناں۔" اتنی نفرت کا اظہار کرنے والے کی بیوی نے فرمائش کردی۔
"ہم لوہ چلایا" دماغ خراب ہے ہمارا کیا....."
"نہیں وہ۔ ہمارے ہاں جب اپنی اولاد نہیں ہو سکتی۔ میرا مطلب ہے نہیں ہے تو۔ گھر میں کھلونا سا ہو جائے گا۔ ورنہ کون کسی کو اپنی اولاد دیتا ہے۔ یہ تو پھر اپنا خون۔"
"اپنا نہیں گندا خون۔" وہ بھڑکا۔ میں ایسے ناجائز بچے کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کرسکتا' کجا کہ اسے اپنالوں۔ آخ تھو۔"
"گندا تو نہ کہیں۔ اور ناجائز کیوں؟ وہ تو۔"
"گندا ہی ہے اور ناجائز تو بالکل ہے۔ میں کسی مثال کو نہیں مانوں گا۔ اور تم اپنے دماغ سے اس خناس کو نکال دو کہ۔"
"صرف میں کیوں سب۔ سب یہی چاہتے ہیں' سب ہی کہہ رہے ہیں۔ کہ ہمیں اللہ کی طرف سے موقع مل رہا ہے تو۔ باہر سے کسی اور سے بچہ مانگیں گے تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ۔" اس نے جملے قصداً" روکے "جبکہ یہ تو۔"
"نہ یہ نہ وہ۔ جلد از جلد اس پاں بچے کو کھو کہ اپنا بندوبست کرلیں۔ میں نہیں سن سکتا۔ بے غیرتی کے طعنے۔ مجھے تو سکون ہی تب ملے گا جب میں دنیا کو بتادوں کہ میں نے کیسے ان دونوں کو گھر سے نکال دیا ہے۔"
"دنیا تو باتیں کرتی ہے۔ جو مرضی آئے بکواس۔ دنیا حقیقت سے بھی تو واقف ہے ناں۔"
اس کے پاس ویسے ہی قائل کرنے کو دلیلیں کم تھیں اور پھر جب سننے والا جھڑک دے اور آگ بگولا ہو جائے تو۔ وہ تو کچھ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔
وہ چھپ چھپ کر اس کی غیر موجودگی میں اس سے لاڈ کرتی' چوم لیتی اور جو وہ دیکھ لیتا تو نوچ کر اس سے الگ کردیتا اور جاکر اسے اس کی ماں کی گود میں پٹخ دیتا جو حیرت سے بس چہرہ دیکھتی۔ بچے کو ہاتھ نہ لگاتی وہ اسے یوں تکتی تھی جیسے عجوبہ ہو۔
وہ اسے دھتکارتی نہیں تھی' مگر اپناتی بھی نہیں تھی' وہ تو۔

☆ ☆ ☆

شناختی کارڈ بنوانے سے لے کر بینک سے آفرز کے لیے فارم منگوانے سے لے کر سب سیٹ کروانے تک کے سارے کاموں میں سنان الیاس پیش پیش تھا بلکہ مضامین کے چناؤ میں بھی انٹر کے ایگزامز کے بعد کے

تقریباً" چھ ماہ اس نے گلی کے علاوہ آگے پیچھے کے بچوں کو بھی ٹیوشنز دے دے کر سارے اخراجات اکٹھے کرلیے تھے۔

خاص طور پر جب سے اس نے انگلش سیکھی تھی۔ ماں باپ تو منتیں کرتے ہی۔۔۔ ایلتھ ناینتھ کی لڑکیاں نجانے کہاں سے پوچھ پوچھ کر گھر تک آجاتیں جو بسوں میں جاکر دور دور سے کوچنگ نہیں لے پاتی تھیں۔

شروع میں مامیاں یا محسنہ ہمراہ بیٹھ جاتیں فیس وغیرہ کا مرحلہ طے کرنے کے لیے مگر شجرۃ نے سختی سے منع کردیا۔ وہ آنے والیوں کی احسان مند دکھائی دیتی تھیں اور فیس کم کرنے کی درخواست میں اسے چکنیاں کلٹ کر قائل کرتیں کہ وہ مان جائے جبکہ شجرۃ قصائی بنی ہوتی اسے علم تھا کہ آگے اس کی پڑھائی کس قدر مہنگی ہونے والی ہے۔

"آپ سب لوگ برائے مہربانی مجھے مشورے دینے مت آئیں بلکہ میرے پاس آکر بھی نہ بیٹھیں اور اتنا شکر گزار کیوں ہوتی ہیں۔ شکر گزار ہمیں نہیں انہیں ہونا ہے۔"

وہ فیس کے معاملے میں قطعی تھی اور فیس کی تاریخ پر مزید جلاد۔ دس تاریخ آندھی یا طوفان۔۔۔

فیس طے کرتے ہوئے جب قطعیت سے انکار کرتے ہوئے انگلش میں کچھ جملے کہہ دیتی تو سب کو کوئی فنانس منسٹر، بینکر نظر آتی۔ علم نے اسے عزت اور دولت بخشی تھی۔

اپنے تمام فیصلوں میں وہ اب اتنی بااختیار تھی جیسے کسی بڑے قبیلے کا سردار یا پنچایت کا سردار۔

میں جارہی ہوں۔ آرہی ہوں۔ اب تو دیر سویر کا بتانا چھوڑ چکی تھی اور سب نے پوچھنا ہی چھوڑ رکھا تھا ایسے میں جب محسنہ نے پوچھا۔

"بی اے کے لیے نیا یونی فارم سلوانا ہے۔"

"یونی فارم کی اب مجھے ضرورت ہی نہیں ہے۔"

"نہیں۔۔۔؟" محسنہ کے سان و گمان میں بھی یہ جواب نہ تھا۔

"میں آنرز کرنے کے لیے یونی ورسٹی جارہی ہوں' امی! اور وہاں یونی فارم نہیں ہوتا۔"

"یو۔۔۔ن۔۔۔ی۔۔۔و۔۔۔ر۔۔۔سٹی۔" محسنہ نے یونی ورسٹی کے ٹکڑے کردیے۔

"وہاں کیا۔۔۔ کیا کرنے جانا ہے؟"

"آنرز۔۔۔ آنرز ای! ڈگری کا نام ہے۔" وہ آسان الفاظ جمع کرنے لگی۔

شام تک سارے گھر کو یونی ورسٹی اور آنرز کے معنی و مقاصد اور فوائد ازبر ہوچکے تھے۔ رشک آمیز حیرت۔۔۔ فخر۔۔۔ یعنی کہ یونی ورسٹی۔۔۔

☼ ☼ ☼

بڑے ماموں اور محسنہ نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرکے حیران کردیا۔ ٹھیک ہے' وہ ضرور ایڈمیشن لے مگر وہ دونوں اس کے ہمراہ جاکر ایک بار یونی ورسٹی کو دیکھ تو آئیں اور وہ شانے اچکا کر رہ گئی۔ "کیا جاکر دیکھنا؟" مگر ماموں اور امی دیکھنے آئے تھے اور دیکھ دیکھ کر تھکتے نہیں تھے۔

امی نے اپنا نیا سوٹ زیب تن کیا اور ماموں نے چلتے چلتے واسکٹ بھی چڑھالی تھی۔ نائنتھ کلاس سے بھاگے ماموں اور گھر گرہستی میں جتی امی کے لیے یہ ایک نئی دنیا تھی ایک نیا جہان۔

دی ہ سر ایک انجانے فخر سے بلند تھا۔

ماموں کو اپنے اندر ایک جوانی محسوس ہورہی تھی۔ وہ اپنی عمر کو آنرز کے لیے آئے ان اسٹوڈنٹ کے برابر ہی محسوس کررہے تھے اور اکڑ کر گھومتے ہوئے اس جم غفیر میں خود کو پی ایچ ڈی ڈاکٹر محسوس کررہے تھے یا پھر ایک پروفیسر۔

وہ بار بار شجرۃ کے نزدیک ہوجاتے اور اس کے ڈاکومنٹس کی فائل تو مستقل پکڑ رکھی تھی۔ یہاں ہر طرح کے لڑکے لڑکیاں' والدین موجود تھے جن میں شجرۃ بھی تھی۔ وہ سادہ لباس' سادہ چہرے کے ساتھ

تھی اور سب سے اہم خوبی بااعتمادی اور ایک بے نیازی سی تھی۔ اس پر جیسے گرد و پیش کا اثر تھا ہی نہیں۔ وہ ایڈمیشن کے حوالے سے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف بھاگتی۔ لائن میں لگتی۔

یہیں ماموں اور امی پہلی بار سنان الیاس سے ملے جو بے نیازی' بااعتمادی و بے فکری میں سب سے آگے تھا۔ وہ گرم جوشی سے ملا۔ ذرا سا خمیدہ۔ اس نے ان دونوں کو بے حد عزت دی۔

شجرۃ نے اپنا بیگ اور کچھ فائلز محسنہ کو پکڑا رکھی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔ وہ ہر بار جب بھاگ کر آتی بوتل منہ سے اونچی رکھ کے چند گھونٹ حلق میں ٹپکالیتی۔ کئی بار اس نے بوتل سنان کو بھی دی۔ وہ دونوں مسلسل بول رہے تھے۔ کبھی کسی گروپ میں شامل ہوکر کبھی تنہا ہوکر۔

ماموں کا سر فخر سے بلند تھا۔ آنے والے کئی دنوں تک وہ اپنی ورکشاپ میں بتاتے رہے۔

"اور جب میں یونی ورسٹی گیا' دراصل اس دن میں یونی ورسٹی گیا۔ میری بھانجی ہے نا وہ پڑھتی ہے وہاں۔ لوگ ایسے ہی ماحول کی باتیں کرتے ہیں۔ وہاں تو کسی کو سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ دراصل۔"

☼ ☼ ☼

اپنی نئی زندگی میں وہ بری طرح جُت گئی تھی۔ یہاں پڑھائی بہت وقت مانگ رہی تھی۔ یونی ورسٹی گھر سے اتنی دور تھی کہ فاصلہ سوچتے سوچتے بندہ تھک جائے وہ ڈھائی اور تین بجے تک گھر پہنچ پاتی۔ ایک گھنٹہ کے آرام کے بعد اس کے پاس اب چند اسٹوڈنٹ تھے۔

میٹرک کے لڑکے لڑکیاں۔ گلی کے ننھے لڑکوں کو خود والد بزرگوار دہلیز پر چھوڑ جاتے۔ گھر والے سب حق دق رہ جاتے جب وہ شجرۃ کے آگے چیں بھی نہ بول پاتے اس نے چھوٹے موٹے بچوں کو فارغ کردیا تھا۔ صرف چیدہ میٹرک کے بچے۔ فیس منہ مانگی۔

وہ لباس کا خیال رکھنے لگی تھی اس نے ماں سے کہا تھا' وہ اپنی پڑھائی کے لیے جی جان سے محنت کرتی ہے' مگر رقم کم ہے' وہ اسے ہر ماہ پنشن سے رقم دیں اور فضول کمیٹیوں میں پیسے مت پھنسائیں۔ محسنہ تابع دار ہوچکی تھیں۔ سان گئیں۔

وہ چوٹی بنانے میں وقت صرف کرنے لگی تھی۔ کاجل سے بے نیاز آنکھیں اب اسے ویران لگنے لگی تھیں۔ حالانکہ ان میں دیپ جلنے لگے تھے۔ انہیں سنوارنے کے لیے اس نے کچھ سامان آرائش خرید لیا تھا۔

سنان الیاس سے جان پہچان دوستی میں اور دوستی اس مرحلے میں داخل ہورہی تھی جب خود کو مقابل کی آنکھوں سے دیکھنا اچھا لگتا ہے۔

کتنے دن گزرے' سنان الیاس کو اس کی زندگی میں قدم رکھے ہوئے۔ وہ اس کا مددگار تھا۔ راہ نما سامع اس کی گویائی (اس کے دل کی کہنے والا)

دوستی کے آغاز میں یاد رہتا تھا اب جیسے بھولتا ہی نہیں۔

وہ خیال بد نہیں تھا کہ وہ لاحول پڑھ لیتی۔ وہم بھی نہیں کہ سختی سے سرزنش کردیتی۔ ایک عجب ناقابل فہم سی کیفیت میں گھر کے اسے سوچنا بڑا ہی عجیب تجربہ تھا۔ ایسے میں اسے دیکھنا۔۔۔ ملنا بات کرنا اسے لگتا وہ مشکل میں پڑجاتی ہے۔

وہ اس کے ساتھ ساتھ رہتا' دونوں میں سے جو پہلے آجاتا۔ وہ مخصوص جگہ پر کھڑا رہ کر انتظار کرتا کہ ڈپارٹمنٹ تک اکٹھے ہی جائیں واپسی پر اکٹھے بس میں سوار ہوتے۔

حالات خراب نہ ہوتے تو وہ اس کے ہمراہ اتر جاتا۔ اسے ممکنہ جگہ تک پہنچا دیتا۔ وہ اب کریم آباد کے ٹھیلوں کے علاوہ شہر کے دوسرے ٹھیلوں کی خاک چھاننے بھی جاتے۔ وہ گھر میں اطلاع دے دیتی۔

"دوبکس ڈھونڈنے جارہی ہوں' اتوار کے دن بازار لگتا ہے' سنان ہے ناساتھ۔"

وہ اب بھی شاعری کی کتابیں ڈھونڈتا تھا۔ شجرۃ کو اب تک اشعار سمجھ نہ آتے تھے' مگر اس کا مدہم میٹھا جذب سے بھرپور لہجہ دل میں اترنے لگا تھا۔ وہ بس بولتا رہے وہ بس سنتی رہے۔

زندگی تھی کہ قیامت تھی کہ فرقت تیری
اک اک سانس نے وہ وہ دیے آزار کہ بس

اس سے پہلے بھی محبت کا قرینہ تھا یہی
ایسے بے حال ہوئے ہیں مگر اس بار کہ بس

لوگ کہتے تھے فقط ایک ہی پاگل ہے فراز
ایسے ایسے ہیں محبت میں گرفتار کہ بس

"کیسے لگے؟" وہ ہر بار پوچھتا تھا۔ کھوئی ہوئی شجرۃ چونکتی۔

"م م مجھے بہت اچھے۔"

وہ ذرا سا چہرہ نیچے کرکے اس کی آنکھوں میں جھانکتا' زور سے ہنس دیتا۔

"جب سمجھ میں نہیں آتا تو سنتی کیوں ہو۔ اور گھڑا گھڑایا جواب۔ اچھا بہت اچھا۔"

"محبت سمجھنے کی چیز کب ہے؟" جملہ جیسے پھسل جاتا۔

"ہاں یہ بھی ہے۔" وہ فوراً" قائل ہو جاتا۔

"لیکن۔" اسے دھیان آتا۔ "تم نے محبت کو کب سے سمجھنا شروع کردیا۔"

"پتا نہیں۔" وہ فوراً" مکر جاتی۔ "میں نے تو بس جملہ کہا ہے۔"

"ہاں۔" وہ مان جاتا۔ "تم جملہ ہی کہہ سکتی ہو۔ تمہارا گہرائی سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔"

"تو تم اتنا گہرا غوطہ کھاتے ہی کیوں ہو۔ یہیں ذرا اوپر اوپر کیوں نہیں تیرتے۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟" اس کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

شجرۃ اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔ اس سوال کا جواب سیدھا سیدھا اظہار ہو جاتا۔ لڑکیاں "محسوس" کرنے میں ہمیشہ اولیت رکھتی ہیں' لیکن اظہار میں اولیت ان پر جچتی نہیں۔ شجرۃ نے فوراً" بات پلٹ دی۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم مجھے شعر سناتے رہو' سمجھاتے رہو۔ کبھی نہ کبھی تو۔"

"مجھے لگتا ہے' میں یونی ورسٹی میں پڑھنے نہیں آتا پڑھانے آتا ہوں۔ اردو ایڈوانس کا پروفیسر بن کر۔" وہ جل کر کہتا تھا۔ شجرۃ ہنس دیتی۔

☼ ☼ ☼

"ایک منٹ کا سکون حاصل نہیں ہے! آخر کب ختم ہوگا یہ اسکول۔"

اکتائی۔ تلخ اور غصیلی یہ آواز آفاق بھائی کی تھی۔ دوپٹے کی بکل لپیٹے تختہ سیاہ کو چاک سے سفید کرتی شجرۃ حساب کے سوال کے آخری مرحلے پر تھی۔ وہ رکوع کی سی حالت میں جھکی بالکل نیچے لکھ رہی تھی۔ چونک کر سیدھی کھڑی ہوئی اور آفاق بھائی کو دیکھنے لگی۔ سارے اسٹوڈنٹس کی گردنیں بھی گھوم گئیں۔

شجرۃ کے متوجہ ہو جانے پر انہوں نے سوال دہرایا نہیں کہ تاثرات میں تفصیل سے درج تھا۔ وضاحت کے ساتھ۔ شجرۃ نے گردن موڑ کر باقی اہل خانہ کو دیکھا۔ وہ سب چونکے تھے۔ حیران ہوئے تھے اور ایک بخ بستہ بے بس آہ بھر کے ایک بار پھر اپنے اپنے اعمال میں مگن ہو گئے۔ شجرۃ نے دل میں امنڈ کر آتی ناگواری کو تھپکا اور اسٹوڈنٹ کو ڈپٹا۔

"واپس گھومو تم سب لوگ۔ سوال سمجھ میں آگیا ہے تو اتار لو اور اگر کہیں کنفیوژن ہے تو ابھی کلیئر کروالو۔ آج یہ ایکسر سائز ختم کرنی ہے۔" سب نے کورس میں مگر جیسے زیر لب "یس ٹیچر" کہا۔

اسد کھڑا ہو گیا۔

"سارا سمجھ آگیا ہے بس یہ جب فارمولے کے ساتھ اپلیج کرکے کرتے ہیں تب۔"

وہ کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتے ٹیچر کے بھائی سے خائف ہو کر اٹک اٹک کر بہت آہستہ سے بول رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم میرے پاس آجاؤ۔" شجرۃ نے کہا پلاسٹک کی دو کرسیوں کے بیچ ٹیبل تھی۔ اپنی کاپیاں سنبھالتا اسد کر تا پڑتا کرسی تک آیا۔ باقی سب سوال آتے تھے۔

"ہاں۔ اب بولو۔ کہاں آکر نہیں سمجھ پاتے تم؟"

"اور وہ جو میں نے بکواس کی ہے۔ اس کا کوئی اثر ہے بھی کہ نہیں۔" آفاق بھائی اب مروت کو طاق رکھتے سب کے سر پر پہنچ گئے تھے۔

شجرۃ نے نگاہیں اٹھائیں۔ ان میں غصیلا پن' ناگواری اور اپنے کام سے کام رکھنے کی تنبیہہ بآسانی پڑھی جارہی تھی' مگر جب وہ بولی تو لہجہ' جملہ اور آواز بالکل سادہ تھی۔

"بس چھٹی ہونے ہی والی ہے۔"

"یہ اتنے بڑے شہر میں تم لوگوں کو کوئی اور استانی نہیں مل رہی جو۔"

اسٹوڈنٹ لڑکے منہ اٹھا کر آفاق بھائی کو دیکھنے لگے اور لڑکیاں سر جھکا کر خاموش ہو گئیں۔ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔ بڑے پرسکون ماحول میں ٹیوشن ملتی تھی۔

"کیوں شور کرتا ادھر آگیا ہے آفاق۔ چلو بچو! تم لوگ اپنا کام نبٹاؤ' بخار ہے تمہارے آفاق بھائی کو۔ بس ذرا اس لیے۔" بڑی مامی کہیں اندر سے سب سنتی آئی تھیں۔ کہنے کے ساتھ ساتھ وہ انہیں اندر بھی دھکیلنے لگیں۔

شجرۃ کے چہرے پر غصے نے سرخی پیدا کردی تھی۔ اس نے محسنہ کو گھورا تھا اور چھوٹی مامی کو بھی جن کے چہرے تاسف اور فکر مندی میں گم ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

آنے والے اگلے دن سب کے لیے مشکل بن کر آرہے تھے' مشکل۔ ناقابل حل۔ بے بسی۔ ایک سناٹا در و دیوار سے کائی کی طرح لپٹ گیا تھا۔ سائے کی مانند سر پر تن گیا تھا۔ حیرت آمیز بے بسی کے ہوکے۔ ہما بھابھی کے چہرے پر چھائی خاموشی اور آنکھوں سے جھانکتی دہشت وہ بھی کبھار بے روح نظر آتیں اور آفاق بھائی۔

آفاق بھائی کسی بدروح کی طرح ہر سو منڈلاتے۔ وہ کبھی سر پکڑ کر بیٹھ جاتے۔ کبھی دیوار پر مکا مارتے اور کبھی سامنے آئی کسی بھی شے کو ٹھوکر۔ ایسے میں مامیاں اور محسنہ منہ چھپا چھپا کر آنسو پونچھتیں۔ ہچکیاں روکنے کو کھانستیں۔

وہ انکشاف کا عذاب جھیل رہے تھے اور کسی کو بخشنے پر تیار نہ تھے سب ہی عتاب کا نشانہ' مگر شجرۃ کو لگا کہ وہ ان کی ہٹ لسٹ پر آگئی ہو۔ اس نے محسنہ سے شکایت کی۔ وہ اس کے ہاتھ کو تھپتھپا کر بس خاموشی کی تلقین کردیتیں' مگر شجرۃ کو برداشت کی عادت نہ تھی اسے سوچ لینے کی عادت تھی۔ کہہ دینے کی خواہ خود کلامی ہو' مگر اب اس کے پاس ایک سامع تھا نا۔ بہت کچھ تھا اسے بتانے کو' پوچھنے کو' سمجھنے کو' خود اس کے حوالے سے بھی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں یہ کیوں لگتا ہے کہ جو غم تم پر پڑا ہے' وہ ہی سب سے بڑا ہے؟ دنیا میں ایک سے ایک بڑی باتیں ایسے ایسے دکھ کہ فقط سن کر کلیجہ منہ کو آجائے اور تمہارے آفاق بھائی کے لیے تو پھر یہ بہت بڑی بات ہے۔"

"تو وہ میرا جینا کیوں حرام کررہے ہیں۔"

"یار! ان کی اپنی زندگی حرام ہو چکی ہے۔ کوئی بھی انسان اپنے لیے کبھی کم پر راضی نہیں ہوتا۔ اسے پرفیکشن چاہیے ہوتی ہے' مادی چیزوں کا کہہ رہا ہوں۔ اور اگر بات پھر اپنے ذاتی وقار پر آجائے تو۔"

"تو میرا کیا قصور۔؟" وہ چلائی تھی۔

"قصوروار تو وہ بھی نہیں ہیں شجرة۔!" سنان کا لہجہ زخمی ہو گیا۔ "وہ قصداً" مسکرایا۔

"کسی مرد کے لیے یہ احساس کہ وہ اپنی بے اولادی کا ذمہ دار ہے' سانس کی موت ہے۔ بس یہ ہے کہ اسے دیا نہیں جاسکتا۔" شجرة نے نگاہیں چرائی تھیں' اس نے شدید غصے میں جب بولنا شروع کیا تو سب ہی بول گئی' لیکن اب ذرا ٹھنڈے ہونے پر اسے کسی قدر خجالت نے گھیر لیا تھا۔

"وہ جتنا بھی رد عمل دیں کم ہے۔ ہاں یہ ہے کہ کچھ وقت کے بعد وہ۔ جب تسلیم کرلیں گے تو پھر ہر شے اپنی جگہ پر آجائے گی انہیں وقت دینا ہو گا۔"

"تم اتنی آسانی سے یہ سب کیسے کہہ رہے ہو' بڑے تجربہ کار ہو؟"

"میری بہن ہیں بڑی۔ چھ سال ہو گئے ہیں' وہ ماں نہیں بن پائیں۔ بظاہر کوئی نقص نہیں ہے۔ وہ جس طرح کی زندگی جی رہی ہیں۔ اسے محسوس کرنے ہی میں جتنی اذیت ہے' وہ تم نہیں سمجھ سکوگی۔ تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم ہر چیز کو اپنے حوالے سے دیکھتی ہو۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ اکیلی تم ہی دکھی ہو' مختنی ہو۔ تم ہی مشکل میں ہو' تمہارے ہی مسائل ہیں جبکہ دنیا کا ہر شخص ایک امتحان میں پڑا ہے۔ ہر انسان کی اپنی مصیبت۔ اپنے دکھڑے۔"

دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں کچھ سنجیدہ ہو گیا تلخ ہو گیا۔ شجرة چونکی۔

"کیوں! تمہیں کیا دکھ۔؟"

"کیوں اپنی آپی کی پریشانی میرے دل کو نہیں چیرتی۔ اس پر یہ خیال۔ کہ میں ان کے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔ پریشانی تو کوئی بھی ہوسکتی ہے نا؟ اب یہی دیکھو۔ میری اماں آج کل کتنی پریشان ہیں۔" وہ ہنس پڑا۔

"اماں پریشان ہیں اور تم ہنس کر تا رہے ہو۔" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ "انہیں کیا پریشانی ہے خیریت؟"

"ان کی پریشانی۔" سنان ہنستے ہوئے آسمان کو دیکھنے لگا۔ "تم بھی ہنس دو گی' میں نے کہا نا' ہر شخص کے لیے اس کا دکھ سب سے بڑا۔ اپنی آنکھ کا تنکا شہتیر ہی ہوتا ہے۔"

"تم بتاؤ تو۔ عجیب آدمی ہو۔ ماں کی پریشانی کا ذکر کرتے ہو اور دل کھول کر ہنستے ہو۔ پاگل ہو۔"

"میں نو بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں۔ امی اتنی بوڑھی ہیں جیسے میری دادی ہوں۔ انہیں آج کل بس یہ فکر ہے کہ مجھے کون بیاہے گا۔ ہاہا!"

"لڑکے' بیاہ کرلاتے ہیں۔ اپنی گرامر درست کرو اور تم میں کیا برائی ہے جو وہ ابھی سے فکر مند ہو رہی ہیں۔" شجرة نے اندر کی آنکھ کھول کر اسے دیکھا' ویسے وہ باہر کی آنکھ کو بھی پیارا لگتا تھا۔

سنان نے تاسف سے نفی میں گردن ہلائی پھر اپنی لنگ والی ٹانگ سامنے سیدھی کردی۔

"تمہیں سامنے کی چیز نظر نہیں آتی۔ تم گہری باتیں کیسے سمجھ سکو گی؟"

"یہ۔!" وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ لنگ کہتے کہتے رکی۔ یہ سچ تھا۔ وہ قطعاً" نمایاں ہونے والی چیز نہیں تھا مگر۔

"یہ تو نظر ہی نہیں آتا۔ پتا ہی نہیں لگتا؟ اور۔ تم۔"

"تم کمال ہو شجرة الدر۔ یہ اتنا نظر آتا ہے کہ اس کے سامنے میں نظر نہیں آتا۔"

"کس کو۔؟"

"ان سب کو جو پہلے مجھے دیکھتی تھیں۔"

"دیکھتی تھیں؟"

"ہاں۔ میری کزنز اور ان کی امیاں اور باجیاں۔" وہ مزے سے بول رہا تھا۔

"اور اب وہ تمہیں نہیں دیکھتیں؟"

سنان نے جواب نہیں دیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے کنکر اٹھا کر دور مارنے لگا تھا۔

"میں تمہیں دیکھتی ہوں سنان۔" وہ شاید تسلی دے رہی تھی۔

"جانتا ہوں۔ تم دیکھتی ہو۔ مگر صرف چہرہ۔ تم پورا

جائزہ لینے کی عادی جو نہیں ہو۔"

اس نے ایک جملے میں شجرة الدر کی پوری شخصیت کو واضح کردیا تھا۔ شجرة کے پاس ایک فوری خوب صورت جواب تیار ہوا مگر اس نے لب بھینچ کر جیسے اپنی خامی کو مانا۔

اس کا خراب موڈ بحال ہو چکا تھا۔ وہ آفاق بھائی کی کیفیت اور دکھ کو جیسے سمجھنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

آفاق بھائی غم و اندوہ کے اندھیروں میں ڈوب گئے تھے۔ خاموش' متفکر' بے چین یا پھر چیختے ہوئے' ٹھوکریں مارتے ہوئے' بات بے بات کاٹ کھانے کو دوڑتے۔

مغلظات بکتے تھے۔

ان کا عتاب ہر ایک کے لیے تھا۔

بلاوجہ ہما بھابھی کو پیٹ ڈالا جو منہ پھیر کر آنسو چھپا رہی تھیں۔

ورک شاپ میں کسٹمرز سے الجھے اور بڑا ہتھوڑا ہاتھ میں اٹھالیا۔ (سر پھاڑنے کے لیے) غازیہ مازیہ میکے آگئیں۔

"میرا تماشا دیکھنے آئی ہو؟ اچھا اپنے بچے دکھانے لائی ہو۔"

"نہیں بھائی۔" وہ دونوں سکتے میں آگئیں۔

آفاق کوئی گھٹیا فلمی ولن۔ میکر تو تھے نہیں کہ اپنی ڈاکٹری رپورٹ چھپالیتے جو ڈاکٹر نے کہا۔ وہ سان و گمان میں بھی نہ تھا جب موت کی سی حالت میں گھر پہنچے تو ماں کے استفسار پر بولتے چلے گئے سب کچھ۔

اب سوچ رہے تھے۔ "سب اچھا" کی رپورٹ دے دیتے۔ کون رپورٹ کو انویسٹی گیٹ کرنے جاتا سب صبر شکر کرکے بیٹھ جاتے۔ وہ ماں باپ کو اعتماد لے کر کہہ سن لیتے' مگر اس صدماتی جذباتی لہجے میں وہ سب کے سامنے سب کچھ بول گئے۔

ایک نارسائی کا دکھ۔ دوسرے سب کے باعلم ہونے کی پریشانی' سب کے دشمن ہو گئے مگر شجرة الدر کے ساتھ تو۔

انہوں نے گھر کی کلاس کو نشانہ بنایا۔ "اتنے بڑے بڑے جوان جہان گھوڑے لڑکے (میٹرک اور نائنتھ) وندناتے گھر میں گھس آتے ہیں' کوئی شرم حیا ہے کہ نہیں۔"

شجرة بلیک بورڈ پر جھکی ہوئی تھی۔ پیچھے دو لڑکے آپس میں کچھ سرگوشی کررہے تھے۔ کوئی شرارت۔ ایسے ہی۔ آفاق نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ایک دھاڑ لگائی اور پھر انہیں جس طرح پیٹنا شروع کیا۔ اللہ دے اور بندہ لے۔

ایک ہنگامہ۔ افسوس' شرمندگی' جھگڑا' بے عزتی اور بے روزگاری۔ شجرة کے لیے سراسر نقصان' اس کا تو بیڑا غرق ہو جاتا۔

وہ چیخ چیخ کر سب کے سامنے اپنی صفائی اور ان کی زیادتی بتارہی تھی۔

"اس طرح کے بی ہیویر سے کون آئے گا پھر ادھر۔"

"تو آئے ہی کیوں؟" آفاق اکڑے کھڑے تھے۔

"میرا روزگار ہے یہ۔ میرا ہنر۔ میں خود کو افورڈ کرتی ہوں اس سے۔ گل چھرے۔ ضرورت ہے میری یہ آمدنی۔" سب اس کے بیان کی تائید کررہے تھے۔ (دل میں)

"ہاں گل چھرے اڑانے کو وہ لڑکا ہے جس کے ساتھ دن کے آٹھ نو گھنٹے گزارتی ہو۔"

"آٹھ نو گھنٹے؟ میں یونی ورسٹی جاتی ہوں۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔ "پڑھنے کے لیے۔"

"ہا۔ پڑ۔ ھن۔ نے۔؟" آفاق کا انداز استہزائیہ تھا۔

"پڑھائی کلاس میں ہوتی ہے' جانتا ہوں۔ پھر کینٹین میں اور پارک میں اور لمبے رستے میں ٹہلتے ہوئے پھر ایک ہی بس۔ وہ اکثر ساتھ چھوڑنے آجاتا ہے۔ راستے میں کون سا لیکچر چل رہا ہوتا ہے۔ یہاں گھر میں تو ایسے چپ رہتی ہے جیسے منہ میں زبان ہی نہیں اور اس کے ساتھ کیسے فر فر زبان چلتی ہے۔"

"جب کلاس ایک ہے' مضامین ایک ہیں۔ راستہ ایک ہے۔ بس کا روٹ ایک ہے تو ساتھ تو رہے گا نا۔" اس نے جیسے منہ توڑ جواب دیا تھا۔

"ہا۔!" وہ منہ کھول کر ہنسے۔ "ہمدانی صاحب کی دو بیٹیاں یونی ورسٹی جاتی ہیں ان کو تو کبھی ہم سفر نہ بنایا۔"

شجرۃ نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر بھینچ لیے۔

ہمدانی صاحب ناظم کا الیکشن لڑ چکے تھے۔ ہار گئے تھے' مگر رہتے یوں تھے جیسے ایم این اے ہوں۔ یہی پُرغرور رویہ بیٹیوں کا تھا۔ ڈان بن کر رہتیں۔ شجرۃ کا گزارہ کیسے ہو سکتا تھا ان کی طرح مگر اب یہ کیسے بتایا اور سمجھایا جائے۔

"ایک پلیٹ میں بریانی لی جاتی ہے اور پونے گھنٹے میں ختم ہوتی ہے۔ چھٹانک بھر کی وہ پلیٹ۔ باتیں جو ختم نہیں ہوتیں۔"

شجرۃ بری طرح چونکی وہ اب بھی پر اٹھالے کر جاتی تھی مگر کل کل پیریڈ کی ہڑبونگ میں جب وہ بھائی تو لنچ کا اخبار میں رول پر اٹھا نجانے کہاں رہ گیا بھوک نے پاگل کر دیا تب ہی اس نے بجٹ پر لعنت بھیجتے ہوئے مگر۔۔۔

"آفاق بھائی کو کون دے رہا ہے ایسی خبریں؟" اس کے سر پر ڈنڈا سا برسا۔

آفاق بڑی جتاتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

جب ہم خود دکھ میں پڑتے ہیں تو دل چاہتا ہے' ہر ایک دکھی ہی نظر آئے ہنستے چہرے زہر لگنے لگتے ہیں۔

جب ہم اپنا اعتماد کھو دیں تو دوسروں کی خود اعتمادی تازیانہ بن کر لگتی ہے۔

شجرۃ کی مضبوط شخصیت اور اعتماد سب سے زیادہ کھلنے لگا تھا۔

اسے ذرا برابر بھی پروا نہیں کہ وہ کس مصیبت میں پڑے ہیں۔

سراسر بے وقوفی۔ احمقانہ خیال اور بے شرم سا شکوہ۔

مگر وہی نا کہ اس کی لگن پھلتی پھولتی بھائی کی راہ پر گامزن زندگی سے یونہی حسد ہونے لگا عنا پال لیا۔

پھر یہ بھی تھا کہ سب چپ ہو کر سن رہے تھے جبکہ شجرۃ الدر آگے سے تابڑ توڑ جواب دیتی' سانس تک نہ لیتی' سوچ بچار تو لمبی کہانی رہی۔

نتیجہ۔۔۔

آفاق بھائی نے ٹیوشن والے لڑکوں کو دروازے پر جا لیا اندر گھستوں کو سینے پر پنجہ دھر کے پیچھے دھکیلا۔ منہ سے کچھ نہ بولے۔ چٹکی بجائی بھرکٹی اور سخت قطعیت سے بھرپور تاثرات کے ساتھ واپسی کا اشارہ کیا۔

"ختم ٹیوشن۔ کہیں اور بندوبست کرو۔"

لڑکوں سے کچھ نہ کہا۔ وہ خود ہی گھبرا گئیں۔

اس دن پڑھائی نہ کی جا سکی۔

☼ ☼ ☼

"لیکن ہم کسے تلاش کر رہے ہیں۔" سنان اس کے پیچھے لپکتے ہوئے چلایا تھا۔ "اور کیوں؟"

"بس تم ساتھ چلو۔" وہ مڑے بغیر عجلت سے بولی۔

"اتنا مشکل کام بھی نہیں۔ شجرۃ کی ذہانت کو کون پہنچ سکتا ہے۔" اگلا جملہ حسب عادت خود کلامی تھا۔ سنان نے شانے اچکائے۔

شجرۃ گھر سے سارا حساب کتاب لگا کر نکلی تھی۔ سو اسے الجھنے کا ڈر نہیں تھا چونکہ اس کے ذہن میں ٹارگٹ کلیئر تھا' لہٰذا وہ سیدھے پولیس موبائل تک گئی۔ یونی ورسٹی میں کسی بھی قسم کی بدامنی' دنگا فساد نہ پیدا ہو۔ اس مقصد کے لیے جگہ جگہ پولیس اور رینجرز کی چوکیاں قائم تھیں۔ شجرۃ کا مقصد اسی موبائل میں کسی کی تلاش تھی یا پھر وہ چوکی جو کینٹین کے نزدیک ہو۔

اسے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ وہ تلاش کے لیے پرجوش تو تھی' مگر ہوش میں بھی تھی۔ اس نے خود کو مخفی رکھا تھا۔

یک دم اس کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ سنان ٹھٹھک کر رک جانے پر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"بندوق اس کے ہاتھ میں ہے۔ تانے کھڑا ہے الرٹ میرے وطن کا بانکا سپاہی اور مار دینے کے عزائم تمہاری آنکھوں میں؟ یہ کیا کہانی ہے خاتون۔"

سنان نے شوخ لہجے میں پوچھا۔ شجرۃ سپاہی پرویز خان کو گھور رہی تھی۔ کھا جانے والی نگاہوں سے۔ غصیلے تاثرات اتنے کڑے سے کڑے ہوتے جا رہے تھے کہ کسی پل وہ آگے بڑھے اور وہی گن جسے تھامے وہ کھڑا ہے اسی پر خالی کر دے۔

"کیا ہوا شجرۃ۔ کیا بات ہے؟" سنان نے سنجیدگی سے کہا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ آؤ چلیں۔"

"لیکن ہم یہاں آئے ہی کیوں تھے' کرنا کیا تھا؟"

"جس لیے آئے تھے' وہ کر کے ہی جا رہے ہیں۔"

شجرۃ کا لہجہ ٹھنڈا انکار تھا۔

☼ ☼ ☼

شجرۃ نے گھر آ کر ہنگامہ کر دیا۔

"وہ پرویز خان۔ آفاق بھائی کا بچپن کا دوست' ایک سال سے وہاں تعینات۔ پہلے تو کچھ نہ بولا۔ آفاق بھائی میری مخبری کروانے لگے ہیں اس سے۔۔۔" وہ آگ بگولا ہو رہی تھی۔ "پہلے میرے رزق روزی پر لات مارنے کی کوشش کی۔ بچوں کو ڈرا کر بھگا دیا' اللہ جانتا ہے۔ کس مشکل سے وہ دوبارہ آئے ہیں۔ پہلے میرا ہاتھ اوپر تھا اب وہ مجھ پر احسان جتا کر آ رہے ہیں' میں نے آج تک کسی کی بات نہیں سنی اور اب؟"

اس نے جھرجھری سی لی۔

"اور کل تو حد ہو گئی۔ وہیں نمبر پر کھڑے تھے مجھے واچ کر رہے تھے کہ کیسے آتی ہوں۔ جیسے روز آتی ہوں ویسے ہی آئی ہوں۔ سنان ساتھ ہی تھا۔ وہ آگے بفرزون کی جانب جاتا ہے۔ میں اتر جاتی ہوں۔ یہ بات سب جانتے ہیں۔ آپ بھی جانتی ہیں۔"

"میں ملی ہوں شجرۃ۔ اس لڑکے سنان سے' بہت اچھا ہے۔ وہ کسی اچھے گھر سے ہے۔ تمیزدار بھی ہے اور تم نے بتایا بہت لائق بھی۔ ہم جماعت ہے تو ملنا جلنا تو رہے گا۔ کوئی قباحت نہیں' لیکن ذرا کم کرو۔ بھائی کو اچھا نہیں لگتا تو۔"

"امی! میرے اچھے برے میں کوئی نہیں ہے' میں خود ذمہ دار ہوں۔ کسی کو کیا تکلیف۔ میں اب بچی نہیں ہوں۔"

"ہاں!" محسنہ نے سانس بھری۔ "یہی تو کہہ رہے ہیں اب تم بچی نہیں ہو۔"

"اس بات کا کیا مطلب؟ خیر آپ سمجھا لیں ان کو۔ میں اپنی زندگی کے معاملات میں آزاد ہوں۔" وہ چلائی۔

مگر آنے والے کچھ دنوں میں بڑے اور چھوٹے دونوں ماموں بھی آفاق بھائی کے ہم خیال ہو گئے۔ اشفاق نے بھی دونوں کو پیدل آتے دیکھا اسے بھی بہت برا لگا۔

ذرا سی بات بڑھ کر داستان بن رہی تھی۔ بیوگی اور یتیمی کے سفر میں ایسا مشکل موڑ پہلے تو کبھی نہ آیا تھا۔ سہل' پُرسکون' خراماں خراماں زندگی۔

سب ایک جانب۔ شجرۃ ایک جانب۔ درمیان میں محسنہ۔

اب جیسے اپنی ساری توانائی اس چھوٹی سی لڑکی کو پچھاڑنے میں لگانے لگے۔

ہنگامہ۔ فیصلہ۔ شور۔ احسان۔۔۔ سے احسان فراموش تک کا طعنہ۔ محسنہ کی جان مصیبت میں۔ آفاق غلط بھی نہیں تھے۔

"تو۔۔۔ تو مان کیوں نہیں جاتی شجرۃ۔۔۔ بحث کیسی؟"

"نہیں مان سکتی امی۔۔۔ نہیں چھوڑ سکتی اس سے ملنا۔۔۔ وہ میرا سامع ہے' میرا راز داں۔ میرا راستہ۔۔۔ وہ میرے بارے میں وہ سب جانتا ہے جو آپ بھی نہیں جانتی ہیں۔ میں بھی نہیں جانتی ہوں۔ میں اس کے اندر اپنے سارے رشتے دیکھتی ہوں۔ وہ کبھی "آپ" بن جاتا ہے۔ کبھی "بہن" بن جاتا ہے کبھی بھائی۔۔۔ نیچر تو وہ جو ماہی ہے۔ حیرت سے کیوں دیکھ رہی ہیں۔ کبھی کبھار تو وہ مجھے "ابو لگنے لگتا" ہے۔ دوست کہوں

گی تو اس رشتے کی مرد و عورت کے بیچ جگہ نہیں ہوتی۔ اس کے میرے بیچ کوئی "رشتہ" نہیں ہے "مگر امی! جو سب ابھی میں نے بتائے' وہ کیا رشتے نہیں ہیں؟"

اس کے جملوں میں ساری یتیمی' تنہائی' نارسائی کی داستان سمٹ آئی۔

"بالکل نہیں ہیں۔ ان سب کو فقط جذباتی باتیں کہا جائے گا۔ ان رشتوں کو نہ اللہ مانتا ہے نہ اس کی کتاب میں ان رشتوں کے اصول و ضوابط لکھے ہیں اور رہی دنیا... اللہ اور اس کی کتاب کی جواب دہی آخرت میں ہوگی۔ دنیا میں جیسا مرضی کھل کھیلو مگر دنیا۔ یہ ہمارے اردگرد کے لوگ...

یہ ہر روز کی بنیاد پر سوال نامہ ترتیب دیتے ہیں بلکہ ہر منٹ پلکوں کی جنبش اور سانسوں کی رفتار پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ انہیں روز کی بنیاد پر جواب دینے ہوتے ہیں۔ اس پر کمال یہ کہ گھری گھما پھرا کی گئی باتیں تو سمجھتے ہی نہیں۔ سیدھا اور صاف جواب چاہتے ہیں تم ان رشتوں کی کوئی وضاحت ان کو نہ دے سکو گی۔ دنیا سے ڈر کر چلنا پڑتا ہے بلکہ دنیا کے بتائے دکھائے طے شدہ راستے پر ہی چلنا ہوتا ہے تم..."

"میں نے نہیں ماننی کسی دنیا کو اور دنیا کی باتوں کو۔ میری اپنی دنیا اپنی زندگی ہے۔ جس کو میں اپنی مرضی سے جیتی ہوں۔ دنیا کون ہوتی ہے سوال کرنے والی۔" شجرہ نے بات کاٹ کر درشتی سے کہا تھا اسے جھٹکے لگ گئے تھے مگر ساتھ ہی وہ محسنہ کے جملوں کی سادگی مگر گہرائی سے حیران بھی ہوئی تھی۔ وہ جو بہت کم پڑھی لکھی تھیں اور ہمہ وقت نمک مرچ میں جتی رہتی تھیں ایسی مدلل گفتگو بھی کر سکتی ہیں؟

شجرہ بے وقوف تھی۔ اسے خبر نہیں تھی۔ محسنہ کو عام حالات میں اس موضوع پر بولنے کے لیے کھڑا کیا جاتا تو وہ جھینپ کر معذرت کرتیں۔ وہ کیا کہیں؟

مگر اس وقت وہ "ماں" تھیں جو بیٹیوں کی عزت و مرتبہ کی حفاظت کے لیے ہر میدان مارنا جانتی ہے' خواہ ہاتھ سے مارنا ہو یا زبان سے۔

شجرہ کو پتا نہیں تھا۔ ایسی صورت حال میں مائیں پڑھی پڑھائی ہوتی ہیں' کیوں نہیں مانتیں دنیا... دنیا ہی سب کچھ ہے۔ "دنیا کے سامنے" جتنی صحیح زندگی گزاری ہوگی۔ آخرت کا سوال نامہ اتنا ہی ہلکا ہوگا۔

کیوں پہنتی ہو لباس... استری کرکے سلیقے سے۔ بچے کیوں نہیں باندھ لیتیں۔ جسم ہی تو ڈھانپنا ہے نا۔ دنیا کے ڈر سے سوچو' پتے باندھ کر نکلیں تو۔" محسنہ نے قصداً" جملہ ادھورا چھوڑا۔

"سالن کٹوری میں کیوں لیتی ہو۔ ہاتھ میں ڈلوا لیا کرو۔ مگر نہیں "کٹوری" طریقہ ہے۔ سلیقہ ہے۔ علم اور عقل۔ کٹوری دنیا ہے۔

کیسے کہہ دیا کہ دنیا کی پروا نہیں ہے؟ دنیا سب کچھ ہے۔ اس کے طے کیے راستے پر ہی چلنا پڑتا ہے۔

آج لوگ بے خبر ہیں۔ کل کو جب باعلم ہوں گے تب سب باتیں کریں گے۔ تم کیسے وضاحت دو گی۔"

محسنہ کے جملے سوشیالوجی کی کسی کتاب میں کوٹیشن کے طور پر درج کیے جانے کے لائق تھے۔ شجرہ منہ کھول کر ماں کو دیکھ رہی تھی۔

سامنے بولتی عورت محسنہ نہیں تھیں۔ وہ ایک "ماں تھی" جو اپنی بیٹی کو وہ سبق پڑھا رہی تھیں جو کسی کتاب کے نصاب کا حصہ نہیں ہوتا۔ شجرہ کی بولتی بند ہو گئی تھی۔

"رشتہ کیا بہت ضروری ہے امی؟" اس کا لہجہ ٹوٹ گیا۔

"ہاں!" محسنہ نے کہا۔

"رشتہ بہت ضروری ہوتا ہے۔ شجرہ! سیدھی سادی زندگی کو کیوں مشکل بنا رہی ہے بچی! آج فقط آفاق چلایا ہے' اس کی وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ انداز اور طریقہ غلط ہے' مگر بات غلط نہیں ہے۔ کل کو کوئی انہیں روک کر کہہ دے "تمہاری بہن کو دیکھا تھا فلاں لڑکے کے ساتھ۔ بھائی بے پروائی سے تم پر یقین کر بھی لیں گے تو اگلے کو کبھی بھی نہیں دلوا سکیں گے۔ بحث نہ کر۔ چھوڑ دے اس ضد کو۔ ہم جماعت سے اچھا لڑکا ہے بس جماعت تک ہی محدود رکھ۔"

"نہیں چھوڑ سکتی۔" محسنہ کے جملے پر وہ سماعت سے ٹکرا کر زمین بوس ہو گئے تھے۔ وہ اپنی ہی دھن میں تھی۔ کھو گئی تھی۔ آواز دھیمی تھی مگر عزم بلند۔ محسنہ نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

"میں اس سے محبت کرتی ہوں امی!"

"محبت... ؟ وہ کیا ہوتی ہے؟" ابھی کچھ دیر پہلے عالم و فاضل جملوں گہری حکایتوں کا ڈھیر لگا دینے والی محسنہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆

محبت اوس کی صورت
پیاسی پنکھڑی کے ہونٹ کو سیراب کرتی ہے
گلوں کی آستینوں میں انوکھے رنگ بھرتی ہے
سحر کے جھٹ پٹے میں گنگناتی ہے۔ مسکراتی ہے
جگمگاتی ہے۔
محبت کے دنوں میں وحشت بھی محسوس ہوتا ہے۔
کسی فردوس کی صورت۔ محبت اوس کی صورت۔

اسے دس برس کی اس عمر میں نظر انداز کیے جانے کا احساس ہوتا تھا۔ اس کے وجود کی نفی۔ بے معنی حیثیت... اسے لگتا۔ وہ کسی کے دست طلب کی دعا نہیں ہے۔ یونہی فالتو سا اب وہ زیادہ گہرائی سے سوچنے لگا تھا اور کھوجنے کی سعی... اسے کڑیاں جوڑنا نہیں آتی تھیں۔ پزل حل کرنے آتے تھے' مگر پزل کے بکھرے ٹکڑے اس کے پاس نہیں تھے۔

دھتکارے جانے کا احساس... لایعنی سے کچھ شکوک حقیقت تھے جب وہ پانچ برس کا تھا تو اسے لوٹا دیا گیا یعنی دھتکار دیا گیا لیکن نہیں۔ جب وہ بہت چھوٹا سا تھا۔ پنگھوڑے میں تھا۔

نہیں... تب بھی نہیں۔ جب وہ پیدا ہوا تھا۔ تب بھی ایک انکار تھا۔ حیرت تھا۔ ناپسندگی بے عزتی اور شرم تھا۔ ایسا سوال جس کا جواب منہ چھپانے پر مجبور کر دے' بغلیں جھانکنے پر۔ دنیا اسے ناجائز سمجھتی تھی۔ جبکہ۔ (وہ ناجائز تو نہیں تھا۔ تو کیا جائز تھا؟)

مگر اس مشکل سوال سے زیادہ مشکل میں اس کی ماں تھی اس سے اور دیگر لوگ۔

کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ درد سے تڑپتی اس کی ماں کو اسپتال جانے پر کیسے قائل کیا جائے۔ اور گھر کی دائی مائی۔

اور ابھی تو فقط جانے کا مسئلہ تھا۔ واپس لوٹنے پر کیا ہوگا۔ اس کے باپ کو گھر کے اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ گلی کے کونے میں گاڑی کے شیشے گرائے بیٹھا تھا۔

نویں مہینے کی آغاز پر ہی وہ سوچنے لگی تھی کہ بس کون سی گھڑی ہو اور وہ اس مصیبت سے چھٹکارا پائے۔ ڈاکٹر اور دائی دونوں کے خیال میں نویں مہینے میں کسی بھی وقت ڈلیوری ہو سکتی ہے۔

مگر اس بچے کو دنیا میں آنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یا پھر شاید وہ جانتا تھا کہ دنیا میں اس کے لیے فقط تھو تو ہی ہے۔ حقارت... طعنے نفرت۔ بوجھ... وہ دنیا میں آنے سے پہلے اتنی بڑی آزمائش تھا۔ تو بعد میں تو۔

اسے نویں ماہ کے آغاز ہی سے درد کے چھوٹے چھوٹے وقفے محسوس ہونے لگے تھے' شروع میں یہ درد بہت کم وقت کے لیے محسوس ہوتا۔ اور پھر دھیرے دھیرے دورانیہ بڑھنے لگا۔ لیکن درد کی شدت جیسی بھی رہی ہو۔ درد جب رک جاتا تو لگتا کہ ہوا ہی نہیں تھا۔ اس کی ماں ہر بار دائی کو بلا لیتی اور وہ بڑے آرام سے کہہ کر چلتی بنتی "ابھی وقت ہے۔"

اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر مہینے کی آخری تاریخیں درج تھیں۔ اسے ہر صورت وہاں جانا تھا مگر یہ مصیبت۔ دنیا سے چھپ کر گھر کے سب سے اندرونی کمرے میں بیٹھی تھی۔ مگر ایک بار ڈاکٹر کے پاس بھی چلی گئی۔ بچتی بچاتی۔ اس کی بے حد بے چینی پر اس نے الٹرا ساؤنڈ لکھ دیا۔ اور الٹرا ساؤنڈ نے جو کنفرم تاریخ دی۔ وہ وہی تاریخ تھی جو اس کاغذ پر درج تھی۔ ہفت آسمان نظروں کے آگے گھومتا سمجھ میں آ گیا۔ وہ چکرا گئی۔

"اس نے پہلے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد

نہیں۔ اس کے بعد پھر ہم فوراً" سی سیکشن کی طرف جاتے ہیں۔"

"سی۔" وہ تھرا کر رہ گئی۔ آپریشن کی صورت میں وہ ہفتہ بھر اسپتال رہتی اور بعد میں نجانے کب فعال ہوتی جبکہ اسے تو۔

"آ۔ آپ ابھی کردیں آپریشن آج۔ کل۔"

"پاگل تو نہیں ہو۔ ہر چیز کا ٹائم اور پراسس ہوتا ہے۔ ماں بننا صبر کا دوسرا نام ہے۔ ابھی سے ٹریننگ کرو۔ بھاگ جاؤ۔"

ڈاکٹر نے دوائیوں کا بڑا پرچہ لکھ کر اسے جھاڑا اور نیکسٹ پیشنٹ کے لیے بیل بجادی۔

وہ گھر آنے تک اور بعد میں جیسے شدید ڈپریشن میں چلی گئی۔ سوچ سوچ کر اس کی حالت غیر ہوگئی۔

دائی نے وقت پورا ہونے کا کہہ کر ساتھ ہی مشکل کیس بتایا اور آپریشن ہونے کی نوید سنادی اور وہ دہل کر رہ گئی۔

"نہیں اماں!" اس نے دائی کے ہاتھ تھام لیے۔ "آپ مجھے اس مشکل سے نکالیے۔ خدا کے لیے۔"

"ری زندہ رہے گی تو جائے گی ناں۔"

"مرجاؤں تو سارے مسئلے ہی حل ہوگئے ناں۔ لیکن ہائے۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"عجیب لوگ ہو تم لوگ۔ دائیوں کو بدنام کرتے ہیں کہ کیس خراب کردیتی ہیں۔ میں اپنے منہ سے کہہ رہی ہوں کہ لے جاؤ اور تم۔ پہلے بچے کی دفعہ کون رسک لیتا ہے اور آپریشن پر کون سے زیادہ پیسے لگتے ہیں۔ دس بارہ ہزار کا خرچا ہے وہ بھی اچھے اسپتال میں۔"

"بات پیسوں کی نہیں ہے۔" وہ چلائی تھی۔ پسینے سے تر وجود خشک لب۔ اسے جھٹکے سے لگنے لگے۔

دونوں عورتیں اس کے نزدیک آگئیں۔ اس کی ماں نے تیزی سے کہنا شروع کیا۔

"پیسوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس کا باپ نوٹوں سے بھرا تھیلا لے کر کھڑا ہے۔"

دائی کے کھلتے لب بند ہوگئے۔ اب بولنے کا نہیں کرنے کا وقت تھا۔ اور پتا نہیں گھڑی کی سوئیاں کتنا آگے سرکی تھیں۔ جب کمرے میں نومولود کے رونے کی آواز گونجنے لگی۔ چہار عالم میں اپنی آمد کا اعلان کرتا لڑکا۔

پیدائش کے عمل کے بعد مائیں بے دم، ساکت ٹھنڈے برف وجود کے ساتھ اسٹریچر پر پڑی سوتی ہیں۔ نڈھال، بند آنکھیں۔

مگر یہ انوکھی ماں تھی۔ اس کی آنکھوں میں زندگی لوٹ آئی تھی۔ اسے اپنے اندر چوکڑیاں بھرتے ہرن کی سی توانائی محسوس ہورہی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر تارہ توڑ سکتی تھی اور ہاتھ جھکا کر سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے سیپ کا موتی۔

اس کی نظریں کیلنڈر پر تھیں۔ اور آنکھوں میں فاتحانہ چمک۔

☼ ☼ ☼

شجرۃ نے الف سے یے تک کا سارا قصہ بیان کیا۔ (ماسوائے وہ آخری جملے)۔ جو محسنہ کے لیے شاک تھے۔ تو خود اس کے لیے بھی کہ اتنی آسانی سے کہہ دیے گئے)

اس کی آواز دکھ سے بوجھل ہوجاتی، کبھی لرز جاتی۔ نم ہوجاتی۔

کبھی بہت چیختا ہوا اونچا لہجہ۔ اور اب انتہائی جملے کہہ لینے کے بعد وہ سنان کی جانب سے تائید کی منتظر تھی۔ وہ ہاں میں ہاں ملائے اور سراہے کہ اس نے بالکل درست کیا۔

لیکن جب وہ بولا۔

"تو ٹھیک ہے پھر تم مجھ سے ملنا چھوڑ دو۔"

"کیا؟" شجرۃ سن رہ گئی۔ "یہ تم کہہ رہے ہو۔ کیسے کہہ سکتے ہو تم یہ۔"

"تمہارے بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں شجرۃ! ہمارا معاشرہ اس رشتے کو ہضم نہیں کرسکتا اور یہ سچ ہے کہ تمہارے اور میرے بیچ جو ہے وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر رشتہ بہرحال نہیں۔"

وہ اپنے تئیں ہاتھ جھاڑ کر فارغ تھا۔ شجرۃ کی نگاہوں میں ہفت آسمان گھوم گئے۔

اس نے داستان بیانی کے دوران شعوری کوشش سے اسے اکسانے کا عنصر نمایاں رکھا تھا کہ سنان الیاس کچھ کہہ دے۔ آگے بڑھ کر مگر۔

شعر سنانے والا۔ گہری باتیں کرنے والا۔ اتنا احمق تھا کہ سراپا اقرار بنی شجرۃ کو جواب نہ دے پاتا تھا۔ وہ کیوں اتنا بے خبر نظر آتا تھا۔

"دنیا واقعی اپنی آنکھ سے اپنی پسند کا منظر خود سے گھڑ کر دیکھتی ہے۔" سنان کی خود کلامی۔

ہوا کو لکھنا جو آگیا ہے
اب اس کی مرضی کہ وہ خزاں کو بہار لکھ دے
بہار کو انتظار لکھ دے
ہوا کی مرضی کہ وصل موسم میں ہجر کو حصہ دار لکھ دے
محبتوں میں گزرنے والی رتوں کو ناپائیدار لکھ دے
شجر کو کم سایہ دار لکھ دے۔ ہوا کو لکھنا جو آگیا ہے
ہوا کو لکھنا سکھانے والو!
ہوا کو لکھنا جو آگیا ہے"

"کیا تمہیں مجھے یہی جواب دینا چاہیے تھا سنان؟" شجرہ نے پلکیں جھپکیں۔ وہ چیخ کر اس کا گریبان تھام کر اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کہے۔ اور وہ شعر پڑھ رہا تھا۔

دونوں ٹوٹے تنے پر بیٹھے تھے اور وہ شہادت کی انگلی سے تنے کی کھردری سطح کو مَس کررہا تھا۔ جواب نہ دیا بس نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

شجرۃ کا دل پھٹ جانے کا حد تک پھیلا۔ اتنا احمق وہ کم از کم نہیں تھا۔ اس نے سیدھے سادھے جملوں کے بیچ۔ یونہی ہنستے گزرتے راستوں میں کبھی لپیٹ کر۔ کبھی گھما پھرا کے۔ کئی بار اپنے جذبے عیاں کرنے کی کوشش کی تھی۔ زبان سے کہا تھا ذومعنی انداز میں۔ بے وقوفی کی تھی۔ آنکھوں سے اس کا سارا اندر عیاں ہوتا تھا۔ پھر اس بے نیازی کی وجہ۔ لاپروائی کا کارن؟

وہ اتنی جرات مند تھی کہ صاف اپنے منہ سے کہہ دیتی کہ۔

لیکن یک دم اس کے اندر کا عورت پن عود کر آیا۔ وہ اب لفظ بھی نہ کہے گی۔ وہ سرعت سے اپنا بیگ اور فائلز سمیٹ کر تنے سے اچھل کر کودی۔

"ارے کہاں جارہی ہو؟" سنان بری طرح چونکا۔ کلاس میں تو ابھی بہت وقت تھا۔

"جارہی ہوں۔" اس نے اپنی آواز کی ساری سلوٹیں دور کرکے کہا۔ "تمہیں چھوڑ کر۔ یہی کہا ہے ناں میرے بھائی نے اور۔ اور تم نے تائید کی ہے۔" اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"یوں۔ ایسے۔ ایک دم۔ اچانک۔" وہ بھی اب اچھل کر تنے سے اترا۔

"ہاں جب فیصلہ کرلیا تو دیر کیسی۔ ابھی یا کبھی۔ خدا حافظ۔" وہ کئی قدم آگے بڑھی۔

"ابھی تو یار لنچ تو کرلیں۔" وہ بھاگ کر آیا تھا۔

"کیوں؟ کیسا لنچ؟ جب طے کرچکے تو کرچکے۔ ابھی اور اسی وقت دی اینڈ۔" اس نے دل برف کی سل ٹھہرادی تھی۔ آگ آنکھوں کے راستے نکلنے لگی؟ آہ۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"مگر میں نے یہی سمجھا۔" وہ تن کر کھڑی ہوگئی۔ آنکھیں بہتی ہیں تو بہتی رہیں۔ وہ ڈٹی رہے گی۔

"میں خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا شجرۃ!" وہ شکست خوردہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ایسی کیا کمی ہے کہ تم خود کو۔ میرے۔ قابل نہیں سمجھتے؟" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"تم نے شاید کبھی مجھے غور سے دیکھا نہیں۔" اس نے کہا اور پھر اس کے بدستور سوالیہ چہرے کو دیکھ کر خاموشی سے اپنی ٹانگ سامنے کردی۔

اس کی نظروں کے تعاقب میں شجرۃ نے ٹانگ کو دیکھا۔ وہ پل بھر میں اس کے دل کا سارا بھید جان گئی۔ اس کی ہچکچاہٹ، امر مانع سنان الیاس کی آنکھوں میں جذبے بولنے لگے تھے۔ جن سے وہ خود کو کتراتا رہا تھا۔

وہ لمحہ فیض تو یاد نہیں جب دل نے دھڑکن کی لے

بدلی۔ مگر دنیا یکدم اچھی لگنے لگے تو۔

"میں نے واقعی تمہیں غور سے نہیں دیکھا۔" شجرۃ کی آواز گھٹنے سی لگی۔ "مگر اس لیے کہ وہاں تک نگاہ کبھی گئی ہی نہیں۔" شجرۃ کا لہجہ ہچکچاہٹ کے سارے پردے چیرتا اب بے حجاب کھڑا تھا۔

اس نے صاف گوئی کی حد کردی تھی۔

"تو تمہیں میرے ساتھ چلتے ہوئے شرم نہیں آئے گی؟" فیصلے کی راہ پر چلتے ہوئے اس نے بھی راست گوئی کو اپنایا۔ وہ خیال جو اس کی راہ میں حائل ہوجاتا تھا۔

اظہار کی راہ میں۔

اقرار کی راہ میں۔

اس محبت کی راہ میں جو ہر روز سنان الیاس کے دل میں شجرۃ الدر کے لیے امنڈ امنڈ کر آتی تھی۔

"شرم!" شجرۃ کا سوال حیرت میں گندھا ہوا تھا۔ "کیسی شرم؟"

"یہی کہ دولہن کے ساتھ ریسپشن پر آتا دولہا تھری پیس پہن کر چلتا ہوا یوں لگے جیسے لنگڑی پالا کھیلتا آرہا ہو۔ یا سب کے جھگڑے ختم ہوجائیں مگر وہ پھر بھی جھگڑے کرتا ہی نظر آئے۔ لوگ پوچھیں کہ آخر دولہا کب تک بیٹھے گا۔ جواب آئے جی 'دولہا تو آرام ہی سے ہے۔ شرمیلا ہی بہت ہے۔ اس نے کیا خاک جھگڑا ڈالنا ہے۔ دراصل دولہا کی چال ہی ایسی ہے کہ ہر وقت حالت جھگڑا ہی میں ہوتا ہے۔ لنگڑا ہے ناں ایک ٹانگ سے۔"

سنان الیاس کو حرف حرف ازبر تھا۔ کبھی بھولا ہی نہیں۔ شجرۃ کی طرف مائل ہوتے دل کی راہ میں حائل یہی تو وہ دل چیر دینے والے جملے تھے۔ جو آگے بڑھنے سے روکتے تھے۔ ورنہ شجرۃ کی آنکھوں سے چھلکنے والے جذبے تو بہت پہلے سمجھ میں آنے لگے تھے۔

شجرۃ کا چہرہ اچنبھے کی تصویر بن گیا۔

"یہ کیسی باتیں کررہے ہو تم۔ کون کہے گا ایسے؟ اتنی گندی بات۔ گھٹیا بات کیوں کہے گا؟" سنان کے جملے جیسے ذہن میں بازگشت کرنے لگے۔ اس کا رواں رواں کھڑا ہونے لگا۔

"لوگ کیا کہیں گے۔ دنیا۔"

"بھاڑ میں گئی دنیا۔ میں نہیں کرتی پروا کسی کی بھی باتوں۔ اور اندازوں کی۔ میں ہمیشہ اپنے طے شدہ راستے پر چلی ہوں۔" وہ بھڑکی۔ "اور تم نے اتنی عجیب بات سوچی بھی کیسے؟" اسے یاد آیا۔

"میں نے نہیں سوچی۔ مجھے بتائی گئی۔"

"کس نے۔ کس نے بتائی؟" اس کا لہجہ جارحانہ ہوگیا۔ بس ایک بار پتا لگے تو وہ ایسی کی تیسی کر آئے۔

"زمین نے۔"

"کون زمین؟"

"زمین جو میری منگیتر ہونے والی تھی۔ مگر پھر ایکسیڈنٹ کے بعد اس نے یہ جملے کہہ کر ایکسکیوز کرلیا۔"

شجرۃ سناٹے میں رہ گئی۔

"اس نے ان جملوں کو ایکسکیوز کے لیے استعمال کیا تھا۔ ہاہ۔" حیرت اور دکھ کی بنا پر اس کی آواز پھٹ سی گئی۔ سنان نے جواب نہ دیا۔ وہ اپنی لنگ والی ٹانگ کو بے پروائی سے ہلا رہا تھا۔

"میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا سنان!" وہ اس کی ٹانگ کو دیکھنے لگی۔ "جب میں انجان تھی تب بھی اور جب کہ میں جان گئی۔" اس کے جملے میں اس کا حال دل تھا۔ "اور نہ کبھی دیکھوں گی۔" جملے میں عہد بھی تھا۔

سنان نے چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ ڈٹ گئی تھی اپنے کہے پر۔ جان گئی تھی اس کے گریز کا کارن۔ دکھی ہوئی تھی۔ لیکن اب جواب کی بھی منتظر تھی۔ ایک خاموش پل۔ ہاں اور ناں کا فیصلہ۔ گھڑی کو دیکھتے تو شاید چند منٹ ہی آگے سرکے ہوں۔ مگر شجرۃ کو لگا۔

پہاڑوں پر صدیوں سے جمی برف پگھل کر دریاؤں سے ہوتی سمندر میں گرنے لگی ہے۔ انتظار کا پل اتنا ہی طویل لگتا ہے۔ وہ ہانپنے لگی تھی اور شاید ہارنے بھی۔

سچ تھا ٹانگ میں لنگ آگیا تھا۔ مگر وہ بے حد معمولی تھا اور ذرا غور کرنے پر ہی دکھائی پڑتا تھا۔ مگر اس معمولی سی خامی نے لوگوں کے دلوں کی بڑی بڑی خامیوں کو آشکار کردیا تھا۔

زمین کے ہنسی سے بھرپور لہجے میں کہے گئے جملے۔ اس کی آنکھوں میں اپنی ہی بات کا مزہ لیتا وہ تاثر سنان کو بھولا تو نہیں تھا۔

ماں اور بہنوں کے خدشات پر وہ چونکا تھا "اگر ٹانگ میں نقص رہ گیا تو؟"

"تو کیا ہوا وہ زندہ تو ہے ناں؟"

لیکن زمین کے جملوں کے بعد پیچھے ہٹ جانے والے اور دوسرے۔ جو پہلے اس پر نثار ہوتے تھے۔ لڑکیوں کی آنکھوں میں اس کے لیے وہ ہی جذبے رہ گئے تھے۔ ترحم یا کترانا پھر وہ بھی پیچھے ہٹ کر اپنی دنیا میں کھو گیا۔ وہ اپنا اعتماد کھوچکا تھا۔ ایسے میں شجرۃ کا بھری کلاس میں سر سے کہنا کہ وہ کتاب افورڈ نہیں کرسکتی۔ اس کے اعتماد نے اسے متوجہ کیا تھا۔ اس کی محنت نے 'ہار نہ ماننے کی فطرت نے اسے اس کی جانب مائل کیا تھا اور توجہ بڑھ کر نئے جذبے میں ڈھلنے لگی تو وہ خود کو جبراً "باز رکھنے لگا۔

لیکن۔ آج۔ ابھی جب وہ سوال لیے کھڑی تھی۔ زندگی میں اب تک ایسا مشکل مرحلہ پہلے کبھی نہ پڑا تھا۔

وہ متوقع نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دنیا سے نہ ڈرنے کا دعوا کرتی تھی مگر دنیا کو منہ توڑ جواب دینے کے لیے اس کی ہاں چاہتی تھی۔

"میں نے یقین کرلیا۔ تم آئندہ بھی اسے (لنگ کو) نہیں دیکھو گی۔" اس نے کہہ دیا۔

بہت مشکل چیزیں۔ اتنی آسان بھی ہوجاتی ہیں کبھی کبھار۔

☼ ☼ ☼

اتفاق کی جانے انجانے میں بھڑکائی جانے والی آگ جو سب خاکستر کردینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ مگر جیسے کسی معجزے سے ٹھنڈی ہوگئی انگارے پھولوں میں بدل گئے۔ جس پر وہ ہاتھ تھامے اب زندگی بھر چلنے والے تھے۔

متوسط آمدنی۔ متوسط گھرانہ۔ متوسط ماحول۔ اس بے حد درمیانی طرز زندگی کے حامل لوگوں کے بیچ شجرۃ الدر کچھ الگ تھی۔ اس کے چہرے کے خدوخال بھی یہاں کسی سے نہیں ملتے تھے۔ اس کی عادات واطوار بھی۔ زندگی گزار دینے کا طریقہ بھی اور اس کے مستقبل کی یہ دھندلی شکل۔

طبقاتی تقسیم کے لحاظ سے ان دو گھرانوں کا آپس میں کچھ میل نہ تھا۔ مگر جب کچھ چیزیں قدرت طے کردے تو۔ لیکن لگانے والوں نے کئی اندازے اور قیافے لگائے تھے جس میں سے کچھ درست تھے اور کچھ غلط۔ اصل بات۔

سنان کی والدہ بہت بوڑھی تھیں۔ سب اولادوں کو بیاہنے کے بعد وہ سنان کے حوالے سے۔ فکرمند تھیں۔ معاشی مسائل نہیں تھے۔ سب اچھے عہدے پر فائز تھے۔ اپنا کاروبار کررہے تھے۔ تعلیمی لحاظ سے بھی نام تھا۔ میاں مرتے وقت جائیداد کی منصفانہ تقسیم کرگئے تھے۔ ایک سراسر بے فکری کے ماحول میں سنان کا ایکسیڈنٹ اور پھر سرسری نگاہ کی وہ انتہائی معمولی معذوری جو ان کے نزدیک جان بچ جانے کا شکرانہ تھی۔ لوگوں کی نظر میں طعنہ بن جائے گی یہ تو سان و گمان میں بھی نہ تھا۔

زمین کے انکار اور بے حد بدتمیز جملوں کو بھلا کر جب وہ دوسرے طالب گاروں کی جانب بڑھیں۔ جو پہلے ہاتھ ملتے دکھائی دیتے تھے۔ اب زمین سے زیادہ طوطا چشم ثابت ہوئے۔

وہ صدمے سے زیادہ حیرت کی تصویر بن گئیں۔

باقی کی آٹھ اولادیں اپنی گھربار کی تھیں۔ وہ ان کی پریشانی کے جواب میں بڑے متوکل بنے تسلی دیتے۔ "اللہ مالک ہے۔" مگر خود سے ہاتھ چلانے کا وقت بھی نہ تھا اور نہ ہی شوق جذبہ یا فکر۔ ماں کی تابعداری بھی نہیں تھی۔ اس حوالے سے کہ ان کا بوجھ بانٹنے کو لڑکی

تلاش کرنے نکل پڑتے۔ سنان ابھی شادی کے لحاظ سے کم عمر تھا۔ مگر مسز الیاس کو ایک چنتا سی لگ گئی۔ راتوں کی نیند اڑ گئی۔ معمولی سی لڑکھڑاہٹ پوری زندگی کو ڈھا دے گی؟

وہ صبح شام فکر مندی کی چادر اوڑھے رہتی تھیں۔ سنان کی خاموشی۔ نرمین کی بے ہودہ گوئی کے بعد کلسنان۔ "ہوں۔ ہاں۔ جی۔ اچھا۔" وہ ایسا تو نہیں تھا۔

اور کیا یہ ایسے ہی رہ جائے گا۔ اپنی اپنی زندگیوں میں مگن بہن بھائی۔

گھر میں وہ دونوں ماں بیٹا رہتے تھے تو اتنی خاموشی۔ اور جب کل کو وہ بھی نہ ہوں گی تو اکیلا۔ خاموش سنان۔ نہیں نہیں نہیں۔

انہیں شجرۃ الدر میں کوئی برائی نظر ہی نہ آئی۔ کچھ بھی قابل اعتراض نہ لگا۔ وہ چار بیٹے بیاہ کر سارے ارمان نکال چکی تھیں۔

انہیں شجرۃ کی آنکھیں پسند آئیں۔ (سنان کی تصویر سے بچی۔)

مسکراہٹ نے دل موہ لیا۔ (سنان کے نام پر چہرے پر کوندا سا لپکتا تھا)

تعلیمی قابلیت اور مستقبل کی شکل بھی اچھی لگی۔ بھو کمتر نہیں تھی۔ استاد باپ کی بیٹی۔ محسنہ اور دونوں ماموؤں کی عاجزی اور شرافت نے بھی دل کو بڑا کیا۔ وہ سب بھی سنان کا چہرہ اور دل دیکھ رہے تھے۔ ان سب لوگوں سے بہت اچھے جو ان کے اپنے خونی رشتے تھے اور سنان کی چال دیکھتے تھے اور نہ۔

ادھر شجرۃ کے گھر میں۔ ایک حیرت آمیز خوشی تھی۔

وہ سب سے الگ دکھتی تھی۔ الگ رہتی تھی۔ الگ دنیا۔ مگن مطمئن۔

مازیہ نے خوشی سے سنا تھا۔ وہ دونوں بمشکل میٹرک تھیں۔ ایک کا شوہر سیلز مین تھا۔ غازیہ کا ورکشاپ چلاتا تھا۔ پڑھا لکھا سنان۔ مسز الیاس جیسی ساس شجرۃ کی دو نندیں امریکہ میں تھیں ایک جیٹھ اسلام آباد میں اچھے عہدے پر تھے۔

سب اتنا دھیما بولتے تھے۔ نزاکت سے شجرۃ اور وہ کسی بھی تفریق کے بغیر بہت نارمل رویے سے سب سے ملے تھے۔

"شجرۃ کے لیے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔" ماموؤں نے سوچا۔

آفاق کی بولتی بند ہو گئی تھی۔ اشفاق خوش ہو گیا وہ اب دوست کو کہہ دے گا۔ وہ اس کا بہنوئی ہے۔

بات طے ہونا منگنی کے خیال میں ڈھلا تھا۔ تب نازیہ نے اسے اپنے تئیں چھیڑا۔

"منگنی پر خوش نہ ہو شجرۃ! پتا ہے ناں ہمارے ہاں منگیتر سے کیسا پردہ کرواتے ہیں۔ چھپا دیتے ہیں۔ جیسے گناہ ہو۔ ہی ہی ہی۔" وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔

شجرۃ کے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ تو سوچا ہی نہیں۔

"ہم تو ساتھ پڑھتے ہیں اور شادی تک پڑھتے ہی رہیں گے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"پڑھتے رہنا۔ مگر ابو جی بھی ایڈمیشن لے لیں گے اور تم دونوں کے درمیان والی کرسی پر بیٹھیں گے۔ ہی ہی ہی۔" اسے گدگدیاں ہو رہی تھیں۔

"نہیں۔!" شجرو کو تصور نے ٹھٹھرا دیا۔

اس نے سنان کے آگے ساری صورت حال رکھ دی۔

"یار! تمہارے گھر والے پاگل ہیں۔" وہ ہنسا گیا۔

"یہ وہ والی نسل تو نہیں ہے ناں جو میاں سے بھی پردہ کرتی ہے۔ نام تک نہیں لیتی۔ اے جی وہ جی کہہ کر زندگی گزار دیتی ہے۔ ایک لطیفہ سناؤں؟

ایک عورت نے زندگی بھر مکھن کو مکھن نہ کہا کہ سرتاج کا نام مکھن سنگھ تھا۔ بے ادبی ہوتی۔ کیا کہتی مکھن دے دو۔ مکھن کھاتا ہے۔ کہیں یہ تمہارے دادا پردادا میں سے تو نہیں تھے؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

شجرۃ برا مانے بغیر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ہنسو نہیں۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ رواج ہوتے ہیں اور لوگ ان سے سرکنا گناہ سمجھتے ہیں۔

ایسا کچھ نہ کرو۔ میں صرف تمہیں بتا رہی ہوں۔"

"پھر تو یہ مزے کی بات ہو گئی۔" اس نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "ہم چھپ چھپ کر ملیں گے۔"

"ہم اور چھپ چھپ کر ملنے والے۔" شجرۃ کو مزہ آ گیا۔ (وہ جو ہمت والا کہ چھپ کر ملنے آئے گا۔ اظہار تک تو کیا نہیں۔ بس مجبورا" حالات نے ایسی کروٹ لی تو یہاں تک پہنچ گئے)

"مطلب! کیا میں چھپ کر نہیں مل سکتا؟"

"تمہاری چھپ چھپ کر ملنے والی شکل ہی نہیں ہے۔" وہ اسے چڑا رہی تھی۔

"تم مجھے جانتی ہی نہیں ہو۔ سنان الیاس فل پیکج ہے سرورق پر مت جاؤ۔ کچھ ورق پلٹ کر دیکھو۔" اس کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی بدلی تھیں۔

شجو کسمسا گئی۔ "کیسی باتیں کر رہے ہو۔ سیدھی طرح دیکھو۔"

"بس۔ اتنی سی ہمت۔" اس نے نظروں میں مزید بھر بھر کر اسے دیکھا۔

"نچلو جاؤ۔ جانے دیا۔" اسے ایک گہرا غوطہ دے کر جیسے پل بھر میں کھینچ لیا تھا۔

"تم مجھے جانتی نہیں ہو شجرۃ الدر!" اس کا لہجہ کانوں سے نہیں دل سے سننے والا تھا۔ شجرۃ کو واقعی وہ کچھ اور لگا۔ نیا نیا سا۔ اجنبی۔ مگر بہت اچھا۔

مسز الیاس کے فون نے سب کو حیرت انگیز مسرت میں مبتلا کر دیا۔

"زندگی کا کیا بھروسا۔ وہ بیمار رہتی ہیں۔ منگنی نہیں کریں گی۔ نکاح ہو گا دھوم دھام سے۔ رخصتی پڑھائی کے بعد۔"

☼ ☼ ☼

زندگی کا نیا رنگ۔

اس نے بہت بچپن میں زندگی کی ترجیحات طے کر لی تھیں۔ ایک سمت سیدھا ستھرا راستہ۔ پڑھنا اور ابو کی طرح ٹیچر بننا۔ خود مختار ہونا۔ پھر سنان الیاس نے بتایا۔ پڑھائی کی کوئی حد نہیں اور خود مختاری کی سو شکلیں۔

شادی۔ آبادی۔ نئے رشتے۔ وہ اس پہلو پر تو کبھی گئی ہی نہیں۔ سب کی شادیاں ہوتی ہیں۔ اس کی بھی ہو جائے گی۔ بس۔ مگر زندگی کا یہ مرحلہ سب سے پہلے آئے گا اور وہ بھی اتنی خوب صورتی سے۔ سنان الیاس کی صورت۔ اور سنان الیاس۔ گھنا میسنا یا منافق۔ نہیں نہیں منافق تو نہیں۔ بس وہ انسان جو اچانک چپ کر گیا تھا۔ دنیا کی آنکھ نے اسے دکھ دیا تھا اور زبان نے چیر دیا تھا۔ وہ کتنا خاموش اور ہلکا سا لگتا تھا۔ دیکھنے میں ایک عام سا نوجوان۔ وہ کتنا بولنے والا نکلا اور کتنا گہرا اور۔ اور۔

بے رنگ زندگی میں آنے والے رنگ۔

خوشی اور ہنسی۔ بے یقینی۔ وہ کتنی ہی بار شہادت کی پور دانت میں داب کر یقین لیتی۔ حقیقت ہی ہے ناں۔ خواب تو نہیں۔

وہ راستہ۔ چوراہے۔ گلیاں لوگ مگر۔ مگر۔

"یہ پہاڑی کتنی پیاری لگتی ہے ناں جیسے مری میں ہوں۔" (یونیورسٹی کے اندر موجود پہاڑی تو ہمیشہ سے یہیں تھی۔ اسے اب نظر آنے لگی تھی)

"تم جو ساتھ ہو۔" سنان دریا کو کوزے میں بند کر دیتا۔

"مجھے نہیں پتا تھا گل دوپہری کے اتنے بہت سارے رنگ ہوتے ہیں۔" (مین گیٹ سے اردو ڈپارٹمنٹ کے موڑ تک دو رویہ سڑک کے درمیان لمبی کیاری میں گل دوپہری کے تمام رنگ شروع ہی سے تھے اس کی بینائی گویا اب لوٹی تھی)

"میں جو ساتھ ہوں۔" سنان کے چند حرفی جواب میں کوئی کسر نہ تھی۔

"اب اس راستے پر چلتے ہوئے میں تھکتی نہیں سنان۔"

"ہم اکٹھے ہو کر جو چلتے ہیں۔"

"اور یہ جو۔" اسے کوئی نئی بات یاد آئی۔

"ارے سنو۔" سنان یکدم رکا۔ اس کے عین

سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کے شانے پر دونوں ہاتھ جمادیے۔

"سب کچھ وہی ہے۔ وہیں ہے۔ مگر ہم نئے ہوگئے ہیں۔ محبت میں داخل ہورہے ہیں۔ یہ سب خوب صورتی منظر میں نہیں نظر میں ہے۔ محبت میں ہے۔ ہاں محبت۔ وہ جو تمہیں مجھ سے اور مجھے تم سے ہورہی ہے۔ ایک دوسرے سے ہوگئی ہے۔"

"محبت۔" شجرہ نے ہولے سے دہرایا۔

"ہاں محبت!" اس نے یقین کی مہر ثبت کردی تھی۔

☼ ☼ ☼

رہٹ کے بیل کی طرح آنکھوں پر پٹی باندھے گردوپیش سے ناآشنا گھومتے رہنے والی شجرۃ الدر۔ لائبریری میں بند ہونٹوں کے ساتھ ٹھنڈا پراٹھا چباتی شجرۃ الدر۔

کسی سنگی ساتھی کے بغیر چپ چاپ دوسروں کو دیکھنے اور سننے والی خود کلامی کرتی۔ تنہا اور گم صم نظر آتی شجرۃ الدر۔

جیسے کسی نادیدہ چادر میں چھپی تھی۔ سنان الیاس کے ساتھ نے اس چادر کو دور کہیں ہوا میں اڑا دیا۔ شجرۃ الدر واضح ہو کر سامنے آگئی۔

اسے ہنسنا بھی آتا تھا اور بولنا بھی۔ قہقہے لگانا بھی۔ دوسرے تو کیا وہ خود اپنے اس نئے روپ کو دیکھ کر حیران تھی۔

اس کی زندگی میں اچانک ایک رشتہ آگیا تھا۔ ایسا رشتہ جو اس جہان فانی کی بنیاد ہوتا ہے۔ جو نازک ہوتا ہے بلبلے کی طرح اور مضبوط۔ پہاڑ کی طرح۔

معاشرتی لحاظ سے ان کا تعلق ابھی کچھ حدود کا پابند تھا لیکن مذہبی حوالے سے ہر شے کی چھوٹ۔ نکاح کے بعد کسی چیز کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

وہ اکٹھے آتے جاتے۔ کھاتے پیتے پڑھتے۔ گھڑی کی ٹک ٹک پر نگاہ کیے بغیر مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے۔

محبت کے لیے سب سے اہم نسخہ تھا نکاح۔ پہلے ایک دوسرے کو دیکھ کر محسوس ہوئی تھی پسندیدگی تھی۔ دوستی۔ کشش۔ اب جو ہوئی تھی محبت تھی۔ محبت بے حد بے۔ پناہ۔ ہر روز بڑھتی ہوئی۔

وہ اس رشتے کا جی بھر کے لطف اٹھا رہے تھے۔

وہ سنان الیاس کے ہم قدم ساحل کی ریت پر چلتی دونوں ہاتھوں سے اس کے بازو کو جکڑ کر شانے پر رکھے ہوا سے اڑتے بالوں سے بے پروا۔

وہ اسے شعر سناتا۔ نظمیں۔ غزلیں۔ وہ آنکھیں موندے سنتی۔

اس کی تشخیص میں شاید مرض آجائے
جنوں کی ساری علامتیں بھی لکھ دوں گا
بڑا کٹھن ہے نثر میں حال دل لکھنا
یہ صورت غزل دل کی حکایتیں لکھ دوں گا

اپنی کہانی کیا پوچھتے ہو کتنی اچھی کتنی پیاری
ہم نے جسے چاہا تھا ہم نے اسے اپنایا بھی

میری زبان وہ قطعاً "سمجھ نہیں پاتے
اور ان کی اپنی تو کوئی زبان ہے ہی نہیں

کبھی کبھار وہ یکدم چپ کر جاتا۔ اسے بازو سے کھینچ کر اپنے سامنے کرلیتا۔

"کچھ سمجھ میں آیا؟" وہ ہونٹ کا کونا دانت تلے دباتی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتی۔ جو کڑے تیوروں سے مشکوک ہوتا۔ وہ نفی میں سر ہلاتی۔ (کچھ سمجھ میں نہیں آیا ہوتا) شریر مسکراہٹ کے ہمراہ۔

"تو پھر سن کر جھومتی کیوں ہو؟" وہ خفا ہونے لگتا۔

"تمہیں سننا اچھا لگتا ہے۔"

"اور شاعر کی صلاحیت؟"

"بھاڑ میں گئی۔ مجھے تو بس تمہاری آواز سے تمہارے لہجے سے غرض ہے۔"

"یہ جانے بغیر میں کیا کہہ رہا ہوں۔" حیرت کی زیادتی سے وہ چلا اٹھا۔

"اوں ہوں۔ مجھے پتا ہے۔ تم محبت کے علاوہ کچھ نہیں کہتے۔" اس کا یقین اسے بھونچکا کردیتا۔

"تمہیں یقین ہے کہ میں محبت کہہ رہا ہوتا ہوں۔ کیسے؟"

"تمہارا لہجہ بتاتا ہے۔ آواز اور آنکھیں۔" وہ اس کی ناک کو شرارت سے پکڑ لیتی۔

"اتنا یقین شجرۃ۔" وہ سب بھول جاتا۔ "کب سے؟"

"ہمیشہ سے۔" وہ دوبارہ شانہ دبوچ کر قدم بڑھانے لگتی۔

پوری آب و تاب سے چمکتا جاگتا سورج۔ نیند سے بوجھل ہو جاتا اس کی آنکھ میں سرخی آجاتی مگر آنکھیں موندنے کی حد تک۔ وہ ان دونوں کو دیکھتا رہتا۔

دن بدن بڑھتا میل جول۔ دونوں پڑھائی کے معاملے میں سنجیدہ تھے۔

"تم سی ایس ایس کا امتحان کیوں نہیں دیتیں شجرۃ؟" اس نے آنرز میں فرسٹ پوزیشن لی تھی۔

"وہ تو بہت امیر لوگ دیتے ہیں۔"

"بے وقوف! وہ بہت ذہین لوگ دیتے ہیں۔"

"میں اتنی ذہین ہوں؟"

"محنتی زیادہ ہو۔"

"اور پھر کیا بنوں گی؟ افسر؟"

"تو اور کیا۔"

"تو پھر تم بھی دے لو۔ تم کیا کرو گے؟"

"تمہاری چاکری۔ جی حضوری۔ میڈم!" وہ مودب بحالت رکوع میں چلا جاتا۔ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کے ہنس پڑتے۔

نکاح نے انہیں دیکھنے کی چھونے کی اجازت دے دی تھی۔ اللہ کے نزدیک کوئی حد نہ تھی۔ (مگر معاشرے کا مقررہ کردہ وقت ابھی دور تھا۔ بہت دور)

اس نے سنان الیاس سے نکاح کیا تھا اور پھر محبت کی تھی بہت زیادہ۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتی تھی۔ اور آنکھیں۔

اس نے کبھی اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ کو نہیں دیکھا تھا کہ محبت عیب پوش ہوتی ہے۔ اور وہی دیکھتی ہے جو دیکھنا چاہیے یعنی دل۔ محبت سے لبریز دل۔

وہ ساتھ چلتے بہت پیارے لگتے تھے۔

وہ دراز قد تھا اور نمایاں تھا۔ اس کی اداس بناوٹ والی آنکھوں میں ہنسی کا مستقل ڈیرا۔ دھوپ چھاؤں کا منظر تھا جیسے۔

دنیا انہیں دیکھتی تھی۔ رشک سے... حسد سے... حیرت سے... شک کے بغیر۔ واہ۔

لیکن کوئی تھا جو انہیں تلملا کر دیکھتا تھا۔ جلبلا کر۔ گھور کر۔ وہ جوان کی تاک میں تھا۔ حالانکہ موقع گنوا چکا تھا۔

مگر اسے موقع پیدا کرنے آتے تھے۔ وہ دونوں تو بہت آسان شکار لگے تھے۔

وہ بہترین منصوبہ ساز تھا۔ اور اس کا نام۔

☼ ☼ ☼

وہ شروع دن سے ان دونوں کے ساتھ تھا۔ گونگا نادیدہ بن کر بس ایک پہرے دار کی طرح اور اس دن بھی جب سنان الیاس نے شجرۃ الدر کو پکارا تھا۔ اور اپنی کتابیں دے دی تھیں کہ وہ پڑھے اور سہولت سے واپس کردے۔

پھر جب دونوں ریڑھیوں پر کتابیں ڈھونڈ رہے تھے۔ باتیں کررہے تھے۔ ہنس رہے تھے۔ تعلق بن رہا تھا۔ ناتا جڑ رہا تھا... وہ ایک دوسرے کے دوست ہورہے تھے۔

وہ تب بھی وہیں موجود تھا۔ دونوں کی دوستی کا رشتہ اچانک تھا اور بے ضرر تھا۔

کلاس روم میں وہ کہیں ادھر ادھر بیٹھتے تھے۔ پھر ساتھ ساتھ کرسیاں جوڑنے لگے۔ وہ دونوں کے درمیان میں تو نہ گھس کر بیٹھ سکا۔ ہاں کسی نہ کسی درز یا کونے کھدرے سے انہیں دیکھتا ضرور رہتا۔

وہ دونوں کم عمر تھے۔ کم عقل اور کم علم بھی تھے۔ نہ دنیا کے علم سے واقف تھے نہ دین کے علم سے۔

معاشرتی حدود و قوانین کی بھی اتنی سمجھ نہ تھی۔ ہاں اس یقین سے ضرور جیتے تھے کہ جو ہم کر رہے ہیں۔ وہ درست ہے اور کسی کو روکنے ٹوکنے کی ضرورت نہیں۔ ادھر اسے بھی کچھ جلدی نہیں تھی۔ یہ تو اس کے لیے بہت ہی آسان شکار تھے۔ ایک چٹکی کی مار۔

اس نے ان دونوں کے درمیان اپنی منصوبہ بندی رکھ لی تھی۔ بساط بچھا ڈالی تھی جس کے کسی بھی پانسے کو کھیلا جاتا۔ جیت اس کو ملتی۔

ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا اور جو تھا وہ ناجائز تھا اور گناہ تھا۔ ایسا گناہ جو مزید گناہ کی راہ کو ہموار کرتے ہوئے انت تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ گیم کا باقاعدہ آغاز کرتا۔ اس کی ساری کی ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ دونوں یکدم ایک ایسے رشتے میں بندھ گئے جو اس کرہ ارض میں اس کا سب سے ناپسندیدہ رشتہ تھا۔ اس کی روح پر تازیانے برساتا تھا۔ اسے بال نوچنے سر ٹکرانے اور سینہ کوبی پر مجبور کرتا تھا۔

ان دونوں کے نکاح نے اسے پچھاڑیں کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایسی کریہہ آواز میں روتا تھا کہ کوے اور گدھے الو اور راتوں کو رونے والے گیدڑ کتے بھی پناہ مانگتے تھے۔ ایجاب و قبول کے وقت۔ شدت غم سے اس کا چہرہ کائنات کی سب سے بدشکل ہولناک صورت میں ڈھل گیا تھا۔

نکاح کے بعد جب ان دونوں کو ایک صوفے پر ہمراہ بٹھا دیا اور سنان نے سب کی نظر بچا کر شجرۃ کا ہاتھ تھام لیا اور اسے شرارتاً سختی سے پکڑ کر شجرۃ کے چہرے کے تاثرات کو جانچنے کے لیے بار بار اس کا چہرہ دیکھنے کی سعی کی۔ تب حاضرین اس کی چوری اور شرارت پر دل کھول کر ہنستے تھے۔ اس منظر کی خوب صورتی نے اس کی شکست کا اعلان کر دیا۔ وہ جھکے شانوں اور بگڑی صورت کے ساتھ واپس ہوا تھا۔

لیکن۔

وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والا تو نہیں۔ اس نے روز ازل اللہ کے سامنے عہد کیا تھا وہ اس کے بندوں کو بہکائے گا اور ہر ممکن کوشش کرے گا۔ شجرۃ اور سنان کے معاملے میں وہ ہار گیا تھا تب ہی ایک خیال نے اس کے ڈوبتے دل کو قرار دیا۔

اسے ان دونوں کے بیچ گنجائش نظر آ گئی تھی بہت تھوڑی سی درز تھی کسر تھی۔ مگر اس کے لیے کافی تھی۔ بہت کافی تھی۔

نکاح اللہ کا پسندیدہ ترین تعلق ہے جو انسان جوڑتے ہیں۔

نکاح شیطان کے سینے پر پہاڑ سی سل ہے جسے توڑنے یا وجود ہی میں نہ آنے دینے کی اس نے قسم کھا رکھی ہے اسے ناجائز رشتے اور تعلق بھاتے ہیں۔

دنیا کے کسی بھی مذہب میں جب بھی انسان اس جائز تعلق کو اپنے طریقے سے جوڑتے ہیں تب وہ پچھاڑیں کھاتا ہے اور مرد و زن کے بیچ یہ رشتہ ناجائز بن پائے تو شادیانے بجاتا ہے۔

یہ نکاح اس کے عزائم کے منہ پر طمانچہ تھا۔ وہ منہ کی کھا گیا تھا۔ وہ دونوں اب اس کے لیے قطعاً "بے کار" تھے۔ وہ کسی اور شکار کی تاک میں نکلنے کو تھا تب ہی اسے ان دونوں کے بیچ ایک راہ دکھائی دی اور۔۔۔

وہ ہاری بازی جیت سکتا تھا" ارے اتنی سامنے کی بات دکھائی کیوں نہ دی؟ وہ شادیٔ مرگ میں گھر کر بڑے لاڈ سے اپنی سرزنش کرتے ہوئے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتا تھا۔

مذہبی لحاظ سے ایک مکمل رشتے کو بے توک بنانے کو آگر۔۔۔ "خیال" منصوبہ بندی میں گھرا تو اور واضح ہوا بڑا مزہ آیا۔۔۔ آنے لگا۔

مذہبی لحاظ سے مکمل رشتے کی راہ میں معاشرتی حد بندی حائل تھی اور معاشرے میں رہنے کے لیے معاشرے کے طے شدہ اصول و ضوابط کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑتا ہے۔

غلط تو غلط ہی ہوتا ہے۔ گناہ تو گناہ ہی ہے۔ کیا مزہ آئے اگر وہ صحیح کو 'درست کو' جائز کو غلط ثابت کرے نیکی کو بدی کا لبادہ اوڑھا دے۔

اسے بدنامیاں بھاتی ہیں' رسوائیوں کا تماشا۔

عزت کے جنازے کو کندھا دینے وہ سب سے پہلے آگے بڑھتا تھا۔

ہر آفاقی دین نے اس سے پناہ مانگنے کا درس دیا ہے۔

ہر کام شروع کرنے سے پہلے اللہ کا قرب مانگتے ہیں اور اسے دھتکارا جاتا ہے پھر بھی وہ باز نہیں آتا سیندھ لگاتا ہے موقع تلاشتا ہے۔

آخر کو اس نے قسم جو کھا رکھی ہے کہ۔۔۔

ایک سجدے سے انکار کے بعد وہ سراپا نافرمانی ہے اسے فرماں برداری کسی بھی روپ میں ہو کبھی نہیں بھائی۔

وہ شیطان مردود تھا جس نے ان کے رشتے کو تلملا کر اور جلبلا کر دیکھا تھا۔

✡ ✡ ✡

اتنی بڑی کامیابی کا احساس 'نشہ' لطف' بے یقینی تشکر۔۔۔

خیال کی دنیا پینگ دے رہی تھی۔ وہ ہر بار آسمان چھو کر آتی اور آسمان چھونے میں جو مزہ ہے۔ وہ تو وہی جانے جو زمین پر رہتے رہتے آسمان کو ہاتھ لگا لے۔ اس نے ماسٹرز میں ٹاپ کیا۔ گولڈ میڈل لیا تھا۔ پوری یونی ورسٹی میں ٹاپ۔۔۔

پیسے بچانے کے لیے ٹھنڈا اکڑا پراٹھا کھانے والی شجرۃ الدر۔۔۔ کڑی دوپہروں میں سورج کے سامنے ڈٹی پیدل مارچ کرتی شجرۃ الدر۔۔۔ ایک اعلا سول سرونٹ ہوگی یہ کسی نے تو کیا خود اس نے بھی نہ سوچا تھا اس نے تو بی اے بی ایڈ کر کے ماسٹر عبدالرحیم کی طرح ٹیچر بننا تھا۔

یہ کامیابی قسمت تھی یا محنت؟ نہیں۔۔۔ یہ دونوں باتیں ثانوی ہو جاتیں اگر سنان الیاس اس کے ہمراہ نہ ہوتا۔ اس کا رہنما' دوست' محبوب اور جیون ساتھی۔

شجرۃ کے چہرے کی کم مائیگی' افسردگی' بے زاری تو بہت عرصہ پہلے ہی غائب ہو گئی تھی۔ اس چہرے پر اب اعتماد تھا۔ خوب صورتی تھی۔ محبت تھی اور محبوب اسے محبوبیت سے تکتا تھا کہ دل بھرتا ہی نہ تھا۔

سرخ لباس میں تیز سرخ لپ اسٹک کے ہمراہ اس نے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ میں سرخ پھولوں کا بکے تھا۔ آج سنان گاڑی لایا تھا ویسے تو وہ اسے بائیک پر اڑائے پھرتا تھا مگر آج تو سیلیبریشن کا دن تھا۔

شجرۃ ایک شان دار کینڈل لائٹ رومانٹک ڈنر کے بعد اب اپنی ساس سے ملنے جا رہی تھی۔ وہ بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اور بستر پر تھیں۔ شجرۃ نے پنک پھولوں کا ایک دوسرا بکے انہیں دیا اور خود سے جھک کر ان کے گال کا بوسہ لیا۔ انہوں نے اس کا چہرہ اپنے لاغر ہاتھوں میں تھام کر چوم لیا۔ کچھ لوگوں نے کئی بار کہا تھا۔ چھوٹی بہو بہت نچلے طبقے سے چنی گئی ہے مگر انہوں نے اس کی روشن پیشانی اور چمکتی ذہین آنکھیں دیکھ لی تھیں۔ آج وہ لڑکی کیا ہو گئی تھی۔

وہ بیٹے اور بہو کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

جشن کے اس دن کے بعد کامیابی کی یہ شام جو رات کا لبادہ اوڑھنے کو تیار کھڑی تھی اور ہچکیوں سے روتی شجرۃ الدر۔۔۔ وہ سارا دن اتنا ہنسی تھی کہ تھک کر چور ہو گئی تھی۔ کبھی کبھار ہم ہنستے ہوئے بھی تھکتے ہیں اور رونے کو دل کرتا ہے۔

"یقیناً" یہ خوشی کے آنسو ہوں گے۔" وہ آخر کب تک اسے روتا دیکھتا۔

"نہیں۔۔۔ خوشی کے نہیں ہیں۔" اس نے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"غم کے ہیں؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگا۔

"نہیں' حیرت کے۔۔۔ بے یقینی کے۔۔۔ تشکر کے۔۔۔ اور۔۔۔ اور تم سے محبت کے۔۔۔"

"اتنے نام اور آنسو؟ وضاحت دیں گی آپ مجھ کم علم کو تو خاک سمجھ میں نہ آیا۔" وہ کچھ نہ بولی۔ ناک

www.paksociety.com

سکوڑی لمبا سانس لیا۔ بولنے کے لیے لب وا کیے مگر آواز حلق ہی میں گھٹ گئی تھی۔

"حیرت کہ میں یہاں تک پہنچ گئی۔ جہاں۔۔۔ جہاں کا میں نے کبھی خواب تک نہ دیکھا تھا۔"

بے یقینی کہ۔۔۔ یہ سب میں نے حاصل کرلیا۔ میں نے۔۔۔ جو احساس کمتری میں خاموشی سے دنیا سے کترا کر گزرا کرتی تھی۔ آج اس طرح نمایاں ہوگئی۔ اور تشکر کہ۔۔۔"

وہ ہچکیوں کے درمیان ہی بول رہی تھی 'یہاں پہنچ کر آواز بالکل گھٹ گئی کہ

"مجھے تم ملے سنان۔۔۔! اگر آج تم نہ ہوتے تو میں۔۔۔ سب کچھ ہوسکتی تھی' مگر وہ نہیں جو میں ہوگئی۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

سنان کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔ وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا' مگر اس کا رونا اسے تکلیف دے رہا تھا۔ وہ بس چپ کر جائے پھربات کی جائے' مگر وہ جمعرات کی جھڑی بن گئی تھی۔ چھڑگئی تو چھڑگئی۔

وہ یک ٹک اسے دیکھنے لگا۔ سرخ لباس سرخ لب اور سرخ آنکھیں۔۔۔

"اور اور جو آنسو محبت کے تھے ان کی وضاحت نہیں کی ———— مجھے رہنما بناتی ہو دوست' ہمدرد' ساتھی' جب بھی ہوتی ہو مشکور ہوتی ہو۔۔۔ محبوب کیوں نہیں بناتیں؟ ممنون تو نظر آتی ہو۔ مبہوت کیوں نہیں۔۔۔ تمہیں محبت نے کبھی سحرزدہ نہیں کیا۔ اتنا سا بھی کہ چند لفظ اس کے لیے بھی۔۔۔"

وہ شکوہ کررہا تھا۔ فرمائش یا اظہار۔ شجرۃ کی ہستی ہل گئی۔ اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور لب تھرا گئے۔

محبت۔۔۔ وہ تو اتنی تھی کہ وہ ساری عمر بیٹھ کر اسے لکھتی تو اختتام پذیر نہ ہوتی۔

اسے شعر کہنے نہیں آئے تھے اور اتنی طویل نثر وہ اس کی شان میں کیسے کہتی۔

آئی لو یو کہہ دے۔۔۔ کبھی کہا تو نہیں۔ کبھی بھی نہیں اور اگر وہ کہہ دے۔۔۔ نہیں۔

بہت ہلکا لگا یہ سادہ سا اظہار۔۔۔ تو خاص والا کیا ہوگا؟ امتحان میں جملے بنائیے والا سوال کبھی اتنا مشکل نہ لگا تھا۔ وہ شان دار اور اچھوتے جملے بناتی تھی۔ ممتحن کا دل موہ لیتی تھی۔

مگر ابھی۔۔۔ اتنے سالوں کے ناتے میں سنان الیاس کا پہلا شکوہ اور جائز شکوہ۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی ڈولنے لگی اور دل میں محبت جوش مارنے لگی مگر کیسے۔۔۔ ناکامی۔۔۔ لیکن شجرۃ ناکامی قبول کرنے والی کب تھی۔ وہ اسے دیکھنے لگی جو اسے زیرلب تبسم کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ متوقع نگاہوں سے۔۔۔ شرارت سے۔۔۔ عنقریب تھا وہ ہار کا اعلان کرلیتی کہ اس کے پاس الفاظ نہیں اور وہ اس قابل کہاں کہ اظہار کرسکے اس سب کا جو وہ محسوس کرتی تھی اور بتائے کہ سنان الیاس شجرۃ الدر کی زندگی میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔

"جانے دو۔۔۔ ساری ذہانت کس کام کی' جب میرے لیے تمہارے پاس چند الفاظ بھی نہیں۔"

سنان کا چہرہ بولنے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ زبان بھی کہتی۔ شجرۃ جھٹکا سا کھا کر پلٹی اور۔۔۔ گرفت اتنی پرجوش اور اچانک تھی۔ وہ لڑکھڑا سا گیا' پہل شجرۃ کی جانب سے ہوئی تھی۔

"تم سچ کہتے ہو سنان۔۔۔! میرے پاس واقعی الفاظ نہیں ہیں' تمہارے لیے کسی بھی جذبے کے اظہار کے لیے۔" سرگوشی سنان کے کان میں ابھری۔ "مگر میں۔۔۔" اب وہ کچھ کہہ نہیں رہی تھی وہ اس سے اتنی قریب بھی اور۔۔۔ اور۔۔۔

ہنوز حیران و ششدر کھڑے سنان الیاس کے لیے یہ عمل حیرت اور شدید حیرت کے بعد اب ردعمل کا خواہاں تھا جیسے۔۔۔

وہ۔۔۔

بہت عرصہ انتظار کیا تھا اس نے۔۔۔ سرخ لباس' تنہائی' جوش و ہوش کی جنگ میں آج نقب لگائی جاسکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

بحیثیت عورت یہ اس کی جانب سے کی جانے والی پہلی پیش قدمی تھی۔ ایسی پیش قدمی جس میں جوش' جذبہ' بے خودی' سپردگی سب کچھ موجود تھا۔ اس پر یہ موزوں ماحول۔۔۔ لباس' رات' خوشبو' تنہائی اور سرشاری' کامیابی اور خوشی' محبت اور احسان مندی۔۔۔

ان کا رشتہ ہر عمل کی اجازت کا لائسنس تھا۔

ان دونوں کے رشتے میں تو کوئی قباحت سرے سے تھی ہی نہیں۔ ان دونوں کا نکاح ہوچکا تھا۔

جب دوستی تھی۔ ہم قدم چلا کرتے ہنستے بولتے تھے کسی غلطی کے بغیر پھر جب ایک ایسے رشتے میں بندھ گئے جس میں گنجائش ہی گنجائش تھی کوئی روک ٹوک نہ تھی نہ دنیا کی نگاہ میں اور اللہ کی جانب سے تو چھوٹ تھی ہی۔۔۔ تب بھی وہ معاشرتی حدبندی کے احترام میں اپنی حد سے آگے نہ بڑھے۔

مگر وہ حد جس کے لیے "وقت مقرر" کردیا گیا تھا اسے پار نہ کیا اور کامیابی کے جشن کی اس رات جب زبان کی پاس داری کا وہ لمحہ ہاتھ سے پھسل گیا تو دونوں حق دق تھے۔

شرمندگی تھی۔ یہ اچانک کیا ہوگیا اور کیسے ہوگیا۔ وہ بچے تو نہیں تھے۔ ذی شعور انسان تھے پہلے۔ اتنے سالوں میں پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔

وہ شرم سار کمرے میں تنہا بیٹھی تھی۔ وہ نظریں چرا کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ سرشاری' شرم ساری میں بدل کر کوڑے برسا رہی تھی' جو کچھ ہوا تھا وہ قطعاً "گناہ" نہیں تھا' مگر یہ اس کا وقت بھی تو نہیں تھا۔ دنیا۔۔۔ ہاں دنیا بے خبر تھی' مگر اپنے آپ سے نگاہیں ملانے کی ہمت نہ تھی۔ ایک دوسرے کو نظر بھر کے دیکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ قیامت کا پل۔۔۔

واپسی کے سفر میں وہ بار بار اپنا لباس درست کررہی تھی۔ کبھی دوپٹا شانوں پر پھیلاتی۔ کبھی ہاتھ پر کھینچتی' کبھی آستین کو کھینچ کر انگلیاں تک چھپانے کی سعی کرتی۔ وہ کار میں دروازے سے چپک کر درمیان سے حتی الامکان فاصلہ رکھ کے بیٹھی تھی اور مزید چپکتی تھی۔ پھر اسے پتا بھی نہ چلا کہ کب آنکھیں برسنے لگیں۔

وہ رو رہی تھی زارو قطار۔۔۔ بے حد و حساب۔۔۔ اس کے رونے کی آواز میں ماتم اور بین تھے۔ وہ کوس رہی تھی خود کو یا اس کو۔۔۔؟

اسٹیئرنگ پر جمے سنان کے ہاتھ یوں بھینچ گئے کہ ایک ایک رگ نمایاں ہوگئی۔ وہ اسے رونے سے باز رکھنے کے لیے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کچھ الفاظ شرمندگی کے۔۔۔ کچھ جملے معذرت کے۔۔۔ اور۔۔۔ اور کچھ پیراگراف یہ کہ۔۔۔ کوئی بات نہیں۔ کوئی گناہ تو نہیں ہوا سب عین شریعت اور عین فطرت۔۔۔

غین غلط کی کوئی حیثیت نہیں اور پھر جب اس کا رونا بڑھتا ہی گیا تو اس نے کہہ بھی دیا۔

وہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ آفٹر آل میاں بیوی ہیں' کوئی گناہ نہیں کر بیٹھے کہ ضمیر ملامت کرے اور دنیا ذلیل۔۔۔ وہ سن رہی تھی اور سمجھ رہی تھی۔ اور سنان الیاس کو قائل کرنا آتا تھا اور شجرۃ الدر کو اسے سمجھنا ہمیشہ آسان لگا تھا۔ سو گھر کے پاس اترنے تک وہ خود کو نارمل کرچکی تھی۔

اسے بچپن سے خود کو کمپوز کرنا آتا تھا۔ حال دل چھپا کر مسکرانا۔ اپنے قدموں کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاکر وہ سب گھر والوں کے بیچ بیٹھی ہنس رہی تھی۔ سب کو سن رہی تھی۔

"یعنی کہ اب میں شادی کی تیاریاں شروع کردوں؟" امی نے سب حاضرین کو اطلاع دی اور پوچھ بھی لیا۔

"بالکل۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔" کچھ دل کھول کر مسکرائے' کچھ نے زور و شور سے سر ہلایا۔ شجرۃ کے مسکراتے لب بھینچ گئے۔ اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا۔

"کس۔۔۔ کس کی شادی؟"

"تمہاری اور کس کی؟"

"ایسے ایک دم کیوں؟"

"ایک دم کا کیا مطلب؟ یہی طے ہوا تھا نا کہ شادی پڑھائی کے بعد۔۔۔ تو وہ ہوگئی مکمل۔" محسنہ نے اپنی گود

میں پڑا گولڈ میڈل لٹکا کر دکھایا۔

شجرۃ کے لبوں سے سرد آہ سی نکل گئی سب محسنہ کے حامی تھے۔

"آپ کے خیال میں میں نے اس دس گرام کے سونے کے ٹکڑے کو پانے کے لیے اتنے سال دن رات ایک کیے ہیں۔"

سب کے منہ کھل گئے۔ یہ سونے کا ٹکڑا تھا۔

شجرۃ نے سب کے سوالیہ چہروں پر نگاہ دوڑائی۔

"اصل امتحان تو اب شروع ہوگا۔ سارے سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا اگر خدانخواستہ آگے ایک پل کو بھی ناکام ہوئی تو۔۔۔"

"یعنی اب آگے اور پڑھنا ہے؟ مگر کیا۔۔۔ اب کون سا امتحان باقی ہے؟" الگ الگ سوال عجلت سے پوچھے گئے تھے۔

"مقابلے کا امتحان امی۔۔۔ مجھے مقابلے کا امتحان دینا ہے۔"

سب کے منہ کھلے رہ گئے۔ یہ کون سے امتحان کا نام تھا؟

☆ ☆ ☆

وہ بے چین تھی۔ کس کروٹ سکون نہ تھا۔ اس کی روح بے قرار تھی۔ ہانپتی تھی۔ کانپتی تھی۔ وہ شرمسار تھی۔ کبھی غصہ ہو جاتی۔

اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی۔ سارا الزام سنان پر نہیں رکھ سکتی تھی وہ اکیلا تو شریک کار نہیں تھا۔ تالی ہمیشہ ایک ہاتھ سے بجتی ہے۔ دونوں سالوں سے ساتھ تھے اور اس رشتے کو بندھے بھی عرصہ گزرا۔

پھر آج یہ کیا ہو گیا تھا۔

اس کے رونے پر وہ تسلیاں دے رہا تھا اور صحیح دے رہا تھا۔

کوئی گناہ تو نہیں ہو گیا تھا۔

"ہاں واقعی گناہ تو نہیں ہو گیا تھا۔" وہ اس پہر اب خود کو دوبارہ سے دلاسے دے رہی تھی۔

نیند سنان الیاس کی آنکھوں سے بھی بھاگ گئی تھی۔

کچھ غلط تو نہیں ہوا تھا مگر۔۔۔ مگر غلطی بہرحال ہوئی تھی۔

اسے اس وقت بھی احساس تھا اور اب رات کے اس تنہا خاموش پہر میں اور زیادہ۔۔۔

شرمندگی شجرۃ سے بھی اور خود سے بھی۔۔۔

اسے اپنا ذہن اس وقت سے اب تک ایک ٹھٹھری سی کیفیت میں گم لگتا تھا۔ باوجود اس کے کہ اس نے شعوری کوشش سے ذہن کو حاضر رکھتے ہوئے شجرۃ کو تسلی دی تھی' بے فکری کی تلقین کی تھی۔ کچھ نہیں ہوا۔۔۔ کچھ نہیں ہوتا کا درس بھی دیا تھا۔

مگر اس وقت خود کو آئینے میں گھورتے ہوئے وہ۔۔۔ ٹھنڈی سانس بھر رہا تھا۔

مجھ کو خود اپنے آپ سے شرمندگی ہوئی
وہ اس طرح کہ تجھ پہ بھروسہ بلا کا تھا
تالی ایک ہاتھ سے کب بجتی ہے۔۔۔

☆ ☆ ☆

وہ شیطان مردود تھا اور رات کے اس پہر جشن مناتے ہوئے شیطانی قہقہے لگا رہا تھا۔

اس کے اسی جیسے مردود و منحوس کریہہ صورت والے چیلے۔۔۔ کسی قدر حیرت میں مبتلا تھے مگر احترام شاگردی کے تحت دل میں اٹھتے ان گنت سوالوں کو فی الوقت پس پشت ڈالے ہوئے قہقہوں میں شریک تھے۔

ادھر ایک آنکھ کا شیطان ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اس کی ہنسی تھمنے میں آتی ہی نہ تھی۔ ذرا سا سانس لینے کو توقف کرتا اور پھر سے شروع ہو جاتا۔

ساری کائنات کے جانداروں سے قوت گویائی چھین لی جائے اور ہر سو کتوں' گدھوں' الوؤں' گیدڑوں اور کوؤں کو بولنے پر لگا دیا جائے تو کیسا سماں ہوگا۔ ایسا ہی ہوگا جو اس محفل میں تھا۔

"ہمارا تو یہ خیال تھا کہ تم ان دونوں کے بیچ طلاق کروانا چاہتے ہو مگر۔۔۔" ایک چیلے نے پوچھ لیا۔

"کیونکہ تمہیں نکاح سے نفرت اور طلاق سے محبت ہے۔" دوسرے نے وجہ بھی بیان کر دی۔

"اور پھر جو کچھ بھی آج ہوا۔۔۔ وہ تو کہیں سے بھی گناہ نہیں تو تم خوش کیوں ہو؟"

تیسرے کا سوال سب کا ترجمان تھا۔

"ہاہاہا۔۔۔" وہ مزید ہنسا۔

"ہاں اے شیطان۔۔۔ ہم سچ میں تیری خوشی کا سبب نہیں جان سکے۔ تیرے کہنے پر ان دونوں کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہے۔ بہت مشکل کام تھا وہ تو بس ہمہ وقت اپنے لکھنے پڑھنے میں مگن رہتے۔ ایک دوسرے کو ہاتھ بھی نہ لگاتے تھے۔"

"مگر اب لگا چکے ہیں' ہاہاہا۔۔۔" وہ ایک بار پھر جھومنے لگا تو تمام چیلے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اپنی خوشی میں مست شیطان مردود جواب دیتا ہی نہ تھا۔

"تم سب میرے چیلے ہو اور جانتے ہو کہ میں کوئی کام بغیر سبب اور فائدے کے نہیں کرتا' میں طویل المیعاد منصوبے بناتا ہوں اور صبر سے نتیجے کا انتظار کرتا ہوں۔ ویسے تو صبر مومن کی خوبی ہے۔ ہمارا اس سے کیا کام۔ مگر بڑے مزے کی چیز کہ اس کا پھل واقعی میٹھا ہوتا ہے۔ سو تم سب بھی دیکھو کہ کیا ہونے والا ہے اور کیا ہوگا؟"

"تو کیا اب یہ مشن ختم ہوا یعنی ان دونوں پر ہمارا کام ختم ہو گیا۔"

"ارے نہیں' یہ کس نے کہا؟" مردود بری طرح چونکا۔ "ہمارا کام۔۔۔ اصل کام تو شروع ہی اب ہوا ہے۔ ہاہاہا۔"

ابلیس مردود جھوم رہا تھا۔ نجانے تصور کی آنکھ کس چیز کی منظر کشی کر رہی تھی۔ **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔**

☆ ☆ ☆

اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے ملنا ترک کر دیتے یا جہاں بھی اک دوجے کو پاتے تو راہ بدل لیتے۔۔۔ لاحول پڑھ لیتے۔

نظریں چرا کر۔۔۔ ہچکچا کر۔۔۔ وہ ایک بار پھر روبرو تھے۔ بھلے سے بیچ میں بہت دن کا وقفہ آ گیا تھا۔ سنان ماسٹرز کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ آفس۔۔۔ جانے لگا تھا اور فقط ایک دو دن کے آرام کے بعد شجرۃ اب نئے مشن کی تیاریوں میں لگ گئی تھی۔ اسے مقابلے کا امتحان دینا تھا اور آخری مرحلے تک کی کامیابی حاصل کرنا تھی۔ مکمل کامیابی۔۔۔

اور سنان الیاس ہر مرحلے میں اس کے شانہ بشانہ تھا۔ ہمیشہ سے۔۔۔ تو اب کیوں نہ ہوتا۔ وہ اس کی فائلز پکڑ لیتا اور اپنی ہلکا سا جھٹکا کھاتی ٹانگ کے ساتھ اس کے قدم سے قدم ملا کر چلتا۔

شرمندگی کے احساس کے ساتھ ساتھ شجرۃ کو اب اس سے حیا بھی آنے لگی تھی۔ اسے لگنے لگا تھا' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر پاتی ہے۔ ساتھ چلتے چلتے وہ غیر ارادی طور پر ذرا سا دھیما ہو جاتی اور پھر اسے جی بھر کے دیکھ لیتی۔

کچھ ایسا ہی حال سنان کا تھا۔ وہ اس سے یوں مخاطب ہوتا جیسے کسی غیر سے۔۔۔ ضروری سے ضروری بات کرتے ہوئے ہر جگہ دیکھتا بس اس کے چہرے کو نہ دیکھتا اور جیسے ہی وہ اپنے کسی دھیان میں مگن ہوتی۔۔۔ وہ کسی شاطر چور کی طرح کامیاب واردات کر لیتا۔ جی بھر کے اسے دیکھتا' ایسے جیسے نقش نقش ازبر کر لینا چاہتا ہو' گھول کر پی لینا چاہتا ہو۔

اس کا دیکھنے کا نظریہ بدل گیا تھا یا وہ ہی کچھ اور ہو گئی تھی۔ نئی نئی' انوکھی' اچھوتی پھر دونوں نے جیسے ایک دن دونوں ہی کی چوری کو پکڑ لیا۔

"ایسا کون سا غضب ہو گیا آخر۔۔۔ کہ تم منہ چھپائے پھرتی ہو؟"

"تم نہیں۔۔۔ ہم۔۔۔ ہم دونوں ہی۔۔۔" اس نے ذرا سی نگاہ اٹھائی تھی۔

وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔ "ہاں ہم دونوں ہی۔۔۔ مگر شجرۃ۔۔۔ کوئی سوچا سمجھا ارادہ نہیں تھا بس یک دم۔۔۔ مگر اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟"

"اسی بات کا تو دکھ ہے کہ اب کچھ بھی پلٹایا نہیں

جاسکتا' سیدھے سپاٹ ورق کو اگر ایک بار موڑ دیا جائے صدیوں بعد بھی پھر جب اس کتاب کو کھولیں۔ نشان موجود رہتا ہی ہے۔" اس نے جیسے معذرت کے اگلے سارے جملوں۔۔۔ تسلی کے پیروں کا راستہ بند کردیا۔ واقعی کیا وقت لوٹ کر نہیں آسکتا کہ جو کچھ ہوگیا۔۔۔ ہوگیا۔

سنان واقعی لاجواب ہوگیا۔

اس نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں اور اس بار شجرۃ نے نگاہیں نہیں چرائیں جیسے وہ بھی جواب کی منتظر تھی۔

جو خوف دل میں چھپا ہے' وہ کیسے دور کریں
اب اس کے واسطے کیا پھر کوئی قصور کریں؟

شجرۃ لڑکھڑا سی گئی۔ اس کی پلکیں یک دم جھک گئیں اور ہونٹ لرز اٹھے' پھر جب اسے نظروں کے مسلسل اپنے چہرے پر ٹھہرنے کا احساس ہوا تو نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی کہ اس کا لہجہ بہت عجیب سا لگا تھا اور آواز بھی نئی نئی تھی۔ پہلے تو کبھی نہیں سنا تھا نہ محسوس کیا تھا۔

"جانا بوجھا منصوبہ نہیں تھا شجرۃ۔۔۔!" وہ اس کے نزدیک تر ہوگیا۔ "ورنہ بہت پہلے ہی سب ہوجاتا بس۔۔۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ۔۔۔" وہ کچھ سوچنے لگا۔

فتح کی بزم سرشاری تھی' بھیگی رات کا حال نہ پوچھ
جبّہ' خرقہ' پگڑی' ٹوپی مستی میں انعام ہوئی

"تو اسی بات کے لیے تو روتی ہوں اور نظریں چراتی ہوں۔" اس نے پہلے کبھی اتنی جلدی شعر نہیں سمجھا تھا' وہ رخ پھیر کے گویا ہوئی۔ "ایسی بھی کیا مستی؟ کہ ہوش ہی کھودیں۔ ایسے کہ کچھ نہ بچے۔" وہ ایک بار پھر سب یاد آنے پر خود کو نظریں ملانے کے قابل نہ پاتی تھی۔

"کیا کھودیا یار۔۔۔ کیا نہ بچا؟ سب کچھ وہی تو ہے' تم اور میں۔"

"نہیں۔ کچھ بھی نہیں ہے پہلے جیسا۔۔۔ مجھے لگتا ہے میں۔۔۔ میں خراب ہوچکی ہوں۔ میں۔۔۔" وہ رونے لگی۔ "مجھے اپنے آپ سے شرم آتی ہے اور تم سے۔۔۔ تم سے بھی۔۔۔"

"کیسی بے وقوفی ہے میں سمجھ رہا ہوں تمہاری کیفیت مگر اب کم از کم ایسے نام بھی نہ دو۔ بیوی ہو تم میری' ایسی بھی کیا بات۔ کوئی مذاق ہے بھلا؟"

"نہیں۔" وہ گھبرا کر ذرا سی پیچھے سرکی۔ "لوگ کیا کہیں گے اگر جو کسی کو پتا چل جائے تو۔۔۔ رخصتی سے پہلے۔۔۔"

"کم آن شجرۃ۔۔۔!" وہ اپنا سر پیٹ لینے سے بدقت رکا تھا۔ "نکاح کے بعد۔۔۔ یہ کیوں بھولتی ہو؟" وہ اسے پچکارنے لگا۔۔۔ دلاسا دینے لگا۔۔۔ بے فکری کا درس۔۔۔ ہمیشہ کی طرح وہ اسے قائل کررہا تھا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟ دھوکا دے کر بھاگ جاؤں گا۔ یار بیوی ہو تم میری۔۔۔" وہ پورے دل سے مسکرایا تھا اور اس کی آنکھیں بھی بولتی تھیں۔ وہ لفظ بیوی کہہ کر سارا قصہ سمیٹ رہا تھا۔

شجرۃ کو دوسری بار یہ لفظ سن کر عجیب سی تسلی کا احساس ہوا اور یہ چیز آنکھوں سے بھی جھلکنے لگی۔

پچکارنے اور دلاسا دینے کا انداز غیر محسوس طریقے سے بدلا ہوا سا تھا۔ وہ جسمانی لحاظ سے ایک دوسرے سے زیادہ قریب تھے' وہ جو اک حجاب حائل تھا وہ پردہ تو سرک چکا تھا۔

اس کے چھونے میں استحقاق تھا۔ اس کے محسوسات میں بے دھیانی تھی اور پھر اسی بے دھیانی اور حق کی کوکھ سے ایسے پچھتاوے دینے والے مزید واقعات کا ظہور کچھ اس طرح ہوا کہ جو ایک پشیمانی کا احساس ہر پل ستا رہا تھا۔ معدوم ہوتے ہوئے ختم ہوگیا۔

ہر بار آئندہ کے لیے تائب ہوجاتے اور نظریں چرا لیتے۔ پھر کچھ روز بعد سب نارمل' اچھے ذی ہوش شریف سلجھے ہوئے عاقل و بالغ انسان تھے۔ عملی زندگی کے سارے عوامل و شرائط کی خبر رکھتے تھے' سیدھا راستہ اپنا لیتے۔ کوئی رکاوٹ تو نہیں تھی۔ ایک بار اس پہلو پر سوچتے تو۔ شادی کیا دنیا کے کام کرنے

سے منع کرتی ہے۔ شادی ہاتھ پر ہاتھ دھرکے بیٹھنے کا نام تو نہیں کہ شادی کے بعد کچھ کر نہ سکیں گے۔ کرنے والے سب کرتے ہیں۔

مگر نہیں۔ سنان کو ابھی بزنس میں سیٹ ہونا تھا وہ گھر کا چھوٹا بچہ بن کر سالوں عیش کرچکا تھا' مگر اب چھوٹا بچہ رہا نہیں تھا۔

ادھر شجرۃ دن رات دنیا بھلائے پڑھتی۔ اسے کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ صرف پڑھائی' امتحان باقی سب بعد کی باتیں ہیں (پہلے ہو بھی چکی تھیں۔۔۔)

لیکن اس قطعیت کے بیچ جب وہ دونوں ملتے تب۔۔۔ نجانے کیسے "حد" کئی بار حد سے آگے بڑھ گئی۔

اتنی کہ احساس بھی جاتا رہا۔

☼ ☼ ☼

امتحان ہر بار اس کی جان پر عذاب بن کر ٹوٹتے تھے' مگر اس بار کا امتحان تو جیسے ساری توانائی نچوڑ رہا تھا۔ اس کے پاس غلطی کی گنجائش نہیں تھی اس نے بہت آگے کی منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ اسٹیپ بائے اسٹیپ۔

کمرے میں پڑھتی سیڑھی پر بیٹھ کر پڑھتی۔ چھت پر ٹہل کر۔۔۔ اخبار لگوا رکھے تھے۔ محسنہ خوش ہوتیں چلو تھوڑا سا تو ریلیکشین۔۔۔ بعد میں پتا چلا وہ بھی امتحان کی تیاری کا ایک حصہ ہے۔

محسنہ کو اب اس کی محنت کا خیال تھا۔ وہ اس کے کھانے پینے کا خود سے خیال رکھنے لگی تھیں۔ پوری ٹرے سجا کر تینوں ٹائم لے جاتیں۔ الگ سے دودھ بھی لگا لیا' مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ دن بدن لاغر ہوتی جارہی تھی۔ اس کا چہرہ اترا اترا سا رہتا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ ترین حلقے رت جگے کی علامت تھے (وہ رات گئے تک کچھ نہ کچھ لکھتی پڑھتی تھی)

کتاب منہ پر ڈال کر دل میں پڑھتی۔ کبھی بچوں کی طرح کچھ اونچے جملے بولتے' پھر مدہم ہوجاتی پھر غافل۔۔۔ مگر غفلت تھوڑی دیر کی ہوتی۔ جھرجھری لے کر بیدار ہوتی پھر پڑھنے لگتی۔ محسنہ دودھ پینے پر زور دیتیں وہ کالا کڑوا قہوہ پی کر نیند بھگاتی۔

"نیند کو بھگاتی ہوں امی۔ پتا نہیں کیا بات ہے۔ کتاب کھولتے ہی جمائیاں آنے لگتی ہیں' میرا تو جبڑا دکھ گیا۔"

"تو ضرورت کیا ہے امتحان کو اتنا سر پر سوار کرنے کی۔ ابھی تو بہت دن پڑے ہیں' ہوجائے گی تیاری۔" ہما بھابھی تسلی دیتیں۔ سب "تائید" سہلاتے۔

"جان ہوگی تو جہان ہوگا' میں تو کہتی ہوں اسے ڈاکٹر کو دکھادیں۔ رات بھر کتابیں پڑھتی ہے۔ نیند پوری ہوتی نہیں۔ دن میں جمائیاں۔۔۔ بھلے سے پڑھے لکھے نہیں ہیں' مگر یہ تو معلوم ہے نا' پڑھنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے۔" تائی نے بھی کہا۔

سب نے تائید کی۔ محسنہ کے خیال کو بھی راہ ملی۔

حیرت انگیز طور پر وہ بھی ڈاکٹر کے پاس جانے کو تیار ہوگئی کہ خود بھی اپنی کیفیت سے عاجز آئی پڑی تھی۔

خوامخواہ میں بیماری طول پکڑ لیتی اور امتحانوں کی راہ میں حائل ہوجاتی۔

☼ ☼ ☼

فضا میں تیرتی ہے
دیر تک یہ گرد کی صورت
محبت درد کی صورت
محبت خواب کی صورت
نگاہوں میں اترتی ہے کسی مہتاب کی صورت
ستارے آرزو کے۔۔۔

☼ ☼ ☼

وہ جو اسے اپنا آپ دھتکارا ہوا سا لگتا تھا' ذہن اور سوچ اتنی پختہ نہیں تھی کہ اپنی الجھنوں اور سوالوں کو ترتیب سے بٹھاتا اور ایک ایک شکل گھڑ کر فیصلہ صادر کرتا' نتیجے پر پہنچ جاتا کہ ہاں وہ جو کچھ سوچتا ہے یا جن چیزوں کا اسے یونہی گمان ہوتا ہے وہ دراصل درحقیقت یوں ہیں یوں تھیں۔

اسے لگتا اس سے محبت تو کی جاتی ہے مگر ایسی محبت جو عیاں نہ ہو جائے' کسی کو اس محبت کی خبر نہ ہو جائے۔ بس محبت ہے دل کے نہاں خانوں میں۔ اظہار کی کیا ضرورت۔

اپنے الجھے ہوئے خیالوں اور سوالوں کو سلجھانے کے لیے وہ تو بس "حال" پر نظر رکھتا تھا یا ماضی کہ تب اور جب اور کب۔ بس اس کے بعد ذہن کی سلیٹ خالی ہو جاتی تھی۔

دس برس کی عمر میں اسے لگتا تھا اسے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ بوجھ سمجھا جاتا ہے اس کے پاس ثبوت اور گواہ نہیں تھے' فقط گمان اور قیافے۔

اور سچ یہ تھا کہ وہ واقعی انجان تھا' مگر اسے دھتکار آگیا تھا تا جب وہ پانچ برس کا تھا اور جب وہ پیدا ہوا تھا اور جب وہ پیدا ہو رہا تھا اور اس کی ماں کا بس نہ چلتا تھا کہ اسے نوچ کر خود سے دور کر دے۔

دھتکارنے' دامن جھٹکنے کا عمل تو اس وقت ہی شروع ہو گیا تھا جب اس کی ماں کو اس کے اپنے وجود میں سانس لینے کا پہلا احساس ہوا تھا۔

ماں ہی کیوں۔ گرد و پیش کے سب لوگ جو اس کے متوقع رشتے تھے۔ وہ دنیا میں آجاتا تو سب سے اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ ہوتا۔۔۔ خوب صورت رشتے' مگر وہ سب حیرت سے اس کی ماں کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

"مجھے نہیں چاہیے سنان۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔" وہ مچل مچل کر رو رہی تھی۔ بے قراری سے پوچھ رہی تھی۔ "سب پوچھ رہے ہیں اس کا باپ کون ہے؟" اس کی آواز بھی گھٹ کر نکلتی تھی۔

سنان کے سر پر ڈنڈا برسا۔

"تو۔۔۔؟ کون کا کیا مطلب۔۔۔ میں ہوں' میرے علاوہ کون ہو گا۔"

"آہ۔۔۔؟" شجرۃ الدر کے ارد گرد جلتے شکوک کے بھانبڑوں پر پانی پڑ گیا۔ ماسیوں نے پوچھا تھا' بچے کا باپ کون ہے' وہ فکر مند دیکھتی تھی۔ مگر منہ سے نکل گیا۔

"سن۔۔۔ سنان۔۔۔" اور ماسیوں کے منہ پر ہاتھ پڑا اور محسنہ کے دل پر۔

یہ کیسی کہانی تھی۔ وہ بیٹی سے کیا باز پرس کریں اسے بے عزت کریں۔ ذلیل و خوار کہیں' مگر۔ کیا کہہ کر کوسیں کہ اس نے عزت کا جنازہ نکال دیا اور موئی کو ذرا لاج نہ آئی منہ کالا کر کے آتے' مگر جملے زبان کی نوک پر آکر رک جاتے۔

منہ کالا تو نہیں کیا تھا اور لاج کس چیز کی' وہ بیوی تھی اس کی' مگر عزت کا جنازہ بہرحال تیار کھڑا تھا۔ کندھوں پر سواری۔ راستے۔ گلیاں' چوک۔ چوراہے' گنتے ہی کندھے بدل جاتے۔۔۔ دفن کرنے کے مرحلے تک۔۔۔

اور شجرۃ الدر کا دماغ سن تھا۔ سب ہی نے ہزار باتیں کیں' مگر ماں کا ایک جملہ دماغ میں جا کر اٹک گیا تھا۔

"سنان کا ہے' یہ تو اس نے کہہ دیا۔۔۔ وہ بھی ملنے گا تا۔۔۔ یا پھر۔۔۔؟"

اور یہ تو فقط شجرۃ جانتی تھی کہ وہ سنان ہی کا بچہ تھا۔ سنان اور شجرۃ کا۔۔۔

محسنہ منہ پر کپڑا رکھ کے بے آواز روتی تھیں اور دکھ یہ بھی تھا کہ کوسنے' رونے اور بین ڈالنے کے لیے کوئی جملہ موزوں نہ لگتا تھا۔

وہ کن الفاظ میں بیٹی کو بتاتیں کہ کیا کر بیٹھی ہے۔

ڈاکٹر پرانی جاننے والی تھیں۔ ماسیاں تک ان کے پاس جایا کرتی تھیں۔

"نکاح کا تو مجھے پتا تھا' رخصتی میں بلایا نہیں محسنہ۔ ماشاء اللہ اتنی قابل بچی ہے تمہاری۔۔۔ ماں باپ ذہین محنتی ہوں تو بچہ تو خود بخود قابل پیدا ہو گا نا۔"

"رخصتی اور بچہ۔۔۔؟" محسنہ ٹکر ٹکر ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھیں۔

"اچھی طرح کھایا پیا کرو اور یہ تمہاری امی کیا کہہ رہی ہیں امتحان کی ٹینشن اب کون سا امتحان دے رہی

ہو۔"

"سی ایس ایس۔۔۔" اس کے ہونٹوں سے پھسلا۔

"مجھے یقین ہے تم اس میں بھی کامیاب ہو گی' مگر پھر بچہ بعد میں کرنا تھا نا۔" ڈاکٹر بی پی بیلٹ کو اس کے بازو سے کھول رہی تھی۔ "ہاں' مگر یہ بھی طے ہے کہ جس روح نے جب دنیا میں آنا ہو۔" وہ محسنہ سے شجرۃ سے اور کیا سے مخاطب تھیں۔ کیا جو محلے دار تھی اور اسپتال کے بعد کیس بھی کر سکتی تھی اس وقت سب سے زیادہ منہ اس کا کھلا تھا۔ (رخصتی تو ہوئی ہی نہیں تھی ابھی اور رخصتی ضروری تھی)

چھپنے والی بات ہی نہیں تھی اور کاش چھپانا آسان ہوتا۔

سنان نے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ نہیں۔ دونوں ہی نے۔۔۔

"اتنی بے صبری تھی تو اس کے گھر جا کر ہی مرتی نا' من مانیاں کرنے کا تو پہلے دن سے شوق ہے۔ اپنے منہ سے پھوٹ دیتی۔" آفاق نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ وہ کیا کچھ بک رہے تھے۔ اس کا انہیں ادراک بھی نہیں تھا۔

"بلاؤ اس خبیث کو۔۔۔ گھسی پڑی رہتی تھی' ساتھ آرہے ہیں۔ ساتھ جا رہے ہیں' کھا رہے ہیں رنگ تو چڑھنا تھا ہی۔ اس سے کہو لے کر جائے اپنے گناہ کی پوٹ کو۔ میرے گھر میں یہ بے شرمی کا اسٹیج نہیں سجے گا۔ کیا کہوں گا دنیا سے کنواری بہن کا بچہ ماموں بول رہا ہے۔ آخ تھو۔۔۔"

"کنواری تو نہیں تھی۔ نکاح کیا تھا۔ گناہ تو نہ کہو۔" محسنہ بلبلا ئیں۔

"تو منہ چھپا کر رو کیوں رہی ہیں۔ حلوائی بٹھا لیں دروازے کے باہر۔ نانی بننے والی ہیں خیر سے۔" آفاق کے دانتوں کی کچکچاہٹ سب کو محسوس ہو رہی تھی۔

محسنہ کے رونے میں اور شدت آگئی۔ یہ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

"ہر فن مولا" تارے توڑتی بیٹی کے کہے پر آنکھ بند کر کے یقین کر لیا ہے۔ پکا پتا لے لیں۔ اس کا بچہ ہے نا۔ کل کو آکر وہ بھی انکار کر جائے کہ میں تو جانتا ہی نہیں۔" شجرۃ کونے میں لگی بیٹھی تھی۔ تڑپ کر رہ گئی۔

"آفاق! زبان سنبھال کر۔" بڑے ماموں کی پیشانی عرق عرق ہو گئی۔

"شجرۃ غلطی کر سکتی ہے۔ گناہ نہیں۔" ان کے جملے میں شجرۃ کے لیے گواہی تھی۔ اس کی آنکھیں جھر جھر بہنے لگیں۔

سنان نے آفاق بھائی کے زوردار دھکے سے بمشکل گرنے سے خود کو روکا تھا۔

"شجرۃ کا کوئی قصور نہیں۔ میری ہی غلطی تھی۔" شرمندگی نے اس کے چہرے کو تپا دیا تھا۔ دھواں دھواں آنکھیں۔ "میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں۔"

"اور کوئی سزا وزا نہیں۔ اٹھاؤ بوریا بستر اور نکلو ادھر سے۔۔۔ ابھی اور اسی وقت۔۔۔ دوبارہ شکل بھی نہ دکھانا۔"

"میں کل۔۔۔ کل اسی کو لے کر آؤں گا۔"

"کیوں۔ باجوں گاجوں کے ساتھ بارات لانی ہے۔ اب بھی ارمان باقی ہیں۔۔۔ بہت خوب!"

"آفاق۔۔۔!" بڑے ماموں کا چہرہ خفت سے لرز گیا۔ ان کے بیٹے کے جملے۔۔۔

"کئی لوگوں نے کہا تھا اتنی قابل لڑکی کے لیے یہ لنگڑا ہی رہ گیا تھا۔ ایک سے ایک شان دار مرد مل جاتے' کہیں تم نے بھی تو نہیں سن لیا تھا یہ اعتراض۔۔۔"

تمام حاضرین چونکے تھے۔ سر اٹھے تھے پھر نظریں جھکی تھیں۔

"وہ۔۔۔!" بہت خراب حالوں میں بیٹھی شجرۃ نے پل بھر میں آفاق بھائی کا سارا اندر پڑھ لیا۔

غیرت و عزت کے احساس سے بڑھ کر حسد ابھر ابھر کر وار کرتا تھا اور وہ وار کو ان دونوں کی جانب پلٹاتے تھے' مگر ایک پل سکون نہ ملتا تھا۔

"بہرحال امی کو لاؤ یا ابو کو۔۔۔ یہاں کوئی نہیں ہو گا' پھولوں کے ہار لے کر استقبال کے لیے۔۔۔ پھپھی کا منہ نہ ہوتا تو جوتوں کا ہار ڈال کر مین روڈ تک لے کر جاتا۔

اب بات کچھ یوں ہے کہ یہ بیٹھی ہے سامنے۔ ہاتھ پکڑو اور نکل لو۔ پیاں پیاں (پیدل پیدل)۔" آفاق نے چٹکی بجا کر شجرۃ کو متوجہ کیا اور دروازہ دکھایا۔

"آفاق!" چھوٹے ماموں نے سر ہاتھوں پر گرالیا۔ اچھے جملے اور برے جملے ان کے پاس بھی تھے مگر کوئی بھی نوک زبان پر آتا نہ تھا۔ قوت گویائی سلب ہوگئی تھی جیسے۔

"اور تم اپنی ماں کو لاؤ اور۔۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر سنان کی صورت دیکھنے لگے۔ "کیا کہہ کر لاؤ گے۔۔۔ وہ آجائیں گی نا۔ بہت بیمار ہیں نا وہ۔۔۔" (سنان کی امی مکمل طور پر بیڈ پر تھیں۔ ایک نرس رکھ کردی گئی تھی)

"لے آؤں گا۔ وہیل چیئر پر موو کرلیتی ہیں اور سچ کہہ کر لاؤں گا۔" اس نے جھکا سر اٹھا کر بہت اعتماد سے کہا تھا اور لفظ "سچ" کہتے ہوئے سب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تھیں۔

"کیا رخصتی لوگے؟" چھوٹی مامی نے پہلی بار لب کھولے۔

سنان اثبات میں سرہلانے والا تھا۔ لیکن محسنہ کے جملے نے سر کو جھکا دیا۔

"شادی کے پانچ ماہ بعد بچہ تھوڑی پیدا ہوتا ہے۔"

"تو کیا اب یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ اس گھر سے نکالیں اس کو۔ بچہ کل پیدا کرے یا چار سال بعد۔ میں اس بدنامی کو پوٹ کو یہاں برداشت نہیں کروں گا۔"

آفاق کے جملوں سے زیادہ لہجہ خطرناک اور ارادے ہولناک تھے۔ ماتھے کی پھڑکتی رگ۔ بھینچی مٹھیاں۔ پھولتے پچکتے نتھنے۔ مجلس برخاست۔

آفاق گھر سے باہر نکل گئے تھے۔

محسنہ سر پر ہاتھ رکھ کے آواز دبا دبا کے رونے لگیں۔ موت کا سا سناٹا ہر سو چھا گیا تھا۔ ہما بھابھی حسرت آمیز نگاہوں سے شجرہ کو دیکھتی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بے آواز گر رہے تھے۔ بڑی مامی نے نگاہوں کا مفہوم پڑھا تو۔ سرد آہ بھر کے رہ گئیں۔

واہ اللہ تیرے رنگ۔

سنان آنگن میں اکیلا کھڑا رہ گیا تھا۔ وہ شجرۃ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ کوئی تسلی یا تشفی یا کچھ بھی۔ مگر۔

وہ گھر سے باہر نکلا تو شام اندھیرے کی بغل میں منہ چھپانے والی تھی۔ اس کا چہرہ تفکر کے جال میں چھپا پڑا تھا۔

سنان کو پتا نہیں چلا۔ اس کے نکلنے کے کتنے لوگ منتظر تھے۔ کتنی کھڑکیاں اور دروازے بینا ہوگئے تھے۔ اچک اچک کر اسے دیکھتے تھے۔ اشارے کرتے تھے۔ وہ تو چلا گیا۔ اب پیچھے اتنا چٹ پٹا مزے دار انوکھا قصہ زبان زد عام تھا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے شادی نہیں کرنی سنان۔ میرے پیپرز سنان!" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ "بس مجھے اس سے چھٹکارا دلوا دو کسی بھی طرح۔ میں یہ سب افورڈ نہیں کرسکتی۔"

نفی میں سرہلاتے ہلاتے وہ اچانک جنونی سی ہوگئی اور اپنا دامن یوں جھٹکنے لگی۔ جیسے کوئی کیڑا پتنگا جھاڑتا ہو۔

"ارے۔ ارے رکو شجرۃ پاگل ہوگئی ہو۔ آرام سے۔ تحمل سے۔" وہ اسے باز رکھنے لگا مگر عجیب بات تھی۔ چھونے سے ڈر رہا تھا۔

"تمہارے خیال میں شادی تمہارے راستوں میں حائل ہوگی۔ میں تمہاری راہ میں حائل ہوں گا؟" اس کے سوال میں ارادہ بھی چھپا ہوا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں بغور جھانک رہا تھا۔ شجو کی آنکھیں "نہیں" کہتے ہوئے جھک گئیں وہ رو رو کر سوجی ہوئی تھیں۔

"لیکن اس نے۔ اس نے تو میرا تماشا بنادیا۔ سب مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ساری دنیا میری بات کررہی ہے۔ لوگوں کے پاس اب اور کوئی موضوع ہی نہیں۔ سامیان کہہ رہی ہیں۔ میری اس حرکت نے انہیں کسی کو منہ دکھلانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ ایک عالم مجھ پر تھو تھو کررہا ہے۔

آفاق بھائی اسے گناہ کہہ رہے ہیں۔ یہ گناہ ہے

سنان؟"

"کوئی نہیں۔ بالکل نہیں۔" سنان ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔ "تم منفی باتیں مت سوچو شجرہ! بالکل غلط کہتے ہیں وہ۔ یہ کہاں سے گناہ ہوگیا۔ بس۔" اسے اگلا جملہ نہ سوجھا۔ "یہ تو محبت ہے وہ جو ہم دونوں کو ایک دوسرے سے ہے۔ بہت ساری۔"

"یہ محبت ہے؟" وہ چلانے سے بمشکل باز رہی۔ "اتنی ذلت میری۔۔۔ محبت۔ محبت ایسی ہوتی ہے۔" وہ کراہی۔ سنان کے لب بھینچ گئے۔ "میں دنیا کی باتیں نہیں سن سکتی سنان۔" وہ ایک بار پھر رونے لگی۔ سنان کچھ نہ کہہ سکا۔ دنیا اور دنیا کی باتیں۔

آدمی کتنا ہی اچھا ہو فرشتہ تو نہیں
پہلا پتھر مارنے کو دل بھی پتھر چاہیے

☼ ☼ ☼

سنان کی امی ماؤں کی اس قسم سے تعلق رکھتی تھیں جو بہوؤں اور بیٹیوں دونوں سے بس ایک ہی مطالبہ کرتی تھیں کہ بچے جو جی چاہے کرتے رہیں۔ تہس نہس کردیں۔ بگاڑ دیں یا اجاڑ دیں انہیں ٹیڑھی آنکھ سے بھی نہ دیکھا جائے۔ کچھ کہنا سننا تو خیال سے بھی دور کسی کے بھی حمل کی خبر سن کر ایسا شاہی پروٹوکول دیتیں کہ ماں سوچتی زندگی بھر ڈلیوری نہ ہو۔

ماں کے پاس مسئلہ لے جانے سے پہلے سنان نے بہت سے جملے ترتیب دیے۔ شجو کے گھر والوں نے رخصتی کی ڈیمانڈ کردی تھی۔ ماں کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ وہ بستر پر پڑی تھیں اور چاہتی تھیں کہ رخصتی کروائی جائے سنان ہی نے شجرۃ الدر کے امتحان کا کہہ کر روک رکھا تھا۔ وہ ماں کو لاعلم رکھ کر شادی کا اقرار نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اپنے گھر کی اس آخری شادی کو بہت دھوم دھام سے کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں سب خاندان کی موجودگی میں۔

اتنا تو اسے اندازہ ہوچکا تھا۔ ماں کے آگے حرف بہ حرف سچ کہنا ہوگا۔ یہ فیصلہ کرکے دل مطمئن ہوگیا

تھا۔ مگر اسے یقین تھا ماں کے مزاج کے پیش نظر بچے ہی کا ذکر انہیں قائل کرے گا۔ کہ انہیں اپنی نسل بہت پیاری تھی۔ مگر۔

وہ پھیلی پھٹی آنکھوں اور کھلے ہونٹوں سے اسے تکتی رہیں۔ کیا وہ وہی کچھ سمجھ رہی تھیں جو وہ کہہ رہا تھا۔ پھر جیسے ان کے اندر حیوانی طاقت آگئی تھی۔ وہ اپنے گال پیٹ رہی تھیں اور سر پر زور زور سے ہاتھ مارتی تھیں۔ توبہ توبہ کرتی تھیں اور سر دائیں بائیں پٹختی تھیں۔

"نیچ خاندان۔ بد کردار۔ ایسی اندھیر مچادی۔ بے شرم، بے حیا میں تو اسے بہت شریف سمجھتی تھی۔"

"اماں۔!" اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر احتجاج کیا۔ "وہ اکیلی قصوروار نہیں ہے اماں۔ میں بھی تو۔"

"ارے ہٹاؤ۔" اماں نے حقارت سے ہاتھ چلایا۔ "کس نے کہہ دیا عورت اتنی آسانی سے ہاتھ آجانے والی چیز ہے۔ اور رہے تم۔" ان کے لہجے میں بیٹے کے لیے بھی حقارت نفرت اور مایوسی آگئی۔ "مرد تو زندگی بھر جال ڈالتے ہی رہتے ہیں۔ اس کی عقل کیا گھاس چرنے گئی تھی۔"

"ہوگیا ناں امی۔ جو کچھ ہونا تھا۔ آپ ایسے الفاظ استعمال کریں گی۔ تو میں باقی دنیا سے کیا امید رکھوں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ میری غلطی کو ڈھانپ لیں گی۔"

وہ یکدم کسی چھوٹے بچے کی طرح شکوہ کناں ہوگیا۔ زندگی میں کبھی اسے کسی نے سخت نہ کہا تھا۔ اور آج اپنی سگی ماں نے مانو برہنہ کردیا اور کوڑے مارے۔

"غلطی ڈھانپ لوں گی۔" اپنی سانسیں بحال کرتی امی کو جیسے کرنٹ لگا چمک کر بولیں۔

"تم پڑوسیوں کا شیشہ توڑ کر آئے ہو؟ کہ نیا لگوا دوں انہیں یا مکر جاؤں کہ میرا بیٹا تو ایسا کر ہی نہیں سکتا۔"

سنان الیاس لاجواب ہوگیا۔

"کیا جواب دوں گی میں دنیا کو۔ کون سی آفت آگئی مجھ پر۔" وہ خود کلامی کررہی تھیں اور تیز مگر کپکپاتے

ہاتھوں سے کبھی سائیڈ بورڈ پر اور کبھی تکیے اٹھا کر کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ گولی یا انہیلر۔

گولی ہاتھ پر رکھ کے وہ پانی لینا چاہتی تھیں۔ سنان سرعت سے گلاس کی طرف بڑھا۔ تو انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ خود پانی پی سکتی ہیں۔

سنان شکست خوردہ سا بیٹھ گیا۔ وہ خود میں سمٹا سمٹا جا رہا تھا۔

"ہم کہہ دیں گے کہ آپ کی ناسازی طبع کے باعث رخصتی جلد کرلی۔" بہت دیر بعد سنان کی جھجکی آواز ابھری۔

امی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے خود کو بحال کرنے کی تگ و دو میں تھیں۔ بری طرح چونکیں پھر چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

"بہت خوب اور یہ بہترین حل آپ کے اپنے دماغ کی تجویز تو لگتا نہیں۔ کسی اور ہی نے دماغ لڑایا ہے۔"

"وہ محسنہ آنٹی اور۔ اور ماسیاں۔"

"ہاں ہاں۔ وہی دے سکتی ہیں ایسے پلان۔ مگر یہ تو بتاؤ لخت جگر۔ دنیا کو یہ کیسے بتلاؤں گی۔ موت نے اتنی حسرت پیدا کردی کہ پوتا بھی پانچ ماہ بعد بلوالیا اللہ کے ہاں سے کہ اپنے جیتے جی بیٹے کا گھر بستا دیکھنے کا ارمان تھا اور پوتے کا منہ بھی دیکھنے کی طلب تھی۔ سو اتنی جلدی مچائی کہ شادی کے پانچویں مہینے دادی بھی بن گئی بھئی واہ۔ میں تو ولی ہو گئی۔ مرتے وقت کوئی حسرت حسرت نہ رہی۔ سارے ارمان ہی پورے کردیے۔ مثالیں دیں گے لوگ میری۔ واہ۔ خوف خدا نہ ہوتا اور تم برابر کے شریک کار نہ ہوتے اور ہوتی میں کوئی ذلیل عورت تو کاغذ منہ پر مار کر ہاتھ جھاڑ کے آتی۔ کیسی شادی کہاں کی رخصتی۔"

"اماں کون کہے گا دنیا کو کوئی تکلیف ہے؟ میں جانتا ہوں میرا بچہ ہے وہ۔"

"ارے دنیا ہی کے تو سارے مسئلے ہیں۔ دنیا ہی کی فکر میں تو گھل رہے ہو جو رخصتی کی کہانی ڈالنے آگئے۔ دنیا کو کچھ نہیں سمجھتے۔ دنیا ہی تو سب کچھ ہوتی ہے۔ ہائے!" وہ گردن تکیے پر ڈال کر جیسے تازہ دم ہو کر ہائے ہائے کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

شجرو نے رو رو کر کہا تھا۔ اسے اس مصیبت سے چھٹکارا چاہیے۔ کسی بھی قیمت پر۔ تب اس نے مصیبت کو محبت بتا کر اسے شانت کیا تھا۔

محبت کی نشانی۔ محبت کی مجسم صورت۔ تحفہ۔ عطیہ۔ محبت عزت کے ساتھ ملی تھی۔ پھر صورت بدل کر ذلت کیسے بن گئی۔

یہ اک شکست جو ہم کو ہوئی محبت میں
زمانے بھر کی فتوحات سے زیادہ ہے

ہر مقام پر فاتح کامیابی کا جھنڈا گاڑ کے سینہ تان کر چلنے والی شجرة الدر نے ہر شے کو اپنی مرضی کے مطابق کرلینا ہوش سنبھالنے سے پہلے سیکھ لیا تھا۔ نفی۔ یا ہار کا صفحہ اس کی زندگی کی کتاب کا حصہ تھا ہی نہیں۔

لیکن اب کی بار۔ وہ سب ہو گیا۔ جو قطعاً "نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یا پھر اس کا نتیجہ اس طرح سامنے نہ آتا۔ سیدھی۔ ہموار۔ رواں زندگی کے اندر اتنی بڑی غلطی۔

سیدھی زندگی کی رنگینی سے پیدا ہونے والی سنگینی۔

جس کے ارتکاب کے بعد "احساس" تک پیدا نہ ہوا۔

لمس میں ہوس نہیں تھی۔ محبت تھی۔ محبت طلب میں بدل گئی۔ غلطی پر شرمندگی بھی۔ رونا دھونا۔ پچھتاوا۔ دوبارہ نہ کرنے کا عہد۔ اور ایک دوسرے کو تسلیاں۔ محض تسلیاں۔

تو کیا ہوا۔

کوئی بات نہیں۔

ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔ کون سا گناہ ہو گیا۔؟

لیکن وہ باتیں جو شجرة الدر سن رہی تھی۔ وہ کانوں میں پگھلا سیسہ تھیں۔

اور جو سنان الیاس۔ مسز الیاس کے منہ سے سن کر آیا تھا۔ دھیما بولتی حلیم الطبع مہذب نپا تلا بولنے والی ماں کے جملے اور انداز۔

انہوں نے اس سے نجات کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔

محبت ناریل پانی کی طرح ہوتی ہے۔ سخت خول میں ڈھکا چھپا۔ چلو بھر محفوظ پانی۔ سخت خول دراصل "عزت" ہوتا ہے۔

محبت عزت کے سخت خول سے جدا ہو جائے تو ایسے ہی خوار ہوتی ہے۔

جیسے چھلکا ہٹانے میں بے احتیاطی کریں تو ناریل پانی پیروں میں جا گرتا ہے۔

اور ان دونوں کی محبت پیروں میں گری پڑی تھی۔ پیروں سے زمین کھینچ چکی تھی۔

ڈاکٹر نے صاف قطعی الفاظ میں انکار کرتے ہوئے ایک لمبا پرچہ دوائیوں کا لکھ دیا۔ زبانی ہدایت نامہ اس کے علاوہ تھا۔

"ہم دوسرے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

یہ ڈاکٹر بوڑھی اور مذہبی۔ ہاتھ میں تسبیح تھی۔ وہ آدھی بات سن کر ہی بھتے سے اکھڑ گئی۔

"تم لوگ پاگل تو نہیں ہو۔ خدا کا شکر ادا کرو وہ صاحب اولاد کر رہا ہے۔ عبرت پکڑو ان لوگوں سے جو ترستے ہیں۔ قبروں پر بیٹھ کر چلے کاٹتے ہیں۔ اپنی گود سنوارنے کے لیے دوسروں کی کوکھ تک اجاڑ دیتے ہیں اور تم بچہ ضائع کروانے آگئیں 'وہ بھی میرے پاس۔ میں نے کیا اس لیے پڑھا تھا کہ ڈاکٹر بن کر بچے ضائع کرواؤں گی ؟"

یہ ڈاکٹر کی تقریر کا ابتدائیہ تھا۔ تقریر کے ساڑھے تین سو صفحات ابھی باقی تھے اور جنہیں وہ سنا لینا چاہتی تھی۔ سنان نے سانس کے وقفے کا فائدہ اٹھایا۔ ڈاکٹر بولنے کا موقع دیتی ہی نہ تھی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں ڈاکٹر! آئی ایم سوری کہ ہم نے آپ کو ہرٹ کیا۔ دراصل میری مسز کے پیپرز ہو رہے ہیں۔ ہمیں پتا ہی نہ چلا بے بی کا۔ یہ شدید اسٹریس میں آگئی ہے۔ سو۔" اس نے قصداً "جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ شجرو الدر یوں چپ تھی جیسے منہ میں زبان نہ ہو۔ ہر جگہ سنان ہی بولا تھا۔

"اوہ ویری گڈ۔!" اس نے شجرو کے ستے چہرے کو دیکھا۔

"کس چیز کا ایگزام ہے۔"

"سی ایس ایس۔" سنان ہی بولا۔

"اوہ گریٹ۔ کب ہیں پیپرز۔؟" ڈاکٹر کی آنکھوں سے ستائش جھلکنے لگی۔

"نو دن بعد۔" شجرو کے لب سے جیسے سسکی نکلی۔

"تو پھر پریشانی کی کیا بات۔ آخر یہ نئے زمانے کی لڑکیاں پریگننسی کو بیماری کیوں سمجھ لیتی ہیں۔ اٹس نیچرل پراسس' اگر عورتیں اس حالت میں بستروں میں پڑ جائیں تو کیا ہو گا۔ اللہ نے دنیا کام کرنے کے لیے بنائی ہے ناکہ آرام کرنے کے لیے۔" ڈاکٹر ڈپٹ کر کہہ رہی تھی۔

"میں خود اپنے لاسٹ منتھ میں ایک ایک دن میں چھ چھ سیزرین کرتی تھی اور میرے اپنے چھ ہی بچے ہیں۔ اور میں اسی طرح جاب پر آتی تھی اور اپنا کیس بھی کروا لیتی تھی۔ مگر آہ۔ یہ آج کل کی لڑکیاں۔"

ڈاکٹر نے پرچا لکھنا شروع کیا۔ اتنا بڑا نسخہ کہ پرچے کی دوسری جانب بھی لکھنا پڑا۔

"دوائیاں برابر استعمال کرو۔ دودھ اور پھل زیادہ۔ اور اب مزید کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے یہ بچہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ ماں کی جان کو سخت خطرہ۔ تمہیں ایگزام پاس کرنا ہے کہ نہیں لڑکی۔!"

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"کہیں نہیں۔ میں یہ دوائیاں خرید لوں ذرا۔" سنان نے نظریں چرا کر کہا تھا۔

وہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

شجرو الدر نے مقابلے کے امتحان کو سب سے بڑا اور مشکل امتحان کہا تھا۔ اور وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر اس میں انت تک کی کامیابیاں چاہتی تھی۔ مگر اسے یہ

نہیں پتا تھا کہ وہ اس سے بھی بڑے امتحان میں پڑ جائے گی۔

مقابلے کے امتحان میں آنے والے ممکنہ اور غیر ممکنہ تمام سوال اس نے جیسے پانی کی طرح گھول کر پی لیے تھے۔

مگر۔ یہ کیسے سوال تھے۔ جو دنیا اس سے پوچھ رہی تھی اور پوچھ لینا چاہتی تھی۔ یہ کیسا امتحان تھا جس کی تیاری کا اسے خیال تک نہ رہا۔ وہ اپنی ساری ذہانت اور خود اعتمادی بروئے کار لا کر بھی ایک حدف جواب نہ کہہ پاتی۔

اسے وہ ٹوک جواب دینا آتے تھے۔ اس کی شخصیت میں بہت نوعمری میں ہی ایک ایسا رعب بنپ گیا تھا جو مقابل کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دیتا تھا مگر وہ کچھ نہ کہہ پاتی۔

دونوں ماموں اور بڑی مامی اور محسنہ۔ مسز الیاس کے پاس گئے تھے۔ مگر مسز الیاس، جو اس روز کفن پھاڑ کر بولی تھیں "ان سب کے سامنے ایک لفظ نہ بولیں۔ اس دن کے جوش نے جیسے ساری توانائی نچوڑ لی تھی۔ اور سچ بات یہ تھی کہ شدید صدمے اور شرمندگی نے بھی انہیں نچوڑ دیا تھا۔ بیمار تو وہ پہلے ہی تھیں۔ اس روز تو سارا الزام شجرۃ الدر پر رکھ کر ہاتھ جھاڑ لیے تھے۔

"مگر اتنا تو جانتی تھیں۔ بیٹا۔ زلیخا کے قصے کا "یوسف" نہیں ہے۔"

یہ سب ان کے بیڈ کے گرد کرسیوں پر خاموش ہی بیٹھے رہے۔

مسز الیاس کے چہرے پر خیر مقدمی تاثر آیا۔ پھر شرمندگی پھر تکلیف بے بسی کے احساس سے آنسو۔ وہ بے حد مجبور محسوس ہو رہی تھیں۔ طبیعت بہت خراب تھی۔ عمر بہت زیادہ ہو چکی تھی۔ اور ہر بار طبیعت خراب ہونے پر سب کو یقین ہونے لگتا۔ بس۔ لیکن وہ ابھر آتی تھیں۔

"مسئلہ رخصت کروانے کا نہیں ہے۔ ابھی کروا لاؤ۔ مگر پانچ ماہ بعد دنیا کو جواب دہی کیسے کرو گے۔ تمہیں سب آسان لگتا ہے۔ اتنا بڑا خاندان ہے۔ آٹھ تمہارے اپنے بہن بھائی" آگے ان کے شوہر۔ بیویاں اور بچے پھر ان کے خاندان۔ اور ثنا اور غزل۔ اقرا۔ سہیل۔ عذیر۔ تمہارے ہم عمر ہیں۔ وہ کیا اثر لیں گے تم نے سوچا۔" انہوں نے بھتیجے بھانجوں کا ذکر کیا۔

"امی! غلطی انسانوں ہی سے ہوتی ہے۔" سنان انہیں کسی بھی طرح قائل کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں۔ اور غلطی انسانوں ہی کو بھگتنا پڑتی ہے۔"

سنان کے ہونٹ باہم پیوست ہو گئے۔ وہ کیا کرے۔

"والدین اولاد کی بڑی سے بڑی غلطی کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ لڑنے مرنے پر آجاتے ہیں۔ کجا کہ اولاد ہی کو "غلطی" کہہ دیا جائے۔ یہ تم نے کیا کر دیا سنان!"

وہ تول بول کر تھک گئی تھیں۔ ان کے پاس اور بھی بہت کچھ تھا کہنے کو مگر۔ اس دنیا کے لیے ان کے الفاظ بس یہیں تک کے لیے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

✲ ✲ ✲

ہم سب زندگی میں بہت سی چیزوں سے خوف کھاتے ہیں کہ ایسا نہ ہو جائے اور ویسا نہ ہو جائے۔ اللہ نہ کرے۔ لیکن جب وہ چیزیں وہ باتیں ہو جاتی ہیں۔

یا۔

ہو رہی ہوتی ہیں تب۔

تب! وہ فیصلے کی گھڑی ہوتی ہے کہ ہم نے اب کیا کرنا ہے؟

شجرۃ الدر کے لیے یہ فیصلے کا وقت تھا اور اس نے اپنے حوالے سے ہمیشہ بہت فیصلے کیے تھے خود اپنی سوچ پر اپنے ارادے پر یقین کر کے۔

وہ ڈوب رہی تھی اور کوئی مددگار نہیں تھا۔ چاہ کر بھی کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا سوا اسے خود ہی ابھرنا ہو گا۔

اس کے پیپرز میں تین دن رہتے تھے۔ تیاری مکمل تھی۔ ہاں وہ گزشتہ کئی دنوں سے شدید دباؤ کا شکار تھی۔

مگر ٹھیک ہے۔ وہ دنیا سے نہیں جیت سکتی مگر خود سے ہار جائے۔ یہ آج تک کبھی نہیں ہوا تھا۔

سنان نے ہار مان کر دوائیوں کا ڈھیر، دودھ اور جوس کے ڈبے اور بہت سارے نوٹ اس کے حوالے کر دیے تھے۔

ماموں۔ مامیاں اور محسنہ ایک دوسرے سے نظریں چرائے خاموش ہو بیٹھے تھے۔

زندگی ان کے لیے وہ وقت لائی تھی۔ جہاں انہیں صرف سامع کا کردار نبھانا تھا۔ (جو بھی کہا جائے)

جان چھڑوانے کی کوششیں۔ منصوبے۔ رخصتی۔ اور مسز الیاس کی موت۔ سوئم۔ سب ختم ہو گیا تھا۔

زندگی بعض اوقات ایسے بھی سمٹ جاتی ہے۔

اب کیا ہو گا۔؟ آگے کیا کرنا ہے۔؟

سب حیران رہ گئے پلکیں بھی نہ جھپک سکے وقت جو دکھائے دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ ہم کیا دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس نے اپنے بکھرے بال سمیٹ کر پونی میں کسے۔ چہرے پر ہاتھ پھیرے لمبے سانس بھرے۔ وہ جگہ جگہ پڑی اپنی کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ اپنے نوٹس ڈھونڈ رہی تھی۔ اپنا بیگ تیار کر رہی تھی۔ امتحانی گتہ' ایڈمٹ کارڈ' پاؤچ۔

پھر اس نے چارپائی پر تکیہ سیٹ کیا۔ گھٹنے موڑ کر موٹی کتاب نکالی اور وہ پڑھ رہی تھی۔ دھیما اونچا۔ تیز تیز۔ آنکھیں موند کر۔ پھر چونک کر کوئی نوٹس لیتی۔

اسے خود پر اختیار تھا۔ ہمیشہ سے حالات کو اپنی مرضی کا کر لینا فطرت بن چکی تھی۔

شجرۃ الدر نے طے کر لیا تھا۔ وہ وہی دیکھے گی۔ جس کے دیکھنے کا اس نے خواب دیکھا تھا۔

✲ ✲ ✲

پیپرز کے دوران ہی شجرۃ اور محسنہ اوپری کمرے میں شفٹ ہو گئیں۔ آفاق پیپر دینے والے ڈرامے سے لاعلم تھا۔ صبح جب شجرۃ نکلتی وہ سویا ہوتا۔ مگر اسے پتا لگ ہی گیا۔ اس نے وہ طوفان اٹھایا کہ بس۔ ماموں گھر پر نہیں تھے وہ نچلے کمرے سے شجرۃ اور محسنہ کا سامان اٹھا اٹھا کر باہر صحن میں پھینک رہا تھا۔ ساتھ ساتھ بول رہا تھا۔ اور کون تھا جو اسے روکتا۔ بولنے سے اور پھینکنے سے۔

"یعنی ابھی بھی ارمان پورے نہیں ہوئے۔ امتحان دینے ہیں۔ افسر بننا ہے۔ میں نہیں رکھ سکتا غلاظت کی اس پوٹ کو اپنے گھر میں۔ میں کیا بے غیرت ہوں۔؟"

محسنہ تھر تھر کانپتی تھیں اور روتی تھیں۔ ان کا رنگ لٹھے کی طرح سفید تھا۔ اور شجرۃ کمرے کے اندر نیم تاریکی میں کرسی کی ہتھیوں پر ہاتھ جمائے بے حس و حرکت آفاق کے جنون کو بس دیکھتی جاتی تھی۔ وہ عملی لڑکی تھی اور اس پل فقط یہ سوچ رہی تھی کہ کہاں جایا جائے۔

"ہم کہاں جائیں گے شجرۃ؟"

"اللہ کی زمین بہت بڑی ہے امی۔"

"اتنے سال بھائی نے رکھا اور اب۔"

"جب تک انہوں نے رکھا۔ ہم رہ لیے اور جب وہ نہیں رکھنا چاہتے تو ہم کیسے رہ سکتے ہیں۔"

"شجرۃ۔" محسنہ سے کچھ اور کہا ہی نہ گیا۔

دونوں ماموؤں کی بروقت مداخلت نے آفاق کو باز رکھا۔

"میں نے کسی جرگے میں جا کر چار لوگوں کے بیچ قسم نہیں کھائی تھی کہ بہن کی بیوگی کو سہارا دوں گا۔ اور بھانجی کی ذمہ داری نبھاؤں گا۔ بس خود اپنے آپ سے عہد کیا تھا اور رہی۔ اس کی بیٹی۔ اسے امتحان دینا ہے تو دلاؤں گا۔ اور پھر اپنے گھر سے رخصت کروں گا۔ جیسے کہ بیٹیوں کو کرتے ہیں۔"

"حالانکہ رخصتی کی ضرورت تو نہیں ہے۔" ماموں کے بے حد ٹھہرے قطعی لہجے کے جواب میں آفاق بھائی نے جیسے سر پر کوڑا مارا ہو۔ ان کے لہجے کی کاٹ اور آنکھوں کی استہزائیہ شجرۃ کو پسینہ پسینہ کر دیا۔

"اور اوپر شفٹ کرنے کے بجائے آپ اسے اصل جگہ ہی کیوں نہیں بھیج دیتے۔ بلائیں اس (گالی) کو

کس چیز کا انتظار ہے؟ اپنے گھر جا کر کرے جو کرنا ہے امتحان دے یا نہ دے ہمیں کیوں امتحان میں ڈالا ہوا ہے۔ افسر بنے یا چپراسی۔ ہماری جان چھوڑے!"

"آفاق ٹھیک کہہ رہا ہے۔" بڑی مامی نے لب کھولے۔ تب چھوٹی مامی نے بھی تائیداً" سر ہلا دیا۔

"نہیں بھیج سکتے۔" ماموں کی آواز بالکل مدھم ہو گئی جیسے خود کلامی ہو۔

"وہاں اب تک کوئی۔ اس صورت حال کے بارے میں نہیں جانتا۔ کیا جواب دے گی یہ۔ کس کس کی باتیں سنے گی؟"

"کیا۔؟" ماموں کے مدھم ترین لہجے کا الٹ آفاق بھائی کا بلند ترین "کیا تھا۔" تو کیا جوابدہی کے لیے ہم ہی رہ گئے ہیں دنیا کی باتیں سننے کو۔ اور "اس" کا کیا ہو گا۔" آفاق نے "اس" کا نام نہیں لیا مگر سب جان گئے، وہ آنے والے بچے کا کہہ رہے تھے۔

"اسے محسنہ پال لے گی یا پھر بعد کی بعد میں دیکھیں گے وہاں (سسرال) شجرۃ کی بہت عزت ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ۔"

آگے ماموں خاموش ہو گئے اور آفاق بھائی بولتا۔ اور وہ زہر اگل رہے تھے۔ فحش جملے۔ گھٹیا مثالیں۔ شرمناک قصہ۔ مگر حرف بہ حرف صداقت۔ جو وہ دنیا سے سن رہے تھے اور جو سمجھ رہے تھے۔ ماموں نے جیسے مزید کچھ نہ بولنے کی قسم کھائی تھی۔ مامیاں دل ہی دل میں سب سوچتی تھیں آج آفاق کی ہمت کے بعد انہیں کم از کم ہاں میں ہاں ملانے کا حق تو ملا وہ سب اپنی اپنی مشکل میں تھیں۔ شادی شدہ بیٹیوں کی سسرالیں تھیں۔ ان کی زبانیں طعنے کنواری بیٹی کی شادی کے سلسلے میں مسائل ہو سکتے تھے۔

☆ ☆ ☆

دنیا میں آنے کے بعد زین سنان تمام احساسات سے ماورا تھا۔ سرد و گرم سے بچانے کے لیے نانی محسنہ نے اسے خوب اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ سر رومال سے باندھ کر ٹوپی پہنا دی۔ بڑے ماموں نے اذان دی تو شہد بھی چٹا دیا۔ اگلا احساس بھوک کا تھا۔ تب نانی نے چھوٹی چمچی سے قطرہ قطرہ دودھ حلق میں ٹپکا دیا۔ اور سیری پا لینے کے بعد وہ بے خبر ہونے لگا۔

دوسری جانب کروٹ کے بل اس کی ماں شجرۃ الدر بھی گہری پرسکون نیند کے زیر اثر تھی۔ اتنی طویل مشقت سے وہ بہت اچھی نیند لینا چاہتی تھی۔ اس نے اس پل کا بہت انتظار کیا تھا (کب جان چھوٹے گی۔) اسے مزید بہت سی چیزوں کا انتظار تھا جس کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

زین سنان کو قطعا" خبر نہیں تھی کہ جس آغوش میں اسے سکون آتا ہے وہ ماں کی نہیں نانی کی ہے اور نپل اور فیڈر کے علاوہ بھی دودھ پینے کا ایک اصل اور فطری طریقہ بھی ہے کیونکہ ماں اس سے بے نیاز اس کی پیدائش کے تیسرے ہی دن الماری کھولے کھڑی تھی۔ اس نے بہترین لباس کا انتخاب کیا۔ شاندار جوتا' اسٹائلش بیگ' ماں بڑے طریقے سے اسے چھٹی نہلانا چاہتی تھیں اور وہ ہر شے سے بے نیاز چوتھے ہی دن خود پر نیم گرم پانی کی دھار بہاتے ہوئے جیسے صدیوں کی میل اتار رہی تھی۔ تھکن اتار رہی تھی تازہ دم ہو رہی تھی۔

اسے تازگی کی ضرورت تھی۔ جسمانی بوجھ اس نے اتار پھینکا تھا اور ذہن پر کوئی "نیا بوجھ طاری" ہونے نہیں دیا تھا۔

اس نے تو اس روز سے اپنا ذہن ہلکا پھلکا کر لیا تھا جب اس نے اپنی کتابیں جھاڑ جھاڑ کر نکالی تھیں اور نئے سرے سے رٹے لگانے شروع کر دیے تھے۔ سب کے کھلے منہ اور آنکھوں سے چھلکتے سوالوں کو نظر انداز کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ اس نے پہلے بھی کب پروا کی تھی دنیا کی۔

جب ایک پتھر کو ٹھوکریں مارتی کالج سے گھر تک لے آتی تھی۔ کبھی کبھار پتھر زیادہ زور لگنے سے راہ بدل لیتا یا بیچ راستے رہ جاتا تب وہ گرد و پیش کی قطعا" فکر نہ کرتے ہوئے پتھر کے پیچھے جاتی تھی اور اسے راہ راست پر لاتی تھی۔

دیکھنے والے اس کھیل کو دیکھ کر جو بھی رائے دیں۔ پاگل' خبطی' بے وقوف' کچھ بھی۔ اسے اچھا لگتا تھا نا۔ سو وہ ایسا ہی کرے گی۔

وہ دوپٹے کو پیٹ پر پھیلا کر کتابیں سینے سے لگا کر بیگ شانے پر اور آنکھوں پر بہت چوڑے فریم کے گاگلز چڑھا کر گھر سے نکل گئی۔

لوگ اسے یوں دیکھتے تھے جیسے آٹھواں عجوبہ ہو' وہ اس قدر بااعتماد تھی کہ سب سنا سنایا جھوٹ لگے یا وہ "دامن" جھاڑ کر گھر سے نکلی تھی؟ کچھ پتا نہ لگا صرف یہ کہ چار ماہ بعد آنے والے رزلٹ میں شروع کے آٹھ نمبروں میں سے تھی۔

دراصل شجرۃ الدر نے اپنی زندگی کے ایک اصول کو یاد رکھا تھا۔

جب ہار جانے کا خوف قوی ہو جائے تو لازما" ہار جاتے ہیں۔ اسی طرح جیت کا عزم کر لیں تو شکست سر نیہوڑائے دور کھڑی رہتی ہے۔ اس نے یقین رکھا تھا وہ جیت جائے گی سو جیت گئی اور آگے۔ آگے کہ ہر مرحلے کے لیے بھی اس نے خود کو فتح یاب ہی دیکھا تھا وہ خود کو کامیابی کی چوٹی پر چڑھتا نہیں دیکھ رہی تھی کہ کوئی بھی پیر کھینچ لیتا۔ وہ کامیابی کی چوٹی چڑھ چکی تھی بس جھنڈا لگانا باقی تھا۔

زین سنان کی ڈیلیوری ڈیٹ۔ اور سی ایس ایس کے انٹرویو کی ڈیٹ آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ وہ بس اس بار متزلزل ہوئی تھی' لیکن جب اس چیز سے نکل آئی تو آگے کوئی رکاوٹ ہو۔ ہو ہی نہیں سکتا۔

ناممکن۔

پیپرز سے لے کر زین کی ڈیلیوری تک وہ محسنہ کے ساتھ اوپر شفٹ ہو گئی تھی۔ اس پر چاروں جانب سے پتھر برسائے جا رہے تھے۔ سخت ترین رویہ۔ بڑے ماموں ڈھال بنے کھڑے تھے تو چھوٹے ماموں قطعا" خاموش تھے بالکل پتا نہ لگتا۔ وہ کس پارٹی کی جانب ہیں۔ مامیاں خاموش تھیں لیکن جب رشتے والی مامی نے نازیہ کے حوالے سے بتایا۔

"رشتے تو دو ایک میری نظر میں ہیں مگر اس شجرۃ والے واقعے کی دھول بیٹھ جائے تو بات بڑھاؤں میں۔"

تب پہلی بار مامی نے شدید ترین نفرت کے ابال اپنے اندر اٹھتے محسوس کیے۔ شجرۃ الدر نے کبھی کسی کی "بات" نہیں سنی تھی۔ وہ بہت ساری باتوں کے جواب میں ایک منہ توڑ جواب دے سکتی تھی۔ وہی جواب اور جواز۔ جو سنان الیاس نے اسے دیا تھا کہ "کیا ہوا ہمارا نکاح ہو چکا ہے' کوئی گناہ تو نہیں' اور تب یہ یقین دہانی اتنا ہلکا پھلکا کر گئی تھی کہ پچھتاوے کا احساس جاتا رہا' لیکن اب۔ وہ آگے بڑھ کر یہ جملہ کہہ کر اگلے کا منہ بند کر دیتی' لیکن جواب زبان کی نوک پر آ کر گم ہو جاتا۔

مامی اس جملے کے جواب میں اتنا لمبا اور کھلا ڈلا پیراگراف سنانا شروع کر دیتیں جو کانوں کی لوؤں کو دہکا دیتا تھا۔

اور شجرۃ الدر کی فطرت میں بہت سی خوبیاں تھیں اور خامیاں بھی۔ وہ ذہین تھی' محنتی تھی۔ وہ بہت مضبوط قوت ارادی بھی رکھتی تھیں۔ اسے ڈٹ جانا آتا تھا ہار ماننا فطرت میں تھا ہی نہیں۔ حالات کو اپنے تابع کرنا بہت پہلے سیکھا تھا۔ ہاں شجرۃ الدر۔ اس نے عرصہ ہوا' خود کلامیاں کرنا چھوڑ دی تھیں' مگر اس نے خود کو بہت تسلی سے سمجھایا تھا۔

"تم پیچھے نہیں ہٹو گی' کامیابیوں کی راہوں میں رکاوٹیں آیا ہی کرتی ہیں اور یہ تو بس صبر کا امتحان ہے' ظرف کا امتحان۔ جو ہو گا' دیکھا جائے گا' دنیا جو مرضی کہتی رہے وہ پیچھے نہیں ہٹے گی کبھی بھی۔"

اور پھر اس نے امتحان دیا۔ رات گئے تک کمرے کی بتی جلتی رہتی۔ اس نے شاندار نمبروں سے کامیابیاں حاصل کی' دنیا انگشت بدنداں تھی۔ سنان کا اس گھر میں داخلہ بند تھا' مگر وہ اس کی جانب سے غافل نہیں تھا' پل پل کی خبر رکھتا۔ بے چین رہتا۔ شجرۃ الدر نے خوف کی چادر کو اتار پھینکا تھا۔ اس نے خود سے ہم کلام ہو کر خود کو بتایا تھا جو ہو گا' دیکھا جائے گا۔ اس لیے۔ زین سنان کی پیدائش کے ہفتے بھر بعد وہ انٹرویو

کے لیے تیار تھی۔

اور اس نے انٹرویو پاس کر لیا۔ اسے جیت کا یقین تھا۔ وہ اتنی ہلکی پھلکی اور بااعتماد تھی کہ اسے خود اپنے آپ پر حیرت تھی۔

آئی کیو لیول۔۔۔ میڈیکل اور سائیکالوجیکل ٹیسٹ اس نے سب میدان مار لیے۔

ایسے میں راتوں کو گلا پھاڑ کر روتا زین سنان اسے بس حیران کرتا تھا اور وہ بس یہی سوچتی کہ یہ کہاں سے آگیا تھا۔

بہت سارے سوالات منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ اب آگے کیا ہوگا؟ کیا کرنا چاہیے؟ شجرۃ کو جیسے بچے سے دلچسپی ہی نہ تھی اس کی دلچسپی کے اور بہت سے کام تھے جو سر اٹھانے کی مہلت نہ دیتے۔ وہ ہر قدم کامیابی کی جانب تھی۔

اور محسنہ سوچتی تھیں بس وہ فوراً" شادی کر لیں تاکہ سنان کے منصوبے کے مطابق وہ زین کے ہمراہ اس گھر اور محلے سے چلی جائیں۔

لیکن شادی۔۔۔

☆ ☆ ☆

شجرۃ کے پلان میں ابھی تک شادی کی جگہ نہیں تھی۔ اسے نو ماہ کی بنیادی ٹریننگ کے لیے جانا تھا۔

پھر دو سال کی ڈیپارٹمنٹل ٹریننگ کے لیے لاہور جانا ہوگا۔ سول سروسز اکیڈمی لاہور۔

اکیڈمی کی جانب سے کمرہ الاٹ کیا جائے گا' اس سب کے بیچ۔۔۔ شادی۔۔۔ دماغ خراب ہے کیا؟

وہ سترہ گریڈ کی آفیسر بنے گی۔ نیکسٹ پروموشن کے لیے پانچ سال تک جاب کرنا ہوگی۔ گریڈ اٹھارہ ہو جائے گا۔

دو سال بعد نیپا کا کورس اور گریڈ بیس۔

شادی ابھی کیسے کی جا سکتی ہے؟

شجرۃ الدر نے سنان کے ساتھ مل کر سب طے کر لیا تھا۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد شجرۃ کی کامیابیاں سنان کے لیے سب سے بڑی خوشی تھی۔

ایک لڑکی جس کے اعتماد نے اسے چونکایا تھا۔ اس وقت جب وہ اپنا اعتماد کھو چکا تھا۔ لائم لائٹ سے یک دم ہٹ جانے کے باعث۔ وہ دن بدن احساس کمتری کا شکار ہو رہا تھا۔ نرمین کے جملے اعصاب پر کوڑے کی طرح برستے تھے وہ خود کو ناکارہ محسوس کرنے لگا تھا' لنگڑاتی ٹانگ کے ساتھ۔ وہ سوچتا اب شاید کبھی کسی مقام پر کھڑا نہیں رہ سکے گا۔ مگر شجرۃ الدر کا سر کو بھری کلاس میں اپنی کمتری اور مجبوری کا بتانا وہ حیران رہ گیا تھا اور نجانے کیوں اس کا مددگار بننے کی خواہش پیدا ہو گئی اور پھر جب دوستی ہو گئی اور وہ ہر بات کے لیے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ اسے کچھ ماننے لگی۔۔۔ اس کی رائے کو اولیت دینے لگی بلکہ اولیت بھی کیا' وہ وہی کر لی تھی جو وہ کہہ دیتا تھا۔ شجرۃ الدر کے ساتھ نے اس کے کھوئے اعتماد کو بحال کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ خود بھی اپنے اس "لنگ" کو دیکھنا بھول گیا وہ "لنگ" جسے شجرۃ الدر جیسی لڑکی نے کبھی دیکھا ہی نہیں' وہ اس سے محبت کرنے لگا۔ مگر اظہار سے پہلے وہ خود اپنے آپ سے اقرار کرنے سے۔۔۔ کتراتا رہا اگر جو اس نے اور آگے اس کا ذہن خالی ہو جاتا تھا۔

لیکن شجرۃ نے خود ہی سارے سوال جواب نمٹا دیے۔

نرمین کے انکار سے زیادہ نرمین کے جملوں نے دکھ پہنچایا تھا اور شجرۃ کے اقرار نے۔۔۔ جو خوشی دی تو دراصل وہی اصل بات تھی۔

وہ اس سے بے حد محبت کرتا تھا تو اتنا بے خبر بھی نہیں تھا کہ نہ جان پاتا۔ وہ اس سے کس قدر عشق کرتی ہے وہ خود کو اس کا مجرم مانتا تھا۔

اس نے دل کو بارہا تسلی دی تھی کہ جو بھی ہوا وہ غلط نہیں ہوا' ان پر کوئی حد نہیں لگائی جا سکتی' لیکن اب سوچتا تھا' دنیا کو۔۔۔ اپنے بہن بھائیوں کو بھی کیا اسی طرح سینہ ٹھونک کر بتا سکے گا اور اگر بتا دے تو نتیجہ؟ اف۔۔۔

باقاعدہ شادی بھی کر لیں گے مگر۔۔۔ بچہ؟

وہ بہت مشکل سے موقع نکال کر فقط تین بار بچے

سے مل سکا تھا اور جتنا وہ اس کی پیدائش سے پہلے کے حوالے سے ذمہ دار تھا' اسے سامنے دیکھ کر بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے اسے "محبت" کا نام دیا تھا مگر وہ اپنے دل کو کسی بھی جذبے سے خالی دیکھ کر ششدر تھا اور پھر جب اس نے خود کو ٹٹولا تو اندر صرف ایک جذبہ زخم تھا۔۔۔ بے یقینی اور۔۔۔ اور شرمندگی۔

وہ اس کی جائز اولاد تھا' مگر کیسی جائز۔۔۔ جس سے ملنے وہ چوری چھپے آیا تھا۔ وہ شرمسار یک ٹک بچے کو دیکھتا تھا اور شجرۃ کو جیسے پتا ہی نہ ہو کہ کمرے میں موجود اس بچے سے اس کا کوئی دور کا بھی تعلق ہے۔۔۔ بے نیاز۔۔۔ مگن۔

وہ اس کی قلقاری پر کبھی سرشار نہ ہوئی۔ اس کے رونے نے بھی اس کے دل کو نہیں نچوڑا۔ وہ مسلسل شور پر بس ایک نگاہ غلط انداز ڈالتی اور تاثر یوں ہوتا کہ سمجھ میں نہیں آرہا ہو کہ وہ اس کے لیے کیا کر سکتی ہے؟ وہ کیوں روتا ہے' وہ کیوں ہے۔۔۔؟ کیوں۔۔۔ اور ایک انجانی' ناقابل فہم سی لاتعلق کیفیت کے باوجود سنان الیاس شجرۃ الدر سے اس معاملے کو سلجھانا چاہتا تھا۔ خود کو نکالنا چاہتا تھا اور محسنہ کو۔۔۔

محسنہ ان کے جائز بچے کو ناجائز بچے کی طرح اوپر چھپائے پھرتیں۔ جو جگر چھلنی کرتے جملے سنتی تھیں۔ استہزائیہ نگاہوں کے وار سہتی تھیں۔ وہ مجرموں کی طرح باورچی خانے میں آتی تھیں فیڈر میں دودھ میں چمچ گھماتے ہوئے مقدور بھر کوشش کرتیں کہ آواز پیدا نہ ہو اور آواز تو وہ اس کے رونے کی بھی بند کر لینا چاہتی تھیں۔ رونا جس کا مشغلہ تھا۔ زین میں دو ہی باتیں تھیں ایک وہ روندو تھا۔ دوسرا موٹو۔۔۔ آٹے کا کھلونا۔ محسنہ نانی تھیں انہیں پورے جہان سے پیارا لگتا۔ شجرۃ سے بھی پیارا۔۔۔ مگر انہیں اس پر ترس بھی ساری دنیا سے زیادہ آتا تھا' اتنا ترس کہ آنکھ ہر وقت نم رہتی۔ اسے چپ چاپ دیکھتیں۔۔۔ خاموش طبع تو پہلے ہی تھیں۔۔۔ اب تو جیسے زبان رہن رکھوا دی اس کے کام کرتیں کام بھی کیا خوب۔۔۔ کپڑے دھوتیں تو لنگوٹ اندر کمرے میں سکھاتیں کہ اپنے گھر کی چھت سے اوپر بھی کچھ گھر تھے اور ان کی کھڑکیوں بالکونیوں سے عورتیں اشارے کرتیں تار پر سوکھتے چھوٹے کپڑے۔۔۔ سکھانے کی عجلت میں استری پھیرتیں پھر جھٹک جھٹک کر بھاپ نکالتیں۔

ایک عالم کو زین سنان کی پرواہ تھی۔ وہ کب سوتا ہے' کب اٹھتا ہے' ساتھ والے پڑوسیوں کی بوڑھی ساس رونے کی مسلسل آواز پر صدا لگاتیں۔

"اے محسنہ! بھول گئی کیا بچہ پالنا۔" پھر پوپلی آواز میں ہنستیں۔ "نانی بننا۔ ماں بننے سے مشکل کام ہے بھئی۔"

جوان العمر مائیں گلی سے گزرتے صدا لگاتیں۔

"محسنہ خالہ! منے کو ٹیکے کے لیے نہیں لے جاؤ گی؟"

"پولیو کے قطرے پلوالو۔" آفاق نے گھر کے باہر پولیو ٹیم کی چاکنگ کو دیکھ کر جو حشر اٹھایا' اس کو سوچ کر ہی محسنہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

ایک عالم کو منے کی فکر تھی' نہیں تھی تو شجرۃ الدر کو۔۔۔ یہ فقط آگے بڑھنے کا وقت تھا۔ پیچھے مڑ کے دیکھنے کا نہیں۔۔۔ کجا کہ ٹھہرنا۔

لیکن ایک اور وجود بھی تھا جو ٹھہرتا تھا۔ ٹھٹک جاتا اور مچلتے دل۔ بڑھتے قدموں کو دماغ کی کوئی تنبیہہ نہیں روک پاتی تھی اور یہ تھیں ہما بھابی۔۔۔

جنہیں روتی آواز دل پر وار کی طرح لگتی۔۔۔ بے چین کر دیتی۔ انہیں امنڈ امنڈ کر منے پر پیار آتا تھا۔۔۔ اس کو خود میں بھینچ لینے کی خواہش ساری رات بستر پر کروٹیں بدلواتی۔۔۔ وہ چھپ کر سب کی نگاہوں سے بچ کر اسے ایک نظر دیکھنے' ایک بار آغوش میں لینے اور بس چوم لینے کے لیے اوپر پہنچ جاتیں۔

اگر یہ منا ان کا ہوتو۔۔۔؟

اور جس دن آفاق نے انہیں دیکھا اور خواہش آنکھوں سے پڑھ لی۔

اس روز وہ کسی جنونی کیفیت میں زین سنان کو خود میں بھینچ کر بے تحاشا چوم رہی تھیں۔ "میلا گندا۔۔۔ میرا پالا بچہ۔۔۔ آپ تو میرے اچھے بیٹے ہو' مجھ کو ممی' ممی بولو۔۔۔ اچھا ابھی نہیں آتا بولنا۔ ہیں ہیں۔۔۔ ارے

—ہا ئے۔"

"تجھے بڑے ارمان آرہے ہیں ای بننے کے۔ ہیں!" آفاق بھائی نے ہما بھابھی کو گدی سے پکڑا تھا۔ وہ کسی جنونی کیفیت میں گھر گئے تھے۔ ہما بھابھی کے لہجے کی تڑپ حسرت تشنگی' بے قراری' چومنے میں وہ پاگل پن۔۔۔ انہیں تازیانے کی طرح لگا۔

ہما کی چولی چھوڑی تو۔۔۔ منے کو ایک ہاتھ میں اٹھالیا۔ وہ اسے پھینک دینا چاہتے تھے' جہاں بھی جاکر لگے۔ چھت پر لگے پنکھے سے ٹکرا کر چیتھڑے بن جائے یا دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش یا پکے فرش پر گر کے ریزہ ریزہ۔

محسنہ نے بس آفاق کے اٹھے ہاتھ میں منے کو دیکھا تھا۔ وہ "نہیں" چیختے ہوئے بھاگی تھیں۔ رستے ہی میں پاؤں رپٹ گیا انہیں چارپائی کا کونہ لگا تھا یا دل خوف سے بند ہوا تھا۔ پتا نہیں لگا۔

صبح دس بجے فوت ہوئی تھیں۔ رات دس بجے تک لوگ دفنا کر بھی آگئے۔

☼ ☼ ☼

سنان کا داخلہ بند تھا' لیکن بڑے ماموں نے اسے بلوایا تھا۔ وہ افتاں و خیزاں آیا تھا جینز کے فولڈ پائنچے موڑے ہوئے کف۔ سر پر بندھا رومال۔۔۔ وہ محسنہ کا محرم تھا۔ گھر سے اٹھانے سے لے کر جنازے تک اور پھر لحد میں اتارنے تک کے مرحلے میں سب سے آگے تھا۔ کندھے بدلنے کے عمل میں جب ایک بار آفاق اور وہ برابر آگئے تو آفاق کی نگاہوں میں اترا خون۔۔۔ وہ دونوں آگے کی جانب تھے۔ آفاق نے بمشکل برداشت کیا تھا۔ اگلی بدلی میں وہ قطار سے دور ہو کر سب سے الگ تھلگ چلنے لگے۔

ماں کی ایسی موت۔ صدمے سے بڑھ کر حیرانی تھی ابھی صبح تو۔۔۔ وہ زین کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور زین۔۔۔ ارے! اسے کہیں رات گئے اس بچے کا خیال آیا۔ اس کے وجود کا احساس تک نہ تھا' پہلی بار اس کا دل مسلا وہ کسی سے کچھ نہ بولی مگر متلاشی نگاہیں۔

"شش۔۔۔!" ہما بھابھی کی انگلی اپنے ہونٹوں سے جڑی تھی۔ "وہ ادھر ہے' سو رہا ہے۔"

"صبح سے سو رہا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ میں نے اسے سونے والی دوائی چٹادی تھی' تم میرے کمرے میں ہے۔"

"اور۔۔۔ اور آفاق بھائی؟"

"وہ آج مردوں کے ساتھ پڑوسیوں کی بیٹھک میں سو رہے ہیں' گھر بھرا ہوا ہے نا' دور نزدیک کے سب رشتے دار۔۔۔"

اور صبح تک نئی کہانی "انجان لوگوں" کی زبان پر تھی' نجانے کس نے گھڑی۔۔۔ سنائی اور پھیلائی۔

"ہما نے بچہ گود لیا ہے نا۔"

تردید کا موقع ہی نہ بن سکا۔ آفاق ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

ہما کے بچے کو گود لینے والی بات سنان الیاس کی آپا نے سنی تھی پھر انہوں نے بچے کو دیکھ بھی لیا۔

ڈرتے ڈرتے چھوا' پھر محتاط روی سے گود میں بھرلیا۔ اس کی صورت اتنی موہنی تھی اور وہ دل میں اس طرح گھس رہا تھا کہ دل پانی پانی ہو رہا تھا۔

اسے آغوش میں بھینچتے ہوئے انہیں پتا ہی نہ لگا کب آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا' وہ اتنا اپنا کیوں لگتا تھا۔

شاید بے اولاد ممتا کو قرار مل رہا تھا۔ انہوں نے خود کو باور کرایا۔

بچے کو چومتی تھیں تو ایک مانوس خوشبو دل و دماغ کو معطر کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں اسے گود لینا چاہتی ہوں شجرۃ! تم ابو سے بات کرو نا۔ آفاق ان کی بات مان لیں گے۔ وہ مجھے بار ہے بھی کسی کا بچہ نہیں لینے دیتے' نہ کہیں اور سے کہتے ہیں۔ نجانے کس کا۔۔۔ شجرۃ! یہ تو تمہارا اپنا ہے نا۔ قسم سے میں اسے اپنے دل سے لگا کر رکھوں گی۔ اور پھر تم اسے کیسے پالو گی۔۔۔ تمہیں تو ابھی بہت سے امتحان پاس

کرنے ہیں۔ ٹریننگ پر جانا ہے۔"

"آفاق بھائی کبھی نہیں مانیں گے۔" بھابھی جو کہہ رہی تھیں۔ شجرۃ وہ سب سوچ سوچ کر ہلکان ہو چکی تھی۔ (ہاں اگر ایسا ہو جائے تو۔۔۔ اور۔۔۔ سنان۔۔۔ وہ اس کی بات کو کبھی نہیں ٹال سکتا)

اور یہ ہما بھابھی کی خام خیالی تھی۔ آفاق تو اس کا گلا گھونٹ دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ "وہ گلی سے کتا لے کر پال لیں گے مگر۔۔۔"

کتے والی مثال پر بڑے ماموں لرز کر رہ گئے۔ نجانے کیسے طاقت سی آگئی اپنے ہی بیٹے کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا۔

"اسی لیے تجھے اللہ نے اولاد نہیں دی کم ظرف! کہ تجھے۔۔۔ کتے کے بچے اور انسان کے بچے کا فرق نہیں معلوم۔"

"ہاں ہاں۔ اب ایک آپ ہی رہ گئے تھے مجھے طعنے دینے کو۔ نہیں ہوں اس قابل۔"

جیسے کسی نے بھس میں چنگاری ڈالی۔ شعلے تھے آسمان کو چھوتے تھے وہ قیامت کا رن کہ بس! وہ ہما کو بھی کوٹ رہے تھے اور گھر کے در و دیوار کو گھر ہی کی چیزوں سے توڑ دینے والے تھے۔ شجرۃ کو سنان سے ملنا پڑا۔

☼ ☼ ☼

یہاں سنان کے پاس ایک اور نئی کہانی تھی۔۔۔ ماں مر گئی تھیں اور باقی بہن بھائی اپنی زندگیوں میں بری طرح مگن تھے۔ سنان کی آپا دل کا حال کس سے کہتیں۔۔۔ بے اولادی کا دکھ۔۔۔ وہ سنان کے آگے ہی رو پڑیں۔

"جہاں سے شجرۃ کی بھابھی نے اتنا پیارا بچہ لیا ہے مجھے بھی دلوا دو سنی۔۔۔! نام نسب معلوم ہو۔ بس یتیم' لاوارث۔۔۔ مجھ سے اب اپنی خالی زندگی برداشت نہیں ہوتی۔ تمہارے بھائی کسی ادارے سے لینے نہیں دیتے ہیں۔ ہمیں کیا پتا۔ بتانے والے سچ کہہ رہے ہیں یتیم ہے یا کسی کے گناہ کی؟ سنی! بچہ تو بچہ ہوتا ہے نا۔ جب میں اسے گود لوں گی تو میرا ہو گا نا۔ تمہارے بھائی کے خاندان میں بچے پہلے ہی کم ہیں۔ مجھے کیوں دیں گے؟"

ارمان کی بیوی کہنے لگی "ہماری تو یہی فیملی ہے۔ ایک بچہ۔ ایک بچی۔ مزید کا ارادہ ہی نہیں۔ میں نے کہا۔ تم اپنے دو ہی رکھو۔ ایک مجھے پیدا کر کے دے دو تو کہتی ہے کیا گارنٹی ہے۔ بیٹا ہو گا اور بیٹی ہو گئی تو آپ تو خیر سگی پھوپھی ہوں گی۔ پھوپھا سے کیا رشتہ۔ اور پھر ہنس پڑتی ہے اور سچ ہے کون دیتا ہے کسی کو بچہ۔ لیکن بس۔۔۔ لیکن سنی! تم مجھے بھی وہیں سے بچہ لادو جہاں سے ہما لوگوں نے لیا۔ ہیں! سنی لادو گے نا؟"

وہ تیز تیز بول رہی تھیں۔ روتی جاتی تھیں اور آخر میں ملتجی لہجے میں دونوں ہاتھ تھام کر گڑگڑانے لگیں۔

"اور اگر وہی لادوں تو۔۔۔؟" سنان کے لبوں سے پھسلا۔

"وہ۔۔۔ وہ کیسے؟ وہ تو ہما کا ہے نا۔ بس اس جیسا لادو۔ میرا' میرا دل کرتا تھا سنی! اپنا سینہ کھول کر اسے کہیں اندر چھپالوں۔۔۔ کسی کو دکھائی نہ دے۔ پتا نہیں کیوں ایسا ہوا۔ پہلے تو کبھی نہ ہوا۔"

اور سنان الیاس ایک مشکل ترین مرحلے سے نکل سکتا تھا۔ اس نے شجرۃ الدر کے بلاوے پر یہ سمجھاوا اس کے سامنے رکھا جو نا سمجھی کے عالم میں سب سن رہی تھی اور جب سب سمجھ میں آیا تو جیسے شادی مرگ طاری ہو گئی۔۔۔ وہ جوش میں کھڑی ہو گئی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے دے دینے کا اشارہ کر رہی تھی۔ "دے دو۔۔۔ دے دو سنان! دے دو وہ تمہاری آپا ہیں۔ فکر کی کیا بات۔"

"لیکن!" سنان کے چہرے کی سنجیدگی میں فرق نہ آیا۔ "آپا کو پھر سب بتانا پڑے گا۔"

شجرۃ پل بھر کو ٹھٹکی۔ "بت۔۔۔ بتا دینا صرف آپا کو۔۔۔"

اور آپا کی نظروں میں ہفت آسمان گھوم گئے تھے۔

"امی بھی جانتی تھیں۔"

"امی جانتی تھیں؟" آپا نے اس کے الفاظ سرگوشی میں دہرائے' ان کا چہرہ حیرت کی زیادتی سے اس قدر بگڑ

گیا تھا کہ پہچانی نہ جاتی تھیں۔ سنان نے خود کو لعنت کے حرف کے لیے تیار کرلیا، مگر جب آپا بولیں۔۔۔ وہ تیزی سے کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے جھپٹنے کے سے انداز میں اس کے دونوں شانے تھام لیے تھے۔

"ت تو پھر وہ۔۔۔ وہ ہما کے پاس کیوں ہے؟ مجھے۔۔۔ مجھے لاکر دو۔ وہ تو پھر میرا ہوا نا۔ تم نے ہما کو کیوں دے دیا؟" سنان کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ آپا نے ٹھوڑی پکڑ کے چہرہ روبرو کیا۔ وہ نیچے بیٹھ گئیں۔ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگیں۔ وہ اتنی ارزاں اتنی فقیر اور حقیر لگ رہی تھیں کہ سنان کا دل پانی ہونے لگا۔

"میں نے نہیں دیا۔ وہ تو محسنہ آنٹی کی وفات۔۔۔"

"نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے بس وہ چاہیے۔۔۔ سنی! تمہارا ہوا تو میرا ہوا نا۔ تم اور میں کوئی دو ہیں۔۔۔ ہیں؟"

سنان کی گردن بے ارادہ نفی میں ہل گئی۔ آپا اور وہ دو ہو بھی کیسے سکتے تھے اور آپا اس سوال تک تو پہنچی ہی نہیں تھیں کہ۔۔۔ وہ کہاں سے آگیا۔ کیوں؟ اور کیسے؟ کسی کو بھی خبر نہ ہوئی۔ وہ خود دو بار جاکر شجرۃ سے ملی تھیں۔ حساب جوڑا جائے تو وہ اس وقت یقیناً "حاملہ" تھی، مگر پتا ہی نہ چلا۔ چادر نے یا نی محسنہ اور ہما نے سامنے رکھا تھا۔ شجرۃ سارا وقت بیٹھی ہی رہی۔ ہاں محسنہ نے بخار کا بتا کر آرام کرنے کا بتایا تھا تو۔۔۔ یعنی کہ اس وقت۔

"لیکن دفع کرو۔" انہوں نے جڑتی کڑیوں کا سرا چھوڑ دیا۔ اہم یہ نہیں تھا کہ کب؟ کیوں؟ اہم یہ تھا کہ وہ ہما کے پاس کیوں تھا۔ اسے تو ان کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ وہ بے تابانہ سنان پر زور دینے لگیں۔ ان کی زبان اور ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ وہ اسے جھنجوڑ رہا تھ پکڑ پکڑ کر بس جلد از جلد بھیجنا چاہتی تھیں فوراً۔۔۔

"بھائی صاحب ایک غیر بچے کو کیوں پالیں گے؟؟" اس کی آواز بہت ہلکی تھی۔

"غیر کیوں؟" آپا تڑپ اٹھیں۔ "میرا بھتیجا ہے وہ۔۔۔"

"یہ سارا واقعہ کوئی نہیں جانتا آپا! اور جو نہیں جانتے، وہ نہ ہی جانیں تو۔۔۔"

آپا چونکیں۔ جذباتی جنون سے ذرا سا ابھریں۔ ہاں وہ کیا کہیں گی؟ ان کے میاں تو کبھی بھی ایسے ویسے بچے کو گھر میں نہ گھسنے دیں گے۔

"ہم۔۔۔ ہم صرف انہیں بتادیں گے، وہ تو بہت خوش ہوجائیں گے سنی!" آپا میں دوبارہ جوش بھرا۔ "وہ تو میرا اپنا خون ہے نا سنی۔" وہ جھکے چہرے کو پکڑ پکڑ کر اپنی جانب متوجہ کرتی تھیں۔ نڈھال، خاموش پژمردہ سی آپا بے حد تازہ دم لگتی تھیں۔

"میرے ہاں پیدا ہوا یا تمہارے ہاں اس میں کیا فرق ہے بھلا۔ تم تو میرا اپنا خون ہو نا۔"

☆ ☆ ☆

اور زین سنان۔ محسنہ کے بعد صرف ہما کی آغوش کے لمس سے واقف تھا۔ شجرۃ کے بارے میں تو کوئی خبر رکھتا ہی نہ تھا۔ سو جب آپا اور سنان اسے لینے آئے تو۔۔۔ وہ ہما کی گود سے نکلتے ہی بلک بلک کر رونا شروع کردیتا اور اس سے بڑھ کر ہما روتی۔ زین کا رونا دل کو اتنی تکلیف دینے لگتا کہ "طوعاً" و "کرھاً" ایک بار ہما کی جانب اسے بڑھا دیا جاتا۔ شجرۃ کا کردار یہاں ایک تماش بین کا سا تھا۔ ماں مرگئی تھی اور جیسے اب یہاں اس کے رہنے کا جواز بھی ختم ہوا۔ (آفاق رہنے دیتے بھی نہیں رہا تھا۔ ماموں بھی اب کی بار چپ تھے)

زین سنان پھوپھی کے گھر چلا جاتا تو شجرۃ آرام سے اپنے ٹارگٹ کی طرف قدم بڑھاتی۔ زندگی کے اگلے صفحات پر کاتب تقدیر نے کامیابی لکھ کر نیچے مہر بھی لگادی تھی اور یہ بات شجرۃ الدر جان گئی تھی۔

بحیثیت ماں زین سنان اس کا سنگھار تھا، لیکن جب اس نے اسے گلے کا ہار نہ بنایا تو پیر کی زنجیر کیسے بننے دیتی؟

کبھی ہما کی گود۔۔۔ کبھی آپا کی۔۔۔ کب تک چلتا یہ تماشا؟

گھر کے بڑے دی اینڈ کے منتظر تھے کہ جو بھی ہو

ایک کنارہ تو ملے۔ ایک کہانی کا منطقی انجام۔۔۔ ہاں بس یہاں سے نکلا جائے۔ سنان سوچ رہا تھا۔

آپا بچے کو جھپٹ کر پیچھے مڑے بغیر سرپٹ دوڑ لگا دینا چاہتی تھیں مگر تب ہی خیال آتا۔ ہما بھی تو ماں ہے نا۔ وہ خود سے ہی بچہ دے دے۔

دو بندے اور تھے جن کی جلدی کی خواہش سب سے زیادہ تھی۔ ایک شجرۃ الدر اور ایک آفاق بھائی۔۔۔ تماشا تو پھر رات بھر چلتا رہتا۔ ہما کے اندر بچہ دینے کی ہمت نہیں تھی اور باقی سب مروت آخر کب تک نبھاتے۔

ساری رات ہما ان کی اور دیگر اہل خانہ کی منتیں کرتی رہی۔ روتی اور آفاق کے تھپڑ کھاتی رہی۔ کھاتی اس لیے رہی کہ پہلے ایک تھپڑ کے بعد بھیگی بلی بن جاتی تھی۔ دبک جاتی۔ لب سی لیتی مگر جب یہ احساس ہوا کہ صبح یہ بچہ۔۔۔ چلا جائے گا، وہ روتی تھی۔ پٹتی تھی مگر ضد سے پیچھے نہ ہٹتی تھی۔ اسے یہ بچہ چاہیے ہی تھا، مگر۔۔۔

آفاق کی ضبط کی حد ختم ہوگئی۔ وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھ۔۔۔ زین سنان کو ان کی گود سے جھپٹ لیا۔ آپا کی گود میں ڈال کر ہاتھ کے اشارے سے نکل جانے کو کہا۔ وہ دوسرے بازو کو دروازہ سے لگا کر باہر کو لپکتی ہما کی راہ کو مسدود کردیا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی تو ہما غش کھا کر گر گئی۔ شجرۃ الدر نے ادھر کی جانب قدم بڑھائے۔ اسے اپنی تیاریاں کرنی تھیں۔

آفاق نے دروازہ بند کرکے ہاتھ آپس میں مسل کر جھاڑے۔

"خس کم جہاں پاک"

وہ جو ایک مبہم سا دھتکارے جانے کا احساس زین سنان کو ہوتا تھا۔ وہ یونہی فالتو کا وہم تھوڑا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

زین سنان کی آمد نے جہاں آپا کی زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا تھا وہیں ان کے سسرال کو ورطہ حیرت میں جتلا کردیا۔ اتنی حیرت کہ اپنی ہی انگلیاں دانتوں میں چبا کر یقین کی کوشش کریں اور ہر بار کریں؟

پورا سسرال مگر خاص طور پر نندیں۔۔۔ اور پھر ای ابا (ساس سسر)

بہو ماں نہیں بن سکتی تھی تو دوسری کرلیتا نا۔۔۔ خرابی بیٹے میں تو نہ تھی نا۔ اب ہم کیسے لاڈ کریں۔۔۔ اللہ جانے کس کا بچہ ہے کہاں سے اٹھا لے آئے۔ توبہ توبہ۔۔۔ پتا نہیں کیا گھول کر پلادیا حسین کو۔۔۔ سارے طور طریقے، اصول حکم۔ شریعت سب بھول بیٹھا۔ اور سب سے اہم سوال یہی تھا۔

آپا اتنے سال سے علاج کروا رہی تھیں۔ حسین نہ تو دوسری شادی پر راضی ہوتے کہ ماں خوش ہو نہ آپا کی یہ مانتے کہ کسی کا بچہ گود لیا جائے ایک قطعی جواب۔ "ہوگا تو تم ہی سے۔۔۔"

اور بہت رونے پیٹنے پر محرم نامحرم، حکم شریعت، باپ کا نام، روز حشر ماں کا نام پکارا جائے گا بتا کر آپا کی بولتی بند کردیتے اور مذہبی رجحانات کے حامل سسرال میں رہ کر۔۔۔ کچھ اولاد کی دوری کے باعث آپا ذاتی حیثیت میں بھی مذہب کے نزدیک تھیں، کوئی نہ بھی بتاتا تو گود لینے والے سب احکام سے واقف تھیں۔

اور یہی وہ سوال تھا جو سب کو کھٹکتا تھا۔ حسین نے بیوی کے عشق میں احکام شریعت بھی بھلا دیے۔

نجانے کس کا لڑکا اٹھا کر لے آئی وہ۔۔۔ بھلے بہت چھوٹا سا ہے، پالنے میں۔۔۔ لیکن کل کو بڑا بھی تو ہوگا اور بھابھی اسے نہلاتی ہے اور بستر میں ساتھ سلاتی ہے۔ منہ سر تو اتنا چومتی ہے کہ پنسل سے بنے ہوتے تو اب تک مٹ جاتے یا گھس جاتے۔ پیار میں ایسا والہانہ پن۔ کہ جو انہیں اپنی خود کی پیدا کی ہوئی اولادوں سے بھی شاید محسوس نہ ہوتا تھا اور بھائی حسین یہ سب دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے۔ جو ان لوگوں میں سے ہے، جو سات برس کے بچے کا بستر الگ کردیتے ہیں اور بارہ کے بعد بغیر دستک کے اندر آنے پر کوسنے دیتے ہیں۔

زین بھائی بھابھی کا گود لیا بچہ تھا تاکہ ان کا اپنا خون۔۔۔ انہیں اس پر کیوں خوامخواہ میں پیار آتا؟ دماغ

خراب ہے کیا؟ عجیب چڑ ہوتی تھی اسے بھائی کے گھر کا اکلوتا لاڈلا بچہ بنے دیکھ کر۔۔۔ اس کے بہترین لباس، خوراک اور بے حد خوب صورتی، صحت مندی۔۔۔

بچے کے حوالے سے سب کا رویہ اور سوچ ایسی ہی تھی، مگر آپا کی چھوٹی نند کا انداز سب سے جارحانہ تھا وہ گھر میں چھوٹی تھی اور یہ ڈیمانڈ کرتی تھی کہ اسے ہی سب سے زیادہ اہمیت دی جائے اور جب بچوں والی ہوئی تو یہ مطالبہ اپنے بچوں کے لیے سوچنے لگی جبکہ آپا کو زین کے علاوہ اب دنیا میں اور کوئی نظر آتا ہی نہ تھا۔ حسین بھی خاموش تھے۔ مطمئن تھے، بیوی سے واقعی محبت تھی اور یہ سوچ بھی کہ خرابی اگر ان میں ہوتی؟

بچہ بہت خراب صورت حال میں دنیا میں آیا تھا، مگر جائز تھا، پھر بیوی کا اپنا خون تھا۔ غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے اور دین کی راہ پر چلنے کا وہ صرف پرچار نہیں کرتے تھے۔ اس کی روح کو سمجھتے ہوئے عمل کی کوشش بھی کرتے تھے۔ فطرتاً "چغل خور یا عیب جو نہیں تھے اور اللہ عیب پوش ہے اور عیب پوشی ہی کو پسند کرتا ہے۔

وہ اپنے اہل خانہ کے ڈھیروں سوالوں کے جواب میں ایک چپ کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ انہیں کسی بھی حال میں مناسب نہ لگا کہ وہ بتاتے بچہ کہاں سے آیا ۔بس ان کا اپنا دل مطمئن تھا تو کافی ہے

اور حسین کا یہی رویہ سب کو اصل آزار پہنچاتا تھا خصوصاً "چھوٹی والی کو۔۔۔ سب مصلحت آمیز لہجے میں ناگواری کا اظہار کرتے، وہ برملا۔۔۔

پھر کچھ بڑا ہونے پر اس کی ذہانت بھی نمایاں ہوتی گئی اور خوب صورتی اور نقوش کی وضاحت۔۔۔

وہ عام بچوں کی نسبت زیادہ ذہین تھا اور بہت خوب صورت مگر۔۔۔ نقوش۔۔۔ نقوش۔۔۔ چھوٹی آنکھیں چندھی کرکے اسے بغور دیکھتی اور گھنٹوں سوچتی مگر کوئی سرا نہ ملتا۔

اس کی آنکھوں کی بناوٹ۔۔۔ کالی، سیاہ گھور، اداس تاثر۔۔۔ ذہانت سے پُر۔۔۔ گہری اور باقی تمام چہرہ اور رنگ۔۔۔ اسے لگتا اس نے یہ چہرہ پہلے بھی دیکھ رکھا ہے۔

مگر کہاں کب۔۔۔ یہ گتھی کبھی نہ سلجھا سکی۔

☼ ☼ ☼

یہ زین سنان کو اتنی محبت سے پالنے کا انعام تھا کہ جب وہ اپنی خود کی اولاد کی طلب کو بھول بیٹھی تھیں۔ تب اللہ نے انہیں سبطین سے نواز دیا۔ اب وہ دو بیٹوں کی ماں کہلائی جائیں گی مگر۔۔۔

اٹھنے والا نیا شوشا۔۔۔ مدلل اعتراض۔ اب تو ان کی اپنی گود ہری ہے تو کیوں پرائی اولاد پر وقت ضائع کیا جائے۔ وہ منہ توڑ جواب دینا چاہتی تھیں، مگر اس بار حسین بھی سب کے ہم خیال نکلے۔ آہ۔ ایک بہت بڑا ہنگامہ۔۔۔ اور پھر

بچہ واپس کر دیا گیا، جہاں سے لایا گیا تھا۔

اس کے آنے سے زیادہ اس کے چلے جانے نے حیران کیا تھا۔ وہ آخر آیا کہاں سے تھا اور بھابھی جو اس پر اپنی جان وارتی تھیں، اتنی مطمئن کیسے ہیں۔ سب بھول بھال گئے۔ اپنی اولاد پھر اپنی ہوتی ہے، لیکن چھوٹی نند کو چین نہ تھا۔

وہ بہرحال جاننا چاہتی تھی۔ اچھا آنے کو تو چھوڑو۔۔۔ گیا کدھر؟ اور چونکہ اس کھوج کی دھن سر میں سما گئی تھی۔ سو معلوم ہو گیا، وہ بچہ شہر کے مشہور و معروف تعلیمی ادارے سے وابستہ ہاسٹل میں تھا۔ چھ برس کا بچہ۔۔۔ ہاسٹل میں تو جا سکتا تھا مگر چھٹیوں میں جب گھر آئے گا تب۔۔۔ لیکن وہ بھائی بھاوج کے گھر نہ آیا۔

اسے پتا چلا کہ بچے کو داخل کروانے والے جوڑے کا نام سنان الیاس ہے اور شجرۃ الدر اور تب ہی بھابھی اتنی مطمئن ہیں۔ یقیناً "بھائی حسین فنانشلی سپورٹ کرتے ہوں گے۔ سنان نے بہن کی خاطر پانا ہو گا، مگر اس کی بیوی کیسے مان گئی، سنا تھا وہ بہت بڑی افسر ہے۔ بہت قابل، محنتی اور ذہین لڑکی۔۔۔

چھوٹی نے سالوں پہلے بھابھی کی چھوٹی بھابھی کو دیکھا تھا۔ وہ پتا نہیں اب کہاں ہوتی تھی۔

باوجود کوشش کہ یہ گتھی نہ سلجھ سکی۔ یہاں تک کہ زین ایک یاد رہ گیا جو سب کی یادداشت کے در کو بھی کبھار کھٹکا دیتی۔

ہاں پر چھوٹی جب جب سبطین کو دیکھتی اسے زین بری طرح یاد آتا۔ اسے سبطین کے اندر زین کی بے حد شباہت نظر آتی تھی۔

☼ ☼ ☼

چھوٹی کی خواہش سے پرے۔۔۔ شیطان کی منصوبہ بندی سے بہت دور۔۔۔ قدرت کا اپنا ایک نظام ہوتا ہے۔ جس سے ایک انچ بھی سرکا نہیں جا سکتا۔ قدرت تماش بین نہیں ہوتی، مگر حقیقتیں وقت مقررہ پر خود بخود ظہور پذیر ہونے لگ جاتی ہیں۔

زندگی کے ہر معاملے کی منصوبہ بندی کرنے والی۔ ہر شے کا لائحہ عمل طے کرنے والی شجرۃ الدر زین سنان کے حوالے سے کبھی بھی کچھ طے نہ کر سکی۔ اپنی تمام ذہانت اور حساب کتاب کے باوجود اس کا ذہن سپاٹ ہو جاتا تھا۔

ایک سیدھی بہت واضح کہانی جس میں دور دور تک شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ (ستائش ہی ستائش) آپا نے بچہ گود لیا۔ اپنی اولاد ہو گئی تو سسرال کے پریشر پر واپس کرنا پڑا، لیکن آپا کو بچے سے بہت محبت تھی، سو ادھر ادھر ڈالنے کے بجائے بھائی کے حوالے کر دیا جو صاحب حیثیت تھا۔ وہ بچے کا سرپرست بن گیا۔ دیری گڈ۔

اور شجرۃ کے برخلاف سنان سوچتا تھا، وہ ضرور ہی زندگی کے کسی مقام پر بیٹے کو حقیقت بتا دے گا۔ تب کیا ہو گا۔ کیوں اور کیسے؟ تب کی تب دیکھی جائے گی۔ یا اللہ سے رحم مانگے اور بیٹے سے معذرت۔۔۔ پھر جو بھی وہ فیصلہ کرے۔

غلطی کی ہے تو سزا بھی ملے گی ہی۔۔۔ جرم کبھی چھپتا نہیں۔

اور اب جب شجرۃ کے پاس کوئی منصوبہ بندی نہیں تھی۔

اور سنان کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھا۔

قدرت کے امتحان کا (یا سزا) کا وقت شروع ہو گیا۔

ان دونوں ہی نے سوچا۔ لوگ تو کہتے ہیں سزا کے لیے قیامت کا دن مقرر ہے جب ہر شے کی جواب دہی کرنی ہو گی تو ان کے لیے ابھی سے قیامت آگئی کیا؟

زین سنان بارہویں برس میں داخل ہو رہا تھا۔

وہ ذہین تھا۔ شجرۃ الدر کی طرح۔۔۔ کوئی دو رائے نہیں کہ اپنی پڑھائی کے حوالے سے وہ ہر انداز میں شجرۃ تھا۔

لیکن بڑے ہونے کے اس مرحلے میں وہ ہر روز سنان الیاس کے روپ میں ڈھلتا جاتا تھا۔

بس ایک آنکھیں نکال کر کہ وہ شجرۃ الدر ہی کی تھیں۔

مگر۔۔۔ چہرہ، ہونٹ، دانتوں کی قطار، مسکراتے ہوئے لبوں کا پھیلنا اور ایسے میں چہرے کی بدلی حالت۔۔۔ دوران گفتگو وہ آنکھوں سے بھی سمجھاتا جیسے کہ سنان کرتا تھا۔ بات کو مدلل کرنے کے لیے وہ سنان ہی کی طرح بھنوؤں کو سیکڑتا تھا پھر ہاتھوں کے ذریعے بات کو سمجھاتا۔ وہ چلتا بھی سنان کی طرح تھا پھر سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ نمایاں ہونے والی چیز اس کی آواز تھی۔ ایک قدرتی طور پر۔۔۔ اور دوسرے وہ باپ کو کاپی بھی کرتا تھا۔

کن لفظوں پر زور دینا ہے۔ کن کو کھینچنا ہے؟ کہاں بات روک کر دوبارہ شروع کرنی ہے۔

آواز، انداز اور لہجے میں اتنی مماثلت تھی کہ وہ باآسانی سنان الیاس بن کر کسی کو بھی بے وقوف بنا سکتا تھا۔

خود اس نے ہو بہو سنان کے لہجے میں آواز ذرا بھاری کرکے جب شجرۃ کو پکارا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں سو وہ دل پر ہاتھ رکھے اسے دیکھتی تھی۔

"کوئی نہیں پہچان سکتا ناں کہ میں بولا ہوں یا پاپا بولے۔" وہ بے حد لطف اندوز ہو رہا تھا۔ "میں بالکل اپنے پاپا جیسا ہوں نا ماما۔۔؟؟"

اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے شجرۃ کی سانس نکلی۔

جیسے موت کے فرشتے نے دم نکالنے کے لیے پہلا جھٹکا دیا ہو۔

اس کا نام 'مقام' مرتبہ۔ وقت حالات اس چیز کی اجازت دیتے تھے کہ کیا وہ ایک اسکینڈل کی متحمل ہو سکتی تھی۔

اور وہ دنیا کو کیا جواب دے گی۔

اور۔ وہ زین سنان کو کیا بتائے گی کہ۔

او میرے اللہ۔

☼ ☼ ☼

شجرہ کا بچپن ستے زمانوں کا بچپن تھا۔ بچے سادہ خوراک کھاتے۔ سادہ لباس 'کپڑے کی گڑیا اور امیر غریب سب کے بچے کم و بیش ایک ہی طرح پلتے۔ مگر شجرہ تو پھر یتیم تھی۔ اپنے بچوں کے بچپن کو دیکھتے ہوئے وہ سوچتی۔ وہ بس پیدا ہوئی تھی۔ اور بچپن اسی وقت ختم ہو گیا۔ جب ابو فوت ہوئے۔ بعد کی زندگی تو بس ایک دوڑ جیسی تھی۔ جو اسے بس جیتنا تھی۔ بچپن میں اس نے حسرتوں کو خود سے دور کر دیا تھا۔ مگر جب آج وہ صاحب حیثیت تھی۔ سوچتی کہ اپنے بچوں بالخصوص سدرہ کی زندگی میں کوئی خواہش ادھوری نہیں رہنے دے گی۔ اور پھر اب اس کا سوشل سرکل۔ جس طرح کی زندگی گزار رہا تھا۔ اسے بھی وہی ڈگر اپنائی تھی۔ بلکہ بڑھ چڑھ کر اپنائی تھی۔

دو اولادیں تھیں۔ نہیں تین۔ مگر سدرہ نے اسے بے حد لگاؤ تھا۔ اور اس کا برتھ ڈے سلیبریشن۔

اس نے ایونٹ مینجمنٹ والوں کو کال کیا تھا۔ کلر تھیم بے بی پنک تھی فار وومن اینڈ جینٹس ان سوٹ گھر پر ہی ارینج منٹ کیا گیا تھا۔ بچوں اور بچیوں کے لیے گیمز۔ اندر داخل ہوتے ہی یوں محسوس ہوتا جیسے یہ باربی ورلڈ ہو۔ ہر سو گلابی رنگ بکھرا تھا۔ درو دیوار پر ایسے نقوش ابھارے گئے تھے۔ جن سے احساس ہوتا۔ یہ دور دیس کا پریوں کا شہر ہے۔ میوزک۔۔۔ غبارے۔ جوکر۔

سنان کا کاروباری حلقہ۔ اور شجرہ نے اپنے حلقہ احباب سے ایک جم غفیر اکٹھا کر رکھا تھا۔ ہر شے کو دیکھ کر اس کے اندر ایک طمانیت اور فخر ابھر رہا تھا۔ وہ شاہانہ انداز میں گردن اٹھائے ہر شے کو دیکھ رہی تھی۔ کیک کٹ چکا تھا۔ اور بہت سارے گیمز تھے۔ بچوں اور بڑوں کے لیے۔ اس تقریب میں ہر شخص جیسے چند گھنٹوں کے لیے دنیا کے تمام دکھوں 'پریشانیوں کو بھول کر بس انجوائے کر رہا تھا۔ تفکرات سے بہت پرے اور سب سے زیادہ ہلکی پھلکی خود شجرۃ الدر تھی۔

اس نے زین سے وعدہ کیا تھا۔ وہ سدرہ کی برتھ ڈے اس کے بغیر نہیں کرے گی اور اسے لازمی بلوالے گی اسے برتھ ڈے کراچی میں کرنا تھی۔ سو جس فیلڈ سے وابستہ تھی۔ اس کے عہدے کا تقاضا تھا کہ گھریلو تقریبات میں۔ افسران بالا اور دیگر عملے اور فائدہ پہنچانے والے لوگوں کو بلوائے۔ اور سب سے تعلقات بنا کر ہی رکھے جائیں۔ سو یہ تقریب جہاں سدرہ کے لیے تھی وہیں سب سے ایک غیر رسمی ملاقات سلام دعا کا بہانہ بھی۔ ہم جیسی دنیا میں رہتے ہیں۔ ہمیں اسی حساب سے جینا ہوتا ہے۔ سو شجرہ اس مقولے پر عمل پیرا تھی۔

سدرہ کی برتھ ڈے میں تاریخ کے حساب سے ابھی ایک ہفتہ باقی تھا۔ اور زین اس میں شرکت کی ضد نہ کرے۔ سو وہ وعدہ وعید کرتے وقت ہی یہ سب طے کر چکی تھی۔ زین کو بعد میں کہہ دیتی کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر برتھ ڈے سلیبریٹ کی ہی نہیں جا رہی۔ وہ اگر آجاتا تو اسے خوش کرنے کے لیے فوری طور پر کیک منگوا کر کچھ ہنگامہ کر لیا جاتا۔

بے حد خوب صورت تقریب اپنے جوبن پر تھی۔ گلابی ساڑھی سیاہ کڑھائی سے بوجھل تھی۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس سنان الیاس کی کہنی میں ہاتھ پھنسا کر چلتی وہ فاتح لگتی تھی۔ سنان کی ٹانگ کی وہ ہلکی لنگراہٹ آج بھی اسے نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اس کا فخر تھا۔ اس کی محبت۔ اس کی جیت اس کی خواہش۔ دعا۔

میوزیکل چیئر کا گیم بچوں کے لیے تھا۔ مگر جانے کیسے اس میں بڑے بھی شامل ہو گئے۔ اور اب گیم کچھ یوں تھا کہ کپلز کھیل رہے تھے۔ سب ان پر بھی زور ڈالنے لگے کہ وہ بھی شامل ہوں۔

سنان نے گیند شجرہ کے کورٹ میں ڈال دی۔ "اگر یہ کھیلیں گی تو بندہ بھی حاضر ہے۔ دراصل بندہ حکم کا بندہ ہے۔ آپ تو سب سمجھتے ہیں ناں سومرو صاحب۔"

سومرو صاحب نے اپنی بیگم کی جانب مصنوعی بے چارگی سے دیکھا اور قہقہہ لگایا۔

"میں نے ساڑھی نہ باندھی ہوتی تو۔" شجرہ نے نزاکت سے پلو والا بازو اٹھایا۔

"یعنی آپ پہلے سے پیش بندی کر کے آئی ہیں۔"

"اب آپ جو کہیں۔" شجرہ مسکرائی 'تالیوں کا شور تھمنے۔ بک اپ کرنے کے لیے نعرے اس پر میوزک۔ جب میوزک رکتا۔ تب ہنسی کا نیا طوفان۔ مزے کی بات یہ تھی چھ ٹیموں میں سے چھ کی چھ مسز جیتی تھیں۔

مسز پٹیل بہت دبلی پتلی تھیں اور مسٹر پٹیل بہت موٹے۔ مگر میوزک رکنے پر کرسی پر مسٹر پٹیل تھے۔ پل بھر کی حیرت کے بعد شدید قہقہے شروع ہو جانے تھے۔ مگر میوزک رکتے ہی سناٹے میں گونجتی آواز نے سب کو چونکایا۔

"ماما!" شجرہ اور سنان دونوں کے ہاتھ پہلو میں گر گئے اور شاید کمرے کی چھت بھی۔ ان کے سر کے اوپر۔ سب کی گردنیں مڑی تھیں۔ دروازے کے بیچ و بیچ زین سنان کھڑا تھا۔ اور اس کی حالت۔ جہاں اندر سب گلابی اور سیاہ سوٹ میں ملبوس بچے بڑے سب۔ وہاں زین کا لباس اور حلیہ۔

بلو جینز پر سفید آدھی آستین والی شرٹ۔ کمر کی پشت سے بیگ چپکا تھا۔ پیروں میں جاگرز اور اس کی حالت دگرگوں تھی۔ وہ کیا مٹی میں لوٹنیاں لگا کر آیا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھی۔ وہ شاید رلا آ رہا تھا (رو بھی رہا تھا) اور یقیناً "بھاگتا آیا تھا کہ اب تک ہانپ رہا تھا۔ سانس ابھی تک متوازی نہ ہوئی تھی۔ اور اس پر شدید ترین صدماتی کیفیت۔۔۔ اس نے چاروں طرف دیکھا چھت تک کو پھر اس کی نگاہ باربی کا روپ دھارے کھڑی سدرہ پر پڑی۔

پھر اس نے ماں باپ کو دیکھا۔ تو اس کے چہرے کا رنگ یوں ہو گیا۔ جیسے کہ دل بس پھٹ جانے کو ہے۔ ایک۔ دو۔ تین۔

"آپ نے میرے بغیر سدرہ کی برتھ ڈے کر لی۔ میں شامل نہ ہو سکوں 'ایک ہفتہ پہلے ہی کر لی۔ وہ تو میں نے سرپرائز دینے کے لیے گفٹ خریدنے کے لیے گھر فون کیا تو خیرن بولی۔ برتھ ڈے تو کل ہو رہی ہے کراچی میں۔

آپ نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا ماما؟ اور بابا! آپ نے بھی؟"

"تت۔ تمہیں یہ کیا ہوا ہے؟" سنان نے پوچھا تھا۔ مگر شجرہ ٹرانس سے ابھر کر اب اس کی جانب جیسے بھاگی تھی۔ اس کے بالوں میں بھی تنکے اور مٹی تھی۔ اور پیشانی پر رگڑ کا نشان تھا۔ اور کہنی پر گہرا زخم۔ تھوڑی کے پاس بھی ایک لمبی سرخ لکیر تھی۔

"کس نے مارا ہے تمہیں؟"

"کسی نے بھی نہیں مارا۔ میں بھاگ کر آ رہا تھا۔ مجھے لگا۔ برتھ ڈے ختم ہو جائے گی۔ وہاں روڈ کے اینڈ میں کھدائی ہو رہی تھی۔ میں اندر گر گیا۔ کسی نے نکالا بھی نہیں۔ پہلے میں نے سوچا۔ صبح جب مزدور آئیں گے تو مجھے نکال لیں گے۔ پھر مجھے خیال آیا۔ برتھ ڈے ختم ہو جائے گی۔ تو میرا گفٹ۔ پھر میں بڑی مشکل سے نکلا۔ پھر دوبارہ بھاگا۔"

وہ سانس لیے بغیر بولنا چاہتا تھا۔ آنسو تو تواتر سے بہہ ہی رہے تھے۔

"اور پھر بھی۔" اس نے پیچھے لٹکتے بیگ کو آگے کیا۔ اس میں سے ایک ڈبا برآمد کیا۔ جس میں کانچ بج رہے تھے۔ اس نے بعجلت ڈبا کھولا۔ اس کا بدترین خدشہ حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔ ڈھکن ہٹتے ہی بہت سے نازک کانچ زمین پر گرنے لگے۔ تو ساتھ ہی وہ بھی گھٹنوں کے بل گر سا گیا۔ وہ کانچ کو ٹٹول رہا تھا۔ کسی بھی احتیاط کے بغیر۔

"پھر بھی میرا گفٹ ٹوٹ گیا۔" یہ کرسٹل سے بنی باربی ڈول تھی۔ وہ اس کے چہرے کو اٹھا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"اب میں سدرہ کو کیا دوں گا۔ اتنے پیسے جمع کر کے میں نے میم سے یہ ڈول منگوائی۔ میری ڈول۔" وہ کسی قدر جنون سے اسے جیسے جوڑنا چاہتا تھا۔

"سی۔ ہائے!" کانچ پوروں میں گھس گیا تھا شاید۔ اور سامنے کھڑی ساکت وجامد شجرۃ میں جیسے روح واپس آئی۔

"چھوڑ دو زین۔!" اس نے تیزی سے کہا تھا اور اسی کی طرح گھٹنوں کے بل گری تھی۔ سنان بھی آگے بڑھا تھا۔ وہ ایک گھٹنا موڑ کر اور دوسرے کے وزن پر ان کے قریب آبیٹھا تھا۔

"ایسے کانچ کو ہاتھ نہیں لگاتے زین! انہیں چوٹ لگے گی۔ خون نکلے گا۔"

"لگاتے ہیں.... کانچ کو ہاتھ لگاتے ہیں۔" وہ ضدی اور جنونی ہو گیا۔

"میں نے اپنی پاکٹ منی جمع کی تھی۔ اب میں سدرہ کو کیا دوں؟ اور اب تو برتھ ڈے بھی ختم ہو گئی .... میں۔" وہ تیزی سے ڈبا پلٹ کر باقی ٹکڑے نکالنے لگا۔ گڑیا کی ٹانگیں سلامت تھیں۔ چہرہ بھی لیکن درمیانی حصہ فقط کرچیوں کی صورت تھا۔

"میں جوڑوں گا۔ میں اسے جوڑوں گا۔ ابھی ابھی جوڑوں گا۔"

یقیناً" اسے گڑیا کے ٹوٹنے کا صدمہ اتنا نہیں تھا۔ صدمے کی اصل وجہ تو اس کے بغیر برتھ ڈے تھی۔ اسے کڑیاں جوڑنی نہیں آتی تھیں۔ لیکن کڑیاں جمع کرنا تو آرہا تھا ناں۔ وہ خود ہی پہنچ جاتا ایک روز حقیقت تک۔ مگر۔

صدمے نے اس کے حواس معطل کر دیے تھے جیسے۔ اسے بس گڑیا جوڑنی تھی۔ ہر صورت... اس نے کانچ کے باریک باریک ٹکڑوں پر یوں ہاتھ پھیرا۔ جیسے ملائم گوندھی مٹی سے فرش کو لیپ رہا ہو۔ اور نتیجہ۔

وہ ہاتھ مار مار کے ٹکڑے سمیٹ رہا تھا اور ہال کے سفید فرش پر خون کی لکیریں بنتی جاتی تھیں جیسے خون کا پوچا لگایا جا رہا ہو۔

اور ماں باپ کو اس کا جنون ہولائے دے رہا تھا۔ روکنے کی سعی کرنا چاہتے تھے اور سعی تو لوگوں کو سوال کے جواب کے لیے بھی کرنی تھی۔ جو ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ کون ہے یہ لڑکا؟ ماں کیوں کر رہا ہے؟ رو کیوں رہا ہے؟ اور شجرۃ کی یہ حالت اور سنان الیاس کی بے بس کیفیت۔"

"ارے ہاں۔ سنا تو تھا۔ ایک بچہ لیڈ اپٹ کر رکھا تھا۔"

"نہیں۔ گارجین بنے ہوئے ہیں دونوں۔"

"نہیں۔ اصل کہانی یہ ہے کہ یہ سنان کی ... کسی کو یہاں تک کے معاملے کی خبر تھی۔

اور شجرۃ کے کانوں تک یہ قیاس آرائیاں۔ اچھے بے یقین سوال پہنچ رہے تھے مگر وہ جیسے کچھ سن نہ رہی تھی۔

وہ تو بس اسے باز رکھنا چاہ رہی تھی۔ جو اپنے خون سے ہولی کھیل لینا چاہتا تھا۔

"اپنی جان لو گے کیا؟" وہ بدقت بولی۔ اسے غش آرہے تھے اور کلیجہ جیسے کسی شکنجے میں جا پہنچا تھا۔

اچھا تو لے پالک ہے یہ۔ "معمولی بے ہنگم ... چنانچہ نے سارا معاملہ گویا سلجھا کر خود بھی سکھ کا سانس لیا۔ اور اطلاع بہم پہنچائی۔ سب نے سن لیا اور کیا زین نے بھی؟ شجرۃ کے سر پہ گرز لگا تھا۔ اس نے ایک نظر سب لوگوں کو دیکھا۔ شدید ترین اذیت اور شرم ساری سے پُر سنان الیاس کا چہرہ۔ ہر شے سے بے نیاز روتا زین سنان الیاس (اگر وہ سن لیتا' ایک غلطی کے بعد دوسری سنگین غلطی)۔

اس نے یک دم زین کو خود میں بھینچ لیا۔ اسے ساتھ لیے کھڑی ہو گئی۔ اس کے خون سے تر ہاتھوں نے گلابی ساری کو داغ دار کر دیا اور وہ ہر شے سے بے نیاز حلق پھاڑ کر چیختے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"لے پالک نہیں ہے یہ۔ میرا اپنا بیٹا ہے۔ یہ میرا اپنا بیٹا ہے وہ بیٹا جسے میں نے نو ماہ اپنے پیٹ میں رکھا۔ کان کھول کر سب سن لیں۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ شجرۃ الدر اور سنان الیاس کا اپنا بیٹا۔ جھوٹ بول رہے ہیں ہم بارہ سالوں سے کہ۔"

وہ اتنی زور سے بولی تھی کہ گلے میں خراشیں پڑ گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حواس جیسے ساتھ چھوڑنے لگے۔ وہ زین کو سہارا دے رہی تھی۔ اگلے پل اسی کے کندھے پر ڈھے گئی۔ اور وہ اپنا غم بھول کر اسے رونے لگا۔

"ام۔ ام۔ بابا! دیکھیں بابا! ام کو کیا ہو رہا ہے آئی ایم سوری ام۔ میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔ ام پلیز۔"

اور تقریب ہی میں موجود ایک ڈاکٹر صاحب آگے بڑھے تھے۔ ان کے لیے دو مریض تھے۔ ایک ہوش و خرد سے بیگانہ تھا۔ اور دوسرے کے ہاتھ بری طرح زخمی تھے۔

شجرۃ کے خاندان نے سالوں ہوئے تمام ناتے توڑ ڈالے تھے۔ مگر سنان کے تمام بہن بھائی موجود تھے۔ وہ ایسی بکواس افواہوں کو سن کر لاحول پڑھ لیتے تھے۔ اکثر ایسی آواز آجاتی تھی۔ کہ یہ بچہ دراصل شجرۃ اور سنان کا ہے۔ مگر اسے تو آپا نے گود لیا تھا۔

لیکن آج شجرۃ کا چیخنا مزید سوال کی گنجائش رہی ہی نہیں۔ دنیا کو بھی الف مل جانا چاہیے۔ بے تک وہ خود ہی پہنچ جاتی ہے۔ خواہ جیسے بھی پہنچے صحیح یا غلط۔

سو یہاں جتنے منہ تھے اس سے دوگنی چوگنی باتیں تھیں۔ جو جس کے منہ میں آرہا تھا' کہے جا رہا تھا۔

شجرۃ الدر کے اپنے منہ سے برملا اظہار کے باوجود یہ مبہم قصہ تھا۔ اور ابہام دور کرنے کے لیے چھوٹی موجود تھی۔ اس نے اپنے ساتھ بیٹھی خاتون کے کان میں گھس کر وہ معلومات سجا بنا کر پیش کر دیں۔ جو اسے ایک اتفاقی ملاقات میں ہما بھابھی سے پتا لگی تھیں۔ (آفاق بھائی انہیں طلاق دے چکے تھے)

چھوٹی سے شجرۃ الدر کے ایسے تعلقات نہیں تھے کہ وہ اسے سالگرہ میں بلاتی۔ مگر ہوا کچھ یوں کہ جب وہ دونوں آپا کو کارڈ دینے گئے۔ تب چھوٹی بھائی کے گھر موجود تھی۔ اس نے سنان سے شکوہ کیا۔

"آپ آپا ہی کو بلا رہے ہو۔ کیا میں تمہاری بہن نہیں؟" یہ دونوں بری طرح شرمندہ ہوئے۔

اگلے روز سنان خود جا کر کارڈ دے کر آیا۔ چھوٹی کا دلی ارمان تو بس زین کو دیکھنا تھا۔ مگر یہاں زین کو بھی دیکھ لیا۔ اور باقی سب کچھ بھی دیکھ لیا۔

اونچی مسند پر بیٹھی شجرۃ الدر کی گھٹنوں کے بل جھکی دگرگوں حالت نے حسد کی عجیب سی آگ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے۔ بڑا مزہ آیا۔

☼ ☼ ☼
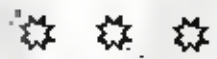
"آج کے دن کی بات نہ کرو۔ یہ کہانی جب بھی کھلنی تھی۔ ایسا ہی تماشا ہونا تھا۔ اور کہانی کھل جانے کے ڈر نے مجھے کبھی کھل کر سانس بھی نہ لینے دیا۔ لیکن ابھی میں اتنی ہلکی پھلکی ہوں کہ بس۔" وہ کرسی پر بیٹھی تھی کہنی ٹیبل پر کھڑی تھی اور وہی ہاتھ سر پر دھرا ہوا تھا۔ سر جھکا ہوا تھا۔ اور وہ مسلسل بول رہی تھی۔

یہ سنان کی لائبریری تھی۔ پورا کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف ٹیبل کے عین اوپر لٹکتے لیمپ کی روشنی ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔

"پتا ہے میں نے پہلے ہی اسے کن وقتوں سے یہ جتایا اور باقی سب بھلایا۔ کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں ماں نہیں ام ہوں۔ مگر میں کالج میں پڑھتی تھی ناں۔ تو اس لیے اسے پھوپھو کے پاس رہنا پڑا تو وہ پھوپھو کو امی کہنے لگا۔ مگر ام بس میں ہوں۔

اور وہ مجھے ہمیشہ ایک بوجھ لگا۔ جو میرے اعصاب پر سوار تھا۔ پھر بوجھ نے شکل بدل لی اور وہ میرے دل کا بوجھ بن گیا۔ اگر آج سچ نہ کہتی تو اسے بے موت مار دیتی۔ وہ تو پہلے ہی میرے حوالے سے۔ ہمارے حوالے سے شکوک کا شکار تھا۔

پھوپھی ماں نہیں ہے... امی ماں ہے۔ پھر لے پالک کہہ کر میں ماں بھی بدل دیتی۔ تو کیا وہ پوچھنے نہ آتا کہ پھر ماں کون ہے۔ اسی کا پتا بتا دو۔

جو تماشا کل لگے گا۔ شاید ٹی وی پر خصوصی بلیٹن چلے' یا اخبار کی مین اسٹوری بن جائے۔ پورے ملک سے چھانٹ کر بنائے جانے والے افسر۔ جو ہر پہلو سے نمبون بے عیب ہوں' تب ہی چنے جاتے ہیں۔ اور اپنی ذاتی زندگی میں وہ ایسے کام کرتے ہیں۔ اس پر پھر دنیا کی ہرزہ سرائی۔"

"کوئی بات نہیں نکاح ہو چکا ہے۔" اس جملے نے کتنی بے فکری دے دی۔ نکاح اللہ کے لیے تھا اور رخصتی دنیا کے لیے۔

"میری ذہانت نے بڑے بڑوں کو پچھاڑ دیا۔ اور تم یہ ڈھیر کتابیں لیے بیٹھے ہو نکاح ہماری سیف سائیڈ بن گیا۔ جب کہ وہ سب جو ہوا' سراسر لاپروائی تھی۔ معاشرے کے اصول و قوانین۔ اقدار۔ روایات۔

دین کو سنوارنا ہو تو دنیا بہتر رکھنی پڑتی ہے اور دنیا کو سنوار کر رکھا جائے تو آخرت بہتر ہو جاتی ہے۔

ہم دین کے احکام اور دنیا کے چلن کو ساتھ لے کر چلنے والے کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ ایک کو رکھ کے' ایک کو چھوڑ دیا جائے تو انجام کار وہی ہوتا ہے جو آج ہوا... جو تماشا ہوا۔ اور جو مزید ہونے والا ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"جب ہم سب طے کر چکے تھے کہ میں اپنا بزنس باہر سیٹ کر لوں گا۔ اور تم کہیں باہر پوسٹنگ کرواؤ گی۔ پھر ہم تینوں بچوں کو ساتھ رکھیں گے۔ تو آج خود پر قابو رکھتیں ناں۔" سنان نے ٹیبل پر دھرے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

شجرۃ نے جملہ تحمل سے سنا۔ وہ اپنے اور اس کے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ (ہاتھ پکڑنے سے تو ابتدا ہوئی تھی۔ پہلا قدم۔)

"نہیں رکھ سکی قابو۔" اس نے بہت جارحانہ انداز سے اپنا ہاتھ کھینچا اور دل پر رکھ لیا۔ "وہ کبھی نہیں رویا۔ خود کو کمپوز کر کے مردانہ وار کھڑا ہونا اس کی فطرت ہے' یہ عادت اس نے مجھ سے لی سنان! میں بھی تب روتی تھی جب ہر جانب سے راہیں مسدود ہو جاتیں۔ رونے کے بجائے کسی بھی شے کا حل ڈھونڈ کر ابھرنا میں نے بہت بچپن میں سیکھ لیا تھا۔

اس کی آنکھوں کا شکوہ۔ اس کے جملے۔ اس کا حلیہ۔ وہ ہمارا بیٹا ہو کر۔ ہم سے اتنا الگ کیوں لگ رہا تھا؟

تم صحیح کہتے ہو' مجھے خود پر قابو پانا چاہیے تھا۔ سچ کہہ رہی ہوں۔ اس کی صورت دیکھتے ہی میرا دماغ کمپیوٹر بن گیا۔ جمع تفریق' جوڑ توڑ۔ اسے یہ کہہ کر بہلاؤں گی۔ اور دنیا کو وہ کہہ کر ٹھلا دوں گی۔ لیکن۔" رونے لگی "لیکن جب میں۔" اس نے جیسے شدید تکلیف میں گھر کر آنکھیں میچی تھیں۔ "اس کا خون دیکھا' لال سرخ گاڑھا۔ بری طرح بہتا ہوا خون۔ بس سنان! میں بھول گئی کہ دنیا تماشا گاہ ہے۔ دنیا کے پاس سنگسار کرنے کا اجازت نامہ بھی ہے۔ میں بھول گئی تھی۔ میں ایک دنیا کے سامنے کھڑی ہوں اپنا نام بھول گئی۔ اپنا مقام' عہدہ۔ قدر و منزلت۔ سدرہ کو بھول گئی شہیر کو بھی۔ تم بھی یاد نہ رہے' کچھ یاد نہیں رہا۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نظر آتا تھا تو بس خون۔ وہ خون جو میرا اپنا تھا۔ وہ تکلیف کے احساس سے اور لہو کر۔ کرچیوں سے کھیل رہا تھا۔ اور موت میری ہو رہی تھی' تکلیف ایسی تھی جیسے ملک الموت نے سانس شہ رگ پر لا کر روک دیا ہو۔ نہ میں زندوں میں۔ نہ مردوں میں اور۔ یہ سب میری وجہ سے۔" وہ ماتمی انداز میں اپنا ہاتھ سر پر مارنے لگی۔

"تمہاری وجہ سے شجرۃ؟" سنان کا لہجہ چور چور تھا۔

شجرۃ نے ہاتھ ہوا میں چلایا۔ جیسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وجہ کے لیے میں کا صیغہ استعمال کیا جائے یا ہم کا۔

"آپا نے ہمیں بلایا تھا۔" وہ اپنے آنسو پونچھ کر۔ گلا صاف کر کے دوبارہ بولنا شروع ہوئی۔ "وہ کہہ رہی تھیں۔ وہ اسے اب مزید نہیں رکھ سکتیں۔ میں تم سے لڑتی الجھتی گئی تھی سنان! بلکہ جانا چاہتی بھی نہیں تھی۔ میں بیورو کریسی کی ایک افسر بن چکی تھی اور افسر بننے کے بعد آپ کو پتا لگتا ہے۔ اب مزید آپ اور کیا بن سکتے ہیں۔ ایسے میں بچہ۔ ایک نیا جھنجھٹ

اور میں آپا کو سنانا چاہتی تھی کہ یہ مانگے کی چیز نہیں ہے کہ اب ضرورت پوری ہو گئی تو واپس لے لو۔ یہ جیتا جاگتا انسان ہے اور۔ بہت لمبی تقریر تیار کر کے لے کر گئی تھی۔ میرے دل میں کیا چل رہا تھا۔ میں نے تمہیں نہیں بتایا۔ اور پھر مجھے دنیا کی جواب دہی کا بھی خیال تھا۔ اور آپا کے پاس پورا پلان تھا۔ ہم بچہ کیسے رکھ سکتے ہیں۔ مجھے وہ سن کر بھی غصہ آرہا تھا۔ میں غصے سے کھولتی۔ پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی۔ باہر لان میں ٹہلنے لگی۔

اور باہر لان میں ایک کونے میں وہ اپنی کتابیں کھولے بیٹھا تھا۔ میں اسے کتنی ہی دیر تک دیکھتی رہی۔ کبھی لگتا' وہ تم ہو اور کبھی لگتا۔ میں آئینہ دیکھ رہی ہوں۔ وہ پڑھ رہا تھا۔ مجھے لگا' وہ رو بھی رہا تھا۔ ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھتا تھا اور پھر سے سوال کرتا تھا۔ نجانے کس جذبے کے تحت میں اس تک چلی گئی۔ وہ واقعی رو رہا تھا۔ حساب کی کاپی پر جگہ جگہ ٹپ ٹپ آنسو گرے تھے۔

"کیوں رو رہے ہو؟"

"مجھے تھرڈ فگرز والے پلس کے سوال نہیں آتے اور کل ٹیسٹ ہے۔"

"ٹیچر نے نہیں بتائے۔ ٹیوشن نہیں پڑھتے تم؟"

"بتایا تھا۔ ٹیوشن بھی پڑھتا ہوں۔ مگر یہ سوال۔ مجھے فیل ہونا اچھا نہیں لگتا۔"

"تو پھر کیسے حل کر رہے ہو۔ ایک ہی سوالوں کو بار بار یوں لکھ رہے ہو؟"

وہ اس سوال پر ذرا سا ہچکچایا۔ کچھ سوال جواب کے ساتھ متعدد بار لکھے تھے۔

"میں انہیں اتنی بار لکھ لوں گا۔ کہ جب امتحان میں آئیں گے تو مجھے معلوم ہوگا کہ اس کا آنسر (جواب) یہ ہے۔"

"کیا؟" میں حق دق رہ گئی۔ "اور اگر فگرز چینج کر کے سوال آگئے تو۔؟"

"تو کیا۔" اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا بن گیا۔ اسی خدشے سے تو رونا آرہا تھا۔ "فیل ہو کر

آجاؤں گا۔"
اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ یہ تو وہی طریقہ تھا۔ جو میں کرتی تھی۔ حل شدہ سوالوں کو اتنی بار لکھتی تھی۔ کہ مجھے ان کا لکھنا یاد رہ جاتا تھا۔ میں انگلش کے ٹینس سمجھتی نہیں تھی۔ رٹے لگا کر ازبر کرلیتی تھی اسی وقت مجھے یہ بھی خیال آیا کہ میرے ابو فوت ہو چکے تھے۔ اور کوئی مجھے پڑھاتا نہیں تھا۔ سمجھاتا نہیں تھا۔ اور میں بھی اسی طرح کسی خفیہ کونے میں بیٹھ کر ایسے ہی لکھتی تھی۔ اور خدشوں میں گھر کے بے آواز روتی تھی۔
مجھے احساس ہوا کہ میرے ابو اللہ کی طرف سے نہیں تھے اور اس کے ماں اور باپ دونوں تھے اور وہ ہو بہو مجھ پر گیا تھا۔ وہ میرا بیٹا تھا سنان! اور وہ ایک لمحہ تھا جب میرے دل کی زمین شق ہوئی۔ وہ اندر سما گیا۔ میں نے اسے گود میں اٹھالیا۔ اور کہا۔ میں اسے سوال سمجھا دوں گی۔ اور گود میں بھرنے کے بعد احساس ہوا کہ وہ کتنی بڑی نعمت تھا۔ خوشی تھا... خوشبو تھا۔
میرا لخت جگر۔
لیکن اسے برملا اپنانے کی راہ میں اتنے سال گزر گئے۔" وہ ہانپ گئی اور ہچکیوں سے رونے لگی۔
"میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی دھوکا نہیں دیا۔ میں کچھ معاملات میں خود غرض ضرور تھی۔ مگر کمیٹڈ بھی تھی۔ جو ایک بار کرلیا۔ کہہ دیا۔ وہی کروں گی۔"
"تمہیں آج تک ایک بات کی خبر نہیں۔"
وہ روتے چہرے کے ساتھ بہت دل سے مسکرائی۔
سنان نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"اتنی کامیابیوں کو بٹورتے ہوئے راستے میں بہت لوگ ملے۔ کہتے تھے مجھے تو کچھ بھی مل سکتا ہے۔ قابل' ذہین' اتنی ی ی ی بڑی افسر۔ اور بہت خوبصورت بینک۔ پھر ایک درمیانے درجے کے بزنس مین کے ساتھ۔ جوڑ کچھ بنتا نہیں۔"
وہ بات روک کر پھر سے مسکرائی۔ سنان کے چہرے کو دیکھا جس پر سایہ سا لہرا رہا تھا۔
"پتا ہے میں نے کیا کہا۔ ان لوگوں سے۔ اور خود سے بھی۔ تم میرے دوست تھے۔ رہبر و رہنما۔ جس کا ہاتھ پکڑ کر میں نے دنیا دیکھی۔ میری طلب۔ میری خواہش... میری محبت۔ اور۔"
(سنان کا چہرا اپنے رنگ میں واپس لوٹ گیا۔ شجرہ نے کبھی ایسے الفاظ میں اظہار نہیں کیا تھا۔ سنان ہی نے زندگی بھر اسے شعر سنا سنا کر بتلایا تھا)
"اور میری ایمان داری۔" شجرہ نے جملہ مکمل کیا۔ "میں نے زندگی میں جو کام بھی کیا۔ پورے دل سے ایمان داری کے ساتھ۔ جو عہد کیا اسے پورا کیا۔ کسی چیز کو راستے میں نہیں چھوڑا۔ پھر میری سیدھی زندگی میں مجھ سے اتنا بڑا بلنڈر کیسے ہو گیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی اور میں نے زندگی میں ایک نئی بات یہ بھی سیکھی کہ۔
سچ بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن یہ آپ کو مزید بہت ساری مشکلوں سے بچالیتا ہے۔ خطاوار کو سزاوار بھی ہونا چاہیے۔
غلطی ہم نے کی ہے تو ہم ہی بھگتیں ناں' زین کا کیا قصور ہے کہ وہ الجھے سوالوں میں عمر کا یہ خوب صورت دور برباد کردے۔ میں اسے ہاسٹل سے نکال لوں گی۔ میں اسے گھر لے آؤں گی۔ میرے تین بچے ہیں مائیں اولاد میں بھید بھاؤ نہیں کرتیں۔ مگر سنان! مجھے اپنی تینوں اولادوں میں زین سب سے پیارا ہے۔"
اس کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا۔
"میں سمجھ سکتا ہوں۔"
"وہ ہماری غلطی ضرور ہے مگر اس میں خود اس کی کوئی غلطی نہیں اور اس کے ساتھ مزید کچھ برا نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا کو جواب دہی ہم کریں گے۔"
"میں نے اسے کبھی غلطی نہیں سمجھا' وہ محبت تھا۔ جو آج بھی ہم دونوں کے بیچ زندہ ہے۔"
"محبت۔!" شجرہ نے زیر لب کہا۔
(ہاں وہ ضرور محبت تھا۔ لیکن انسان ہر بار محبت کے نام پر دھوکا ہی کیوں کھاتا ہے۔ غلطی ہی کیوں کرتا ہے۔ محبت بھٹکتی ہی کیوں پڑتی ہے)
"اب تم شعر نہیں سناتے سنان! بہت سال پہلے

ایک نظم سنائی تھی۔ مجھے شعر سمجھ میں نہیں آتے تھے مگر وہ نظم دل میں اتر گئی۔ میں ان دنوں اس نظم کے زیر اثر زندگی کو جینے لگی تھی۔ ہر ہر لفظ میرے دل میں اتر رہا تھا۔ روح میں گھل رہا تھا۔ آج وہی نظم دوبارہ سناؤ۔" اتنی گمبھیر صورت حال میں انوکھی فرمائش۔
سنان چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ متوقع نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"کون سی نظم؟"
"وہی۔ وہ والی۔ محبت خواب کی صورت۔"
سنان کو شعر اور نظمیں غزلیں کبھی نہیں بھولی تھیں۔ اس نے انہیں سنانا چھوڑ دیا تھا۔ پڑھنا نہیں۔
"سناؤ سنان! اس میں محبت کی ہر شکل کو بتایا گیا ہے۔ ہر روپ کو۔ مگر ایک وہ روپ بھی ہے جو میں نے اتنے سالوں بعد سمجھا۔ ایک نئی تشریح۔ ایک نئے معنی۔"
اس کے چہرے پہ اذیت رقم ہو گئی۔ ساتھ ہی بے چینی کہ وہ نظم سنانا شروع کرے۔
سنان کے لب کھلے۔ اس نے بے حد خوب صورت لہجے میں ٹھہراؤ کے ساتھ لفظوں کی نغمگی کو برقرار رکھتے ہوئے سنانا شروع کیا تھا۔
محبت خواب کی صورت۔
رات کے سناٹے میں اس کی آواز نے عجیب ماحول پیدا کردیا تھا۔ نظم مکمل ہوئی تو وہ شجرہ الدر کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ اب کیا کہے گی۔ وہ رو چکی تھی۔ حال دل سنا چکی تھی۔ اک نئی صبح رات کی گرفت سے دامن چھڑانے ہی والی تھی۔ ایک نئی صبح' امتحان' لعن طعن آزمائش' تضحیک' سوال' اشارے کرتے مضحکہ اڑاتے لوگ۔ جواب دہی کی نئی صبح۔
سنان کو اندازہ تھا آنے والی صبح اور آگے کی مزید زندگی کیسی ہو سکتی ہے؟
"اس نظم میں ایک اضافے کی شدید ضرورت ہے۔ شاعر نے محبت کی ہر صورت بتادی مگر مجھے تو اب بس یہی لگا۔ محبت کے نئے معنی۔" شجرہ نے بولنا شروع کیا اس کے چہرے کے تاثرات عجیب تھے اور آنکھوں میں خود اذیتی۔
"محبت داغ کی صورت۔
میری جمع تفریق کا تو یہی جواب آیا۔ محبت داغ کی صورت۔"
سنان ششدر اس کی صورت دیکھنے لگا۔ اسے لگا وہ شاید سالوں تک ایک حرف بھی نہ کہہ سکے۔ دونوں نے خاموشی اوڑھ لی۔ چھت کے عین اوپر جھولتے لیمپ کی روشنی اتنی زرد پہلے تو کبھی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

اور جشن کی اس رات کا خاتمہ بس ہونے کو تھا۔ ابلیس مردود اپنے چیلوں کے برہنہ رقص کو دیکھ رہا تھا۔ آگ' شراب' نجاست' غلاظت سے سجا ابلیس کا دربار۔ وہ خوشی سے جھوم رہا تھا۔ لوٹنیاں لگا رہا تھا۔
"دنیا میں ہر روز ناجائز بچے پیدا ہوتے ہیں اور پھر اپنی شناخت کا سوال لے کر در در کی خاک چھانتے ہیں دنیا انہیں خوب ذلیل و رسوا کرتی ہے۔ پر تو تب تو اتنا خوش نہیں ہوتا۔" ایک منہ چڑھا چیلا سب کا ترجمان بن کر پوچھ ہی بیٹھا۔
"ہو تو تم سب میرے شاگرد مگر تمہارے سیکھنے کو بہت کچھ باقی ہے ابھی۔ بچے ہو تم سب ابھی بچے۔" وہ مکروہ آواز میں قہقہہ لگا رہا تھا۔
"یہی تو اصل بات ہے میرے نادان' کم عقل' بیرو

کار! ایک جائز کو ناجائز۔ صحیح کو غلط بتا کر جو مزہ اس بار لوٹا وہ تو شاید صدیوں تک یادگار ہوگا۔ اور تم سب کے لیے قابل تقلید بھی۔ غلط کو تو دنیا غلط کہتی ہے۔ مزہ تو یہ آیا کہ ہم نے صحیح کو غلط بتایا' دکھلایا اور جتایا۔ کسی کو یاد نہیں کہ نکاح ہو چکا تھا۔ وہ میاں بیوی تھے۔ یاد ہے تو بس یہ کہ شادی سے پہلے ہی رنگ رلیاں۔ ہاہاہا۔ واہ بھئی واہ۔"

وہ ہنستے ہنستے دہرا ہو گیا۔

"اور اگر کوئی دل بڑا کر کے نکاح یاد بھی کروا دیتا ہے تو تب بھی وہ تھو تھو ہوتی ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

لوگوں نے طلاقیں دیں۔ حرام کاری کی ہر شکل اختیار کی۔ ایک سے بڑھ کے ایک گناہ۔ کہ میرے لیے میرے لیے تفریق کرنا مشکل ہو گئی کہ کس گناہ اور غلطی کو نمبون کہوں۔ مگر جو لطف میں نے اس بار اٹھایا۔" وہ سرور میں آ کر جھومنے لگا۔

"لیکن اس اوپر والے کے سامنے تو سب ٹھیک ہے؟" نسبتاً" نئے چیلے نے ذرا دھیمے سے کہا تھا۔

"بے وقوف!" وہ بری طرح ناراض ہوا۔ "اوپر والے کے پاس جب جائیں گے تب جائیں گے۔ ابھی فی الوقت تو دنیا کو جوابدہ ہوں گے۔"

"تو کیا ہمارا کام ختم۔ اب اس ٹارگٹ پر کام نہیں کرنا کیا؟"

"بظاہر ختم ہو گیا۔ لیکن ابھی دیکھیں گے' دنیا اس جائز کام پر کتنے پتھر مارتی ہے۔ پھر ان کے منہ سے سوال کروائیں گے۔ انہیں چین سے نہیں رہنے دیں گے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ صبح اسے دنیا کی زبان سے شجرہ الدر اور سنان الیاس کے لیے گھناؤنے سے گھناؤنے جملے نکلوانے تھے۔ ذلیل کرنے کے نئے نئے خیال دلوں میں ڈالنے تھے۔

آخر کو وہ دنیا میں اسی کام کے لیے تو بھیجا گیا تھا۔ اللہ کے دربار سے دھتکارا گیا تھا۔

"لیکن' اگر تو ناراض نہ ہو تو ایک بات پوچھ لوں؟" نئے چیلے کی الجھن ہنوز تھی۔

"تو پوچھ پوچھ۔ تو ابھی بچہ ہے۔ سیکھنے کا وقت لگے گا مگر تو سیکھ ہی لے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے بڑھاوا دیا۔

"اللہ۔ میرا مطلب' اللہ کے نزدیک تو وہ مجرم نہیں ہیں ناں تو۔"

"لیکن دنیا کے نزدیک تو ہیں ناں!" شیطان نے تیزی سے بات کاٹ کر کہا۔

"یاد رکھ' دنیا کے کسی بھی مذہب کو مانتے ہو مذہب کے احکامات کو پوری طرح ماننا ضروری ہے۔ نکاح میں گواہ اس کا اعلان اور تعلق کے بعد ولیمہ اس تعلق کا اعلان ہے۔ غلطی تھی۔ گناہ نہیں تھا لیکن اس تعلق کے بعد اسے چھپایا گیا۔ دین کے ساتھ دنیا بھی ضروری ہے دنیا کے طور طریقے بھی اپنانے پڑتے ہیں۔ اگر وہ پوری طرح دین پر عمل کرتے۔ رخصتی کراتے ایک غلطی کو گناہ نہ بناتے لیکن انہوں نے اپنی غلطی کو گناہ بنا دیا اسے چھپانے کی کوشش کی۔"

"یہ تو اللہ کے احکام ہیں۔ مذہب پر چلنا۔ تو کیا تو اللہ کے حکم کو مانتا ہے۔ تو تو منکر اول ہے ناں؟ پھر تیرے منہ سے ایسی باتیں؟"

سب چیلوں کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ شیطان نے ایسی سیکھ تو پہلے کبھی نہیں دی تھی۔

"بے وقوفو! مردودو۔ میں اس کا حکم نہیں مانتا۔ میں نے انکار کی قسم کھائی ہے۔ لیکن اسے تو مانتا ہوں ناں۔ روز حشر تک مومنوں کو بھڑکاتا رہوں گا۔ میں نے قسم کھائی ہے۔ مگر ان انسانوں کی کہانی سنو۔ میں تو ہوں ہی منکر۔ یہ سالے نہ تو منکری کا اقرار کرتے ہیں اور نہ ہی مانتے ہیں۔"

وہ بات ختم کر کے دربار سے باہر کو چلا۔ چیلوں کے لیے اور شاید ہم سب کے لیے بھی۔ ایک سوال چھوڑ کر۔

☆

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں معیز' زارا اور ایرد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہے۔ صالحہ مر چکی ہے۔ ابیہا اس کی بیٹی ہے۔ جواری باپ سے بچانے کے لیے صالحہ' ابیہا کو امتیاز احمد کے سپرد کر جاتی ہے۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا معیز ان کا رازدار ہے۔

ابیہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً" رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ابیہا دیکھ لیتی ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کر کے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کر لیتا ہے۔ ابیہا اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوتی ہے۔ معیز رباب میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

صالحہ ایک شوخ الھڑ سی لڑکی ہے۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند ہے مگر اس کے گھر کا ماحول روایتی ہے۔ اس کی دادی اور تائی کو اس کا امتیاز احمد سے بے تکلف ہونا پسند نہیں ہے۔ امتیاز احمد بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر وہ ان کی مصلحت پسندی اور نرم طبیعت کو بزدلی سمجھتی ہے۔ نتیجتاً" وہ امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہونے لگتی ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی سے ہوتی ہے۔ مراد صدیقی اسے اپنے آئیڈیل کے قریب محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔ صالحہ کی ضد پر شازیہ اس کی ماں

سے مراد کا ذکر کرتی ہے۔ وہ غصہ میں صالحہ کو تھپڑ مار دیتی ہیں۔

امتیاز احمد اپنے فلیٹ پر ایبہا کو بلواتے ہیں مگر ایبہا وہاں معیز احمد کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔

معیز نے ایبہا کو صرف از خود طلاق کا مطالبہ کرنے پر مجبور کرنے کے لیے وہاں بلایا ہوتا ہے۔ اس کا ارادہ قطعاً غلط نہ تھا مگر بات پوری ہونے سے قبل ہی امتیاز احمد ڈرائیور کی اطلاع پر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ معیز بہت شرمندہ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد ایبہا کو لے کر وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

ایبہا کالج میں رباب اور اس کی سہیلیوں کی باتیں سن لیتی ہے، جو محض تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے ان سے پیسے بٹور کر ہلا گلا کرتی ہیں۔ عموماً یہ ٹارگٹ رباب کو اس کی خوب صورتی کی وجہ سے دیا جاتا ہے، جسے وہ بڑی کامیابی سے جیت لیا کرتی ہے۔

صالحہ کی ہٹ دھرمی سے گھبرا کر اس کے والدین امتیاز احمد سے اس کی تاریخ طے کر دیتے ہیں۔ مگر وہ امتیاز احمد کو مراد کے بارے میں بتا کر ان سے شادی کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ امتیاز احمد دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کرکے صالحہ کا راستہ صاف کر دیتے ہیں مگر شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھانے لگتا ہے۔

ایبہا معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرا کر زخمی ہو جاتی ہے۔

مراد صدیقی جواری ہوتا ہے۔ وہ صالحہ کا بھی سودا کر لیتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ایبہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر پھر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے پولیس مراد کو پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کرنے لگتی ہے۔ فیکٹری میں ساتھ کام کرنے والی ایک سہیلی کسی دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے۔ جو امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ صالحہ کی سہیلی اسے امتیاز احمد کا کارڈ دیتی ہے جسے صالحہ محفوظ کر لیتی۔ ایبہا میٹرک میں ہوتی ہے جب مراد رہا ہو کر واپس آ جاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ایبہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً آ جاتے ہیں اور ایبہا سے نکاح کرکے اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اس دوران معیز بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد ایبہا کو کالج میں داخلہ دلوا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ صالحہ مر جاتی ہے۔

معیز احمد ایبہا کو اسپتال لے کر جاتا ہے مگر وہاں پہنچ کر عون کو آگے کر دیتا ہے۔ ایبہا اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ ایبہا کا پرس ایکسیڈنٹ کے دوران کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کر پاتی ہے، نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ امتیاز احمد دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ایبہا کو ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر بحالت مجبوری حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔

وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں، زور زبردستی کرکے ایبہا کو اپنے راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ایبہا روتی پیٹتی ہے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

امتیاز احمد معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ایبہا کو گھر لے آؤ۔ وہ متذبذب ہو جاتا ہے۔ سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد انتقال کر جاتے ہیں۔ مرنے سے قبل وہ ایبہا کے نام پچاس لاکھ روپے، گھر میں حصہ اور دس ہزار ماہانہ کر جاتے ہیں۔ جس سے سفینہ اور ناراض ہو جاتی ہیں۔ معیز، ایبہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے مگر وہ اسے نہیں مل پاتی۔ ایبہا کا موبائل بھی حنا کے گھر میں گم ہو جاتا ہے۔ معیز باتوں باتوں میں رباب سے اس کے بارے میں پوچھتا ہے تو اس کی رہائش سے لاعلمی کا اظہار کرتی ہے مگر حسد میں غیر ارادی طور پر اس کی تعریف کر جاتی ہے۔

عون خاندان والوں کے بیچ ثانیہ سے معافی مانگنے کا اعلان کرتا ہے۔ ثانیہ سخت جز بز ہوتی ہے۔

حنا کی میم ایبہا پر بہت سختی کرتی ہیں۔ اسے مارتی بھی ہیں۔ ایبہا کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ مجبور ہو کر سیفی کے آفس میں ملازمت کرنے پر رضامند ہو جاتی ہے۔

معیز کے نظر انداز کرنے پر رباب، زارا سے اس کا شکوہ کرتی ہے۔ زارا ماں سے تذکرہ کرتی ہے۔ سفینہ، معیز سے بات کرتی ہیں۔ وہ اس سے واضح لفظوں میں رباب سے شادی کا کہتی ہیں مگر معیز دو ٹوک انداز میں انہیں منع کر دیتا ہے۔

تاہم ان کے کہنے پر وہ رباب کو منانے پر راضی ہو جاتا ہے۔

عون نے سب کے سامنے یہ کہہ کر معاملہ ٹال دیا کہ اسے ثانیہ کی مرضی اور خوشی مطلوب ہے۔

سیفی، ایبہا کو زبردستی پارٹی میں لے کر جاتا ہے۔ جہاں معیز احمد بھی عون کے ساتھ آیا ہوتا ہے مگر وہ ایبہا کو بالکل پہچان نہیں پاتے۔ کیونکہ ایبہا اس وقت یکسر مختلف انداز و حلیے میں ہوتی ہے۔ تاہم اس کی گھبراہٹ کو معیز اور عون محسوس کر لیتے ہیں۔ ایبہا پارٹی میں بلاوجہ بے تکلف ہونے پر ایک ادھیڑ عمر شخص کو تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً سیفی بھی اسی وقت ایبہا کو ایک زوردار تھپڑ مار دیتا ہے۔ عون اور معیز احمد کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔

۹
نویں قسط

معیز کی آواز کی صورت ایبہا نے ایک مژدہ جاں فزا سن لیا تھا گویا۔ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر جذبات کی شدت نے اسے گنگ کر ڈالا۔ اور ابھی اس نے معیز کی اس پکار کا جواب دے کر اپنے "ہونے" پر مہر اثبات بھی ثبت نہیں کی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بے دردی سے پیٹا جانے لگا۔

موبائل اس کے ہاتھ سے پھسل کر چکنے فرش پر جا گرا۔ موبائل کی بیک کھل گئی اور بیٹری الگ ہو گئی۔ معیز سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ مگر فی الحال تو سر پہ آئی قیامت کا سامنا کرنا تھا۔ اس نے جلدی سے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے موبائل کے حصے اکٹھے کرکے کونے میں پڑے کوڑے والے ڈسٹ بن میں ڈالے اور فوراً واش روم سے باہر نکل آئی۔ مگر باہر نکلنے سے پہلے وہ فلش سسٹم کا بٹن دبانا نہیں بھولی تھی۔

باہر سے آنے والی آواز حنا کی تھی۔

وہ یقیناً "اندر آنے کی کوشش میں دروازہ لاکڈ پا کر مشکوک ہو گئی تھی۔

خود کو معتدل کیفیت میں لاتے ہوئے ایبہا نے تاب تھما کر لاک کھولا اور دروازہ کھلتے ہی اسے حنا کی خشمگیں نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے۔ اب بند واش روم بھی نہیں جا سکتا۔"

ایبہا نے اسے گھورا۔ جواباً" حنا اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا مارنے کے اسٹائل میں دھکیل کر کمرے کے اندر تک لے آئی۔

"تم جانتی ہو کہ یہاں دروازہ لاک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر بھی تم نے ایسا کیا۔"

"مجھے دھیان نہیں رہا تھا۔ پتا نہیں کیسے لاک دب گیا۔" ایبہا کی دھڑکنیں ابھی بھی بے ترتیب تھیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ فون پر معیز تھا۔ یعنی کہ امتیاز احمد اسے تلاش کر رہے تھے۔ اس کا دل اطمینان سے بھرنے لگا۔

"ابھی تو شکر کرو میم کو پتا نہیں چلا ورنہ تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دیتیں۔"

دھمکی دینے والے انداز میں کہتے ہوئے حنا ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ پھر بھی شک دور نہیں ہوا تو واش روم کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ ایبہا کا دل گویا ہاتھ پیروں میں دھڑکنے لگا۔

✡ ✡ ✡

"ہیلو۔ ہیلو ایبہا۔"

لائن ایک دم سے کٹ گئی تھی۔ معیز اسے بے اختیار پکارے گیا۔
مگر دوسری طرف ایک جامد خاموشی تھی۔
ثانیہ نے گہری سانس بھری۔ "لائن ڈراپ ہو گئی ہے شاید۔"
"ہوں... یا شاید کوئی آگیا ہو گا۔" معیز اس وقت اسے صرف ایک مظلوم اور مدد کی طالب لڑکی کی طرح سوچ رہا تھا۔
وہ جو بھی تھی جیسی بھی تھی۔ ایک "زندگی" تھی۔ اور کسی "زندگی" کو موت سے بچانا یقیناً "انسانیت کی تکمیل" تھا۔
"اوہ۔ پھر تو اس کے لیے مشکل ہو گئی ہو گی۔" ثانیہ بھی پریشان ہوئی۔
"ہنی بڑ۔ تھینکس ثانیہ۔ آپ بھی ڈسٹرب ہوئیں۔" معیز کو اس کا دھیان آیا۔
"ارے نہیں معیز بھائی! اتنی پیاری اور معصوم سی لڑکی ہے وہ اور مجھے یقین ہے کہ بہت برے لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہے۔ اسے بچانا تو ہمارا فرض ہے۔" ثانیہ نے خلوص دل سے کہا۔
"اوکے۔ پھر دیکھتے ہیں کیا صورت حال ہے۔" معیز نے بات سمیٹ دی۔
ثانیہ نے اللہ حافظ کہہ کے فون بند کر دیا۔
معیز کا دل طرح طرح کے اوہام میں گھرنے لگا۔ بمشکل وہ خود کو لیٹنے پر آمادہ کر سکا۔ ایک تو اب اس کی نیند ویسے بھی کم ہو چکی تھی اوپر سے یہ ناگہانی حالات۔

☼ ☼ ☼

حنا واش روم سے باہر آئی تو خالی ہاتھ تھی۔ ایبہا نے بے اختیار اطمینان کی سانس لی۔
"میرے خیال میں مجھے تمہارے ساتھ اسی کمرے میں آجانا چاہیے۔ میم سے بات کرتی ہوں میں۔"
حنا نے کہا تو ایبہا تھوک نگل کے رہ گئی۔
اگر اس کے دل میں چور نہ ہوتا تو وہ پہلے کی طرح اسے یہاں سے دفع ہو جانے اور اپنی شکل کبھی نہ دکھانے کا کہہ دیتی۔ مگر فی الحال تو اس سے نگاہ بھی نہ ملا سکی۔ کمزور لہجے میں بولی۔
"ہر بات تو مان رہی ہوں تم لوگوں کی۔ پھر بھی تم پتا نہیں کیا چاہتی ہو۔"
"تمہاری حرکات ہی مشکوک ہیں ایبہا میڈم۔ کمرے کا دروازہ لاک کر کے تم پورے ہوش و حواس میں جاگ رہی ہو۔ بستر پر ایک بھی شکن نہیں یعنی تم ابھی تک لیٹی نہیں تھیں۔" حنا واقعی اندازے سے بڑھ کے خرانٹ تھی۔
"میں واش روم میں تھی۔ نیند نہیں آرہی تھی۔ گھر والے یاد آرہے تھے۔ سارے میرے اپنے "ان سے بات کرنے کو دل کر رہا تھا۔ اگر میرا موبائل مل جاتا تو شاید کسی کا فون آہی جاتا۔" اس کی آواز واقعی رندھ گئی۔
معیز کا فون آجانا مرتے کے منہ میں پانی ڈالنے والی بات تھی۔
اسے احساس ہوا کہ وہ بے نام و نشان نہیں تھی۔ امتیاز احمد اپنے رشتے کی پاس داری کر رہے تھے۔ یقیناً "انہوں نے ہی معیز کو اسے ڈھونڈنے پر لگایا ہو گا۔ اسے اپنی ماں کی بات یاد آئی۔
صالحہ نے اسے بتایا تھا اس کے نکاح سے پہلے۔
"میں نے ایک روز غصے میں امتیاز احمد سے کہا تھا کہ تمہیں رشتے نبھانے نہیں آتے۔ مگر ایبہا... وہ تو میری سوچ سے بڑھ کے نکلا۔ اس نے مجھ بدنصیب کو بتا دیا کہ رشتے کیسے نبھائے جاتے ہیں۔ اور تم دیکھنا۔ وہ مرتے دم تک اس رشتے کو نبھائے گا۔"
"بھول جاؤ اب وہ سب۔ تمہارے گھر والے تو رو پیٹ کے صبر شکر کر چکے ہوں گے کب تک کسی اخبار میں اشتہار نہیں لگا۔" تمہارا حنا نے اطمینان سے کہا۔
"حنا۔ تمہارا دل نہیں کرتا اس دلدل سے نکلنے کو؟" ایبہا کو جانے کیا دھیان آیا۔
"ہونہہ۔ اس لٹے پٹے وجود کے ساتھ۔؟" وہ تلخی سے مسکرائی۔
"حنا! اگر کپڑا داغ دار ہو جائے تو اسے دھویا جاتا ہے۔ پھینکا نہیں جاتا۔" وہ بے اختیار بولی۔
"اپنی عزت جانے کے بعد اس وجود کو سنبھال کے کیا کروں گی اب۔" حنا نے اکتا کر اسے دیکھا۔ اسے یقیناً یہ لیکچر اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
"تم کیا سمجھتی ہو اگر لڑکی کی عزت ایک بار چلی جائے تو بعد میں اسے اپنی عزت کا "احساس" بھی گنوا دینا چاہیے؟ اگر کوئی چلتے چلتے ہمیں دھکا دے کر گرا دے تو کیا ہمیں دوبارہ اٹھ کے کھڑا نہیں ہونا چاہیے؟"
ایبہا جذباتی ہونے لگی۔
حنا خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تو ایبہا کا حوصلہ کچھ اور بڑھا۔ اس نے آگے بڑھ کے حنا کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔
"تم بھی ظالموں کے ہاتھوں ٹریپ ہوئی ہو حنا۔ مگر تم چاہو تو ہم دونوں اس ذلت کی زندگی سے نکل سکتی ہیں۔ تم نئے سرے سے ایک زندگی شروع کر سکتی ہو۔ ایک شرم ناک زندگی کو چھوڑ کر۔"
"تم سے کس نے کہا' یہ زندگی میرے لیے شرم ناک ہے؟" حنا نے پرسکون انداز میں کہا تو وہ صدمے کا شکار ہوئی۔
"تم ہی نے تو کہا تھا کہ تمہاری سوتیلی ماں نے تمہیں بام کے حوالے کیا تھا۔"
"لیکن وہ تب کی بات تھی۔ اب میں انگلی تھام کے چلنے والا بچہ نہیں رہی سویٹ ہارٹ۔ اب میں اپنا شکار خود ڈھونڈتی ہوں۔"
حنا نے لطف لینے والے انداز میں کہا تو اس کی ہمدردی سے لبریز ایبہا بھک سے اڑی۔
"لعنت ہو تم پر۔" اس نے ایک جھٹکے سے حنا کے ہاتھ جھٹکے۔
"ویسے تم ہو کن خیالوں میں۔ جبکہ میں نے تمہیں اچھی طرح وارن کر دیا تھا کہ یہاں سے تمہیں اب موت ہی نکال سکتی ہے اور کوئی نہیں۔" حنا نے اسے گھورتے ہوئے دھمکایا اور یہاں آنے کے بعد آج یہ پہلی بار تھا کہ ایبہا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں جواب دیا۔
"اللہ موت سے بھی بڑا ہے حنا۔"
"ہاں... تو پھر یہاں بیٹھ کے اللہ مدد کا انتظار کرو' لیکن میں میم کو تمہارے افکار ضرور پہنچا دوں گی۔ شاید وہ تمہارا کوئی بہتر حل سوچ سکیں۔"
وہ اسی دھمکی آمیز انداز میں کہتے ہوئے چلی گئی تو ایبہا نے آنکھیں موند کر ایک گہری سانس لی۔
اس کا شدت سے جی چاہا کہ جا کے موبائل نکال کے دوبارہ سے ثانیہ کو کال کرے۔ مگر فی الحال وہ ایسا کوئی رسک لینا نہیں چاہتی تھی کہ جس سے کسی کو اس پر شک ہو۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی مگر پھر بھی وہ لائٹ آف کر کے بستر پہ لیٹ گئی۔ وہ اس کھلنے والے نئے راستے کے متعلق اچھی طرح سوچ کر پلان کرنا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

شام کو ثانیہ پھر عون کے ریسٹورنٹ میں موجود تھی۔ کاؤنٹر پہ کسی ویٹر کو ہدایت دیتے ہوئے عون نے یوں ہی اتفاقاً" نظر اٹھا کے دیکھا تو اٹینڈنٹ آنے والی کسی لڑکی کے لیے دروازہ کھول رہا تھا۔
عون کی نظر نے پلٹ کے آنے سے انکار کیا۔
ویٹر کو بعجلت رخصت کرتا وہ لپک کر داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔
"ہیلو..." وہ عین ثانیہ کے سامنے جا کھڑا ہوا جو پورے ہال پر طائرانہ نگاہ دوڑا رہی تھی۔
"السلام علیکم!" اطمینان سے شاید طنز کیا گیا تھا۔ مگر عون نے اس طنز کو بھی تحفے کی طرح لیا۔
"وعلیکم السلام۔ مجھے کال کرتیں میں آجاتا۔" دبے لفظوں میں کہا۔
"میں یہاں معیز بھائی سے ملنے آئی ہوں۔" ثانیہ کا انداز جتانے والا زیادہ تھا یا تپانے والا۔ عون سمجھ نہیں پایا۔ مگر تپ ضرور گیا۔
"تو اس ملاقات کے لیے میرا ریسٹورنٹ ہی رہ گیا تھا کیا؟"

"ایکسکیوزمی... کیا ماموں جان نے یہ ریسٹورنٹ تمہارے نام کر دیا ہے؟"
آنکھیں پھیلا کر وہ کچھ اس معصومیت سے اپنی حیرت کا اظہار کر رہی تھی کہ عون کا دل پہلو میں لوٹ پوٹ ہو کر رہ گیا۔ وہ خود ہی ایک کارنر ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔
"معیز نے مجھ سے تو ذکر نہیں کیا۔"
عون نے اس کے بیٹھتے ہی اپنے لیے کرسی گھسیٹی تو اسے اپنے سامنے بیٹھتے دیکھ کر ثانیہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔
"میں نے انہیں یہاں بلایا ہے۔ ان کی کزن کے سلسلے میں بات کرنے کے لیے۔"
"تم کیوں خود کو اس معاملے میں الجھا رہی ہو ثانی... جتنا تم نے کرنا تھا کر دیا اب بس کرو۔" عون مضطرب تھا۔
"وہ بہت مظلوم لڑکی ہے اور بری طرح سے ان لوگوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔ اگر میری تھوڑی سی مدد سے وہ وہاں سے نکل سکتی ہے تو میں ہرگز بھی پیچھے نہیں ہٹوں گی۔" ثانیہ کا انداز اٹل تھا۔
عون نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری سانس بھری اور ہال میں نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔
"مجھ سے زیادہ تمہاری ضد سے کون واقف ہوگا۔" پھر قدرے توقف سے اس کی طرف دیکھا اور دھیمے لہجے میں بولا۔
"مگر میں تمہیں کسی مصیبت کا شکار ہوتے نہیں دیکھ سکتا ثانی۔"
"میں کون سا کسی محاذ پہ جانے والی ہوں۔" ثانیہ کا انداز وہی تھا" لاپروا... پھر وہ اپنی رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھنے لگی۔
عون نے دیکھا۔ اس کی ایک کلائی میں گولڈ کی ایک خوب صورت سی چوڑی تھی اور دوسرے ہاتھ کی کلائی میں نازک سی گھڑی تھی۔ اس کی انگلیاں البتہ انگوٹھی سے خالی تھیں۔
"السلام وعلیکم..." معیز کی آواز پر وہ بری طرح چونکا۔ معیز شرارتی نظروں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جھینپا۔ ثانیہ کو دیکھتے ہوئے اسے اردگرد کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔
"یہ وقت ہے تمہارے آنے کا۔"
اپنی خفت دور کرنے کے لیے وہ رعب سے پوچھنے لگا۔ کرسی گھسیٹ کے بیٹھتے معیز نے خفیف سا ابرو اچکا کر

اسے حیرت سے دیکھا۔
"مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے تمہیں یہاں ملنے کا کوئی وقت دیا ہو۔"
ثانیہ نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے مینیو کارڈ کھول کر منہ کے آگے کر لیا۔
عون نے دانت کچکچاتے ہوئے معیز کو مکا دکھایا۔ جواباً" اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے معیز نے الٹا انگوٹھا دکھا دیا۔ وہ زوردار آواز میں کرسی پیچھے دھکیل کے اٹھا۔
"بھاڑ میں جاؤ تم اور..." غصے سے کہتے ہوئے وہ ٹھٹکا ثانیہ نے ترچھی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ پھر دانت پیس کر بات مکمل کی۔ "اور تم بھی۔" وہ واپس پلٹتا وہاں سے گیا تھا۔
"کمال ہے... یہ تو کسی کو اپنے آگے بولنے ہی نہیں دیتا۔ آپ کیسے قابو کر لیتے ہیں اسے۔"
ثانیہ متاثر ہونے والے انداز میں بولی۔
"یار ہے میرا۔ یہ سب تو اس کی ایکٹنگ ہے۔" معیز مسکرایا۔
اور اس مسکراہٹ میں دوستی کے سارے رنگ تھے۔ ایک بہترین دوست کے ہمیشہ ساتھ ہونے کا احساس تھا۔
"انتہائی جذباتی' جلد باز' غیر مستقل مزاج۔" ثانیہ سنجیدہ تھی۔
اس کا یہ تجزیہ عون عباس کے متعلق تھا۔ کھلم کھلا اور بے لاگ تجزیہ۔ معیز قدرے محتاط ہوا۔
"آپ نے اپنے معاملے میں اسے ایسا پایا ہوگا۔ ورنہ وہ ایک بے حد پر خلوص انسان ہے۔ دوستوں کی پشت پر ہمیشہ کھڑا رہنے والا۔"
لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ مسکرا کر بولا۔
"شاید کچھ اس طرح کا شعر ہے کہ!

عدم خلوص کے لوگوں میں ایک خامی ہے
ستم ظریف بڑے جلد باز ہوتے ہیں

ہیں
"خیر... میں یہاں آپ سے کسی اور معاملے پر بات کرنے آئی ہوں۔"
وہ ایک دم ہی سے اپنا آپ لپیٹ گئی۔ شاید خیال آیا ہو کہ ابھی معیز اتنا قابل اعتبار بھی نہ تھا کہ وہ اپنی پرابلمز شیئر کرنا شروع کر دیتی۔
"جی... ضرور..." معیز اس کی بات فوراً" سمجھ گیا تھا۔
اسی وقت ویٹر نے دونوں کے سامنے ان کے پسندیدہ ڈرنکس لا کر رکھے۔
"میں نے تو آرڈر نہیں کیا تھا۔" ثانیہ نے کہنا چاہا۔
"یہ عون عباس کا خلوص ہے میڈم... ابھی کچھ دیر بعد وہ بنا ہم دونوں سے کنفرم کیے عین ہماری پسندیدہ ڈشز پر مبنی ڈنر بھی کروائے گا۔"
ویٹر کے جانے کے بعد معیز نے بڑے فخر کے ساتھ دوست کی بڑائی بیان کی۔ جسے ثانیہ نے قطعا" نظرانداز کر دیا۔
"ظاہر ہے ایک ہوٹل چلانے والا ان کاموں میں ماہر ہی ہوگا۔" لاپروائی سے بات بدلتے ہوئے بولی۔

"اپنی وزن۔۔۔ ایہا سے دوبارہ رابطہ ہوا؟" معیز نے پوچھا تو ثانیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"میں اسے کال بھی نہیں کر رہی۔۔۔ کہیں موبائل کسی اور کے ہاتھ نہ لگ گیا ہو۔"
"ہوں۔۔۔" معیز کا انداز پُرسوچ تھا۔ "ایسی صورت میں تو تمہیں کال آچکی ہوتی۔" وہ بے ساختہ بولا۔ پھر خفیف سا ہو کر معذرت کرنے لگا۔
"آئم سوری۔۔۔ آئی مین "آپ کو کال آچکی ہوتی۔"
"اٹس ناٹ اے بگ ڈیل معیز بھائی! آپ مجھے تم کہہ سکتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔
"ایکچولی میری چھوٹی بہن بھی تمہاری ہی ایج کی ہے۔ اس لیے ہی منہ سے آپ جناب نہیں نکل رہا۔" معیز بھی مسکرا کر بولا۔
"او کے۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ اس وقت جب وہ ہم سے بات کر رہی تھی۔ کوئی آگیا تھا اور اب وہ مناسب موقع کی تلاش میں ہے۔"
ثانیہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔
"لگتا تو یہی ہے۔ واقعی اگر موبائل کسی کے ہاتھ لگتا تو وہ سب سے پہلے میرے نمبر پہ کال کر کے چیک کرتا۔"
"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اس کی اگلی کال کا انتظار کرنا چاہیے۔" معیز کی پیشانی پر سوچ کی شکنیں تھیں۔
"اور اگر اسے وہاں موقع نہ ملا تو کیا ہم انتظار ہی کرتے رہیں گے؟" ثانیہ کچھ اور گہرائی میں سوچ رہی تھی شاید معیز چونک کے اسے دیکھنے لگا۔
"یہ نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے۔ آپ نہیں جانتے۔ معیز بھائی! میں نے اس کی آنکھوں میں کتنا خوف اور وسوسے دیکھے ہیں۔" ثانیہ مضطرب تھی۔
تب پہلی بار معیز کو محسوس ہوا کہ وہ ایہا سے ملنے کے بعد کافی ڈسٹرب تھی۔
"اس کا خوف بالکل دنیا کی بھیڑ میں کھو جانے والی بچی کا سا ہے معیز بھائی! جب اس نے مجھ سے امتیاز احمد کے بارے میں پوچھا تو میں نہیں جانتی تھی کہ وہ آپ کے والد کے متعلق بات کر رہی ہے۔ میرے انکار پر وہ بجھ گئی۔ بلکہ مجھے الفاظ نہیں ملتے کہ میں آپ کو اس کی کیفیت بتا سکوں۔" معیز ساکت سا سن رہا تھا۔
"ہمیں مزید انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ اسے وہاں سے فوری طور پر نکالنا چاہیے۔" ثانیہ بے حد سنجیدہ تھی۔ پھر وہ اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس خالی کرنے لگی۔ جبکہ معیز ابھی تک یوں ہی اسٹرا گلاس میں گھما رہا تھا۔
"میں اس معاملے کو پولیس کیس نہیں بنانا چاہتا۔ کل کو بات میرے گھر پہ بھی آسکتی ہے۔"
"بالکل ٹھیک۔" ثانیہ نے اطمینان سے کہا۔ "اور میں نے اس کا متبادل سوچ لیا ہے۔"
معیز نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "وہ کیا؟"
"وہ یہ کہ میں دوبارہ سفیان حمیدی کے آفس میں جاؤں گی' جاب کے بہانے سے۔"
ثانیہ نے ڈرامائی انداز میں حل پیش کیا اور ابھی معیز کچھ بولا بھی نہیں تھا کہ عون نے جھک کر ٹیبل پر دونوں ہاتھ ٹکاتے ہوئے خشمگیں انداز میں کہا۔
"خبردار۔۔۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔" وہ دونوں اس کے قطعی انداز پر بری طرح چونکے تھے۔

☼ ☼ ☼

حنا نے جانے میم کے کانوں میں کون سا اسم پھونکا کہ نہ صرف انہوں نے رات کو حنا کو اس کا کمرہ شیئر کرنے کا

آرڈر دے دیا' بلکہ ایہا کی حرکات و سکنات پر نظر بھی کڑی ہو گئی۔
شاید حنا کو ایہا کی باتوں سے بغاوت کی بو آگئی تھی۔ ایہا کو اپنی خوامخواہ کی جذباتیت پر افسوس ہوا۔ اس نے ناحق حنا کو اس گندگی سے نکلنے کی آفر کی حالانکہ وہ اب تک حنا کی اصلیت اور فطرت دونوں کو اچھی طرح جان گئی تھی۔ ایہا نے ڈسٹ بن میں سے موبائل نکال کر آف حالت میں ہی ٹشو پیپرز میں لپیٹ کر اپنے شولڈر بیگ میں ڈال لیا۔
اب کی بار وہ حنا سے دھوکا نہیں کھانا چاہتی تھی۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ بہت پلاننگ کے ساتھ اس کا پرانا موبائل چرا کر اسے بے دست و پا کیا گیا تھا۔
آفس کے اندر تک اسے ڈرائیور چھوڑ کے جاتا تھا۔ وہاں سے نکل بھاگنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ سو۔۔۔ ایک آخری امید یہ موبائل فون تھا۔ شاید معیز اور امتیاز احمد کچھ کر پائیں۔
وہ بہت پرامید ہو گئی تھی۔ آفس میں وہ کسی طور بھی موبائل استعمال نہ کر سکتی تھی۔ ہر پل کسی کے آجانے کا ڈر رہتا۔ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔
وہ ٹشو پیپرز میں لپٹا موبائل ہاتھ میں لیے لیڈیز واش روم میں چلی آئی۔ یہ باتھ روم کوریڈور میں تھا۔
دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے پاور کا بٹن دبایا تو چند۔۔۔ سیکنڈز کے بعد اسکرین روشن ہوئی مگر ساتھ ہی موبائل سے ابھرنے والی دلکش سی موسیقی نے اسے گڑبڑا دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر موبائل کو سینے سے لگا کر اس کی آواز دبانے کی کوشش کی۔
موبائل کو سائلنٹ پر لگا کر اسے قدرے تسلی ہوئی۔ وہ ثانیہ کو کال کرنے کا رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ واش روم میں موبائل پر باتیں کرنا کسی کو بھی اس طرف متوجہ کر سکتا تھا۔
تب ہی اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی۔
ایک' دو' تین۔ لگاتار کئی میسجز ان باکس میں آگئے۔
ایہا نے جلدی سے میسجز دیکھے۔ وہ سب ہی ثانیہ کے تھے۔ جن میں اس کی خیریت پوچھی گئی تھی۔ ایہا کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس دنیا میں کوئی تو تھا جسے اس کی فکر تھی۔
وہ ایس ایم ایس کرنے میں اناڑی تھی۔ بمشکل اپنی خیریت کا پیغام ثانیہ کو بھیج کر پائی۔۔۔ اور پھر فوراً" ہی واش روم سے باہر نکل آئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
سیفی کمرے کے وسط میں ٹہلتا رک کر کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

عون نے صاف لفظوں میں اسے سفیان حمیدی کے آفس جانے سے منع کر دیا تھا۔
ثانیہ نے اختلاف کرنا چاہا' مگر معیز نے اسے روک دیا۔
"عون ٹھیک کہہ رہا ہے ثانیہ۔ تمہیں اس کی بات ماننی چاہیے۔"
اس وقت تو وہ خاموش ہو گئی۔ کیونکہ وہ معیز کے سامنے کوئی ڈراما نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر گھر آکے اس نے عون کو کال کر کے خوب سنائیں۔
"دیکھو ثانیہ! تم پر ذرا سی بھی آنچ آئے' میں برداشت نہیں کر سکتا۔" عون کا لہجہ نرم تھا۔
"کوئی مجھے کھا نہیں جاتا عون عباس۔۔۔" وہ چڑی۔
"یہاں پہلی کیٹگری نظروں سے کھانے والوں کی ہے' یہ بات یاد رکھنا۔" عون نے تنبیہہ کی۔

"خیر۔۔۔ نظروں کے معاملے میں شریف کیا اور بدمعاش کیا۔" ثانیہ نے طنز کیا۔ جو فریق ثانی تک بحفاظت پہنچا۔

"نظر۔۔۔ نظر میں فرق ہوا کرتا ہے ثانی۔" وہ اس کے معاملے میں حد درجہ متحمل مزاج بن جاتا تھا۔

بہرحال عون نے لمبی بحث کے بعد بھی اسے وہاں جاب کرنے کا ناٹک کرنے کی قطعی اجازت نہ دی تھی۔

آفس آنے سے پہلے اس نے دل مضبوط کرکے اپنی دوسری سم سے ایشا کے نمبر پہ دو چار میسجز بھیجے۔ مگر اسے مایوسی ہی ہوئی۔ کوئی جواب نہ آیا تھا۔

اور اب۔۔۔

جبکہ وہ باس کے ساتھ ایک میٹنگ میں سر کھپانے کے بعد نڈھال سی بیٹھی تھی تو اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی۔

اس نے ان باکس چیک کیا۔ پورے کا پورا عون کے پیغامات سے بھرا ہوا تھا۔

اس نے بے ارادہ ایک میسج کھولا۔

چلو ایسا کرتے ہیں، تم پہ مرتے ہیں
ہم نے ویسے بھی تو مر ہی جانا ہے

"لاحول ولا۔۔۔" ثانیہ کا دل لرز سا گیا۔ اس نے فی الفور میسج ڈیلیٹ کیا، وہ تھکی۔

ایشا۔۔۔ یہ ایشا کا میسج تھا۔ اس نے بے تابی سے میسج چیک کیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کال پہ رابطہ نہیں کر سکتی۔ حنا ساتھ ہوتی ہے رات میں۔"

ثانیہ نے پورا ان باکس کھنگال ڈالا۔ مگر ایشا کا صرف ایک ہی پیغام تھا۔ وہ پیغام معیز کو فارورڈ کرنے کے بعد ثانیہ نے جلدی سے معیز کو کال ملائی۔

"ایشا کا میسج ملا ہے۔ میں نے آپ کو فارورڈ کر دیا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ کیا لکھا ہے؟" معیز الرٹ ہوا۔

"خیریت سے ہے۔ مگر اس کی نگرانی سخت ہے۔ اسی لیے وہ رابطہ نہیں کر پا رہی۔"

"ہوں۔۔۔" معیز نے دبی سانس خارج کی۔

"آپ پولیس ریڈ کیوں نہیں کراتے وہاں؟" ثانیہ کو یہی آسان حل دکھائی دیا تھا۔

"ان لوگوں کا نیٹ ورک بہت اسٹرونگ ہے۔ میں میڈم رعنا پر کافی ریسرچ کر چکا ہوں۔ تم سوچ نہیں سکتیں۔ اس کے ہاں کون کون سے عہدوں کے لوگ آتے ہیں۔ اس کی جوتیاں سیدھی کرنے والے ہماری مدد کیا کریں گے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بات پہلے ہی لیک آؤٹ ہو جائے اور میڈم رعنا اسے غائب ہی کر دے۔"

معیز نے تفصیل سے بتایا تو ثانیہ چپ سی رہ گئی۔ پھر لحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"معیز بھائی! آپ عون کو سمجھائیں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا۔ وہاں جا کر ایشا کے حالات سمجھ کر میں اس کی مناسب انداز میں مدد کر سکتی ہوں۔"

"نہیں ثانیہ! میں اس کام کے لیے عون کو کبھی مجبور نہیں کروں گا۔ ہاں۔۔۔ بات اگر عون کی ہوتی تو میں اسے زبردستی مجبور کر سکتا تھا۔" معیز نے شائستگی سے پہلو بچالیا۔

"لیکن میں خود اپنی مرضی سے کہہ رہی ہوں۔" ثانیہ نے احتجاج کیا۔

"لیکن تم اس کے نکاح میں ہو۔ اس کی مرضی اور خوشی کی پابند۔" معیز نے بے ساختہ اسے یاد دلایا۔

"مگر فی الحال میں اپنے والدین کے گھر میں ہوں۔ عون کی پسند و ناپسند مجھ پر اس طرح سے فرض نہیں ہے۔" ثانیہ نے خفگی سے کہا۔

"بنی وینس۔۔۔ میں تمہاری آفر پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم نے خلوص دل سے مجھے یہ پیش کش کی تھی۔ مگر میں عون سے متفق ہوں۔ پہلے ہی ایشا وہاں پھنسی ہوئی ہے۔ ہم مزید کوئی پریشانی افورڈ نہیں کر سکتے۔"

معیز نے اسے سراہتے ہوئے نرمی سے بات ختم کر دی۔

"یہ سب عون کا قصور ہے۔ اچھی بھلی ایک معصوم لڑکی کی جان بچانے کی نیکی کرنے والی تھی میں۔۔۔ لے کے اعتراض جڑ دیا۔" ثانیہ نے دانت پیسے۔۔۔

اسی وقت اس کا موبائل بجنے لگا۔

عون کا نام اسکرین پر جگمگاتا دیکھ کر اس نے گہری سانس بھری۔

"شیطان کو یاد کیا اور شیطان حاضر۔" اس نے کال اٹینڈ کرتے ہی طنز جڑا۔

"چلو۔۔۔ تم نے کسی بہانے مجھے یاد کرنا شروع تو کیا۔" عون کی خوش فہمی کے اپنے ہی انداز تھے۔ ثانیہ چڑی۔

"تم کون سا انیس کا پہاڑہ ہو جسے یاد کرنا بہت ضروری ہو۔"

اس کی بات پر عون کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"تمہاری وجہ سے میں ایک بے بس و مجبور لڑکی کی مدد نہیں کر پائی۔ گناہ تمہارے ہی سر جائے گا۔" اس کا غصہ انداز گفتگو سے عیاں تھا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں دو بے بس و مجبور لڑکیاں ہو جائیں۔"

"میں اتنی کمزور نہیں ہوں۔ اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔" ثانیہ نے تفاخر سے کہا۔ جسے عون نے ہنسی میں اڑا دیا۔

"اچھا۔۔۔ اپنی بلیک بیلٹ تم نے مجھے تو ابھی تک نہیں دکھائی۔ کراٹے ماسٹر بھی ہو تم؟"

"مذاق مت اڑاؤ عون۔۔۔ اور تم بھول رہے ہو۔ ہمارے مابین کیا معاہدہ طے پایا تھا؟ پھر ہر معاملے میں نکاح نامہ نکال کے لے آتے ہو مجھ پر خوامخواہ کی پابندیاں لگانے کے لیے۔" وہ زچ آ کر بولی۔

"خوامخواہ کی نہیں 'صرف جائز'۔" عون نے تصحیح کی۔

"کسی مجبور کی مدد کرنے سے روکنا جائز عمل ہے؟"

"میں نے صرف مدد کرنے کے طریقے سے اختلاف کیا ہے اس کی مدد کرنے سے نہیں۔" عون نے تحمل سے کہا۔

"اس سے اچھا تھا کہ میں لندن ہی چلی جاتی۔ وہاں پر بھی تم ہی نے ٹانگ اڑائی تھی۔" ثانیہ جل کر بولی تو عون نے فی الفور ٹوکا۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔ تم بھول رہی ہو۔ وہاں میں تمہیں ہنی مون پہ لے جانے کا وعدہ کر چکا ہوں۔"

"تم صرف یہ بتاؤ کہ فون کیوں کیا ہے؟" ثانیہ کو اپنا غصہ ضبط کرنے میں دقت محسوس ہوئی۔

"کیوں۔۔۔ اب میں بغیر وجہ کے تمہیں فون بھی نہیں کر سکتا؟" بڑے لاڈ کا مظاہرہ کیا گیا۔

"عون عباس۔۔۔" ثانیہ کا لب و لہجہ تنبیہی تھا۔

"بعد میں دیکھنا تمہارے گلے شکوے ہی ختم نہیں ہوں گے۔ دس دفعہ ریسٹورنٹ فون کیا کرو گی۔ مگر میں بزی ہی ملوں گا۔" عون نے خفگی سے کہا۔

"کاش۔۔۔" ثانیہ نے گہری سانس بھری۔

"یعنی وے... کل سے میرے فائنل ایگزیمز اسٹارٹ ہو رہے ہیں۔ سوچا اچھے شگن کے طور پر تم سے بات کرلوں۔" وہ اب شرافت کی جون میں تھا۔

"بہتر ہوتا کہ تم اچھی طرح پڑھائی ہی کرلیتے۔" ثانیہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔

"بڑی ظالم ہو یار..." وہ کراہا۔ پھر گویا اسے ایک پیش کش کی۔

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں اور تم اچھے دوست بن جائیں اور اگر اس دوران تم میری محبت میں مبتلا ہوجاؤ۔ جو کہ تم ہو ہی جاؤ گی... تو ہم رخصتی کروالیں۔ ورنہ اچھے دوستوں کی طرح جدا ہوجائیں۔" انداز بے حد مظلومانہ تھا۔

ثانیہ چپ رہ گئی۔

"او کے... میرے خیال میں تم لیٹ ہو رہی ہو۔ پھر بات کریں گے۔"

وہ بڑی خوب صورتی سے اس کے ہاتھ میں ایک نئی سوچ تھما کر رخصت ہوا تھا۔ جبکہ ہاتھ میں بے جان موبائل تھامے ثانیہ الجھن کا شکار تھی۔

☼ ☼ ☼

آفس کے معاملات تو بہت اچھے جارہے تھے۔ مگر ایہا والے معاملے نے معیز تو کیا پورے گھر کو پریشان کیا ہوا تھا۔

سفینہ وقتی طور پر معیز کی بات سمجھ کر خاموش ہوجاتیں۔ مگر پھر سوچوں کے کئی در وا ہوجاتے تو ٹینشن کا شکار ہونے لگتیں۔

ان دنوں تو وہ معیز سے بات کرنے کی بھی روادار نہ تھیں۔ جب سے اس نے ایہا کے لیے انیکسی صاف کروائی تھی۔ ابھی بھی آفس جانے سے پہلے وہ ان کے کمرے میں گیا تو اسے دیکھ کر انہوں نے یوں آنکھوں پہ بازو رکھ لیا جیسے سو رہی ہوں۔

مگر وہ دیکھ چکا تھا۔

"ماما پلیز... ایسی سخت دل تو آپ کبھی بھی نہیں تھیں۔" وہ عاجز سا ہو کر ان کے قدموں کی طرف بیٹھ گیا۔ تو انہوں نے تڑپ کر بازو ہٹایا۔

"اچھا... میرے گھر پہ جو ڈاکا پڑا ہے' اس کا کیا؟"

"مانتا ہوں میں کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں نے آپ کے مقابلے میں ابو کا ساتھ دیا۔ لیکن میرے لیے آپ دونوں ہی برابر ہیں۔ اگر آپ مجھ سے کچھ کہیں تو میں وہ بھی کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔" وہ جذباتی ہونے لگا۔

سفینہ اٹھ بیٹھیں۔ "تو پھر نکال باہر کرو اس ناگن کی بیٹی کو ہماری زندگیوں میں سے۔"

انہوں نے قطعیت سے کہا۔ معیز بے بسی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"مجھے ایک مرے ہوئے انسان کی وصیت کا پاس رکھنا ہے ماما۔"

"یعنی تم سے اپنی بات منوانے کے لیے مجھے بھی مرنا پڑے گا۔ وصیت لکھنا پڑے گی۔" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

"اللہ نہ کرے ماما۔" معیز نے ان کے پیروں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں گرفت کیا۔

"آپ پلیز' میری پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ ہر چیز صحیح کروں گا۔ سب کچھ پہلے جیسا ہوجائے گا۔"

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گئیں۔ مگر ان کے تاثرات میں کوئی نرمی یا لچک نہ تھی۔

چند ثانیوں کے بعد معیز اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آفس جارہا تھا۔ خدا حافظ کہنے آیا تھا۔"

"خدا حافظ..." وہ بے تاثر انداز میں بولیں تو معیز لب بھینچے کمرے سے نکل آیا۔

اسے درحقیقت ایہا مراد سے پھر سے نفرت محسوس ہوئی تھی' یہ لڑکی دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ان کے گھر کی پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

مگر وہ مجبور تھا۔ اسے ہر حال میں ایہا کو سیفی کی شیطانی گرفت سے نکالنا تھا۔ پھر چاہے وہ کہیں بھی جاتی۔

☼ ☼ ☼

ایہا کا دھیان اب اس دنیا میں کہیں بھی نہیں تھا۔ سوائے اس موبائل فون کے۔

مگر اسے کہیں بھی موقع نہ ملتا تھا کہ وہ ثانیہ سے رابطہ کرپاتی۔ گھر میں حنا سائے کی طرح اس کے ساتھ ہوتی اور آفس میں سیفی کا خوف۔

اس سے ہر کام الٹا سیدھا ہونے لگا۔ سیفی سے وہ کئی بار جھاڑ کھا چکی تھی۔ وہ صرف ایک موقع کی تلاش میں تھی۔ وہ دوبارہ ثانیہ سے رابطہ کرتی... شاید امتیاز احمد اسے آزاد کروانے کے لیے کچھ کر رہے ہیں۔

ڈرائیور کے ساتھ بے دلی سے چلتی وہ گاڑی تک آئی۔ تب ہی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے مخصوص نسوانی قہقہے کی آواز نے چونکایا۔

دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے سرسری نظر اٹھا کے دیکھا۔ لمحہ بھر کو لگا اس کی آنکھوں نے کچھ غلط دیکھا ہو۔

سیفی کے ساتھ ہنستی کھلکھلاتی وہ رباب احسن تھی۔ ایہا کو اپنی بصارت پر شک گزرا۔ اس نے آنکھیں سکیڑیں۔ رباب کا سیفی جیسے بدکردار کے ساتھ کیا تعلق؟

ڈرائیور اب پارکنگ سے گاڑی نکال رہا تھا۔

تو کیا رباب ابھی تک وہی کھیل کھیلتی ہے؟

ایہا کا دل اتھاہ گہرائی میں اترنے لگا۔

وہ سیفی کی اصلیت جانتی تھی... مگر رباب نہیں۔ رباب نے تو ہمیشہ کی طرح شاید اسے اپنے ٹارگٹ کے طور پر چنا تھا۔

مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ کبھی کبھار شکاری خود بھی شکار ہوجایا کرتا ہے۔

ایہا نے تھک کر سر سیٹ سے ٹکا دیا۔

گاڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے خدا کا شکر ادا کیا آج حنا موجود نہ تھی۔ ظاہر ہے ایک "بزنس وومن" اتنے دنوں فارغ تو نہیں بیٹھی رہ سکتی تھی۔

ایہا کی گاڑی اندر آئی تو دوسری گاڑی میں بنی سنوری حنا کسی ہینڈسم سے مرد کے ساتھ جاری تھی۔ ایہا نے

اپنے آپ کو آزاد اور ہلکا پھلکا محسوس کیا۔
آج وہ ہر حال میں ثانیہ سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر رات کے کھانے پر میم کی بات نے اس کی جان ہی نکال لی۔
"بہت ہو گئی بھئی موج... فیل ہو تم اس کام میں۔" میم نے چمچ اور کانٹے سے کھیلتے ہوئے سرسری انداز میں بات شروع کی تو ایبہا تحیر سے انہیں دیکھنے لگی۔
"یہ بار دوبی بی اور پرہیزگاری والا اپنا ڈرامہ اب بند کرو۔ ایک لاکھ کا بھی بزنس نہیں کر کے دیا تم نے۔" میم کے لب و لہجے میں سختی تھی۔
ایبہا کا دل لرزنے لگا۔
"میں نے تو اپنی پوری کوشش..."
"کوشش مائی فٹ..." میم نے اس کی بات کاٹ کر یک لخت غراہٹ آمیز لہجے میں کہا تو ایبہا کے ہاتھ میں تھاما چمچہ لرزنے لگا۔
"ہمارے بزنس میں خود آگے بڑھ کے گلے کا ہار ہوا جاتا ہے۔ سیفی تو تنگ آچکا ہے تم سے۔" وہ تلخی سے بولیں۔
ایبہا سے چبایا ہوا نوالہ حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا۔
"کل سے تم آفس نہیں جاؤ گی۔ دو دن گھر بیٹھو۔ اپنا مائنڈ میک اپ کرو اور پھر اپنا بزنس چلاؤ... جسٹ لائیک دیٹ۔" میم نے بے نیازی سے اس کا ٹائم ٹیبل سیٹ کرتے ہوئے کہا۔
ایبہا کی رنگت سفید پڑ گئی۔ دل رک رک کے چلا تو سانس بھی تنگ ہوتی محسوس ہونے لگی۔ اس نے ذبح ہونے والے جانور کی طرح میم کی طرف دیکھا۔
"دیکھو ایبہا! مجھ سے اب تمہارا کوئی ڈرامہ اور منت سماجت برداشت نہیں ہو گی۔ جو میں نے کہہ دیا ٹھیک دو دنوں کے بعد تم اس پر خوش دلی سے عمل کرو گی۔ ورنہ مجھے خود ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔"
وہ اب سویٹ ڈش لے رہی تھیں۔
اس وقت عموماً" میم ہی گھر پر ہوتی تھیں۔ یہاں موجود ڈھیروں لڑکیاں (جن میں سے کچھ مجبور تھیں اور کچھ پیسے کے لیے بخوشی یہ کام کرتی تھیں۔) اس وقت اپنے "بزنس" کے لیے جا چکی تھیں اور اب صبح ہی واپس آتیں۔
بلکہ کئی تو میم کی زبان میں اس قدر "لکی" تھیں کہ بڑے اعلا عہدے داروں کے ساتھ بیویوں کے بجائے ہنی مون پہ جاتی تھیں۔ "ٹاپنچنگ"
"میرے خیال میں تمہاری لانچنگ بھی ہنی مون ٹرپ سے ہی کی جائے۔ یہ لوگ بیرون ملک اپنی بدصورت بیویوں کو لے کر جانا پسند نہیں کرتے نا۔"
میم اب بڑے دوستانہ انداز میں ڈسکشن کر رہی تھیں۔
ایبہا کا کھایا پیا الٹنے کو تھا۔
"میم..." اس کے منہ سے لفظ نہ نکلا تھا۔ میم نے سرد نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
"اٹھو۔ اور اپنے کمرے میں جا کے خوب سوچو۔ میں کسی بھی معاملے میں تمہاری اجازت کی پابند نہیں ہوں تم یہ نہیں مانو گی تو پھر میں جو چاہے وہ کروں گی۔" ان کا لہجہ ان کی نظروں سے زیادہ برفیلا تھا۔

وہ کمرے میں آ کر خوف زدہ سی چادر لپیٹ کے بیٹھ گئی۔
ایک عجیب سی ان سیکیورٹی نے اسے گھیر لیا تھا۔ میم کسی بھی وقت اس پر کتے چھوڑ سکتی تھیں اور یقیناً۔۔۔ وہ کتے انسانی شکل میں ہوتے۔ اسے اپنی ماں یاد آئی۔
اس کی پیاری ماں۔ اگر وہ امتیاز احمد سے شادی کر لیتی تو آج ایبہا کے لیے حالات یکسر مختلف ہوتے۔
"کاش۔۔۔ اے کاش میری ماں۔۔۔ اس وقت تو نے اپنے دل پہ پاؤں رکھ لیا ہوتا تو بعد میں کوئی تیری عزت نفس پہ پاؤں نہ رکھتا۔"
وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ پھر کچھ خیال گزرا تو جلدی سے اٹھ کر وضو کیا اور جائے نماز پہ کھڑی ہو گئی۔ اس کی گریہ زاری تھی کہ بے قابو ہوئی جاتی تھی۔ آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔
"رحم میرے خدا۔۔۔ اے مالک کل کائنات۔ حوا کی اس بیٹی کی طرف بھی کرم کی ایک نظر۔۔۔"
وہ سجدے میں گر کے بے تحاشا روئی' تڑپی۔۔۔ اتنا روئی کہ اس کے بعد وہ کوشش بھی کرتی تو آنسو نہ نکلتے تھے۔
وہ بے دم سی پڑی تھی۔ مگر دل محو مناجات تھا۔ جانے کن دقتوں سے وہ خود کو گھسیٹتی بستر تک آئی۔ در حقیقت اس میں اب مزید گریہ وزاری کی سکت نہ رہی تھی۔
ذہن اسی ایک نکتے پر منجمد تھا کہ اب اس کی عزت داؤ پہ لگائی جانے والی تھی۔ وہ یک دم چونکی۔
اس کے تکیے میں تھرتھراہٹ سی ہوئی تھی۔
اس نے تکیہ پرے کر کے ٹشوز میں لپٹا موبائل بے تابی سے کھولا تو اس کی اسکرین چمک رہی تھی اور اس پر ثانیہ کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس کے وجود میں جیسے جان آگئی۔
تیزی سے اتر کر وہ واش روم کی طرف بڑھی۔ دروازہ بند کیا۔
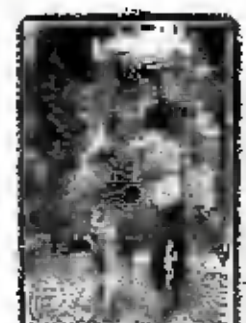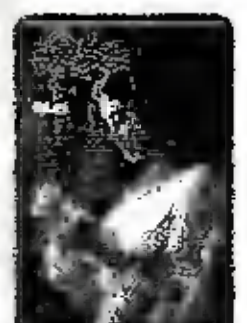
ثانیہ کی کال مسلسل آرہی تھی۔

ایبہا نے برق رفتاری سے واش بیسن کا نل اور شاور کا پانی کھول دیا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ باہر اچانک کسی کے آجانے پر کوئی شک پڑے۔

اس نے دروازے سے دور ہٹ کے ثانیہ کی کال اٹینڈ کی۔

"ہے۔۔ ہیلو۔۔" اسے خود اپنی آواز ہی غیر انسانی لگی۔۔۔۔۔ کھنچی ہوئی نسوں کے ساتھ اسے بولنا دنیا کا مشکل ترین کام لگا۔

"ایبہا۔۔؟" ثانیہ کا انداز محتاط تھا۔

"ہاں۔۔ میں ایبہا ہوں۔ ثانیہ! میں ایبہا ہوں۔" خوف سے اسے لرزہ چڑھ رہا تھا۔

"کیسی ہو ایبہا؟"

"م۔۔ میں بہت مشکل میں ہوں۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔ پلیز۔۔ پلیز۔۔" اس کی آواز پھنسی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا ہے ایبہا کھل کے بات کرو۔ اگر موقع ملا ہے تو۔"

ثانیہ نے نرمی اور پیار سے کہا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

عرصہ ہوا تھا یہ بے ریا لہجہ سنے۔

"میں یہاں محفوظ نہیں ہوں۔ میم مجھے کسی کے ہاتھوں بیچنا چاہتی ہیں۔ بس دو دن کے بعد۔۔ خدا کے لیے ثانیہ۔۔ مجھے بچالو۔۔ میری عزت داؤ پہ لگنے والی ہے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

"ڈونٹ وری ایبہا۔۔ روؤمت۔۔ حوصلہ کرو۔۔ یو آر اے بریو گرل۔۔ میں ضرور تمہاری ہیلپ کروں گی۔"

ثانیہ نے بہت پیار سے اسے پچکارا۔

"میرا کل سے آفس جانا بند ہو گیا ہے۔ بس دو دن کے بعد۔۔" وہ بلک اٹھی۔

"حوصلہ کرو ایبہا۔"

"کیسے حوصلہ کروں۔۔ اتنے دنوں سے تم لوگوں کو پتا ہے کہ میں ان کے قبضے میں ہوں تو کچھ کرتے کیوں نہیں تم لوگ۔ معیز سے کہو میری بے بسی کا تماشا مت دیکھے اور امتیاز احمد کہاں ہیں جو میری ماں سے پکے وعدے کرکے ایک مضبوط بندھن میں باندھ کے مجھے ساتھ لائے تھے؟ کیا وہ میم کو ثبوت دکھا کر دعوے کے ساتھ مجھے یہاں سے چھڑوا نہیں سکتے؟"

وہ بھنچی ہوئی آواز میں اپنی چیخیں روکتی کبھی غصے اور کبھی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

ثانیہ گنگ سی سنے گئی۔ یہ کیسے راز چھپے تھے اس کی باتوں میں۔ کون سا مضبوط بندھن، کیسا ثبوت اور کیسا دعوا؟

"معیز احمد کو بتادو ثانیہ۔۔ پرسوں تک کا وقت ہے میرے پاس۔ اگر پرسوں بارہ بجے تک وہ کچھ نہ کرسکا تو میری خودکشی اس کے سر۔۔ قیامت کے روز میں ان دونوں باپ، بیٹے سے حساب طلب کروں گی۔" اس نے تھک کر خود ہی لائن کاٹ دی۔

کہنے سننے کو اور کچھ بچا ہی کہاں تھا۔

امتیاز احمد تو جیسے اس سے ہر رشتہ ہی توڑ بیٹھے تھے اور اب جبکہ معیز کو اس کے بارے میں پتا چل گیا تھا تو وہ بھی محض تماشا ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ بے دم ہونے لگی۔

"ہیلو۔۔ ہیلو ایبہا۔۔"

ثانیہ نے لائن کٹنے پر بے اختیار اسے پکارا مگر دوسری طرف خاموشی تھی۔

"سن لیا آپ نے معیز بھائی؟"

ثانیہ نے میٹنگ پر موجود معیز کو تھکے ہوئے انداز میں متوجہ کیا، جو گنگ سا تھا۔

"یہ تو بہت برا ہو رہا ہے۔" وہ بمشکل خود کو کچھ کہنے پر آمادہ کر پایا۔

"میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ اسے فوری طور پر وہاں سے نکالنے کی ضرورت ہے مگر آپ لوگ پتا نہیں کس نفع و نقصان کے چکروں میں پڑے ہیں۔" ثانیہ کے انداز میں خفگی تھی۔

"لیکن اب آپ نے سن لیا نا۔ اسے پرسوں تک کی ڈیڈ لائن ملی ہے۔"

"او کے۔۔ میں کچھ کرتا ہوں۔" معیز کا ذہن سخت پراگندگی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس سے منسلک ایک اہم رشتہ۔۔

اسے احساس ہوا کہ تین سال پہلے اسے امتیاز احمد کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالنے چاہیے تھے۔

آج وہ بھاڑ میں بھی جاتی تو معیز کو پروا نہ ہوتی مگر امتیاز احمد جس حیثیت سے اس کی ذمہ داری معیز پر چھوڑ گئے تھے۔ اسے یوں بھاڑ میں جاتے دیکھنا۔۔ دل گردے کا کام تھا۔۔۔ نہیں۔۔ یقیناً "بہت بے غیرتی اور بے حمیتی کا۔ سوچ سوچ کر اس کا سر پھٹنے کو تھا۔ رات کے اس پہر جب سب اپنے کمروں میں اے سی آن کیے پرسکون نیند لے رہے تھے۔ وہ بے چینی اور اضطراب کی آگ میں جلا جا رہا تھا۔

کبھی سوچتا کہ سیدھا جاکے میڈم رعنا کے سامنے کھڑا ہو جائے اور کزن ہونے کا دعوا کرکے ایبہا کو وہاں سے نکال لے مگر کیا وہ اتنی آسانی سے سونے کے انڈے دینے والی مرغی کو ہاتھ سے جانے دیتی؟

اور اگر پولیس لے کے جاتا۔۔ لیکن اگر پولیس نے ہمیشہ کی طرح ایمان داری سے کام نہ کیا تو۔۔ اس کے بعد تو میڈم ایبہا کو ایسی تہوں میں چھپائے گی کہ اس کی دھول بھی نہ ملے گی۔ ثانیہ نے صبح اسے اور عون کو اپنے ہاں بلایا تھا۔ وہاں شاید کوئی صورت حال نکل آئے۔ اس نے تھک کر سوچتے ہوئے خود کو بستر پر گرالیا۔

☼ ☼ ☼

"لڑکوں کے لیے لڑکی سے اہم کچھ نہیں ہوتا معیز۔۔ اور تم ہو کہ تمہارا پیچھا کرنا پڑتا ہے۔" رباب کے لب لہجے میں خفیف سی تلخی کار چاؤ تھا۔

"آئم سوری۔۔ بہت بزی تھا میں۔۔ یقین کرو۔۔ اور آج تو سر میں شدید درد بھی ہے۔"

معیز نے کنپٹی دباتے ہوئے تھکاوٹ زدہ لہجے میں معذرت کی۔

وہ آفس آتو گیا تھا، مگر اب کچھ کام نہیں ہو پا رہا تھا۔

"میری طرف آجاؤ نا۔ اپنے ہاتھ کی بنی چائے پلاؤں گی تو سارا درد بھول جاؤ گے۔" وہ گنگنائی۔

"آفر تو بہت شان دار ہے مگر آج ایک بہت ضروری میٹنگ ہے۔"

وہ ہلکے سے مسکرایا۔ جانتا تھا، رباب کو چائے بنانے کی الف ب کا بھی نہیں پتا مگر وہ اس کے لیے چائے بنانے کا کہہ رہی تھی یہ معیز کے لیے یقیناً "فخر کی بات تھی۔

"کم آن معیز۔۔ یو آر سو بورنگ۔۔ کوئی اور لڑکا ہوتا تو سر کے بل آتا۔"

"سوری۔۔ مجھے یہ کرتب سیکھنے کا کبھی وقت ہی نہیں ملا۔" معیز نے اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔

"معیز۔۔ تم میرا موڈ خراب کرنا چاہتے ہو؟ لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈز کے بارے میں کیا کیا نہیں بتاتیں اور ایک تم ہو کہ۔۔" وہ جذباتیت پر اترنے لگی۔ معیز سنجیدہ ہو گیا۔

"اول تو یہ کہ میں تمہارا بوائے فرینڈ نہیں ہوں۔ دوسرا یہ کہ لڑکیوں کی اس طرح کی فضول باتوں میں نوے فیصد جھوٹ ہوتا ہے۔"

"پھر بھی... تم دوسرے لورز کی طرح نہیں ہو۔" وہ بے اختیار بولی پھر ہنسنے لگی۔

"آئی مین! دوسری لڑکیوں کے لورز کی طرح۔"

"مجھے محبت میں چیپ ہونا پسند نہیں ہے رباب... محبت میں ایک فاصلہ اور پاکیزگی ضروری ہے۔ ورنہ وہ محبت نہیں رہتی' ہوس بن جاتی ہے۔" معیز نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"پلیز..." وہ کراہی۔ "نو مور لیکچر معیز۔"

"اتنی رومانس کی باتیں تو نہیں کیں کبھی' جتنا صوفیانہ لیکچر جھاڑتے ہو۔" وہ خفا تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تم ناراض ہی رہنا۔ ملو گی تو دیکھنا کتنے پیار سے مناتا ہوں۔ پھر فخر سے ساری فرینڈز کو بتانا۔"

وہ اتنے پیار بھرے' دھیمے لہجے میں بولا کہ رباب کا دل گدگدا اٹھا۔

"کیسے... کیسے؟" وہ بے تاب ہوئی۔ معیز آہستہ سے ہنسا۔

"ابھی نہیں... سنڈے کو... جسٹ ویٹ اینڈ سی۔" اس نے رباب کے دل کی بے قراری بڑھادی تھی۔

معیز کا فون بند ہوا تو وہ جلدی سے اسکائپ پہ اپنی دوستوں کو بتانے لگی۔ اس کا انداز بہت جوش سے بھرا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼
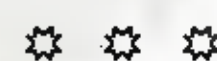
اس نے عون کے پاس پہنچ کر اسے چلنے کو کہا تو وہ حیران ہوا۔

"کہاں...؟"

"ثانیہ نے ہمیں انوائیٹ کیا ہے۔ اپنی خالہ یعنی تمہاری پھپھو کے گھر۔"

معیز ابھی لنچ ٹائم پہ آفس سے اٹھا تھا اور سیدھا عون کے ریسٹورنٹ میں پہنچا۔

"تجھے انوائیٹ کیا ہے یا مجھے؟" عون نے طنز کیا۔

معیز سے مسکراہٹ چھپانی مشکل ہو گئی۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ ثانیہ نے بطور خاص عون کو انوائیٹ کرنے کے لیے کال نہیں کی تھی۔ بس معیز ہی سے کہہ دیا کہ کل دونوں چلے آنا۔

"تمہارے حالات تو پہلے سے بھی پتلے جا رہے ہیں یار... بنے گا کیا تم دونوں کا۔" معیز کو عون کی شکل دیکھ کے ہنسی آرہی تھی۔

"معاملہ کیا ہے' کیوں بلایا ہے اس نے؟" وہ کاٹ کھانے کو تھا۔

"ایمها والے معاملے پہ بات کرنی ہے۔ وہ بہت مشکل میں ہے۔ اس کا آفس جانا بند کر دیا گیا ہے۔ ایک روز بعد شاید وہ اس کا سودا کر دے۔"

معیز یک لخت ہی سنجیدہ ہوا تو وہ سب بھی کہنا پڑا' جو وہ نہیں کہنا چاہتا تھا۔

"اوہ...!" عون کو تاسف ہوا۔ "میں ساتھ چلوں گا معیز! جو ہیلپ کر سکا کروں گا۔ مگر پلیز یار! ثانیہ کو وہاں مت جانے دینا۔ ان لوگوں کا نیٹ ورک بہت اسٹرونگ ہے۔ میں اس پہ کوئی آنچ نہیں آنے دینا چاہتا۔ وہ میری گرل فرینڈ نہیں' منکوحہ ہے اور اپنی عزت کے لیے مرد جان سے چلے جایا کرتے ہیں۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ معیز نے ایک ٹک اسے دیکھا۔ جانے کون سے لفظوں نے دل کے تاروں کو کیسا جھنجھوڑا تھا۔

عون اس کے ساتھ چل پڑا۔ گیٹ خود ثانیہ نے کھولا۔

"السلام علیکم۔"

اس کے ہونٹوں پر دونوں کے لیے مسکراہٹ تھی۔ عون ساری خفگی بھولنے لگا۔

"اتنی دیر لگادی۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"اگر مجھے ڈائریکٹ دعوت دیتیں تو ناشتے کے فوراً" بعد ہی آجاتا۔"

عون نے کہا تو وہ اطمینان سے بولی۔

"میں جانتی تھی۔ تب ہی معیز بھائی کو کہا۔"

عون نے مسکراہٹ دباتے معیز کو گھورتے ہوئے کہا۔

"جانتا ہوں میں... مجھے تو بس باڈی گارڈ کے طور پہ بلالیا ہے تم نے۔"

"چلو۔ بہت اچھی بات ہے۔ اب جاؤ دونوں ہاتھ منہ دھو کے فریش ہو کے آجاؤ۔ خالہ جان تو کھانا کھا کے میڈیسن لے کر لیٹ چکیں۔"

ثانیہ کے ہونٹوں پہ پھیلی ہلکی سی مسکراہٹ عون کو بہت حوصلہ دے رہی تھی اور یقیناً" کسی تبدیلی کا اعلان بھی تھی۔

لنچ کیا تھا۔ گھر کے کھانے کی بہترین ورائٹی تھی۔

"یہ سب آج میں نے اسپیشلی آپ لوگوں کے لیے بنایا ہے۔"

ثانیہ نے کہا تو معیز نے رشک سے عون کو دیکھا۔ دونوں نے دل کھول کے لذیذ کھانا کھایا اور میٹھے میں ٹرائفل۔ اس کے بعد چائے کے مگ لیے وہ لاؤنج میں آبیٹھے۔

"مسئلہ کیا ہوا ہے اب؟" عون نے پوچھا تو ثانیہ نے اپنے موبائل میں ریکارڈ ایمها کی کال آن کر دی۔ وہ انہماک سے سننے لگا۔

"اور میں نے جتنی بار بھی اس کال کو سنا ہے۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ ہم لوگ پوری حقیقت سے واقف نہیں ہیں معیز بھائی!"

ثانیہ نے بے حد سنجیدگی سے معیز کو دیکھا۔ وہ یقیناً" ایک ذہین لڑکی تھی۔ معیز نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

"وہ کس بندھن اور کن ثبوتوں کی بات کرتی ہے' وہ بھی اتنے دعوے کے ساتھ؟"

"ابو اسے اپنی ذمہ داری پہ یہاں لائے تھے۔" معیز آنکھیں چرا گیا۔ "وہ اپنی دوست کے ہاتھوں دھوکا کھا گئی۔ ورنہ ابو ہاسٹل اور کالج کی فیس ادا کر رہے تھے۔"

"معیز یار! اس کا صاف اور سیدھا حل یہی ہے کہ پولیس ریڈ کرائی جائے اور ایمها کو وہاں سے برآمد کر لیا جائے۔"

عون نے صاف گوئی سے کہا۔

"میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ سب سے زیادہ کالی بھیڑیں اسی محکمے میں ہیں۔ ریڈ سے پہلے ہی میڈم کو کال دے دی جائے گی۔ اور پھر شاید ہم آئندہ کبھی ایمها کو نہ دیکھ پائیں۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ثانیہ نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

"اس مسئلے کو فول پروف طریقے سے حل کرنے کی ضرورت ہے۔" عون نے رائے دی۔

"نہ وہ وہاں سے باہر آسکتی ہے اور نہ ہی کوئی وہاں جا سکتا ہے۔" معیز نے یاد دلایا۔

"تم سیفی کو بھول رہے ہو۔ وہ ہمارا شکار بن سکتا ہے۔" عون نے ذو معنی انداز میں کہا تو وہ چونکا۔

"وہ کیسے؟"

"وہ تو تمہیں سوچنا ہے۔ کیونکہ وہی ایک شخص ہے جو تمہیں اندر بھی لے جا سکتا ہے اور ایبہا کو باہر بھی لا سکتا ہے تمہارے کہنے پر۔" عون کا ذہن واقعی کام کر گیا تھا۔

"اسے باہر لا کر وہ میرے حوالے ہی تو نہیں کر دے گا نا۔ واپسی بھی تو ہو گی۔" معیز الجھا۔

"پیسہ۔ پیسہ لگاؤ میری جان! وہ لوگ بزنس چلا رہے ہیں۔ انہیں صرف پیسہ چاہیے۔" عون نے حقیقت بیان کی۔

"میرے ہاتھ کی بنی چائے پی کر تمہارے دماغ نے بہت تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔" ثانیہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی' پھر اس نے معیز کو دیکھا۔

"مگر میں پھر بھی کہوں گی کہ اس لڑکی کی کہانی میں سے بہت کچھ مسنگ ہے۔" معیز نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اس نے آپ سے ایسے شکوہ کیا تھا جیسے اسے بہت مان ہو آپ پر۔ اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ امتیاز احمد میڈم کو ثبوت دکھا کے اسے وہاں سے نکال سکتے ہیں۔" ثانیہ ابھی تک اسی نہج پہ سوچ رہی تھی۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" عون نے نا سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ انکل کے پاس ایسا کچھ ثبوت ہے جس کی بنا پر ایبہا کا کلیم کر کے اسے وہاں سے نکال سکتے ہیں۔"

ثانیہ نے صاف لفظوں میں وضاحت کی۔ عون نے منتظر نظروں سے معیز کو دیکھا۔

"اب تم بتاؤ۔"

"کیا انکل نے اسے اپنی کزن سے اڈاپٹ کر لیا تھا؟ اگر ایسا کوئی تحریری ثبوت ہے تو پھر بھی کام بن سکتا ہے۔ ایک بار ایبہا وہاں سے نکل آئے تو پھر تحریری ثبوت دکھا کر اس کی واپسی کو روکا جا سکتا ہے۔" ثانیہ نے جوش سے کہا۔

مگر معیز چپ تھا۔ بالکل چپ۔

"وہ بہت مشکل میں ہے معیز بھائی! آپ سب نفع نقصان چھوڑ کر صرف یہ سوچیں کہ وہاں محض اس کی جان کو خطرہ نہیں ہے۔"

ثانیہ دبے لفظوں میں کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی۔

معیز کی رگوں میں دوڑتا سیال تپ اٹھا۔

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی پینٹ کی جیب میں رینگ گیا اور جب باہر آیا تو اس میں ایک پیپر دبا ہوا تھا۔

"یہ لو۔ شاید یہ کچھ کام آ جائے۔" اس نے وہ پیپر عون کی طرف بڑھایا۔ عون اس کے بدلے ہوئے تاثرات پہ غور کرتا حیران سا ہو کر وہ پیپر دیکھنے لگا۔

اور اس پیپر کا متن پڑھتے ہی جیسے اسے چار سو چالیس والٹ کا جھٹکا لگا۔ اس نے بے اختیار بے یقینی سے معیز کی طرف دیکھا۔

(باقی اگلے ماہ ان شاء اللہ)

آمنہ ریاض

ماہ تمام

باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت ہڈحرامی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساحر کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساحر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساحر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا بناتے پر اس نے ساحر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساحر پر لگا دیا کہ ساحر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساحر کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساحر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔ تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

۱۴
چودھویں اور آخری قسط

اس روز شفا بے دار ہوئی تو ہدیہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ وہ شفا کے ساتھ سوتی تھی اور ہر روز صبح شفا ہی اسے اسکول کے لیے جگاتی تھی لیکن آج وہ اس کے ساتھ نہیں تھی تو یہ حیرانی کی بات تھی۔ شفا نے اسے تلاش کرتے ہوئے دو تین آوازیں دیں۔ باتھ روم میں دیکھا لیکن ہدیہ وہاں بھی نہیں تھی۔

شفا پریشانی کے عالم میں اسے تلاش کرتی ہوئی کمرے سے نکلی۔

ہدیہ لاؤنج میں کارنر والے صوفے کے پیچھے چھپ کر بیٹھی گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔

"ہدیہ... میری جان!" شفا نے اسے سینے سے لگالیا۔ "کیا ہوا ہے میری گڑیا کو۔"

"پھپھو!" وہ اس کے کندھے سے چمٹ کر اور شدت سے رونے لگی۔

"ہدیہ جانو... کیا ہوا... پھپھو کو نہیں بتاؤ گی؟" شفا بُری طرح پریشان ہوگئی تھی۔

"مجھے ماما یاد آرہی ہیں۔" ہدیہ نے روتے ہوئے کہا۔

"اوہ" شفا کا دل اپنی جگہ سمٹا۔ "پہلے آپ چلی گئی تھیں۔ اب ماما چلی گئی ہیں۔ پاپا میرے ساتھ بات نہیں کرتے۔ کھیلتے بھی نہیں ہیں۔ پاپا سے کہیں عادل کی طرح مجھے بھی ماما کے پاس چھوڑ آئیں۔ میری فرینڈ کہتی ہے جن کی ماما چلی جاتی ہیں۔ ان کے پاپا پھر نئی ماما لے آتے ہیں۔ پھپھو! کیا پاپا بھی نئی ماما لے آئیں گے؟" وہ روتے ہوئے معصومیت اور کسی قدر خوف کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"نہیں میری جان!" اس نے پیار سے پچکارا لیکن ہدیہ کی تان ایک ہی نقطے پر اٹکی ہوئی تھی۔

"آپ کو نہیں پتا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے پاپا نئی ماما لے آئے ہیں۔ نئی ماما مجھے مارتی ہیں دھکا بھی دیتی ہیں۔ ان کے لمبے لمبے دانت ہیں۔ گندے سے بڑے بڑے ناخن۔ پھپھو! آپ اللہ تعالیٰ سے کہیں مجھے اپنے پاس بلالیں لیکن میں نئی ماما کے پاس نہیں جاؤں گی۔ مجھے اپنی ماما کے پاس ہی جانا ہے۔"

"آپ فکر مت کرو ہدیہ! ہم تمہاری ماما کو واپس لے آئیں گے۔"

اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا اور ہدیہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

جو فیصلہ وہ اتنے بہت سے دنوں میں نہیں کرپائی تھی۔ وہ اس ایک لمحے میں ہوگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

تقی نے کرسی لاکر ان کے پاس رکھی اور زبردستی انہیں بٹھادیا۔

"آپ کو آج پھر شفا یاد آگئی۔" وہ ان کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"بھولتی ہی کب ہے جو یاد آئے گی۔" انہوں نے اور دکھی ہو کر کہا۔

"میری بات مانو تقی! اپنے ساتھ دشمنی مت کرو۔ تم مہک کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکو گے۔"

"امی! آپ پھر وہی بحث چھیڑ رہی ہیں۔ جو تین مہینے پہلے بڑی مشکل سے ختم ہوئی تھی۔"

"ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی تمہارے غصے کے ڈر سے کرو دبا گئی تھی۔"

"جو بھی ہے۔" اس نے چڑ کر تو نہیں لیکن بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔ "بس ختم کردیں اب اس بات کو۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"میری شادی کی آپ کو اتنی جلدی ہے تو ابا سے بات کرلیں۔ سمیر کی شادی کے بعد چلتے ہیں مہک کی طرف۔ جو آپ لوگوں کو مناسب لگے شادی کی تاریخ رکھ لیں۔ اگست میں ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں ہوائی جانا ہوگا۔ سوچ رہا ہوں مہک کو بھی ساتھ لے جاؤں۔"

کہہ کر وہ رکا نہیں کمرے میں۔ امی بس گیلی آنکھیں ہی مسلتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں تو اب فرصت ہی نہیں ملتی۔" مہک نے جوس کا چھوٹا سا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "نہ ملتے ہو نہ کال کرتے ہو۔ اتنے مصروف ہوگئے ہو؟" وہ دونوں کئی دنوں بعد مل رہے تھے۔ کارنر والی ٹیبل پر ذرا ہٹ کر ہی بیٹھے تھے کیونکہ تقی اب پبلک پلیس پر پہچان لیا جاتا تھا پھر اس کے گرد جمگھٹا لگ جاتا تھا تو مہک کو الجھن میں مبتلا کرتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے یار! میڈیا کی جاب اتنی بھی آسان نہیں ہے۔ دن رات شوٹنگز' ڈانس اوورز' پروموشن کے سو جھنجھٹ۔" تقی کچھ تھکا ہوا سا لگ رہا تھا۔

"پھر بھی تقی! انسان تھوڑا ٹائم تو نکال لیتا ہے۔"

"تم خود کون سا فارغ رہتی ہو۔ جب مجھے فرصت ملتی ہے تو تم وقت دینے کو تیار نہیں ہوتیں۔"

"تمہیں پتا ہے میں نے پاپا کی فرم جوائن کرلی ہے۔ اب پہلے کی طرح ٹائم ملنا تو مشکل ہے۔" اس نے فوراً اپنی مصروفیت کا قصہ بھی کہہ سنایا۔

"اچھا سنو۔ میں سوچ رہا تھا امی ابا کو تمہاری طرف بھیجوں۔" تقی کو اچانک خیال آیا۔

"کس لیے۔"

"شادی کی تاریخ طے کرلی جائے۔"

مہک کو جوس پیتے بے اختیار کھانسی آگئی۔

"شادی کی تاریخ۔" اس نے سانس بحال کی۔

"اتنی جلدی کیا ہے؟"

"مجھے تو خیر جلدی نہیں ہے۔ امی کو ہے۔ وہ جلد از جلد بہو گھر لانا چاہتی ہیں۔" تقی نے ہنس کر بتایا۔ اس کا خیال تھا اس کی ماں کی معصوم سی خواہش مہک کو بھی مسرور کرے گی لیکن وہ بھول گیا وہ مہک تھی شفا نہیں۔

"اوہ... میں سمجھ گئی۔ اولڈ مڈل کلاس مینٹلٹی۔" اس نے ہنس کر بظاہر عام سے لہجے میں کہا تھا۔

"بیٹا پڑھ لکھ کر کمانے لگا ہے تو بس شادی کرو اور بہو گھر لے آؤ۔ اپنی لائف تو انجوائے کرنے دو۔ اسے تھوڑی اسپیس دو تاکہ وہ لائف اپنے طریقے سے گزار سکے۔ مجھے تو یہ بہت عجیب بات لگتی ہے۔"

"اس میں عجیب بات تو کوئی نہیں ہے۔" تقی کو اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔ بے شک وہ دونوں محبت کی ڈور میں بندھے ہونے کے دعوے دار تھے لیکن ابھی وہ منزل نہیں آئی تھی جہاں بے دھڑک دل کی بات کہہ دی جائے۔

"جو بات تمہیں عجیب لگ رہی ہے' وہ ہمارے یہاں ماؤں کی خوشی مانی جاتی ہے کہ بیٹا برسرروزگار ہوگیا تو اسے شادی کرتا دیکھیں۔"

"تھینکس گاڈ! ہماری کلاس کی ماماز ایسی باتوں پر خوش نہیں ہوتیں۔ ایکچوئیلی ان کی اور بہت ایکٹیویٹیز ہوتی ہیں جو انہیں خوش رکھتی ہیں۔"

"ہاں مگر تم اپنی ماما کے رولز فالو نہیں کرپاؤ گی کیونکہ شادی کے بعد تو تمہاری بھی وہی کلاس ہوگی جو میری ہے۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا تھا۔

"Not really" مہک نے ہنس کر کہا لیکن اس کا انداز بات ٹالنے والا تھا۔

"پھر کب بھیجوں؟" تقی نے بھی اس کی بات نظر انداز ہی کی تھی۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ شادی بھی ہوجائے گی۔" اس نے بات کا اثر زائل کرنے کے لیے موبائل اٹھا کر میسج کرنا شروع کردیا۔ تین چار منٹ بعد دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہارے دوست کی شادی کب ہے؟"

"پرسوں مہندی ہے۔"

"پرسوں... پرسوں میں فری ہوں۔ ٹھیک ہے۔ میں بھی چلتی ہوں۔" اس نے مزے سے کہا۔

"آں... تم؟" وہ تذبذب میں پڑگیا۔

"کیوں... کیا نہیں جاسکتی؟ بنا بلائے جانے پر وہ لوگ مائنڈ کریں گے کیا؟"

"ارے ایسی بات نہیں ہے۔" تقی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ٹھیک ہے تم بھی چلو۔"

"ویری گڈ۔" وہ پرجوش ہو کر بولی۔ "مجھے بہت شوق تھا کوئی مڈل کلاس شادی اٹینڈ کرنے کا۔ یہ شوق بھی پورا ہوجائے گا۔" اس نے خوش ہو کر بتایا اور

جوتے پہنے تھے۔
تقی اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

شفا نے تیار ہو کر کوئی دسویں بار خود کو آئینے میں دیکھ لیا۔ پورے گھر کے بیسیوں چکر بھی لگا لیے لیکن عمیر بھائی تھے کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ہدیہ بے چاری انتظار کر کر کے سو بھی گئی۔ ثمر فون کر کر کے الگ دماغ کھا رہی تھی۔

"میری اکلوتی بیسٹ فرینڈ۔ میری مایوں پر اتنا لیٹ' یاد رکھنا شفا! تم سے پہلے اگر سمیر کے گھر والے پہنچ گئے ناں تو میں بخشوں گی نہیں تمہیں دعا کرنا شروع کرو کہ سمیر لوگ لیٹ ہو جائیں۔"

"عجیب لڑکی ہو۔ سارے زمانے کی لڑکیاں خوش ہو رہی ہوتی ہیں کہ ان کے دولہا اتنی جلدی پہنچ رہے ہیں۔ ایک تم زمانے سے نرالی ہو کہ ان کے لیٹ ہونے کی دعائیں کروا رہی ہو۔"

"تمہارا ہی فائدہ ہے۔" اس نے مزے سے کہا۔

"اچھا ناں یار! میں تو کب سے تیار ہو کر کھڑی ہوں۔ عمیر بھائی آنے کا نام ہی نہیں لے رہے۔"

"تم نے پہلے سے نہیں بتایا تھا؟"

"بتایا تھا۔ بھائی آفس سے تو نکل گئے ہیں ٹریفک جام میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

خدا خدا کر کے کچھ دیر اور گزری تو عمیر بھائی آ گئے اور اسے گیٹ پر ہی بلوا لیا۔

"کھانا تو کھائیں۔" شفا نے کہا۔

"اب ٹائم نہیں ہے۔ تم آؤ جلدی سے۔ تمہیں چھوڑ آؤں۔ کھانا تو واپس آ کر بھی کھایا جا سکتا ہے۔" ان کو اس سے بھی زیادہ جلدی تھی۔

"اچھا... بس ابھی آئی۔" شفا جلدی سے اندر گئی اس کی واپسی پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔

"چلیں۔" اس نے ہدیہ کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

"پہلے تو شور مچا رکھا تھا کہ جلدی آئیں۔ دیر ہو گئی تو ثمر ناراض ہو جائے گی۔ اب آ گیا ہوں تو کہاں چلی گئی تھیں۔" عمیر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا کھانا گرم کر کے ٹیبل پر رکھ کر آئی ہوں۔ اب واپس جاتے ہی کھا لیجیے۔" وہ اپنے پاؤچ میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"میں جا کر گرم کر لیتا۔ تم نے ایسے ہی تکلف کیا۔" عمیر نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے بے دھیانی میں کہا۔

"تکلف..." شفا نے تعجب سے انہیں دیکھا پھر خفیف سا ہنس دی۔ بولی کچھ نہیں۔ اس کے بعد عمیر بھائی ہی باتیں کرتے رہے اس نے بس ہوں ہاں میں ہی جواب دیا۔ ثمر کا گھر آ گیا تو اسی خاموشی سے اتر گئی۔

"واپسی میں شاید دیر ہو جائے۔ آپ ویٹ نہ کیجیے گا۔ میں اور ہدیہ رات کو یہیں رک جائیں گے۔"

"نہیں۔ جب فارغ ہو جاؤ تو کال کر دینا۔ میں آ جاؤں گا لینے۔ خالی گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔"

"تو پھر گھر کی اصل مالکن کو واپس لے آئیں۔ ورنہ خالی گھر تو ایسے ہی کاٹ کھانے کو دوڑتا رہے گا۔"

شفا نے بے ساختگی سے کہہ دیا تھا۔ فیصلے کا ایک لمحہ ہوتا ہے اور شفا نے اس لمحے کو گنوانا مناسب نہیں سمجھا۔

عمیر چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ شفا گاڑی کی کھڑکی میں جھک گئی۔

"آپ کے گھر کو میری یا ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے بھائی! ہم تو اس گھر کی بیٹیاں ہیں۔ اور بیٹیاں ساری زندگی باپ بھائی کے گھر میں نہیں رہتیں۔ آپ کے گھر کو بیوی کی ضرورت ہے۔ آپ کو ساہر بھابھی کی ضرورت ہے۔"

وہ اتنے پیار اور نرمی سے بول رہی تھی کہ اس کا لفظ لفظ عمیر کے دل میں اترتا چلا گیا۔

"پھر بات کریں گے۔" انہوں نے بات سمیٹی اور زن سے گاڑی بھگا لے گئے۔

شفا خفیف سی ہوئی۔ مایوس نہیں۔

"آپ جتنے چاہے پردے ڈال لیں اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ساہر بھابھی کے بغیر آپ کی زندگی میں اتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے کوئی دوسرا انسان نہیں بھر سکتا۔" ہدیہ کا ہاتھ پکڑتے اس نے دل ہی دل میں عمیر کو مخاطب کیا تھا۔

"پھپھو!" ہدیہ منہ اٹھا کر معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "بابا ماما کو گھر لے آئیں گے ناں؟"

"ضرور لے آئیں گے۔ بس دو دن اور۔" اس نے پیار سے ہدیہ کا گال چھوا۔ وہ اسی میں خوش ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"مایوں تو ٹپیکل خواتین کی رسم ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہم دونوں چغد وہاں کیا کرنے جا رہے ہیں۔" تقی چڑ کر بول رہا تھا۔ پہلے تو آنے پر ہی راضی نہیں تھا اور جب آیا کالے رنگ کی اسٹائلش سی شلوار قمیص میں سج کر آ گیا۔ اس تیاری کے ساتھ وہ دولہا کا دوست کم خود دولہا زیادہ لگ رہا تھا۔

"اماں اور ساری خواتین کو ثمر کے گھر کسی نے تو چھوڑنے جانا تھا تو میں نے سوچا ہم دونوں فارغ ہوں گے تو ہم چھوڑ آتے ہیں۔" سمیر نے کہا۔

"بڑا اچھا سوچا... تم سے تو کسی اچھی سوچ کی توقع کرنا ہی بے وقوفی ہے۔" تقی نے جل کر کہا تھا۔ سمیر نے اسے بری طرح گھورا۔

"بھولو مت۔ تم میرے بیسٹ فرینڈ اور شہ بالے ہو۔ اس لیے تمہیں ساری شادی میں میرے ساتھ ساتھ رہنا پڑے گا۔"

"بھائی! میں اس جبری تقرری سے مستعفی ہوتا ہوں۔ تم یہ پوسٹ کسی اور کو دے دو۔"

"تقی!" وہ بچوں کی طرح جھنجھلانے لگا۔

"اور نہیں تو کیا یار! میں نے سوچا تھا اتنے دنوں بعد ذرا ریلیکس ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ آرام سے بیٹھیں گے۔ کوئی مووی دیکھیں گے۔ ذرا Chill کریں گے۔ تو نے سارا پروگرام بگاڑ دیا۔"

"تو نے میری شادی کے لیے آف لیا ہے ناں۔ تو پھر اتنی باتیں کیوں سنا رہا ہے۔ اور خدارا اب آہستہ بولنا۔ اماں پہلے ہی مجھے ساتھ لے جانے پر راضی نہیں تھیں۔ میں نے کہا اکیلا تھوڑا جاؤں گا تقی کو بھی ساتھ لے جاؤں گا تاکہ ثمر کے گھر والوں کو بھی اعتراض نہ ہو کہ دولہا اٹھ کر آ گیا ہے۔"

"ہاں تو دولہا ٹک کر گھر کیوں نہیں بیٹھتا۔ لوفروں کی طرح خواتین کے فنکشن میں انٹری مارنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"چار دن ہو گئے ہیں میں نے ثمر کو نہیں دیکھا۔" دکھی انداز میں اطلاع دی گئی "پھر ثمر کی بھی خواہش تھی کہ میں آؤں۔"

تقی نے اسے گھور کر دیکھا لیکن اس کی شکل دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

"بیٹا! تم صحیح جورو کے غلام ثابت ہونے والے ہو۔ خیر کب تک نکلنا ہے؟"

"ابھی کہاں نکلنا ہے؟" ایسے کہا جیسے اس کی عقل پر شک گزرا ہو۔

"ابھی تو میں تیار رہوں گا۔ تم اتنا تیار ہو کر آ گئے ہو کہ شہ بالے کم دولہا زیادہ لگ رہے ہو۔ مجھے تو فکر پڑ گئی کہیں ثمر کی رشتہ دار خواتین میرے بجائے تمہیں ابٹن لگانا شروع کر دیں۔"

"ہاہاہا... اتنا فکر مند نہ ہو۔ میں خود ہی ذرا پیچھے پیچھے رہوں گا تاکہ کوئی غلط فہمی کا شکار ہو ہی نہیں۔ لیکن پھر بھی تم دل میں دعا ضرور کرتے رہنا۔ دراصل میری پرسنالٹی ہی ایسی ہے کہ بڑے بڑے کامپلیکس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر تم کیا چیز ہو۔"

"ہونہہ۔" اس نے منہ کا زاویہ بگاڑ کر کہا ہی تھا کہ سمیر کی اماں آ گئیں۔

"ارے تقی! تم آ گئے۔" تقی کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔

"جی اماں! کوئی کام ہے تو بتائیں؟" وہ فوراً تابع دار بنا۔

"بیٹا! کام کیا ہونا ہے بس ذرا سمیر کا ہاتھ پکڑے

رکھنا۔" انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ دونوں حیران ہو کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"اس کی کوئی نرالی شادی ہو رہی ہے کہ خوشی سے باؤلا ہوا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو وہاں ناچنا ہی شروع کر دے۔ اب تم آ گئے ہو تو مجھے تسلی رہے گی۔ ذرا سنبھال لینا۔"

ان کا سنجیدہ انداز۔ تقی کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور سمیر کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

☆ ☆ ☆

شفا ثمر کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ۔ سامنے ہی بیٹھی تھی۔ گھر کے سادہ سے لباس میں تھی۔ مایوں کا جوڑا تو ابھی سمیر کے گھر سے آنا تھا لیکن اس روپ میں بھی خوب دمک رہی تھی۔ شادی کا ایک الگ ہی روپ ہوتا ہے جو لڑکی کے چہرے پر نظر آنے لگتا ہے۔

"بڑی جلدی آ گئی ہو۔" خفا ہو کر کہا۔

"یار! عمیر بھائی دیر سے آئے نا۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتی اپنا پاؤچ اس کے بیڈ پر اچھالتی اس کے پاس آ گئی۔

"میں نے ابھی کھڑکی سے دیکھا۔ ابھی بھی تم عمیر بھائی سے بات کر رہی تھیں۔ یہ ضروری بات کسی اور دن نہیں ہو سکتی یا آج ہی سارے کام نبٹانے تھے۔" ثمر اس کے دیر سے آنے پر بہت خفا تھی۔

"میں ان سے کہہ رہی تھی ساہر بھابھی کو واپس لے آئیں۔"

"کیا؟" ثمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ "انہوں نے تمہارے ساتھ اتنا برا کیا، پھر بھی تم چاہتی ہو وہ واپس آئیں۔"

"اس کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن بھی تو نہیں ہے۔" شفا نے سادگی سے کہا۔ "ہدیہ ہر وقت ساہر بھابھی کو یاد کر کے روتی ہے۔ زندگی میں کوئی کتنا بھی پیار کر لے، ماں کی کمی پوری نہیں کر سکتا۔ پھر عمیر بھائی کو دیکھو، کتنے کمزور ہو گئے ہیں وہ۔ کھانا نہیں کھاتے، بات نہیں کرتے، ایسے ٹوٹے بکھرے کبھی نہیں تھے وہ۔ مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس سب کو بھلانا اور بھابھی کو معاف کرنا مشکل ہو گا لیکن ناممکن نہیں۔ ویسے بھی میں اتنی خود غرض کبھی نہیں ہو سکتی کہ بھابھی کے کیے کی سزا ان کے بچوں کو دوں۔ عادل ساری زندگی کے لیے باپ سے محروم رہے گا اور ہدیہ ماں سے۔ یہ میں نہیں چاہتی کسی قیمت پر نہیں۔" اس نے پورے مصمم لہجے میں کہا تھا۔

ثمر اسے اس کے ارادے سے باز رکھنا چاہتی تھی لیکن اس کے لہجے کا ٹھوس پن دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دیا کہ بہر حال ارادہ برا نہیں تھا اس کا۔

انتقام کی اس جنگ میں اگر کوئی سب سے زیادہ خسارہ اٹھاتا تو وہ ہدیہ اور عادل ہی تھے۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" ثمر نے مسکرا کر نرمی سے کہا تھا پھر موضوع ہی بدل دیا۔

"بڑی تیار ہو کر آئی ہو، اچھی لگ رہی ہو ویسے۔" انداز میں شرارت بھر کر کہا تھا۔

"اتنی محنت سے تیار ہوئی ہوں۔ اچھی کیسے نہ لگتی۔" شفا خوش ہو کر کھڑی ہوئی اور شیشے میں خود کو دیکھنے لگی۔ اس نے بہت خوب صورت زرد جامہ وار کی لمبی قمیص کے ساتھ چست پاجامہ پہن رکھا تھا۔ دوپٹا ایک کندھے پر، دوسرے پر نفاست سے گندھی چٹیا۔ کانوں میں بڑی بڑی بالیاں، آنکھوں میں خوب بھر بھر کر کاجل اور ہونٹوں پر ہلکی لپ اسٹک۔

"لڑکیو! جلدی کرو۔ لڑکے والے آ گئے ہیں۔ اور ثمر! یہ شفا کو تو تیار کرو۔ اتنی سادگی سے تیار ہوئی ہے کہ لگ ہی نہیں رہا، بیاہتا بچی ہے۔" ثمر کی امی اندر آ کر کہنے لگیں۔ "باہر آ کر دیکھو میرے دیور کی بیٹیاں تم سے دس گنا زیادہ تیار ہو کر آئی ہیں۔"

شفا خفیف سی ہو گئی۔

"شفا اس سادگی میں بھی ان سب سے زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔" ثمر نے صورت حال سمجھ کر فوراً" بات سنبھالی۔

"ویسے بھی شفا کو ان کی طرح غیر ضروری میک اپ

لادنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی ٹھیک ہے۔"

"اچھا بھئی جیسے تم لوگوں کی مرضی، میں مہمانوں کا استقبال کرنے جا رہی ہوں ذرا سی بھی دیر ہو گئی تو سمیر کی اماں برا مان جائیں گی کہ دولہا کی ماں کو صحیح پروٹوکول نہیں ملا۔" انہوں نے مزے سے کہا اور جلدی سے باہر نکل گئیں۔

وہ دونوں ان کے انداز پر مسکرا رہی تھیں ان کے جاتے ہی ثمر نے اس کا پیچھا لیا۔

"امی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اچھی تو لگ رہی ہو تم لیکن کسی اینگل سے بیاہتا نہیں لگ رہیں۔" وہ اسے گہرے رنگ کی لپ اسٹک لگانا چاہتی تھی، شفا نے اس کا ہاتھ روک دیا۔

"تم بھول رہی ہو۔ میں بیاہتا ہوں بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں اداسی کی ہلکی سی رمق تھی۔ ثمر اصرار نہیں کر سکی۔

☆ ☆ ☆

اور وہی ہوا، جس کا ڈر تھا۔ سمیر کو اندر تک آنے کی اجازت نہیں ملی۔ معاملہ کچھ یوں تھا کہ اس کی اپنی ہی اماں۔ مخالف بن گئیں۔

"ڈرائیور کا کام ختم۔ اب نکلو یہاں سے۔"

"اماں! سوتیلے بیٹوں والا حال کیوں کر رہی ہیں؟" اس نے لاڈ سے کہا لیکن اماں لاڈ اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"اس بات پر سسرال میں طعنے کھاؤ گے۔ یہ مجھے منظور نہیں۔ راجپوتوں کی ایک شان ہوتی ہے اسے برقرار رہنا چاہیے۔"

"ایسی بات ہے تو مجھے ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ گھر میں ہی منع کر دیتیں۔" اس نے جل کر کہا۔

"گھر میں ہی منع کر دیتی تو تمہیں تمہاری ضد کی سزا کیسے ملتی۔ اب باہر بیٹھ کر انتظار کرو۔"

"اچھا یہ مٹھائی کا ٹوکرا تو اندر پہنچا لینے دیں۔ آپ خود اٹھا کر لے جاتی اچھی لگیں گی کیا؟" اس نے محبت سے کہا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ثمر کے گھر والوں کو پتا چل جائے کہ وہ بھی ساتھ آیا ہوا ہے، پھر اسے یقین تھا۔ کوئی نہ کوئی اسے اندر لے ہی جاتا لیکن یہ اماں بھی نا۔

"ٹوکرا تقی اندر پہنچا دے گا۔ تقی بیٹا! آنا ذرا۔" انہوں نے پیار برساتے انداز میں تقی سے کہا۔

تقی کو سمیر کی درگت بنتے دیکھنے میں پہلے ہی گدگدی ہو رہی تھی۔ اس بات پر نہایت تابع داری سے آگے بڑھ کر ٹوکرا اٹھایا اور اچھا بچہ بن کر اماں کے پیچھے چل دیا۔ جاتے جاتے سمیر کو چڑانا نہیں بھولا تھا۔

"اماں کی راجپوتانہ شان بھی غلط وقت پر جاگتی ہے۔" سمیر منہ لٹکا کر گاڑی کے بونٹ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اسے اس وقت پر افسوس ہو رہا تھا جب تقی کو ساتھ لے آنے کا مشورہ دیا تھا۔ نہ لاتا تو اب ٹوکرا اٹھا کر وہی اندر جا رہا ہوتا۔

اندر تقی کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ایک تو یہ کہ وہ ٹی وی آرٹسٹ، پھر دولہا کا بہترین دوست اور سب سے بڑی بات یہ کہ رج کے ہینڈسم۔

ثمر کی کزنز نے چپکے چپکے دل تھامے تو ان کی والداؤں نے امید باندھ لی۔

ان ہی میں سے ایک کزن ثمر کو اطلاع دینے بھاگی۔

"ہائے اللہ ثمر! تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ سمیر بھائی کا کوئی دوست ٹی وی آرٹسٹ بھی ہے۔" وہ اتنی ایکسائیٹڈ تھی کہ اپنا سانس ہی سنبھال رہی تھی۔

ثمر مایوں کا جوڑا پہنے شفا سے چوٹی بنوا رہی تھی۔ شفا کے ہاتھ ٹھٹک کر رک گئے۔ دونوں رک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تقی بھائی کی بات کر رہی ہو۔ وہ بھی آئے ہیں؟"

"ہاں وہی تقی وہ موبائل فون کے ایڈ والا۔ اف یہ بندہ تو ٹی وی پر کچھ لگتا ہی نہیں، جتنا اصل میں ہینڈسم ہے۔" دل پر ہاتھ رکھ کر وہ تو فدا ہی ہوئی پڑی تھی۔ ثمر نے ذرا ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"تم باہر جا کر بے ہوش ہو جاؤ۔ یہاں مجھے تیار ہونا ہے۔"

کزن پر نئے نئے عشق کا دورہ پڑا تھا اس لیے ثمر کی

بات کا برا نہیں مانا اور جیسے آئی تھی ویسے ہی لہراتی باہر نکل گئی۔

"تقی بھائی آئے ہیں تو سمیر بھی ضرور آیا ہوگا۔ تم ذرا جاکر دیکھو گی؟" ثمر نے پُرجوش ہو کر کہا۔

لیکن شفا خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ یہ الگ بات کہ دل تقی کی آمد کا سن کر عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔

"تقی آیا ہے تو سمیر بھائی بھی آئے ہوں گے۔ ابھی کوئی ان کی خبر بھی لے کر پہنچ جائے گی۔ تم ذرا سر سیدھا رکھو مجھے ساٹ بنانے دو۔" زبردستی پکڑ کر اس کا سر سیدھا کیا۔

"ساٹ بنائی نہیں جاتی لگائی جاتی ہے۔" ثمر نے اس کے ہاتھ سے برش لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور پورا اس کی طرف گھوم کر زور دے کر بولی۔

"اور وہ بھی ٹوٹتے ہوئے رشتوں کی۔۔۔ جب سماہر بھابھی اور عمیر بھائی کا رشتہ جوڑنے کی کوششوں میں لگی ہو تو خود پر بھی رحم کرو۔ زیادہ اچھے پن کا مظاہرہ کرنے کے لیے اپنے دل کی خوشی کا خون مت کرو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ پاگل تو نہیں ہو گئیں۔" اس نے گھبرا کر جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا۔

"پاگل میں نہیں تم ہو گئی ہو۔" ثمر نے رسان سے کہا۔ "اپنے دل کا حال تم ساری دنیا سے چھپا سکتی ہو شفا۔۔۔ لیکن مجھ سے نہیں۔ اب جاؤ اور تقی بھائی سے مسکرا کر ملو۔"

"جب تمہیں باہر لے کر جاؤں گی تو مل لوں گی۔ اسپیشلی جاکر ملنا ضروری نہیں ہے۔" اس نے کنی کترا کر کہا۔

"بالکل ضروری ہے۔" ثمر اسے لے کر دروازے کی طرف چلی۔

"ثمر! ایسے عجیب لگے گا۔ میں نہیں جا رہی۔"

"اچھا۔۔۔" ثمر نے رک کر سوچا پھر بولی۔ "آؤ میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔"

☆ ☆ ☆

جس وقت ثمر شفا کا ہاتھ پکڑے بھاگم بھاگ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ رہی تھی، عین اسی لمحے تقی خواتین کی محفل سے جان بچا کر کھسک رہا تھا۔ لابی میں ٹکراؤ ہو گیا۔

تقی نے چونک کر دیکھا پھر فوراً "سلام جڑ دیا۔

شفا ثمر کے ٹہوکوں کے باوجود خاموش رہی۔

"تقی بھائی! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے، آپ فرار ہو رہے ہیں۔"

"معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔" اس نے انگلی کی پور سے پیشانی کھجاتے ہوئے کہا۔

"اتنی خواتین کے بیچ میں اکیلا پھنس گیا۔ شکر ہے آپ کی امی نے جان بچالی۔ سمیر خود تو اطمینان سے باہر بیٹھا ہے، لے کر مجھے پھنسا دیا۔"

"سمیر بھی آیا ہے۔" ثمر کھلکھلائی۔

"جی ہاں بالکل۔ لیکن اماں نے باہر ہی روک دیا۔ کہنے لگیں ڈرائیور کو اندر آنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

ثمر کو اس بات پر بڑی گدگدی ہوئی۔ خوب کھلکھلا کر ہنسی۔ "سمیر کا موڈ آف ہوگا پھر تو۔۔۔"

"ایسا ویسا۔۔۔" تقی بھی مزے سے بولا پھر شفا کی طرف دیکھا۔

"تم خیریت سے ہو؟"

"ہاں بالکل۔۔۔" شفا بھی مسکرائی، پھر دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ کوئی بات ہوتی تو کرتے۔ ایسا لگ رہا تھا دانستہ ہی ایک دوسرے سے گریزاں ہیں۔

ثمر پہلے تو خاموش رہی پھر دونوں کو باری باری دیکھا۔

"کوئی بات کرلیں یا خاموش ہی رہنا ہے؟"

"میں چلتا ہوں۔ ایک تو سمیر کو اندر آنے نہیں دیا، پھر میں بھی اس کے پاس نہ گیا تو غصے سے بھوت بن جائے گا۔" وہ جلدی سے کہتا باہر نکل گیا تھا۔

ثمر نے اس کے جاتے ہی شفا کو بری طرح گھورا۔

"آج ہی منہ میں گھونگھٹ ڈالنا ضروری تھی؟"

شفا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور ہال کی طرف چلی گئی۔ ثمر جیسے اس کی عقل پر افسوس کر کے رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شفا دانستہ ثمر سے بچتی محفل میں شامل ہو گئی۔ اسے ڈر تھا۔ وہ زبردستی تقی کے سامنے لے جاکر کھڑا کردے گی تب ہی ڈھولک لے کر بیٹھ گئی۔ لیکن ثمر بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے زبردستی سب کے بیچ میں سے اٹھا کر لے گئی۔

"ضروری کام ہے۔" شفا کے انکار کے جواب میں اس نے بس اتنا کہا اور اسے کھینچتی ہوئی لے گئی۔ ڈھولک کے ہنگامے میں کسی نے نوٹس بھی نہیں لیا۔

"کیا مصیبت ہے تمہیں؟" باہر آکر اس نے زبردستی ہاتھ چھڑوایا۔

"مجھے سمیر سے ملنا ہے۔" ثمر نے بے چارگی سے کہا تھا۔ شفا نے سر پیٹ لیا۔

"شادی والے روز رتی برابر روپ نہیں آئے گا۔ پھٹکار برسے گی۔ دیکھ لینا۔" خبردار کرنا چاہا لیکن ثمر ٹھان چکی تھی۔ مزے سے بولی۔

"اور اگر یہ دن گزر گیا ناں تو دوبارہ میری زندگی میں نہیں آئے گا۔"

وہ ناپروا سے گھر کی پچھلی طرف چل پڑی۔

"سمیر پچھلے گیٹ پر انتظار کر رہا ہے۔" وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔ شفا کو ناچار اس کی پیروی کرنا پڑی۔ دل ہی دل میں حیران بھی تھی کہ ثمر اتنا بڑا رسک کیسے لے رہی ہے۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر ہو جاتی تو بہت بے عزتی ہوتی۔

وہ دونوں باہر نکلیں تو دیکھا گیٹ کے بالکل سامنے انتظار ہو رہا تھا۔ تقی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ سمیر گاڑی کے بونٹ پر سوار تھا۔ ثمر کو دیکھ کر وہ چھلانگ لگا کر اترا۔ چہرے پر خوشی سی پھیل گئی تھی۔

"بڑی دیر لگا دی۔"

"بلایا کیوں ہے، یہ بتاؤ۔" ثمر نے کھنکتے لہجے میں کہا۔

"ضروری بات کرنا تھی۔" سمیر بہت ہی خوش تھا۔

"آپ لوگوں کو جو بھی بات کرنی ہے۔ ذرا جلدی کرلیں۔" شفا پر سخت گھبراہٹ سوار تھی۔ "اندر کسی کو پتا چلا کہ ہم باہر ہیں تو مصیبت ہو جائے گی۔" وہ بار بار مڑ کر گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم ہر بات کو چار سے ضرب دے کر بیان کرنا مت چھوڑنا۔" تقی نے جواب تک خاموش تھا، مداخلت کی، پھر سمیر سے بولا۔

"سمیر! تم لوگ آرام سے اپنا کام نبٹاؤ۔ یہاں کوئی مسئلہ ہوا تو میں سنبھال لوں گا۔" ساتھ ہی اس نے گاڑی کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ ثمر چہکتی ہوئی اندر بیٹھ گئی۔

سمیر نے ہاتھ اٹھا کر تقی کو سراہا۔ "شکریہ میرے دوست۔"

وہ گاڑی میں بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو گئی اور زن سے چلی گئی۔

ایک منٹ کی بات تھی۔ شفا ہکا بکا کھڑی شکل دیکھتی رہ گئی۔

"منہ بند کرلو ورنہ مکھی چلی جائے گی۔" تقی نے جتنی بے ساختگی سے کہا تھا۔ شفا نے اتنا ہی گھبرا کر منہ بند کیا جیسے سچ مچ مکھی چلی جائے گی۔ پھر جو اسے نہ دیکھنے کا عہد کر رکھا تھا۔ اس عہد کو توڑ کے تقی کو دیکھا۔

"ان لوگوں کو اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا۔ ابھی ثمر کو اٹھن لگتا ہے ان کی واپسی سے پہلے کسی نے ثمر کو بلوایا تو ہم کیا جواب دیں گے۔" وہ سچ مچ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

"ذرا ذرا سی باتوں پر گھبرانا چھوڑ دو شفا! بڑی ہو چکی ہو تم۔" ایک چھوٹے سے پتھر کو ٹھوکر سے اڑاتے ہوئے تقی نے مزے سے کہا۔

"اور تم ہر بات کو معمولی لینا چھوڑ دو۔" شفا نے چڑ کر کہا۔

"یہ معمولی بات ہی ہے۔" تقی نے زور دے کر کہا۔ "دو روز بعد ان دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ اگر

ساتھ چلے بھی گئے تو کون سی قیامت آجائے گی۔ ویسے بھی انہوں نے ایک رنگ ہی خریدنی ہے۔ زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں واپس آجائیں گے۔"

بتا کر تقی آگے جانے لگا پھر مڑ کر اسے دیکھا۔

"آؤ۔"

"کہاں؟" وہ حیران ہوئی۔

"ایسے بدھوؤں کی طرح میں یہاں نہیں کھڑا رہ سکتا۔ تھوڑی واک کرلیتے ہیں۔"

شفا نے مڑ کر گھر کی طرف دیکھا۔ تذبذب میں کھڑی رہی پھر جیسے ہر بات پس پشت ڈال کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

"وہ سامنے ایک دکان ہے۔ تمہیں آئس کریم کھلاتا ہوں۔" وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا۔

"گھر میں سب کیسے ہیں۔؟ امی اور سیمین کو بھی لے آتے۔"

"ٹھیک ہیں۔ وہ دونوں مہندی اٹینڈ کریں گی۔ آج تو میرا بھی آنے کا ارادہ نہیں تھا۔ سمیر زبردستی لے آیا۔"

"مہک کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" اس نے سرسری سا جواب دیا۔

فریزر دکان کے باہر ہی رکھا تھا۔ وہ کھول کر اندر جھانکنے لگا۔

"کون سی کھاؤ گی۔" شفا نے بھی اندر جھانکا اور اپنی پسند کی آئس کریم نکال لی۔ تقی اندر جا کر پیسے دے آیا۔

واپس آیا تو دونوں دوبارہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے گھر کی طرف چل پڑے۔

"تم نے میرا ڈراما دیکھا؟" تقی نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

شفا نے زور سے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں تو حیران رہ گئی۔ بہت اچھا پرفارم کیا تم نے۔"

تقی خوش ہو گیا جیسے اسے سند مل گئی ہو۔ "صرف تم ہی نہیں کریٹکس بھی حیران رہ گئے۔ مجھے بہت ایپری سی ایشن ملی ہے۔" وہ جوش سے بتانے لگا۔

"ابا نے کیا کہا؟"

"وہ بھی بہت خوش تھے۔ کہنے لگے 'شفا نے بتایا تھا تم اچھی ایکٹنگ کرتے ہو۔ اتنی اچھی کرتے ہو یہ نہیں بتایا تھا۔'" اس نے ہنس کر بتایا۔ ساتھ ہی شفا کے ہاتھ سے آئس کریم لے کر ایک بائٹ لی۔ شفا اس حرکت پر خفیف سی ہوئی لیکن کچھ کہنے سے پہلے ہی تقی آئس کریم اس کے ہاتھ میں دے چکا تھا۔ تکلفاً" خاموش ہی رہی۔

"تمہیں یاد ہے ہم نے پہلے بھی ایک بار ایسے سیلیبریٹ کیا تھا۔ جب میرا پہلا ٹل بورڈ لگا تھا۔" تقی کو اچانک یاد آیا۔

شفا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ شرارت سے بولی۔ "تم سڑک پر کتنا ناچ رہے تھے۔ بالکل پاگل لگ رہے تھے۔"

اس بات پر تقی نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ "میرا پہلا ڈراما آن ایئر ہوا تب بھی میرا دل چاہ رہا تھا کہ ویسے ہی سیلیبریٹ کروں۔"

"پھر۔؟"

"پھر کیا۔ تم تو تھیں نہیں کون میرے ساتھ آدھی رات کو سڑک پر جاتا۔" اس نے ایسے کہا جیسے شفا کی عقل پر شک گزرا ہو۔

شفا کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا۔

"مہک کو بلا لیتے نا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

تقی نے سر جھٹکا۔ "مہک خود بڑی آدمی ہے بھئی اس کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ بیٹھ کر ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیاں مناتی پھرے۔" عام سے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے شفا کے ہاتھ سے دوبارہ آئس کریم لینا چاہی۔ شفا جو اس کی بات پر ابھی پوری طرح حیران بھی نہیں ہو پائی تھی۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"اتنے بڑے آدمی تو تم بھی ہو گئے ہو کہ دو آئس کریم خرید سکو۔" یہ کھلا طعنہ تھا لیکن تقی بالکل بھی بدمزا نہیں ہوا۔

"تمہاری آئس کریم شیئر کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ تمہارے جانے کے بعد تو میں نے آئس کریم

کھانا ہی چھوڑ دی تھی۔"

وہ آئس کریم کھاتا آگے نکل گیا۔ شفا وہیں کھڑی رہ گئی۔ اور وہ ایسا ہی تھا بڑی بڑی باتیں اتنے آرام سے کہہ جاتا کہ بس۔

☼ ☼ ☼

"میرا خیال ہے۔ تقی بھائی اور شفا نے کافی باتیں کرلی ہوں گی۔ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔" ثمر نے بڑا سا گول گپا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

سمیر اسے قریبی مارکیٹ لے آیا تھا۔ ثمر کی فرمائش پر اسے گول گپے لے کر دیے۔

"ان دونوں نے باتیں کی ہوں گی یا نہیں۔ میں تو جی بھر کے دیدار کرلوں۔" سمیر نے بازو باندھتے ہوئے اور بند گاڑی سے کندھا لگا کر کھڑے ہوتے ہوئے بڑے محبت بھرے انداز میں ثمر کو دیکھا تھا۔ وہ پیلے رنگ کے سوٹ میں سلیقے سے ڈھنگے پن سے سر پر دوپٹا اوڑھے مزے سے گول گپے کھانے میں مصروف تھی۔ ان کی گاڑی ٹھیلے سے تھوڑی دور کھڑی تھی اور گول گپوں کی ٹرے گاڑی کی چھت پر رکھی ہوئی تھی۔

"واہ۔ ایسے بات کرتے ہوئے اتنے لوفر لگتے ہو ناں کہ کیا بتاؤں۔" ثمر نے بڑے آرام سے اس کے رومانٹک موڈ پر پانی پھیر دیا۔

"اسی لوفر کے ساتھ آپ نے ساری زندگی گزارنی ہے میڈم!" اس نے بھی چڑ کر کہا تھا۔

"دھمکی دے رہے ہو؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں لیکن اس کی آنکھوں سے زیادہ سمیر پھیل گیا۔

"نہیں۔ التجا کر رہا ہوں۔ پیار بھری۔ محبت بھری التجا۔" اور اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

ایک تو دیکھ ایسے رہا تھا پھر اتنا قریب بھی آگیا تھا۔ ثمر جتنی مرضی پھنے خان بن لیتی، تھی تو لڑکی۔ اور لڑکیوں کے دل کو ذرا جلدی ڈانواں ڈول ہو جانے کی عادت ہوتی ہے۔ خصوصاً" اس مرد کے معاملے میں جو دل سے پہلے ہی قریب ہو اور اتفاق سے ایک دو روز میں زندگی کا ساتھی بھی بن جانے والا ہو۔

اس نے زور سے گلا کھنکھار کر اس طلسم کو ختم کرنے کی کوشش کی جو سمیر کی محبت لٹاتی نظروں سے پھیل رہا تھا۔

"دور ہو کے کھڑے ہو اور زیادہ مجنوں کے جانشین بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" اپنی گھبراہٹ پر بڑی مشکل سے قابو پا رہی تھی۔

سمیر نے اسے غصے سے گھورا اور گن کر چار قدم دور ہٹ گیا۔

"یہ لو ہو گیا دور۔ اور مار دیا میں نے اپنے اندر کے مجنوں کو۔ اب شادی کے روز بھی کوئی رومانٹک بات کرلی تو میرا نام بدل دینا۔"

اس بات پر ثمر کو بڑے زور سے ہنسی آگئی۔

"اتنی بری لگ رہی ہو ایسے ہنستی ہوئی کہ بس۔" اس نے دانت کچکچائے ثمر اور زور سے ہنس دی۔

"اچھا چلو موڈ ٹھیک کرو۔" پھر موضوع بدل کر بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے سمیر! شفا اور تقی بھائی کا پیچ اپ ہو جائے گا؟"

"ان دونوں میں کوئی جھگڑا تو ہے نہیں کہ پیچ اپ کا سوال اٹھے۔" سمیر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"بس ان دونوں کو یہ احساس ہو جانا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے کتنے ضروری ہیں۔ یہ جو ابھی ہنگامی ملاقات کروائی ہے، اس کے پیچھے بھی میرا یہی مقصد تھا۔ میں چاہتا ہوں وہ دونوں کچھ وقت ساتھ گزاریں تاکہ انہیں ایک دوسرے کی قدر آئے۔ پتا چلے، الگ ہونے کا فیصلہ کر کے وہ کس قدر حماقت کر رہے ہیں۔"

ثمر کی آنکھیں حیرانی اور صدمے سے کھل گئیں۔

"یعنی تم مجھ سے ملنا نہیں چاہ رہے تھے۔ ان دونوں کی ملاقات کے لیے تم مجھے یہاں لائے ہو۔"

"اور نہیں تو کیا۔" اس نے مزے سے کہا۔

"اور میں سمجھی۔ شادی سے پہلے ایک آخری بار تم

مجھ سے ملنا چاہ رہے ہو' اسی لیے ان دونوں کی ملاقات کا بھی کہہ دیا۔" اچھا خاصا صدمہ پہنچا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال تھا تم سے ملنے کے لیے مرا جا رہا ہوں۔" خوب دل جلانے والے انداز میں کہا تھا۔ ثمر منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سمیر کن اکھیوں سے اسے دیکھتا اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ حساب برابر ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا؟"

"نہیں۔" شفا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "پرائیوٹ ایگزام دوں گی۔ سوچا سال ضائع ہونے سے بچا لوں۔"

"ایک بات ماننی پڑے گی۔" تقی نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "کبھی کبھی سوچتی ہو لیکن اچھا سوچ لیتی ہو۔" شرارت سی شرارت۔

شفا نے اسے کڑی نظروں سے گھورا۔

"تمہیں پتا ہے تقی! تم بہت منہ پھٹ انسان ہو۔" اس نے ہر لفظ چبا کر ادا کیا تھا۔ "تمہیں کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ تمہاری بک بک سن کر کسی کے دل پر کیا اثر ہو گا۔ تم صرف اپنی کہتے ہو۔ اپنی سنتے ہو۔"

اپنی طرف سے اس نے تقی کی بہت بے عزتی کر دی تھی لیکن وہ تقی ہی کیا جو شرمندہ ہو لے۔ ذرا سا جھک کر کورنش بجا لایا۔ اس ڈھٹائی پر شفا کا خون کھول اٹھا۔

"میں جا رہی ہوں اندر۔ کسی نے ثمر کے بارے میں کچھ پوچھا تو باہر بھیج دوں گی۔ پھر خود ہی سنبھالتے رہنا۔" وہ جتنی تیزی سے اندر جانے لگی تھی۔ تقی نے اتنی ہی سرعت اور بے ساختگی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔

شفا لڑکھڑا کر سنبھلی۔ تقی نے اسے روکنے کے لیے ہاتھ پکڑا تھا لیکن دو قدم کے فاصلے نے یہ کیا کہ وہ دونوں ارد گرد بھول گئے۔

اب وہ دونوں تھے اور ساحل کی ریت کی طرح بہتی چمک دار پُراسرار رات۔

اماوس کی رات جیسی گہری سیاہ آنکھیں اور ان پر اٹھتی جھکتی پلکیں۔

تقی کے دل نے چاہا ان پلکوں کے سائے تلے زندگی گزار دے۔

اور شفا کے دل نے دعا کی قیامت آ جائے یا زمین پھٹے اور وہ دونوں اس میں سما جائیں لیکن خوشی کے اس ایک لمحے سے آگے زندگی نہ ہو۔

گاڑی کا ہارن بجا تو فسوں ختم ہو گیا۔ ان دونوں نے ہی سٹپٹا کر ہاتھ چھوڑ دیے تھے۔

شفا نے پھر مڑ کر نہیں دیکھا' ایسے بھاگی جیسے چور چوری کر کے پکڑے جانے کے ڈر سے بھاگتا ہے۔

تقی وہیں رہ گیا بالکل تنہا لیکن شاکڈ۔

☼ ☼ ☼

سمیر اور ثمر واپس آئے تو تقی گیٹ کے ساتھ بنے بینچ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

وہ دونوں پریشان ہو کر اس کے پاس آئے۔

"تقی!" سمیر نے اس کا کندھا ہلایا تو تقی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ جیسے کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا۔ اچانک جیسے گہری نیند سے جاگا۔

"بڑی جلدی آ گئے تم لوگ۔ میرا خیال تھا ابھی اور وقت لگے گا۔" وہ بول ضرور رہا تھا لیکن یہ اس کا انداز نہیں تھا۔

سانحہ گزر جائے یا محبت کے ادراک کا ایک لمحہ۔ سہنے والے کی حالت ایک سی ہو جاتی ہے۔

"شفا کہاں ہے تقی بھائی؟"

تقی نے جواب نہیں دیا۔ گردن سے گھر کی طرف اشارہ کر دیا۔

"اف۔ اندر چلی گئی۔" ثمر ہراساں ہو کر اندر دوڑی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے تقی!" سمیر نے پوچھا۔ اس کا چہرہ بتا تا تھا۔ کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے گھر چھوڑ دو

گے؟" اس نے سر اٹھا کر سمیر کو دیکھا۔

سمیر کے دل میں کئی سوال سر اٹھا رہے تھے لیکن وہ جانتا تھا۔ تقی ابھی کسی سوال کا جواب نہیں دے پائے گا' سو خاموشی سے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن اس کے لیے بھی خاموش رہنا مشکل تھا' اس پر یہ کہ تقی کی مستقل خاموشی قابل توجہ ہو یا نہیں' اس کے سنجیدہ تاثرات ضرور دل میں خدشات ابھارتے تھے۔ اتنا تو شاید وہ ساری زندگی میں سنجیدہ اور دکھی نہیں ہوا ہو گا جتنا اس وقت نظر آ رہا تھا۔

"تقی! تجھے ہوا کیا ہے؟" وہ خود کو پوچھنے سے روک نہیں سکا۔

"کچھ نہیں۔"

"بھابھی سے جھگڑا ہوا ہے کیا؟" ذرا محتاط ہو کر پوچھا۔

"کاش! جھگڑا ہی ہو گیا ہوتا۔" آہستگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں یار!" تنگ آ کر بولا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔"

ناچار سمیر نے گاڑی چوتھے گیر میں ڈال دی۔

☼ ☼ ☼

دروازہ بند کر کے اس نے خود پر ضبط نہیں کیا۔ جتنے آنسو تھے بہہ جانے دیے۔ دل میں آوارہ ہوا کی طرح سر پٹختی سسکیوں کو باہر آنے کا رستہ مل گیا تھا۔ وہ خوب جی بھر کر روئی۔

"کیوں... آخر کیوں؟" اس نے دل سے خوب جھگڑا کیا۔

"جب پتا تھا وہ میرا مقدر نہیں بن سکتا۔ جب پتا تھا وہ کسی اور کا ہے تو اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی مجھے دغا دینے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ خوب سسک سسک کر روئی۔

"شفا! دروازہ کھولو پلیز۔" ثمر دروازہ بجاتی مسلسل بول رہی تھی۔

شفا جب دیر تک رو چکی تو سر اٹھا کر آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ چہرہ بتا تا تھا دل پر قیامت گزری ہے۔

پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا' نفاست سے لگا کاجل آنکھوں کے گرد پھیل چکا تھا۔

اس نے جھک کر زور زور سے پانی کے چھپاکے چہرے پر مارے۔ پھر ہمت مجتمع کرتی' اسی طرح گیلے چہرے کے ساتھ باہر آ گئی۔

ثمر نے دروازہ کھلتا دیکھ کر سکون کا سانس لیا تھا لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی دھک سے رہ گئی۔

"شفا!"

"مجھے گھر جانا ہے۔ پلیز کسی سے کہو' مجھے گھر چھوڑ آئے۔" اس نے بوجھل آواز کے ساتھ لیکن دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

"اتنی جلدی کیسے جا سکتی ہو... ابھی تو رسم ہونا باقی ہے۔" ثمر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"اس شکل کے ساتھ۔ تمہیں لگتا ہے میں رسم میں بیٹھ پاؤں گی۔ اور اگر تم چاہتی تھیں میں پورا فنکشن اٹینڈ کروں تو مجھے تقی کے ساتھ اکیلا چھوڑ کر کیوں گئی تھیں۔" اپنے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے جارحانہ لہجے میں کہا تھا۔

ثمر کے دل پر کھٹ سے کچھ لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شفا سمجھ جائے گی کہ وہ اور سمیر اسے اور تقی کو جان بوجھ کر تنہا چھوڑ گئے ہیں۔

"مجھے لگا۔ تم لوگوں کو کچھ وقت ملنا چاہیے۔ بات کرنا چاہیے آپس میں۔" اسے شفا کی حالت دیکھ کر سخت پچھتاوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں' مجھے وقت نہیں چاہیے۔ بات کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں اس کے بغیر زندگی مشکل ہو جائے گی۔" وہ بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھی اور سر جھکا کر ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ثمر جلدی سے اس کے پاس آ گئی۔

"آئی ایم سوری شفا! میں تمہیں ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔"

ثمر نے ایک ہاتھ اس کے کندھوں کے گرد پھیلا کر

اسے اپنے ساتھ لگالیا تھا۔ وہ شفا کی خوشیاں واپس لانا چاہتی تھی۔ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس طرح بیٹھ کر روئے۔

"لیکن تمہیں یہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں پتا ہے میں نے تقی کا گھر اتنی جلدی کیوں چھوڑ دیا تھا؟ کیونکہ مجھے اسی وقت پتا چل چکا تھا کہ اب میرا دل ضد کرے گا۔ اس لیے میں وہاں سے جلدی نکل آئی کہ ہر گزرتا دن میرے دل میں تقی کا نقش گہرا کر رہا تھا۔ میں خود سے ڈر گئی تھی۔ شفا۔"

"تو تم یہ سب تقی کو بتاتی کیوں نہیں ہو؟" ثمر نے جیسے اسے اکسایا تھا۔

شفا کے چہرے پر اداس مسکراہٹ آگئی۔ "محبت مانگ کر نہیں لی جاتی ویسے بھی میں خائن نہیں کہلانا چاہتی۔"

"تو پھر کیا ساری زندگی اسی طرح اس محبت کا ماتم کرتی رہوگی؟" اب ثمر کو غصہ آگیا تھا۔

شفا نے سامنے دیکھا۔ چند لمحے سوچا لیکن دماغ کسی جواب پر آمادہ تھا نہ دل، سو ایک بار پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"پتا نہیں۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ میرا اور تقی کا راستہ کبھی ایک نہیں ہو سکتا۔ کسی سے کہو مجھے گھر چھوڑ دے۔" وہ حتمی انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ثمر چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

عالیہ کمرے میں آئیں تو دیکھا، کھانے کی ٹرے جوں کی توں پڑی تھی۔ کھانے کو ہاتھ لگانا تو دور کی بات، اس نے پانی کے گلاس سے ایک گھونٹ تک نہیں بھرا تھا۔

انہوں نے گہری سانس بھرتے ہوئے دکھ سے ساہر کو دیکھا۔ وہ کمرے میں نیم تاریکی پھیلائے بیڈ پر چت لیٹی ہوئی تھی۔ کھڑکی کھلی تھی اور کھڑکی کے راستے آنے والی روشنی سیدھی بیڈ پر پڑ کر اس کے وجود کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ عادل اس کے پاس گہری نیند سو رہا تھا۔ ساہر اتنی گہری سوچ میں تھی کہ اس نے عالیہ کی آمد کا بھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ عالیہ کے دکھ میں اضافہ ہوا۔

یہ آج کی بات نہیں تھی۔ وہ جس دن سے آئی تھی، عالیہ اس کا یہی حال دیکھ رہی تھیں۔

جہاں بیٹھتی وہیں گھنٹوں گزار دیتی۔ کوئی بلا لیتا تو بات کر لیتی ورنہ اتنی لمبی چپ سادھتی کہ گونگے پن کا گمان ہوتا۔ بہت اصرار پر چند نوالے کھا لیے تو کھا لیے ورنہ کوئی پروا نہیں۔

"ساہر!" عالیہ نے وہیں کھڑے کھڑے اسے پکارا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پاس آگئیں۔

"کھانا تو کھالو بیٹا!"

"بھوک نہیں ہے امی!" اس نے چھت سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا۔

"کھانا تو زندہ رہنے کے لیے کھانا پڑتا ہے میری جان! کھانے سے کیسی ناراضی۔" انہوں نے پاس بیٹھ کر پیار سے اس کے بال سہلائے تھے۔

"میں تو خود سے خفا ہوں۔"

"میں تمہارے لیے دودھ لے کر آتی ہوں۔" عالیہ کے پاس اس کی بات کا جواب تو تھا نہیں۔ اٹھنے لگیں تو اس نے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"رہنے دیں۔ مجھ سے پیا نہیں جائے گا۔"

"ایسا کب تک چلے گا ساہر! یہ تو سراسر اپنے ساتھ دشمنی ہے۔" وہ پھر اسے سمجھانے بیٹھ گئیں۔

"دشمنی ہی تو کی ہے میں نے اپنے ساتھ۔ اپنے بچوں کے ساتھ۔" اس کا لہجہ اور آواز دھیمی تھی۔ "عمیر میرے بغیر تین گھنٹے نہیں گزار پاتے تھے۔ اب تین مہینے گزر گئے۔"

"میں کہتی تھی ناں ساہر! نقصان تمہارا ہی ہوگا۔ پرانی باتیں بھول جاؤ۔ جو کر رہی ہو غلط ہے۔"

"مجھے وہ سب یاد کروائیں امی! میری ساری کوتاہیاں کھول کھول کر میرے سامنے رکھیں۔ میں چاہتی ہوں میں اتنا پچھتاؤں کہ خود کشی کر لوں۔" وہ بے حس ہو کر بول رہی تھی لیکن حلق میں آنسو اٹکنے

لگے تھے۔

"اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کر رہی ہو۔" عالیہ نے دہل کر کہا پھر اس کی ٹوٹی بکھری حالت دیکھی تو پیار سے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

"اتنا پچھتاوا ہے تو معافی کیوں نہیں مانگ لیتیں۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا ساہر! ایک بار عمیر سے بات تو کر کے دیکھو۔"

"عمیر تب تک معاف نہیں کریں گے جب تک شفا نہیں کرے گی اور شفا کیوں کرے گی۔ میں نے کتنا برا کیا اس کے ساتھ۔"

"کر دے گی۔ شفا اچھی لڑکی ہے۔"

"اچھی لڑکی تو میں بھی تھی امی! لیکن انتقام نے مجھے اندھا کر دیا۔"

"تم بات تو کرو شفا سے۔"

"بات کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ جب شفا نے معافی مانگی تو میں نے بھی معاف کر دیا تھا لیکن دل میں عناد رکھا تھا۔ شفا نے بھی معاف کر کے دل میں عناد رکھا تو میں کیا کروں گی۔" عالیہ اب سمجھیں۔ اس کے پاس صرف پچھتاوا نہیں تھا اس کے پاس خدشات بھی تھے اور ان خدشات کا دور ہونا ذرا مشکل تھا۔

وہ تھک ہار کر اس کے پاس سے اٹھ گئیں۔ ٹرے اٹھا کر کمرے سے باہر جاتے ہوئے انہوں نے مڑ کر دیکھا وہ اسی طرح بے سدھ لیٹی بے آواز رو رہی تھی۔

ان کا دل دکھ سے بھر گیا لیکن وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ خود کو اس حال تک اس نے خود پہنچایا تھا۔

باہر نکل کر آہستہ سے دروازہ بند کر دیا وہ جانتی تھیں، آج کی رات ساہر کے لیے ہر روز سے زیادہ بھاری ثابت ہونے والی ہے۔

آج اس کی شادی کی سالگرہ تھی۔

☆ ☆ ☆
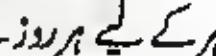
اور صرف ساہر کے لیے ہی یہ رات بھاری نہیں تھی کوئی اور بھی تھا جس کے لیے یہ رات عذاب سے کم نہیں تھی۔

عمیر نے البم نکال لیے تھے۔ شادی کی تصویروں میں ساہر کا چمکتا دمکتا روپ۔ ہر تصویر کے ساتھ اس سے وابستہ یادیں انہیں تنگ کرنے لگیں۔

"دیکھیں عمیر! مجھ پر یہ گرین کلر کیسا لگتا ہے؟"

"میرا دل چاہتا ہے میں آپ کے لیے اتنا تیار رہوں کہ خود آپ ہی تنگ پڑ جائیں۔"

"کھانا کھاتے ہوئے آپ پہلا نوالہ میری پلیٹ سے کھایا کریں اس سے محبت بڑھتی ہے۔"

اس کا بننا سنورنا، اس کا کھلکھلانا، شرارتیں کرنا۔ ایک ایک کر کے عمیر کو اس کے ساتھ گزارا ایک ایک دن یاد آتا چلا گیا۔ اور صرف وہ ہی ان کی دیوانی تھوڑی تھی۔ خود عمیر نے بھی محبت لٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن وہ ان کی محبت سمجھی ہی نہیں۔ سمجھ سکتی ہی نہیں تھی۔

"مجھ سے ایسے ہی محبت کرتے رہیے گا عمیر! جس دن آپ کی محبت میں کمی آئی۔ یاد رکھیے گا میں مر جاؤں گی۔" ان کے کانوں میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔

"مار تو تم نے مجھے دیا ہے۔" وہ اس کے خیال سے مخاطب ہوئے۔

"میں نے تم سے محبت تو کبھی کی ہی نہیں تھی۔ میں نے تو عشق کیا تھا اور اس عشق کے بدلے میں تم نے مجھے مار دیا۔ بہت برا کیا ساہر! بہت برا کیا۔"

تاریک کمرے میں بیٹھے یادوں میں گھرے عمیر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

تقی کے دل و دماغ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی لیکن کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ اسے اپنے سر میں آگ جلتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ شاور کھول کر دیر تک اس کے نیچے کھڑا رہا۔

عمیر بخار میں پھنک رہے تھے۔ شفا نے سہارا دے کر انہیں کمرے میں پہنچایا، واپس آکر ان کی فائلز سمیٹنے لگی تو ہاتھ میں ساہر اور بچوں کے البمز آگئے۔ اضطراب بڑھ گیا۔ غلطی اس کی نہیں تھی، لیکن

پچھتاوے اس کے گرد بھی پھنکارنے لگے۔
اس نے الیمز کو جوں کا توں رکھ دیا تاکہ عمیر کو خبر نہ ہوسکے۔
اس کی آنکھیں رو' رو کر پہلے ہی بھاری ہو رہی تھیں۔ اب ان بھاری آنکھوں میں پھر سے نمی تیرنے لگی۔
وہ رات کسی ایک کے لیے نہیں' ان چاروں کے لیے بھاری تھی اور وہ چار افراد' چار مختلف مقامات پر اس ایک غم کا شکار تھے' جس کا نام "محبت" ہے۔

☼ ☼ ☼

ثمر فون پر پوری شدومد سے شفا کو کوس رہی تھی۔
"کیا میرے ہی ہر فنکشن پر تمہارا لیٹ پہنچنا ضروری ہے' تھوڑا جلدی گھر سے نہیں نکل سکتی تھیں۔"
"گھر سے تو جلدی ہی نکلی تھی۔ اب مجھے کیا پتا تھا۔ راستے میں اتنا برا ٹریفک جام ہوگا۔" شفا نے ونڈ شیلڈ سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ آگے پیچھے دائیں بائیں ٹریفک ہی ٹریفک تھا۔
"لیکن خیر تم فکر نہ کرو۔ دولہا والوں سے تو پہلے ہی پہنچ جاؤں گی۔"
"دیر سے پہنچ کر تو دکھاؤ۔ میرج ہال میں گھسنے بھی نہیں دوں گی۔" ثمر نے دھمکی دے کر فون بند کر دیا۔ شفا نے ہنستے ہوئے فون اپنے پرس میں رکھا۔ پھر عمیر کو دیکھا۔ بخار اتر چکا تھا' لیکن کمزوری کا اثر چہرے پر نظر آتا تھا۔
"آپ کو دوبارہ بخار ہو رہا ہے؟"
"بخار تو نہیں ہو رہا' لیکن یہ ٹریفک جام ختم ہو جائے تو سکون ہو۔" عمیر نے بے زاری سے کہا۔
شفا نے کوئی جواب نہیں دیا' پھر اسے کچھ خیال آیا تو محتاط انداز میں گردن موڑ کر پہلے عمیر کو دیکھا' پھر پیچھے بیٹھی ہدیہ کی طرف مڑ گئی۔
"ہدیہ! تھک تو نہیں گئی ہو؟" پیار سے پوچھا۔ ہدیہ نے منہ بنا کر اور بازو پھیلا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔
"بس تھوڑی دیر میں ہم ہال میں پہنچ جائیں گے۔" اس نے پچکار کر کہا۔ "آپ کو پتا ہے ہدیہ! فنکشن سے فارغ ہو کر ہم آپ کی ماما کو لینے نانی کے گھر جائیں گے۔" اس نے بڑے سرپرائز دینے والے انداز میں کہا تھا۔
"سچی پھپھو!" ہدیہ تو حیران ہوئی سو ہوئی' عمیر بھی ہونق ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔ شفا کھل کر مسکرائی۔
"بالکل۔ آپ مس کرتی ہو نا ماما کو؟" پوچھا ہدیہ سے' دیکھا عمیر کو۔
عمیر نے سامنے دیکھتے ہوئے خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا۔
"بہت زیادہ۔ مجھے ماما بہت یاد آتی ہیں۔" ہدیہ نے معصومیت سے کہا تھا۔
"تو بس ٹھیک ہے۔ جب یاد آتی ہیں تو لے آتے ہیں ماما کو۔ ان سے کہیں گے' ہدیہ کو دوبارہ چھوڑ کر کبھی نہ جائیں۔ ایک بات یاد رکھنا ہدیہ! ہم جن سے محبت کرتے ہیں ان کی غلطیاں معاف کر دینی چاہئیں' تاکہ انہیں اپنی غلطیاں سدھارنے کا ایک موقع ضرور ملے۔ ایسی محبت بھی کس کام کی جو دوسرا موقع بھی نہ دے۔" ہدیہ ہونق بنی منہ کھول کر اس کی بات سن رہی تھی۔
"تم زیادہ دادی اماں بن کر ہدیہ کو کچھ مت سمجھاؤ۔ اسے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عمیر نے سامنے دیکھتے ہوئے سختی سے کہا تھا۔
"ہدیہ کو نہ سہی۔ کسی اور کو تو ضرورت ہے۔"
عمیر نے مزید سختی سے کہا تھا۔
"جتنی بڑی غلطی تھی' اس کے مقابلے میں یہ سزا تو کچھ بھی نہیں ہے۔"
"آپ سزا دے کس کو رہے ہیں۔ خود کو۔ ان کو۔ یا اپنے بچوں کو۔" وہ بھی سنجیدہ ہوئی۔
عمیر نے جواب دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ شفا نے ٹوک دیا۔
"سنیں عمیر بھائی۔! اگر آپ یہ سب میری وجہ

سے کر رہے ہیں تو میں بتا دوں' میرے دل میں ان کے لیے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں ہے۔"
ہدیہ کی موجودگی کی وجہ سے وہ ساہر کا نام لینے سے گریز کر رہی تھی۔
"میں انہیں ان کے لیے معاف نہیں کر رہی۔ میں نے آپ کی محبت میں انہیں معاف کیا۔ ہدیہ اور عادل کے لیے انہیں معاف کیا اور جب میں نے معاف کر دیا تو آپ کس لیے سزا دینے پر تلے بیٹھے ہیں؟ اور ویسے بھی سزا دینے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ سزا سنا کر سائیڈ پر ہو گئے۔ آپ دونوں کے درمیان ایک کنکشن ہے' جس کا نام محبت ہے اور محبت سنوارنے کا نام ہے بگاڑنے کا نہیں۔ یا تو مان لیں آپ ان سے محبت نہیں کرتے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر انہیں یاد نہیں کرتے۔"
عمیر نے راتوں کو جاگنے والی بات پر کھسیانا سا ہو کر اسے دیکھا تھا۔
شفا کے چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ آگئی۔
"امید ہے ہدیہ کو بات سمجھ میں آگئی ہوگی۔" اس نے جتا کر کہا اور مڑ کر ہدیہ کو دیکھا۔
"ٹھیک ہے نا ہدیہ! فنکشن کے بعد ہم ماما کو لینے جائیں گے۔" ہدیہ نے خوش ہو کر زور زور سے سر ہلا دیا۔
شفا نے عمیر کو دیکھا اور ان کے کندھے پر ٹھونگ بجا کر بولی۔
"میں کیا پوچھ رہی ہوں ہدیہ! ٹھیک ہے نا؟" وہ شرارت کر رہی تھی۔ عمیر نے ایک بار نظرانداز کیا لیکن شفا مستقل ایسے ہی کیے جا رہی تھی۔ انہیں ہنسی آگئی۔
"ہاں بھئی۔ ٹھیک ہے۔" انہوں نے ہنستے ہوئے زور دے کر کہا تھا اور وہ تینوں ہنسنے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

یہ ٹریفک جام ایک بڑی سیاسی جماعت کے ہنگامی دھرنے کا نتیجہ تھا اور چونکہ تقی اینڈ فیملی کو بھی اسی میرج ہال میں پہنچنا تھا سو وہ بھی وہیں قریب ہی بے بس کھڑے تھے۔
"جی! آپ ابھی فارغ ہی ہیں۔ میں نمبر ملا دیتا ہوں' مہک کی ماما سے بات کریں۔" تقی نے اسٹیئرنگ وہیل چھوڑ کر آرام دہ پوزیشن میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
"کیا بات کروں؟" وہ حیران ہوئیں۔
"انہیں بتائیں کہ ہم لوگ شادی کی تاریخ طے کرنا چاہ رہے ہیں۔"
"اتنی جلدی کس بات کی ہے تقی؟" وہ اور زیادہ حیران ہو کر بولیں۔
"بات جلدی کی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جو کام کل کرنا ہے وہ آج ہی ہو جائے تو بہتر ہے۔"
وہ بہت سنجیدگی سے بولتا نمبر ملانے لگا تھا۔
امی اسے منع کرنا چاہتی تھیں' لیکن اس کی سنجیدگی دیکھ کر خاموش ہو رہیں' لیکن سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے تقی کے ہاتھ سے بڑی بددلی سے فون پکڑا تھا۔ منال مستقل بیبن کو تنگ کر رہی تھی۔ بیبن کی گود میں چند مہینے کا ہادی تھا۔ تقی اسے لے کر گاڑی سے باہر نکل گیا۔
"یہ ٹریفک تو پتا نہیں کب کھلے۔ میں اسے باہر لے کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔"
منال کو گاڑی کی چھت پر بٹھا کر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔
تب ہی اس کی نظر عمیر پر پڑ گئی۔ وہ سڑک کے مخالف سمت سے آ رہے تھے۔ تقی بے اختیار ہاتھ ہلا کر اسے متوجہ کر بیٹھا۔ عمیر نے بھی خوش دلی سے ہاتھ ہلا دیا اور سیدھا اسی کے پاس آگئے۔
"کیسے ہیں عمیر بھائی!"
"میں ٹھیک ہوں۔ السلام علیکم آنٹی!" عمیر کھڑکی میں جھک کر امی سے حال احوال معلوم کرنے لگے' پھر تقی سے بولے۔
"اس ہنگامے نے تو آج کمال ہی کر دیا۔"

"کوئی ایسا ویسا۔"

"اچھا ہاں... تم لوگ بھی تو ثمر کی مہندی میں انوائیٹڈ ہو گئے نا۔" عمیر کو جیسے اچانک یاد آیا تھا۔

"لیکن ہم لڑکے والوں کی طرف سے ہیں۔"

"عمیر بیٹا! تم اکیلے ہی ہو یہاں؟" امی فون بند کر چکی تھیں۔

"نہیں آنٹی! شفا اور ہدیہ بھی ساتھ ہیں... لیکن میری گاڑی آپ لوگوں سے کافی پیچھے ہے۔" عمیر نے کہا۔

"میں شفا سے تو مل لوں۔" امی یک دم جیسے پُرجوش ہو کر گاڑی سے اترنے لگی تھیں۔

"ہال میں مل لیجیے گا... اب اتنی ٹریفک میں آپ کہاں نکلیں گی۔" تقی نے اپنی جھنجلاہٹ چھپاتے ہوئے لیکن تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں... مجھے ابھی ملنا ہے۔" اس کی آنکھوں کے اشارے نظر انداز کرتے ہوئے امی نے بچوں کی سی ضد کے ساتھ کہا۔

"آپ رہیں آنٹی! میں شفا کو یہاں بلا لیتا ہوں... تقی ٹھیک کہہ رہا ہے، آپ کو ٹریفک میں دقت ہوگی۔"

ناچار تقی کو خاموش ہونا پڑا۔ اب عمیر کے سامنے کیا کہتا۔

"آپ ہر معاملے میں بچوں کی طرح ضد کیوں کرنے لگتی ہیں۔" عمیر کے جاتے ہی اس نے چڑ کر کہا۔

امی اس سے زیادہ چڑ کر بولیں۔

"بس بس... جب میری بات نہیں مانی تو اب میرے معاملات میں بھی دخل مت دو۔" انہوں نے ڈپٹ ہی دیا تھا۔

تقی تقریباً پاؤں پٹخ کر دوسری طرف دیکھنے لگا، جیسے اسے اس معاملے سے واقعی کوئی سروکار نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

شفا بھی اس فرمائش پر تذبذب میں پڑ گئی۔

"وہ بڑی ہیں۔ ملنا چاہ رہی ہیں تو مجھے انکار کرنا مناسب نہیں لگا۔ جب تک ٹریفک نہیں کھل جاتا تم ان سے مل لو۔"

عمیر نے کہا تو وہ خود پر جبر کرتی اتر آئی۔ بائل گرین غرارے کے ساتھ میرون رنگ کی قمیص، باریک دوپٹے کو اسٹائل سے آگے پھیلا رکھا تھا۔ بالوں کو نئے اسٹائل میں کٹوا کر اچھے سے سیٹ کروا لیے تھے اور کانوں میں آج بھی بڑے بڑے جھمکے پہنے تھے۔ اگر پتا ہوتا ایسے ٹریفک سے گزرنا پڑے گا تو کبھی اس حلیے میں نہ آتی۔ مناسب تو عمیر کو بھی نہیں لگ رہا تھا لیکن بات اگر تقی کی امی کی نہ ہوتی تو کبھی وہ ایسا نہ کرتے۔

تقی نے اسے دور سے آتے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، برا بھی لگ رہا تھا کہ اتنے لوگ بھی اسے دیکھ رہے ہیں۔

"کیا ضرورت تھی اتنا تیار ہو کر آنے کی؟"

عمیر چونکہ ہدیہ کا ہاتھ پکڑ کر آ رہے تھے اس لیے کچھ قدم پیچھے ہی تھے شفا کے قریب آنے پر تقی نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

شفا جو بہت سنجیدہ رہنا چاہتی تھی۔ اس بات پر تقی سے بھی زیادہ ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے... میں جتنا مرضی تیار ہوں۔" تڑخ کر کہا۔

"اچھی تو نہیں لگ رہی ہو بالکل بیکری لگ رہی ہو۔" اس نے جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

"ہونہہ!" وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

تقی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور ٹھاہ کر کے دروازہ بند کیا۔ اسے بلاوجہ ہی غصہ آ رہا تھا۔ اس پر مستزاد اندر امی کا جذباتی ڈراما شروع ہو گیا تھا۔ تقی کا خون اور بھی کھولنے لگا، لیکن ایک بات طے ہے۔

سورج مغرب سے نکل سکتا ہے۔ دن چوبیس کے بجائے بارہ گھنٹوں کا ہو سکتا ہے اور وہ سب کچھ ہو سکتا ہے جس کا نہ ہونا آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو لیکن عورتوں کو جذباتی ہونے سے روکا نہیں جا سکتا۔

وہ بری طرح پیچ و تاب کھاتا گاڑی سے دور ہٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

تقی کو سمیر اور مہک کے مسلسل فون آ رہے تھے۔ دلہا والے ہال میں پہنچنے والے تھے جبکہ مہک اپنی گاڑی میں آئی تھی اور ہال میں پہنچ چکی تھی۔

شفا کا دماغ ثمر نے کھا رکھا تھا۔

لیکن یہ بھی شکر تھا انہیں مزید انتظار نہیں کرنا پڑا، بیس منٹ تک متبادل راستہ کھول دیا گیا۔ اس راستے سے تقی کی گاڑی قریب تھی سو یہاں بھی امی نے اس کے ضبط کو آزمایا اور تقی کی خدمات پیش کر دیں۔

"عمیر بیٹا! شفا ہمارے ساتھ ہی ہال میں پہنچ جائے گی... تم اپنی گاڑی لے کر آ جاؤ۔"

"امی! گاڑی میں جگہ کہاں ہے۔ دیکھیں سیمین بھابھی کو کتنی دقت ہو رہی ہے۔" تقی نے جلدی سے کہا۔

"نہیں مجھے کوئی دقت نہیں ہے۔ پیچھے لوگ ہی کتنے ہیں جو دقت ہو... شفا تو ویسے بھی آگے تمہارے ساتھ ہی بیٹھے گی۔" سیمین نے مزے سے کہا۔

"میں چلی جاتی ہوں امی! آپ لوگوں کو ویسے بھی مسئلہ ہوگا۔" شفا نے کہا۔ اسے تقی کے انداز غصہ دلا رہے تھے۔

"ارے چپکی بیٹھی رہو... ایک تو یہ کہ عمیر بھی چلا گیا ہے۔ دوسرے پھر اتنے لوگوں میں سے گزرو گی... کسی کی نظر اچھی کسی کی بری... میری بیٹی کو نظر ہی نہ لگ جائے۔"

"جی ہاں... اتنی اچھی لگ رہی ہے کہ چڑیلوں کا بیوٹی کانٹیسٹ ہو تو آپ کی اسی بیٹی کو پہلا انعام ملے گا۔" تقی نے غصے کے عالم میں گاڑی کا دروازہ بند کیا اور اسٹارٹ کر دی۔ شفا کو اس کی بات پر بری طرح تاؤ آیا تھا۔

بھئی پیار محبت والے جذبات اپنی جگہ، لیکن اسے اتنا حق نہیں تھا کہ اسے چڑیل ہی کہہ دے۔

"بات سنو... مجھے بھی اس کھٹارا میں بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ امی نے کہا ہے اس لیے بیٹھ رہی ہوں۔"

"مجھے بھی تمہیں بٹھانے کا کوئی شوق نہیں ہے، امی نے کہہ دیا ہے اسی لیے بٹھا رہا ہوں۔" اس نے احتیاط سے گاڑی نکالتے ہوئے حساب برابر کیا۔ "اور اب ذرا خاموش ہو کر بیٹھو... اتنا بولتی ہو، سر میں درد ہو گیا ہے میرے۔"

اس بات پر امی نے ایک زوردار دھمو کا اس کے کندھے پر جڑ دیا۔

شفا ہونہہ کہہ کر باہر دیکھنے لگی۔

سارا راستہ وہ دونوں اسی طرح لڑتے آئے تھے۔ پتا نہیں کس بات کا غصہ تھا، جو جواب پہ جواب دے کر بھی سینے میں ٹھنڈ نہیں پڑ رہی تھی۔ ہال کی پارکنگ میں جب سیمین اور شفا گاڑی سے اتر گئیں تو وہ امی کی طرف پلٹا۔

"آپ صحیح ابا کی جانشین ہیں۔ ہر کام اپنی مرضی سے کراتی ہیں۔ کیا ضرورت تھی شفا کو لفٹ دینے کی۔ خود ہی عمیر بھائی کے ساتھ آ جاتی۔"

"اسے بٹھا کر تمہاری گاڑی گھس گئی یا تمہیں کھینچ کر لانا پڑی ہے کہ تھک گئے۔" امی نے سلگ کر کہا۔

"سارا راستہ تم اس کے ساتھ جھگڑتے آئے ہو۔ کیا سوچتی ہوگی بے چاری... ایک ذرا سا راستہ ہی تو طے کرنا تھا اس پر بھی لے کر کئی باتیں سنا دیں۔"

"وہ جو مرضی سوچے... کم سے کم اسے ساتھ بٹھانے سے پہلے آپ کو تو سوچنا چاہیے تھا... پتا بھی تھا مہک بھی یہاں پہنچ چکی ہے... وہ شفا کو ہمارے ساتھ آتے دیکھے گی تو کیا سوچے گی۔"

"مہک... مہک... مہک..." امی نے بے زاری سے کہا پھر طنزیہ انداز میں بولیں۔ "جب دیکھو زبان پر اسی ایک نام کا کلمہ... بیٹے! تم صحیح زن مرید ثابت ہونے والے ہو... میرا خیال ہے شادی کے بعد تو کھانا بھی مہک کی اجازت سے ہی کھایا کرو گے۔"

امی نے بھگو کر جو تا مارا تھا۔ وہ کھسیانا سا ہو گیا۔ اب

انہیں کیسے سمجھاتا مہک اس کے اعصاب پر سوار نہیں ہوتی تھی' وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا تاکہ شفا کا رنگ ماند پڑ جائے۔

☼ ☼ ☼

مہک پارکنگ میں ہی اس کی منتظر تھی۔ تقی تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پاس آگیا۔ مہک گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔

"سوری۔۔۔ سوری۔۔۔ سوری۔۔۔ یار! ٹریفک اتنا تھا۔" وہ آتے ہی وضاحت دینے لگا۔

"یہ شفا تم لوگوں کے ساتھ کیوں آئی ہے؟؟"

جو ڈر تھا وہی ہوا۔ تقی سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ پھر اس نے ساری بات کہہ سنائی۔ اور کوئی حل جو نہیں تھا۔

"اور کوئی گاڑی نہیں تھی جس میں وہ آجاتی یا تمہاری گاڑی میں بیٹھنا ہی ضروری تھا؟؟"

"مہک! امی کی خواہش تھی تو میں منع نہیں کر سکا۔" تقی نے لاچاری سے کہا تھا۔

امی کا نام سن کر مہک خاموش ہو گئی لیکن اس کے تاثرات اس کے دل کا حال بیان کر رہے تھے۔

"تمہاری امی نے میری ماما کو فون کیوں کیا تھا؟؟"

تقی نے جو اس کے لیٹ پہنچنے پر اس کی ناراضی کا گراف کم کرنا چاہ رہا تھا' اس بات پر تعجب سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں بتا چکی تھی کہ میں ابھی شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔۔۔ پھر انہوں نے ماما سے شادی کی تاریخ کی بات کیوں کی؟؟" اس کا لہجہ تیز نہیں تھا' لیکن خفگی اور ناپسندیدگی نمایاں تھی۔

"تمہاری اس بارے میں بات تھی۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا تھا میں اپنے گھر والوں کو بھجوانا چاہ رہا ہوں۔"

"اور میں نے انکار بھی کر دیا تھا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"میں نے تمہیں پہلے بتا دیا تھا تقی! میری ترجیحات میں شادی کا ذکر سب سے آخر میں آتا ہے۔ ابھی پاپا کی فرم جوائن کی ہے۔ ایز اے فوٹو گرافر مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے۔ ایک لمبا راستہ ہے جو ابھی مجھے طے کرنا ہے اور صرف مجھے ہی کیوں؟! تم تو خود ابھی اسٹرگل کر رہے ہو۔ کتنا کچھ ہے جو ہم دونوں کو زندگی میں حاصل کرنا ہے اور ابھی سے شادی۔۔۔ ناٹ ایٹ آل۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی ایسا۔"

"کیریئر تو شادی کے بعد بھی بنایا جا سکتا ہے۔" تقی نے کہا۔

"ہاں بنایا جا سکتا ہے' لیکن پھر کنسنٹریٹ نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ کل کو تمہاری امی کہیں گی' جلد از جلد دو تین بچے بھی ہو جائیں پھر تم مجھے پریشرائز کرو گے کہ اب امی جان کو شوق ہو رہا ہے تو ہمیں ان کی خواہش پوری کرنی چاہیے۔ ساری مڈل کلاس امیوں کے یہی شوق ہوتے ہیں کہ پہلے بیٹے کی شادی ہو جائے پھر بچوں کا ڈھیر لگ جائے۔" اس کا انداز تھوڑا سا تمسخرانہ ہو رہا تھا۔

تقی کو برا لگا۔ ویسے بھی وہ کچھ عرصے سے نوٹ کر رہا تھا۔ اس کے گھر والوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے مہک بہت زیادہ مڈل کلاس' مڈل کلاس کا راگ الاپتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔" اس نے کہا۔ "میں امی کو منع کر دوں گا' وہ دوبارہ تمہاری ماما سے بات نہیں کریں گی۔"

"اچھی بات ہے۔" مہک نے بناوٹی سی خوش دلی کے ساتھ پورے دانتوں کی نمائش کروالی۔

"اندر چلیں؟"

تقی خاموشی سے اس کے ساتھ ہولیا۔

"مجھے لگ رہا تھا تم میری بات نہیں سمجھ پاؤ گے۔ تھینکس گاڈ! تم نے مجھے ڈس اپائنٹ نہیں کیا۔" وہ خوش ہو گئی تھی۔

"مجھے خوشی ہوتی اگر تم بھی میری بات سمجھ لیتیں۔" تقی مسکرا بھی نہیں رہا تھا۔

"تمہاری خوشی میرے لیے سب سے امپورٹنٹ

ہے لیکن تم میری طرف دیکھو۔۔۔ میں مہک ہوں مہک۔۔۔ شفا ٹائپ لڑکیوں جیسی نہیں ہوں جن کی زندگی کا واحد مقصد صرف شادی کرنا ہی ہوتا ہے۔"

وہ بولتی جا رہی تھی اور تقی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی آواز دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی ہو۔

☼ ☼ ☼

تقی کی وجہ سے مہک کو اسپیشل پروٹوکول ملا تھا پھر وہ خوب صورت بھی بہت تھی تو خود بخود مرکز نگاہ بن گئی' لیکن امی نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ انہیں تو ہر طرف شفا ہی نظر آرہی تھی اور یہی بات مہک کو کھولا رہی تھی۔

تقی کا مرکز نگاہ کون تھا۔ یہ تقی ہی جانتا تھا۔

لیکن یہ بھی اس کی خام خیالی تھی۔ تاڑنے والوں کی نگاہ قیامت کی ہوا کرتی ہے۔ تاڑنے والے ایک طرف' دوسری طرف مہک تھی جو شفا کو نظروں میں رکھے ہوئے تھی۔ جب بھی سامنا ہوا ایک طنزیہ اور "تقریباً" نفرت بھری نگاہ ہی اس پر ڈالی۔ آتے جاتے جب بھی موقع ملا کوئی جملہ ہی کسا۔

شفا نے تو خیر کیا رد عمل کرنا تھا۔ ثمر کی برداشت ختم ہونے لگی۔

"تم جو بہت اچھی بن کر تقی بھائی اور اس کا پیچ اپ کروانے کی کوششیں کرتی رہی ہو تو اب بھگت لو۔۔۔ کب سے بک بک کیے جا رہی ہے۔ تم اسے کوئی منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیتیں۔" چونکہ شفا دلہن کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس لیے سب کچھ ثمر کے سامنے ہی ہو رہا تھا۔

"یہ تھوڑی کھسکی ہوئی ہے۔۔۔ اب ایسے انسان کو منہ توڑ جواب دے کر اپنے ہی منہ کا ذائقہ کیا خراب کرنا۔" شفا نے اپنے دل کی کیفیت چھپا کر آرام سے کہا۔

"تم خاموش رہ کر جو اچھے پوائنٹس جمع کرنا چاہتی ہو نا۔۔۔ کر لو۔۔۔ اس کی طبیعت تو میں صاف کرتی ہوں۔"

"رہنے دو۔۔۔ بلاوجہ اپنا موڈ خراب مت کرو۔" شفا نے کہا۔ "چلو تمہیں رسم کے لیے بٹھاتے ہیں۔ تھوڑی سی تصویریں بنوا لو پھر سمیر بھائی کو بھی لے آئیں گے۔"

اس وقت تو ثمر خاموش رہی لیکن جب باقاعدہ رسم ہو رہی تھی۔ سب بزرگ رسم کر چکے تھے اور جوانوں کی ٹولی ہی آگے پیچھے تھی۔ سب کے ایک ساتھ اسٹیج پر آنے سے شفا اور تقی "اتفاقاً" ساتھ ساتھ آگئے۔

مہک نے ان دونوں کو ساتھ کھڑے دیکھا تو غصے سے کھول اٹھی۔ وہ محتاط ہو کر اسٹیج پر گئی اور "ارادتاً" شفا کو دھکا دے کر تقی سے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ شفا اسٹیج سے گرتے گرتے بچی۔

"اوہ۔۔۔ ایم رئیلی سوری۔" مہک نے ایسے کہا' جیسے یہ ایک حادثہ ہو' لیکن وہاں موجود ہر بندہ حتیٰ کہ تقی بھی جانتا تھا کہ اس نے یہ "ارادتاً" کیا ہے۔ ثمر کا تو خون ہی کھول اٹھا تھا۔ اگر وہ دلہن بنی نہ بیٹھی ہوتی تو سچ مچ مہک کی طبیعت صاف کر دیتی۔

رسم کے بعد کھانا شروع ہوا تو سب لڑکیوں کو ایک ہی جگہ اکٹھے بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ وہ سب ایک دائرے کی صورت دلہن کے لیے بنائے گئے کمرے میں بیٹھ گئی تھیں۔ کھانا بھی انہیں وہیں پیش کر دیا گیا تھا۔ مہک لڑکیوں میں "راجہ اندر" بنی بیٹھی تھی۔ ممکن ہے وہ سادگی سے بات کر رہی ہو' لیکن چونکہ پہلی ملاقات میں ہی ثمر اسے ناپسند کر چکی تھی۔ لہٰذا اس کی ہر بات بناوٹ ہی لگ رہی تھی۔

وہ مہک کی ہر بات پر منہ کے زاویے بگاڑ بگاڑ کر شفا کو دیکھتی۔ اب شفا اس معاملے میں کیا کر سکتی تھی تھک ہار کر اس نے ثمر کی طرف سے رخ ہی پھیر لیا۔

"میں نے آج تک ایسے فنکشنز کے بارے میں بس سنا ہی تھا' لیکن یہاں آکر احساس ہوا ہے شادی کی فنکشنز تو مڈل کلاس لوگ بھی دھوم دھام سے ارینج کرتے ہیں۔"

مہک کو احساس تک نہیں تھا یہ کہہ کر اس نے وہاں موجود ہر لڑکی کو ہی اپنے خلاف کر لیا تھا۔

"جس کی جتنی حیثیت' وہ اتنا پیسہ لگالیتا ہے۔" ایک کزن نے کہا۔ "کیوں؟ کیا آپ کے یہاں دھوم دھام سے شادیاں نہیں ہوتیں؟"

"دھوم دھام۔" مہک ہنسی۔ "بھئی ہمارے یہاں تو بہت گرینڈ فنکشنز ارینج کیے جاتے ہیں۔ پانی کی طرح پیسہ لگتا ہے۔ ہر فنکشن کا الگ الگ ڈریس کوڈ اور تھیم ہوتی ہے۔ باقاعدہ ایونٹ مینیجر ہائر کیے جاتے ہیں۔"

ثمر نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ ایک نظر شفا پر ڈالی اور پھر صحیح معنوں میں کمر کس کے میدان میں اتری۔

"یہ تو سراسر اصراف ہے۔ میں تو شادی کے فنکشن پر اتنا پیسہ لگانے کے خلاف ہوں۔"

"ایسی بات ہے تو اپنی شادی پر اتنا پیسہ کیوں لگوا رہی ہو؟" مہک نے ایک ابرو اٹھا کر دیکھا۔

"میں نے تو امی بابا کو منع کیا تھا لیکن ان دونوں کی ہی خواہش تھی کہ اکلوتی بیٹی کی شادی خوب دھوم دھڑکے کے ساتھ ہو۔ اسی لیے میں چپ ہو گئی۔ ورنہ... ہونا تو یہ چاہیے کہ پورا اسلامی طریقہ فالو کیا جائے۔ مسجد میں نکاح اور بس رخصتی۔ اگلے روز سارے قریبی رشتہ داروں کو جمع کرکے کھانا کھلا دیا۔ اسی کو ولیمہ کہتے ہیں اور یہی درست اسلامی طریقہ ہے۔ ڈھولکی' ریسپشن۔ یہ سب ماڈرن دور کی اختراع ہیں۔ بس یہ ہے کہ پیسے والوں کو اپنا پیسہ خرچ کرنے کا بہانہ مل جاتا ہے اور بے چارے غریب کی جان مصیبت میں آجاتی ہے۔" ثمر نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

"تھوڑا بولو ثمر! کسی بزرگ کے کان میں آواز پڑ گئی تو شامت آجائے گی کہ دلہن کتنا بول رہی ہے۔" اس کے ارادوں سے بے خبر شفا نے اسے خبردار کرنا مناسب سمجھا۔

"ارے ہاں شفا! مجھے یاد آیا تمہاری اور تقی بھائی کی شادی بھی تو بہت سادگی سے ہوئی تھی۔ ولیمہ تو ابھی باقی ہے نا؟"

ثمر نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے عین اس وقت کہا جب سب ہی اس کی بات دھیان لگا کر سن رہی تھیں۔

جہاں شفا دھک سے رہ گئی' وہیں مہک کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ جب کہ باقی ٹولی میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

"شفا... تقی کی وائف ہیں... تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟" سب کے اپنے اپنے سوال تھے۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا ثمر! ان دونوں کی شادی سادگی سے ہوئی تھی۔" اچانک مہک نے مسکرا کر کہا تھا۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو نا جیسے ان دونوں کی شادی ہوئی۔ ایسی شادیاں سادگی سے ہی ہوتی ہیں۔ چھپ کر کیے گئے نکاح پر دھوم دھڑکے کون کرتا ہے۔" مہک نے رکھ کر تھپڑ مارا تھا۔ شفا کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

ثمر کو غصے سے لال پیلا ہوتا دیکھ کر شفا نے آنکھوں آنکھوں میں اسے چپ رہنے کی التجا کی تھی۔

"کیا مطلب... ؟ کیسے ہوا تھا ان دونوں کا نکاح۔" سننے والوں کو کھد بد لگ گئی تھی۔

"ثمر! اپنی کزنز کو یہ بھی تم بتاؤ گی یا میں ہی بتا دوں؟" مہک نے کمینگی کی حد کردی تھی۔

"مہک! اس سے آگے ایک لفظ مت کہنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر کہا تھا۔

"کیوں بھئی... ؟ جب ان سب کو یہ بتایا جاسکتا ہے کہ تقی جیسے مشہور آدمی کی بیوی شفا ہے تو انہیں یہ بھی پتا ہونا چاہیے۔ شفا صاحبہ کا ماضی کتنا روشن ہے۔" پھر اس نے سب کی طرف دیکھا۔

"اپنے ہی گھر میں شفا کسی لڑکے کے ساتھ پکڑی گئی تھی اس کے بھائی نے اپنی عزت بچانے کے لیے تقی سے ریکویسٹ کی کہ وہ شفا سے نکاح کرلے۔ بس ہو گئی دونوں کی شادی... شفا! آئی گیس... وہ لڑکا تمہارا بوائے فرینڈ تھا... ہے نا؟"

وہ اتنا معصوم بن کر پوچھ رہی تھی کہ ثمر کا دل چاہا اس کا سر ہی پھاڑ دے۔ شفا جواب کیا دیتی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہو گئے تھے۔ ذلت' ذلت' ذلت... آخر اسے کتنی ذلت سہنا تھی۔

تقی اور مہک کی بھلائی سوچ کر بھی وہ بری ہی رہی۔

"بکواس مت کرو... تم اچھی طرح جانتی ہو وہ سب ایک غلط فہمی تھی اور کچھ نہیں اور تم بھول گئی ہو' شفا ہی نے تمہارے اور تقی بھائی کے درمیان کی مس انڈر اسٹینڈنگ دور کی ہے... تمہیں ان کی زندگی میں واپس لے کر آئی ہے ورنہ..." ثمر نے کہا۔

"سو واٹ" مہک نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

"شفا کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی وہ یہی کرتی... جب پتا ہو غلطی اپنی ہے تو کوئی بھی انسان اپنی غلطی سدھارنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے تم بھی اپنی غلطی سدھارنے کی ایک کوشش کرو۔ جیسے آئی تھیں' ویسے ہی واپس چلی جاؤ... ورنہ میں دھکے مار کر یہاں سے نکلوا دوں گی۔"

"میرا بھی اس گھٹیا سی گیدرنگ میں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے... وہ تو تقی کا اصرار تھا تو میں آگئی... ورنہ ایسے فنکشنز تو ہمارے ملازم بھی ارینج کرلیتے ہیں اور ہم وہاں جانا بھی پسند نہیں کرتے۔" مہک نے نخوت سے کہا۔ اور ایک نفرت بھری نظر شفا پر ڈالی اور ایک ادا سے پلٹ کر چلی گئی۔

"ہونہہ... تقی کا اصرار تھا... بیٹا! تمہارے کس بل تو میں نکلواتی ہوں۔ اگلی بار کسی کے اصرار پر بھی کہیں جانے کا نام نہیں لو گی۔" ثمر نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ شفا کہیں نہیں تھی۔ ثمر کو ایک دم پریشانی نے گھیر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ثمر کو یہ فیصلہ کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔

اس نے سمیر کو فون کرکے اسے وہیں بلوا لیا تھا اور تقی کو ساتھ لانے کے لیے کہا تھا۔ ان دونوں کے آتے ہی ثمر نے ہر ایک بات تقی کے گوش گزار کردی تھی۔ تقی اس کی باتیں سن کر سکتے میں ہی آگیا تھا۔ ثمر نے اسے بھی خوب کھری کھری سنائی تھیں۔

"شفا اس وقت کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتا کہاں ہے... جتنا میں اسے جانتی ہوں' مجھے یقین ہے کسی کونے میں چھپ کر رو رہی ہوگی... وہ ساری زندگی آپ سے محبت کرتی رہے گی' مگر ساری زندگی منہ سے اعتراف نہیں کرے گی... پتا نہیں احسان مندی کا یہ کون سا انداز ہے۔"

"محبت... ؟" تقی نے ثمر کو دیکھا۔

"محبت نہیں تو اور کیا ہے... آپ کو اس لڑکی سے ملوانا چاہتی تھی جو آپ کی محبت ہے... شفا نے تو آپ کو یہ بھی پتا چلنے نہیں دیا کہ مہک کو اسی نے آپ سے رابطہ کرنے کے لیے منایا تھا۔ اس کی یہی اچھائی ہمیشہ اس کے گلے پڑ جاتی ہے... دوسروں کی بھلائی سوچتے سوچتے وہ اپنے لیے سوچ ہی نہیں پاتی۔" ثمر نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

تقی چپ چاپ کھڑا جیسے سوچ کے گہرے گرداب میں تھا۔ تب ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے دیکھا مہک کال کررہی تھی۔ تقی نے کال کاٹ دی۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تقی!" سمیر نے کہا۔ "اس ٹوٹتے ہوئے رشتے کو بچالو۔ ایسا نہ ہو پھر ساری زندگی پچھتانا پڑے... زندگی میں محبت دوبارہ مل سکتی ہے روح اور دل کا سکون دوبارہ نہیں ملے گا... زندگی کا سکون شفا بھابھی کی ہمراہی میں ہے اور پلیز اب یہ بھی مت کہنا کہ تمہیں شفا بھابھی سے محبت نہیں ہے۔ تمہاری شکل پر لکھی ہوئی ہے محبت۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

تقی نے موبائل فون سے سر اٹھا کر اسے دیکھا اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ معا اس نے سیل فون سمیر کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے پلٹنے لگا۔

"تو صحیح کہہ رہا ہے سمیر...! دل کا سکون... روح کا سکون... محبت... ہے... مجھے..." وہ مڑ کر مخالف سمت میں تیز تیز قدم اٹھانے لگا کہ بھاگنے کا گمان ہوتا تھا۔

مہک کی کال مستقل آرہی تھی۔

سمیر نے پیچھے سے آواز لگائی۔ "باجی مہک کو کیا جواب دوں۔"

"اس سے کہو... بھاڑ میں جائے۔" تقی نے گردن موڑ کر چہک کر کہا اور پھر چند قدم آگے جا کر واپس آیا۔

"تم کیوں کہو... یہ نیک کام میں خود ہی کر لیتا ہوں۔" وہ جوش سے بولتا واپس پلٹ گیا تھا۔

جبکہ سمیر اور ثمر کے چہرے پر خوشی اور اطمینان پھیل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مہک!"

مہک نے آواز پر مڑ کر دیکھا۔ تقی دوڑا چلا آرہا تھا۔ وہ رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

"تمہارا فون کہاں ہے... میں کب سے کال کر رہی ہوں۔" قریب آنے پر اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"جو بات تم نے کرنی تھی، وہ پھر کبھی کر لیں گے۔" تقی نے کہا۔ "ابھی تم میرے ساتھ چلو اور شفا سے معافی مانگو۔" مہک کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"کیا کہا... ؟ میں معافی مانگوں... ؟" وہ جیسے سُن رہ گئی تھی۔

"اس لڑکی کی اوقات کیا ہے، جس سے معافی منگوا رہے ہو؟"

"اس کی اوقات یہ ہے کہ وہ تقی لودھی کی بیوی ہے۔" تقی نے غرا کر کہا تھا۔

"میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا تھا مہک! سب کچھ بتا دیا تھا... یہ بھی کہ شفا کس طرح کی لڑکی تھی اور یہ بھی کہ ہمارا نکاح کس سچویشن میں ہوا... اس کے باوجود تم نے شفا پر کیچڑ اچھالا... شرم آرہی ہے مجھے یہ سوچ کر کہ تم میری پسند ہو۔"

اس نے محبت کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

"اور مجھے اس وقت پر افسوس ہو رہا ہے جب میں نے تم سے کانٹیکٹ کیا تھا۔" مہک نے بھی کسی لگی لپٹی کے بغیر کہا۔

"خواہ مخواہ میں شفا کی باتوں میں آگئی... مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا جب اس وقت تم دونوں ایک دوسرے کی سائیڈ لینے سے باز نہیں آرہے تو بعد میں کیا کرو گے... میرا تم جیسے ڈبل فیسڈ انسان سے شادی کرنے کا فیصلہ ہی غلط تھا۔"

تقی اس بات پر خاموش رہا۔ بول ہی نہیں سکا۔ اس کا مطلب واقعی شفا نے اسے تقی کے لیے قائل کیا تھا۔

"لیکن اب میں فیصلہ کر چکی ہوں... شادی تو دور کی بات، تمہاری شکل بھی دوبارہ نہیں دیکھوں گی۔ تم جیسا کنزرویٹیو انسان مجھ جیسی لائف پارٹنر ڈزروہی نہیں کرتا... تمہیں تو شفا ہی سوٹ کرتی ہے... شکل سے ہی بے چاری لگنے والی مڈل کلاس لڑکی جس کی ساری زندگی کچن میں کھانے پکانے اور کپڑے گھستے گزر جاتی ہے۔ وہ بالکل تمہاری ای جیسی بنے گی... جیسے ان کی زندگی بچے پالتے گزر گئی، شفا کی بھی گزر جائے۔ ہوپ لیس اینڈ پور وائف۔" اس کے انداز میں بے پناہ نخوت تھی۔

تقی نے اسے نظر بھر کر دیکھا، یہ چہرہ اس کی محبت کا چہرہ تھا، جو اس وقت اسے دنیا کا سب سے برا چہرہ لگ رہا تھا۔

"تمہیں کیا پتا مہک! یہ شکل سے ہی بے چاری لگنے والی، کھانے پکانے والی اور کپڑے گھسنے والی مڈل کلاس لڑکی سے محبت کا نشہ کیسا ہوتا ہے... تم جیسی امیر زادیاں تو کبھی اس لیول تک پہنچ ہی نہیں سکتیں۔"

"ضرورت بھی نہیں ہے۔" مہک نے ایک بار پھر نخوت کا مظاہرہ کیا تھا۔

"امید ہے دوبارہ ملاقات نہیں ہوگی۔" تقی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ مہک نے غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا اور زن سے گاڑی نکال لے گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تقی اسے ڈھونڈتا ہوا پارکنگ میں آیا تھا اور توقع

کے عین مطابق وہ اپنی گاڑی میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی تقی نے سکون کا سانس لیا، پھر قریب آکر کھڑکی کے شیشے پر دستک دی۔

شفا نے گردن موڑ کر دیکھا، تقی کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ دروازہ کھولنے کے لیے بے ساختہ ہاتھ بھی بڑھایا، لیکن پھر فوراً" رک گئی۔ وہ تذبذب کا شکار تھی۔

تقی سمجھا نہیں۔ وہ کیوں رکی ہے۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے وجہ پوچھی، لیکن شفا کو ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر دوبارہ دستک دے ڈالی۔ اس بار شفا نے دروازہ کھولنے کے بجائے تھوڑا سا شیشہ کھول دیا تھا۔

"میں تمہیں پورے ہال میں ڈھونڈ آیا ہوں... یہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہو؟" اس نے ایسے پوچھا جیسے کچھ جانتا نہ ہو۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" شفا نے نظریں چراتے ہوئے کہا وہ رو نہیں رہی تھی، لیکن چہرہ بتاتا تھا بہت دیر تک روتی رہی ہے۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو کیا اکیلے بیٹھ کر ٹھیک ہو جائے گی؟" وہ حجت کرنے لگا۔

"میں کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتی ہوں... تم یہاں سے جاؤ تقی!" اس نے الجھن بھرے لہجے میں کہہ کر شیشہ بند کرنا چاہا لیکن اس سے بھی پہلے تقی نے ہاتھ ڈال کر لاک کھول لیا تھا۔

"تقی پلیز!!!" اس نے زور دے کر کہا لیکن حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنس رہا تھا، آنکھوں میں نمی سمٹنے لگی تھی۔ جب اس سے خود پر کنٹرول نہیں ہوا تو ذرا سا رخ ہی بدل لیا، لیکن آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔

تقی نے دروازہ کھول کر اس کا ہاتھ آہستگی سے پکڑ کر خفیف سا جھٹکا دیا۔ وہ اسے باہر بلانا چاہتا تھا۔

اس کے اصرار پر شفا نے پاؤں باہر نکالے، لیکن نکلی نہیں۔ سر جھکا کر شدت سے رونا شروع کر دیا تھا۔

تقی اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں بے حد نرمی سے شفا کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ بس نرمی اور پیار سے اس کا ہاتھ سہلاتا رہا تھا۔

جی بھر کر رونے کے بعد شفا نے سر اٹھا کر شرمندگی سے اسے دیکھا۔ اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی لیکن تقی کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"اگر میں سوری بول دوں تو معاف کر دو گی؟" شفا کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"تمہاری تو کوئی غلطی نہیں ہے۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے گال پونچھتے ہوئے کہا تھا۔ "یہ سب تو میری قسمت کا قصور ہے۔"

"قصور... تمہیں پتا ہی نہیں کتنی اچھی قسمت ہے تمہاری... مجھ جیسا بندہ تم سے محبت کرنے لگا ہے۔ اس سے زیادہ اچھی قسمت کیا ملے گی تمہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ شفا نے بے ساختہ جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں شرارت سے زیادہ سچائی کی چمک سے جگر جگر کر رہی تھیں۔

شفا کا دل چاہا۔ اس کی بات پر ایمان لے آئے لیکن... اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا۔

"تم مذاق کر رہے ہو؟"

"مذاق تو پہلے کر رہا تھا... وہ بھی اپنے ساتھ... یہ نہ مان کر کہ جو تمہارے لیے محسوس کرتا ہوں وہ محبت ہے۔" سمجھ نہیں پا رہی تھی کس طرح کا رد عمل دکھائے۔

"مجھ سے کیسے محبت کر سکتے ہو... تمہیں تو مہک سے محبت تھی۔"

"تھی... ہے نہیں۔" اس نے ان تین لفظوں پر زور دے کر معاملہ سمیٹا پھر مزے سے بولا۔

"اب تو معاف کر دو... اب تو میں نے اعتراف بھی کر لیا ہے۔"

"کس لیے معاف کروں... ؟ تمہاری تو کوئی غلطی نہیں ہے۔"

"تھوڑی سی تو ہے... نکاح کے بولوں کے ساتھ

بیوی کی ذمہ داری فرض ہو جاتی ہے۔۔۔ میں نے نکاح کرلیا' لیکن سچ بات ہے تمہاری ذمہ داری شوہر کی طرح اٹھا نہیں پایا۔۔۔ پہلی بار ہی مہک کو تمہاری طرف انگلی اٹھانے سے روک دیتا تو آج اس کی دوبارہ ہمت نہ ہوتی' لیکن اس وقت میں اپنی ذمہ داری سمجھ ہی نہیں سکا۔۔۔ مجھے اس کا افسوس ساری زندگی رہے گا' لیکن اس افسوس کا اثر ہماری زندگی پر نہیں پڑے گا۔۔۔ تم دیکھنا! ہم بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔۔۔ تم ہر روز مزے مزے کے کھانے پکایا کرنا۔۔۔ میں کھایا کروں گا۔۔۔" وہ ایسے بول رہا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہ ہو۔ شفا البتہ تذبذب کا شکار تھی۔

"تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو نا۔۔۔"

"بنے بنائے پر تو میں محنت نہیں کرتا۔" اس نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔ شفا نے اسے خفگی سے دیکھا تو ہنس دیا۔

"اب تو مان جاؤ۔۔۔ یا کان پکڑ کر اٹھک بیٹھک لگاؤں۔"

"اور۔۔۔ مہک؟" شفا نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"مہک۔" تقی نے ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔

"میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔ بہت دن سے ہمت جمع کر رہا تھا کہ اسے یہ بات بتا دوں' لیکن بتا نہیں پا رہا تھا۔ پھر یہ بھی خیال آتا تھا زبان سے پھرنا مردوں کی شان نہیں ہوتی' لیکن شکر ہے آج اس نے خود ہی کہہ دیا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتی' کیونکہ میں اسے مڈل کلاس پرانے خیالات کا انسان لگتا ہوں۔۔۔ میں نے کہا' نہیں کرتی تو نہ سہی۔۔۔ میرے پاس میری شفا ہے' وہی مجھے کھانے بنا بنا کر کھلایا کرے گی۔"

"مہک نے تمہیں انکار کر دیا؟" شفا کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے۔۔۔ میں نے اس سے کہا تھا۔ تم سے معافی مانگے تو اس نے آگے سے یہ کہہ دیا۔" تقی کے انداز سے یہ بہت عام سی بات لگ رہی تھی۔

"اس کا مطلب مہک نے تمہیں انکار کیا تو تم میرے پاس آگئے۔۔۔ وہ انکار نہ کرتی تو تم کبھی نہ آتے۔" شفا نے ناراضی سے کہا۔

"نہیں۔۔۔ تمہارے پاس تو میں پھر بھی آہی جاتا۔ ایکچوئلی تمہاری قدر مجھے تمہارے جانے کے بعد آئی تھی۔۔۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ تم چلی گئی ہو' لیکن اب میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گا اب ایسی بیوی کو کون چھوڑے' جو اتنا اچھا کھانا پکاتی ہو۔"

اس نے بہت شرارت سے' بہت پیار سے' بہت محبت اور لاڈ سے اس کا ہاتھ دبایا تھا' لیکن شفا خفا ہی رہی۔

"یہ بات تم نے کوئی چوتھی دفعہ کہی ہے۔۔۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے میرے اندر اچھا کھانا بنانے کے سوا کوئی کوالٹی ہی نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں یار! تم خود کو انڈر ایسٹیمیٹ نہ کرو۔۔۔ اچھی باورچن کے ساتھ ساتھ۔۔۔ تم بہت اچھی دھوبن' بہت اچھی جمعدارنی اور بہت ہی اچھی سپروائزر بھی ہو۔۔۔ مجھے اب تک یاد ہے' مجھ سے کیسے صفائی کروائی تھی تم نے۔" ناک چڑھا کر کہا۔ شفا نے ڈیش بورڈ پر پڑا ٹشو پیپر کا ڈبا اٹھا کر اسے کھینچ مارا۔ تقی نے اسے ہنستے ہوئے کیچ کیا تھا۔ پھر شفا کی طرف دیکھا۔ وہ بے ساختہ زور سے ہنس دی تھی۔

تقی نے اسے ایسے ہنستے دیکھا تو سرشار ہی ہو گیا۔ زندگی میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی ہنسی ہمارے دلوں کو سیراب کر دیتی ہے۔

تقی کا دل بھی سیراب ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سمیر اور ثمر نے عین وقت پر دھاوا بولا۔

"اگر لیلیٰ مجنوں کا سین مکمل ہو گیا ہو تو کیا ہم آجائیں۔۔۔" سمیر مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

"تو نہ سدھرنا سمیر! جتنی بری تیری شکل ہے' اتنے ہی غلط وقت پر اینٹری دیتا ہے۔" تقی نے جل کر کہا۔

"ایسے تو نہ کہیں تقی بھائی۔۔۔! شکل تو بہت اچھی ہے۔" ثمر نے فوراً حمایت کی۔ اس بات پر تقی اور سمیر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"بڑا وکیل ڈھونڈا ہے۔" تقی نے سمیر کو چڑایا' لیکن وہ کالر جھاڑ کر بولا۔

"اپنی اپنی قسمت کی بات ہے۔"

"خیر وکیل تو ہمارا بھی بڑا قابل ہے۔" تقی نے سینے پر بازو باندھ کر گاڑی سے کمر لگاتے ہوئے شرارت سے شفا کو دیکھا تھا۔

وہ خاموش رہی لیکن بڑی پیاری مسکراہٹ تھی اس کے چہرے پر۔

تقی نے بڑی لگن سے اسے دیکھا۔ سمیر نے شرارت سے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلا دیا۔

"چلو بس کرو۔ ہم تم دونوں کو یہی یاد کروانے آئے تھے کہ آج ہماری مہندی ہے۔۔۔ یہاں تم لوگوں نے الگ ہی اپنی فلم چلائی ہوئی ہے۔"

"چلو بھائی! پہلے تمہاری مہندی لگوالیں۔۔۔ ہمارا کام تو بعد میں بھی ہو جائے گا۔"

تقی نے سمیر کے کندھے پر بازو پھیلا لیا۔

ثمر نے خوشی سے شفا کو گلے لگایا' پھر جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر ان دونوں کے پیچھے چل پڑی۔

ہنستے کھلکھلاتے وہ چاروں آگے پیچھے چل رہے تھے۔ آسمان پر پوری تاریخوں کا چاند اتنا روشن آج سے پہلے کبھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

آسمان پر چاند بہت اداس لگ رہا تھا۔

ساحر لان میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی' پھر اس نے پاؤں بھی کرسی پر رکھ لیے۔ دل بہت خالی خالی سا ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر گزری تو ڈور بیل بجنے لگی' لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی بیٹھی رہی ڈور بیل مسلسل بج رہی تھی۔ ساحر کو الجھن ہونے لگی۔ نہ جانے کیوں اندر سے کوئی آکر دروازہ کھول ہی نہیں رہا تھا۔ ناچار اسے ہی اٹھنا پڑا۔

بے زاری بہت تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گیٹ تک آئی۔

گیٹ کھولا تو سامنے عمیر کھڑے تھے۔ وہ دنگ رہ گئی۔

"آ۔۔۔ آپ۔۔۔"

"چلو۔۔۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" وہ سنجیدہ لگ رہے تھے' لیکن انداز میں نرمی تھی۔

"عمیر! میں۔۔۔" اس کے الفاظ گم ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو برسنے لگے۔ عمیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھ دیے۔

"تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔۔۔ جلدی خود بھی تیار ہو جاؤ اور عادل کو بھی تیار کر دو۔۔۔ ہمیں ثمر کی مہندی میں پہنچنا ہے۔"

"ہیں۔۔۔!" وہ ہونقوں کی طرح ان کی شکل دیکھنے لگی۔

عمیر بہت خوب صورتی سے مسکرا دیے۔ اور اس کی آنکھوں کے عین سامنے اپنی کلائی لا کر بولے۔

"صرف پندرہ منٹ۔۔۔ میں باہر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔"

وہ واپس مڑ گئے تھے۔ وہ انہیں روک کر کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ معافی مانگنا چاہتی تھی' لیکن عمیر کسی اور ہی موڈ میں تھے۔ وہ جلدی سے اندر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

جس وقت وہ دونوں ہال میں پہنچے اسٹیج پر فوٹو شوٹ ہو رہا تھا۔

دولہا دلہن کے ساتھ تائی امی' بہن' جری' رضی' ابا' تقی اور شفا تصویریں بنوا رہے تھے۔

شفا نے انہیں دیکھتے ہی وہیں اسٹیج سے ہاتھ ہلا دیا تھا۔

"آؤ۔" عمیر نے کہا تو وہ جھجکتے ہوئے ان کے ساتھ آگے آگئی۔

"بھابھی!" شفا والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گئی تھی۔ "کتنی دیر لگا دی آنے میں۔ ہم کب سے آپ کا

انتظار کر رہے ہیں۔۔۔"

ساحر کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونے لگی تھیں۔ عمیر اسے راستے میں بتا چکے تھے۔ انہیں یہاں شفا نے بھیجا ہے۔ اتنی محبت۔۔۔ ایسا احترام۔۔۔ وہ اس سب کے قابل تو نہیں تھی اور پتا نہیں اللہ نے کس مٹی سے شفا کا دل بنایا تھا' جو معاف کرنے کی اتنی صلاحیت رکھتا تھا۔

"شفا۔۔۔! مجھے معاف کر دو۔" اس نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ شرمساری سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑنا چاہے' شفا نے فوراً" اس کے ہاتھ کھول دیے۔

"جو ہونا تھا ہو چکا۔۔۔ اب اس برے وقت کو یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ خوشی کے اس موقع پر روئیں نہیں۔۔۔ جائیں۔۔۔ ابا بھی ہیں امی ہیں۔۔۔ سب سے ملیں۔"

"جب تک تم معاف نہیں کرو گی۔۔۔"

"میں نے معاف کیا بھابھی! میرے دل میں آپ کے لیے کوئی گلہ نہیں ہے۔" اس نے پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ ساحر کو دوبارہ گلے لگا لیا تھا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا نا بھابھی! ایک وقت آتا ہے۔ نندیں چلی ہی جاتی ہیں۔۔۔ میں بھی عنقریب اپنے گھر چلی جاؤں گی' پھر آپ کو ہی عمیر بھائی اور ان کے گھر پر راج کرنا ہے۔۔۔ وہ وقت آگیا ہے۔"

اس نے کہا اور بصد اصرار اسے اسٹیج کی طرف دھکیلا۔

ساحر جھجکتے ہوئے گئی تھی۔ شفا وہیں کھڑی اسے سب سے ملتا دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ چند منٹ بعد تقی بھی اس کے پاس آگیا۔

"بڑا مسکرایا جا رہا ہے۔۔۔" شفا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ کہا کچھ نہیں۔ اسی طرح مسکراتی رہی پھر کچھ خیال آنے پر بولی۔

"ایک بات مانو گے تقی۔۔۔! جو ہونا تھا ہو چکا۔۔۔ تم بھی اپنا دل ساحر بھابھی کی طرف سے صاف کر لو۔"

"تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔۔۔ کیونکہ ایک مرتبہ کسی کو میں نے کہتے سنا تھا کہ "جب کوئی معافی مانگ رہا ہو تو بنا اس بات پر دھیان دیے کہ اس کے دل میں سچ مچ کی شرمندگی ہے یا نہیں' اسے معاف کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اس وقت اللہ گیند ہمارے کورٹ میں ڈال دیتا ہے کہ ہماری مرضی ہم اس گیند کو کس طرح کھیلیں۔ تو کیا ہمارے لیے بہتر نہیں کہ ہم گیند کو اللہ کی مرضی کے مطابق کھیلتے ہوئے اس بندے کو معاف کر دیں' جو اپنی غلطی پر شرمندگی ظاہر کر رہا ہے کیونکہ معاف کر دینا اللہ کے نزدیک بڑا احسن عمل ہے اور دلوں کا حال بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے۔۔۔ ویسے بھی جو انسان دوسروں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو۔ اسے یہ امید بھی ترک کر دینا چاہیے کہ اللہ اس کی بڑی غلطیوں کو معاف کرے گا۔۔۔ ہم چاہتے ہیں کہ اللہ ہماری بڑی بڑی کوتاہیوں کو معاف کر دے اور خود دوسرے انسانوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیاں بھی نظر انداز نہیں کر پاتے۔۔۔ یہ تو بڑا دوغلا طرز عمل ہے بھئی۔"

اس نے شرارت سے من و عن وہی سب دہرا دیا' جو شفا سے سن چکا تھا۔

"اچھا جی۔" شفا نے شرارت سے اسے دیکھا' پھر وہ دونوں ہی زور سے ہنس دیے تھے۔

فوزیہ احسان

"تم ارسلان کے پاس کیوں کھڑی تھیں۔" وہ کڑے تیوروں سے آنکھیں سکوڑ کر پوچھ رہا تھا۔

"کب؟" مائرہ نے الٹا اسی سے پوچھ ڈالا۔

"کیمسٹری کے پیریڈ کے بعد" وہ ہنوز برہم تھا اس کے انداز میں ہی سختی نہیں تھی بلکہ اس کا چہرہ بھی غصے سے دہک رہا تھا مائرہ پرسوچ انداز میں پیشانی پر اپنی انگلی رکھ کر سوچ میں گم ہو گئی۔

"اوہ ہاں یاد آیا' بس حال احوال پوچھ رہا تھا اور

اسٹڈی کیسی جارہی ہے بس۔"

"وہ کون ہوتا ہے تمہاری خیر خیریت پوچھنے والا؟" وہ پوری طاقت سے دھاڑا' اشتعال سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں' اضطرابی کیفیت میں وہ سانس اندر باہر کرنے لگا۔

"ازلان کیا ہوجاتا ہے تمہیں' کلاس فیلو ہے ہمارا ارسلان' اور حال احوال پوچھ لینے سے کیا ہوجاتا ہے اتنا غصہ کیوں کرتے ہو۔"

مائرہ نے سہم کر اپنے اطراف میں دیکھا گو کہ سب اسٹوڈنٹس جارہے تھے' چھٹی کا وقت تھا سب خوش گپیوں میں مگن گیٹ کی طرف جارہے تھے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا مگر مائرہ ڈر رہی تھی اگر کوئی بھی ازلان کی کرختگی بھری دھاڑ سن لیتا تو خوامخواہ تماشا بن جاتا۔ بیسیوں سوال اٹھ کھڑے ہوتے اور مائرہ ایسا نہیں چاہتی تھی جبکہ ازلان ؟

"ٹھیک ہے آج کے بعد تم مجھ سے بات نہیں کرنا' صرف ارسلان سے بات کرنا۔" اس وقت وہ دونوں کالج کاریڈور سے گزر رہے تھے جب ازلان نے دو ٹوک کہہ دیا اور تیز قدموں سے مائرہ کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

"ازلان رکو پلیز۔" وہ بھی لمحے کے توقف کے بعد اس کے پیچھے بھاگ اٹھی اور اس کا بازو پکڑلیا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ' مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔" ازلان نے بے رحمی سے مائرہ کا ہاتھ جھٹک کر اپنا بازو چھڑایا۔

"کیا ہوگیا ہے آخر' اتنی معمولی سی بات پر جھگڑا کررہے ہو تم مجھ سے' ایسی کونسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔" مائرہ رودینے والی ہورہی تھی ازلان کا رویہ اور اس کی بے اعتنائی مائرہ برداشت کرہی نہیں سکتی تھی اب تو وہ انتہائی سنگدلی کا مظاہرہ کررہا تھا۔

"یہ معمولی بات ہے تمہاری نظر میں' بتاؤ مجھے۔" وہ غصے سے کھولتا ہوا واپس مڑا اور تن کر مائرہ کے سامنے کھڑا ہوگیا قہر آلود نظریں خوں خوار لب ولہجہ' مائرہ بس چپ ہوگئی اس وقت اسے خاموش رہنا ہی مناسب لگا تھا ازلان غصے میں تھا اور اگر وہ بھی دوبدو مقابلہ کرتی تو جھگڑا طول پکڑ جاتا۔

"اچھا ریلیکس ہوجاؤ آئندہ خیال رکھوں گی ارسلان کے سلام کا جواب بھی نہیں دوں گی بس اپنا موڈ ٹھیک کرو پلیز۔" مائرہ ملتجی لہجے میں بولی۔

مائرہ نے دیکھا کہ ازلان کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے' دونوں ساتھ چلتے کالج گیٹ تک آگئے ازلان اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولنے لگا ازلان روز مائرہ کو اس کے گھر ڈراپ کرتا تھا۔

"بات کرونا' کہا نا آئندہ خیال رکھوں گی' احتیاط برتوں گی۔" مائرہ نے یقین دلایا۔

"یہ مت بھولا کرو کہ تم سید ازلان شاہ کی محبت ہو۔" ازلان کے لہجے میں زعم سا بھرا تھا' وہ ہمیشہ اپنا نام جما جما کر ادا کیا کرتا تھا اسے شاہوں کا بیٹا ہونے پر گھمنڈ تھا وہ جب بھی اپنا نام آپ لیتا تو ایک خودی کا سرشاری کا احساس اس کے بدن میں سرے لے فٹ کردیتا خود پسندی کی انتہا تھی۔

"مجھے نہیں پسند کہ تمہیں کبھی ہوا بھی چھوئے کجا کہ کوئی مرد تم سے بات کرے' تمہیں نظر بھر کر دیکھے خون کھولتا ہے میرا' تم صرف میری ہو' میرے لیے ہو دھیان میں رکھا کرو یہ بات۔" مائرہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر مصلحتاً" خاموش رہی' مائرہ منہ میں زبان رکھتی تھی اور بوقت ضرورت اپنی زبان کا استعمال کرنا بھی جانتی تھی۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہ سید ازلان شاہ سے محبت بھی بہت کرتی تھی اس لیے ازلان کی کڑوی کسیلی اور ناگوار باتیں بھی ہنس کر سہہ جاتی تھی۔ مائرہ کا گھر آگیا تھا ازلان نے گاڑی روکی۔

"آجاؤ کھانا کھا کر چلے جانا۔" مائرہ نے کہا تو ازلان ہنس پڑا' وہ ایسا ہی تھا پل میں تولہ پل میں ماشہ اپنی منوانے والا' اپنی چلانے والا' اب اس کا غصہ اتر چکا تھا لہٰذا موڈ بھی ٹھیک ہوگیا تھا۔

"پھر کبھی آجاؤں۔" ازلان نے مسکراتی ہوئی مائرہ کو نظروں کے حصار میں لے کر پوچھا مائرہ فرنٹ ڈور کھول کر اتری اور ادھ کھلے پٹ پر ہاتھ رکھ کر ازلان کو دیکھنے لگی دیکھتی رہی۔

"ابھی نہیں' پہلے میں مناسب وقت دیکھ کر اپنی امی سے تمہارا ذکر کروں گی اور پھر تمہیں اپنی امی سے ملواؤں گی اب جاؤ۔" دونوں ایک ساتھ ہنسے۔

"بائے۔" ازلان نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔

"بائے۔" مائرہ نے جواباً ذرا سا ہاتھ بلند کرکے کہا اور گھر کے اندر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

سید ارسلان شاہ کا ازلان شاہ اکلوتا بیٹا تھا اور تین بیٹیاں تھیں ان کے ہاں لڑکیوں کو زیادہ پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ خاندان کی چند ایک لڑکیاں ہی ایسی تھیں جو کالج تک پہنچی تھیں ورنہ تو میٹرک یا اس سے بھی کم تعلیم دلوانے کے بعد لڑکیوں کو گھروں میں محصور کرلیا جاتا۔

ہاں ان کے خاندان کے لڑکے ضرور کالج' یونیورسٹیز میں پڑھ رہے تھے۔ زمیندار لوگ تھے خوشحالی نسل در نسل آگے منتقل ہورہی تھی ہر لڑکے کو ایک شادی تو لازمی خاندان میں ہی کرنا ہوتی تھی کیونکہ اتنی لمبی چوڑی زمینیں خاندان سے باہر جانے کا خطرہ مول لینا پڑتا اگر خاندان کی لڑکیاں باہر بیاہی جاتیں تو۔ جو کہ شاہ خاندان کو گوارا نہیں تھا کہ بیٹیاں باہر بیاہنے کی صورت میں غیر لوگ ان کے سامنے سر اٹھائیں اور جائیداد میں سے اپنے حصوں کا مطالبہ کریں زمینوں کا بٹوارہ ہو۔

عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی اگر کسی مجبوری کی بنا پر خواتین کو گھر سے باہر جانا بھی پڑتا تو ٹوپی والے پرانی طرز کے برقعے اوڑھ کر گھروں سے نکلتی تھیں برقعوں میں ملبوس خواتین کی عمر وغیرہ کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہوتا کیونکہ وہ سر سے پاؤں تک ڈھکی چھپی ہوتیں حتیٰ کہ ان کے ہاتھ بھی دستانوں میں چھپے ہوئے ہوتے۔

سید ازلان شاہ اور مائرہ نثار اکٹھے کالج میں بی۔ ایس سی کررہے تھے مائرہ کے والد نثار احمد ابوظہبی میں تھے مائرہ کا ایک بھائی شہر کا جانا مانا وکیل تھا جبکہ دوسرا بھائی ڈی۔ ایس۔ پی تعینات تھا۔ مائرہ کا گھرانہ خوشحال بھی تھا اور روشن خیال بھی۔

مائرہ اور ازلان شاہ کی دوستی کالج میں ہی ہوئی تھی اور پھر دوستی دھیرے دھیرے محبت میں بدل گئی ازلان شاہ بظاہر تو خوش شکل لڑکا تھا اور ذہین بھی بلا کا تھا۔ مگر اس کی ذات کی خامی یہ تھی کہ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ گردانتا ہی نہیں تھا۔ حد سے زیادہ خود پسندی اور زعم ..... جبکہ مائرہ بہت سلجھی ہوئی طبیعت کی حامل لڑکی تھی ذہانت' رکھ رکھاؤ اس کی ذات کے اعلا ترین وصف تھے مزاجاً" بھی صلح جو اور نرم خو تھی لہٰذا اس کی بہت سارے معاملات میں ازلان شاہ سے ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوپاتی تھی ایسی جگہوں پر وہ مصالحت کی راہ اختیار کرلیتی تھی بلاوجہ بھی جھک جایا کرتی تھی۔

جو بھی تھا ازلان شاہ سے مائرہ کو محبت بہت تھی اور محبت کی تابعداری مائرہ نا چاہتے بھی کرجاتی تھی۔

بارہا اسے شدت سے احساس ہوتا کہ وہ ایسی مجرم ہے جو بغیر جرم کیے کٹہرے میں کھڑی ہے۔ ازلان طیش کے عالم میں مائرہ پر یوں برس رہا ہوتا کہ مائرہ کو کبھی کبھی لگتا بہت ہوگیا اب اور نہیں' اسے اپنی عزت نفس دو کوڑی کی محسوس ہونے لگتی۔

"سید ازلان شاہ کی تم محبت ہی نہیں عزت بھی ہو' کسی طور مجھے گوارا نہیں کہ کوئی تمہیں دیکھے بات کرے' جان نکل جاتی ہے' تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے جو میرا روم روم جھلسا دیتی ہے۔"

"ازلان تمہیں کیا خوف ہے مجھے نہیں پتا' مگر مجھے صرف تمہارے روٹھ جانے کا اور بچھڑ جانے کا خوف ہے' جو میری زبان پر تالے لگا دیتا ہے ورنہ برا تو مجھے بھی بہت لگتا ہے جب تم مجھے بغیر کسی دوش کے بغیر کسی خطا کے اتنی بے دردی سے لعن طعن کرتے ہو۔"

وہ یہ ساری باتیں کہنا چاہتی تھی مگر کہہ دینے کی کوشش میں مائرہ کے نازک لب محض کپکپا کر رہ جاتے اور محبت ہر بار مائرہ کا سر اپنے آہنی شکنجے میں لے کر اپنے قدموں میں جھکا دیتی اور مائرہ اپنی عزت نفس کا خون ہوتا دیکھتی رہتی کمزور پڑتی رہتی اور جھکتی رہتی۔

☼ ☼ ☼

مائرہ اور ازلان شاہ فائنل ایگزام کے بعد آج کل فارغ تھے رابطہ فون پر ہی ہوتا تھا ازلان شاہ اپنی امی کو مائرہ کے گھر بھیجنے کے لیے اصرار کر رہا تھا مگر نجانے کیوں مائرہ اپنی امی سے ازلان کا ذکر نہیں کرپا رہی تھی۔ اس دن مائرہ اپنے کمبل میں لپٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی جب اسلام آباد سے اس کے ماموں کرنل ریاض کی کال آ گئی مائرہ نے لپک کر فون اٹھایا اور ماموں سے باتیں کرنے لگی وہ اپنے ماموں کی بہت لاڈلی تھی ماموں کی کوئی بیٹی نہیں تھی' صرف دو بیٹے ہی تھے اس لیے ماموں مائرہ سے سگی بیٹی کی ہی طرح محبت کرتے تھے۔

"بیٹا تمہاری امی کہاں ہیں۔" ماموں نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔"

"موسم کیسا ہے لاہور کا۔" انہوں نے پوچھا۔

"سردی کی شدت بڑھ گئی ہے' جاتی ہوئی سردیاں اپنا رنگ ڈھنگ دکھا رہی ہیں۔" وہ کھلکھلائی۔

"ہاں بیٹا ورنہ گرمیوں کی آمد آمد ہے' ٹھنڈ کی کوئی تک نہیں بنتی لاہور میں تو ان دنوں میں نارمل سا موسم ہوتا ہے' اچھا بیٹا اپنی امی کو تو فون دو ذرا' ضروری بات کرنی ہے ان کا نمبر بند جا رہا ہے۔"

"جی ماموں میں دیتی ہوں۔" مائرہ پھرتی سے بیڈ سے اتری اور پاؤں میں چپل پہن کر کمرے سے نکلی وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی جب ہی مائرہ کے نمبر پر ازلان شاہ کی کال آنے لگی۔ مائرہ کے ہنستے مسکراتے ہونٹ پل میں سکڑ گئے تھے اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"امی جی ماموں کا فون۔" مائرہ ہلکی سی دستک دے کر اندر جا کر بولی اور فون ان کو پکڑا کر خود صوفے پر بیٹھ گئی

وہ دونوں بہن بھائی باتوں میں گم ہو چکے تھے اور مائرہ تھی چہرے کے ساتھ اپنی امی کی چہکتی خوشیوں سے بھرپور آواز سنتی رہی آنکھوں سے جھلکتی فخر و انبساط کی روشنی دیکھتی رہی بحیرت سے' اپنوں کا ملن' رشتوں کا فخر انسان کے اندر کیسے توانائی بھر دیتا ہے۔

"بیٹا کسی کی کال مسلسل درمیان میں آ رہی ہے۔" مسز شار نے کان سے سیل فون ہٹا کر اسکرین کو اپنی آنکھوں کے سامنے کیا مائرہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کوئی ازلان شاہ ہے' کلاس فیلو ہو گا نا۔"

"جی امی" مائرہ نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"میں بھائی کو اپنے نمبر سے کال کر لیتی ہوں آپ بات کر لو بیٹا اچھا نہیں لگتا ایسے۔" انہوں نے کرنل صاحب کی کال کاٹ کر سیل فون مائرہ کو تھمایا اور کرنل صاحب کو اپنے نمبر سے کال کر لی۔ وہ باتوں میں پھر سے منہمک ہو چکی تھیں مگر مائرہ شرمندہ سی سیل فون ہاتھوں میں تھامے وہیں کھڑی تھی۔ پھر کچھ دھیان آنے پر دیکھا تو دس منٹ کی قلیل سی کال میں ازلان شاہ کی پندرہ مسڈ کالز آئی ہوئی تھیں۔ مائرہ کا دل بیزار ہونے لگا وہ ٹوٹے بکھرے قدموں سے کمرے سے نکلی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی' تبھی اس کی پھر کال آنے لگی مائرہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر اکتاہٹ سے کال کاٹ دی۔

مائرہ اپنے کمرے میں آ کر ٹہلنے لگی وہ غصے سے تلملا رہی تھی تب ہی پھر کال آنے لگی۔

"ہاں بولو۔" مائرہ تلخی سے بولی۔

"کس کے ساتھ بات کر رہی تھیں اتنی دیر سے؟" وہ چیخا حسب عادت۔

"ماموں سے۔" مائرہ نے خود کو کنٹرول میں رکھ کر صرف اتنا کہا۔

"بکواس بند کر گھٹیا لڑکی' بتاؤ کون تھا۔" وہ پھٹ پڑا ازلان کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے اس کی پھنکارتی ہوئی سانسیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"اپنی زبان سنبھال کر بات کرو مسٹر ازلان' تمہیں کوئی حق نہیں ہے مجھ سے سوال جواب کا اور یہ اپنی دھونس آج کے بعد مجھ پر کبھی مت جمانا۔" مائرہ بھی

آج اسے کھری کھری سنانے پر تل گئی تھی۔ ازلان کی چند ثانیے آواز بند ہو گئی۔

"میں اب تھک گئی ہوں تمہارے جیسی بیمار ذہنیت کے شخص کے ساتھ چلتے چلتے' تم سے تعلق بوجھ بن گیا ہے۔ تعلق انسان کو مضبوط بناتا ہے کمزور نہیں' میں ہر بار تم سے دبتی رہی اب اور نہیں بہت بہت ہو گیا۔" مائرہ بھی تلخی سے بولتی چلی گئی۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا مائرہ۔" ازلان اس کا پایا پلٹ پر کچھ نرمی سے بولا۔

"کیا اچھا نہیں لگتا' میں جیتی جاگتی انسان ہوں کوئی چیز نہیں ہوں جس پر تمہاری اجارہ داری ہو۔ میری اپنی سوچ ہے اپنی ترجیحات ہیں تم میری ذات پر حاوی ہو کر میری ذات کو ختم کر دینا چاہتے ہو کیسی محبت ہے یہ تمہاری جو ہمہ وقت مجھے ڈر اور خوف میں مبتلا رکھتی ہے۔" مائرہ تو آج اسے خاطر میں ہی نہیں لا رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ مائرہ نے فون بند کر دیا۔

"او مائی گاڈ! امی کیا سوچتی ہوں گی کہ میری دوستی ایسے لوگوں سے ہے جن کو مینرز کا ہی نہیں پتا کال پہ کال کیے جا رہا تھا' کوئی رکھ رکھاؤ نہیں کوئی شائستگی نہیں۔" مائرہ کو صحیح معنوں میں آج امی کے سامنے خفت اٹھانا پڑی تھی' عجیب سی شرمندگی نے مائرہ کو حصار میں لے رکھا تھا اسے رہ رہ کر ازلان پر غصہ آ رہا تھا کوفت ہو رہی تھی۔ وہ جلتی بھنتی کمرے میں چکر کاٹتی رہی۔

☼ ☼ ☼

مائرہ نے دو دن تک ازلان شاہ سے بات نہیں کی تھی ہر بار غصہ' ازلان شاہ لڑتا تھا اور مائرہ سنتی تھی مناتی تھی مگر اس بار معاملہ الٹا ہو گیا تھا ازلان مسلسل اسے کالز کر رہا تھا لاتعداد معافی کے میسجز بھیجتا رہا' مائرہ کا دل پسیج گیا ان کی صلح ہو گئی ازلان شاہ اسے منانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا اس نے اپنی تمام غلطیوں کا اعتراف کر لیا تھا۔

اب وہ روز اسے فون کرتا وہ دونوں گھنٹوں باتوں میں مگن رہتے مستقبل کے سہانے سپنے بنتے رہتے تھے انہی دنوں مائرہ نے سنا کہ امی فون پر ابو کو بتا رہی تھیں کہ ماموں اپنے بیٹے ڈاکٹر حمزہ کا رشتہ مائرہ سے کرنے کے خواہش مند ہیں' وہ بے تحاشا خوش تھیں۔

مائرہ پریشان تھی اس نے ازلان کو بتایا۔ وہ ملنے کا پروگرام بنانے لگے تاکہ اطمینان سے بیٹھ کر بات کر سکیں وہ دونوں ہی گم صم سے ہو گئے یہ بات سن کر۔

آج کل ان کا کسی بھی بات پر اختلاف نہیں تھا دونوں شیر و شکر ہو گئے تھے ساری بدمزگی ساری تلخ کلامیاں قصہ پارینہ بن گئی تھیں۔

مائرہ پر ازلان جی بھر کر محبت لٹا رہا تھا اس کی ہر بات مان رہا تھا شاید وہ بدل گیا تھا یا بدل رہا تھا کم از کم مائرہ کو تو ایسا ہی لگ رہا تھا یا شاید محبت خوش گماں ہوتی ہے۔ خوش فہمیاں پالنا محبت کا برسوں پرانا طور رہا ہے۔

مائرہ آج ازلان سے ملنے کے لیے جا رہی تھی طے یہ پایا تھا کہ وہ گھر سے نکل کر روڈ پر آئے گی وہاں سے ازلان اسے پک کرے گا پھر دونوں کسی ہوٹل میں کھانا کھائیں گے اور اس مسئلے پر بات کریں گے۔ مائرہ گھر سے کسی دوست سے ملنے کا کہہ کر نکلی تھی۔

شام کا وقت تھا سورج ابھی دور افق میں اپنی تابناکیاں بکھیر رہا تھا مائرہ گھر سے کافی دور نکل آئی تھی اور اب وہ ایک الگ تھلگ سی جگہ پر کھڑی ہو گئی اس نے ازلان کو بتا دیا تھا کہ وہ گھر سے نکل آئی ہے مگر ازلان نہیں پہنچا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کا اژدحام سا نظر آ رہا تھا وہی روڈ والی مخصوص چہل پہل' شور شرابا' آتے جاتے لوگ' چبھتی ہوئی تاڑتی ہوئی نظریں۔

"ہم چھوڑ آئیں' کہاں جانا ہے۔" ایک گاڑی والے نے بالکل مائرہ کے پاس گاڑی روک کر ذو معنی لہجے میں آنکھیں نچا کر کہا مائرہ کی رنگت پل میں پھیکی پڑ گئی۔ اس کا دل وحشت زدہ سا ہو کر تیز دھڑکنے لگا پھر وہ اس کی حالت زار سے لطف اندوز ہوتا گاڑی بھگا لے گیا۔ مائرہ کا چہرہ پل میں خفت زدہ ہو کر چٹخنے لگا اس نے

چور نظروں سے ارد گرد دیکھ کر اپنے پرس میں سے سیل فون نکال کر ازلان شاہ کو دو منٹ کی کال کی تھی اس نے جلد پہنچنے کا وعدہ کرکے انتظار کا کہہ دیا۔

آتے جاتے لوگ رک رک کر جانچتی ٹٹولتی نظروں سے مائرہ کو دیکھ رہے تھے اس کا سارا بدن کپکپا رہا تھا وہ گھر سے اکیلی کبھی نہیں نکلی تھی گو کہ اس پر گھر والوں کی جانب سے کوئی پابندی نہیں تھی مگر وہ پھر بھی کبھی اکیلے گھومنے پھرنے کی شوقین نہیں رہی تھی کجا کہ عادی ہونا۔

مائرہ نے دیکھا اس کے سامنے دو تین لڑکے آکر کھڑے ہوگئے تھے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے مائرہ کی طرف مبہم سے اشارے کر رہے تھے۔

مائرہ کو تشویش لاحق ہوئی اگر بڑے بھیا نے دیکھ لیا تو۔

اس نے اپنی نازک سی کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر اچٹتی سی نظر ڈالی اسے گھنٹے سے زیادہ وقت ہوگیا تھا ———— اس کے دل میں وسوسے اور خدشات سر اٹھانے لگے دل ملال سے بھر گیا نجانے ازلان شاہ کہاں رہ گیا تھا۔

"کوئی تمہیں نظر بھر کر دیکھے مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کیونکہ تم میری عزت ہو۔" ازلان شاہ کی آواز کی بازگشت مائرہ کی سماعتوں میں گونج رہی تھی۔ آنسو پلکوں سے دامن چھڑا کر آنچل میں جذب ہو رہے تھے سورج غروب ہو رہا تھا شام گہری ہو رہی تھی وہ تیزی سے گھر کی طرف بھاگ رہی تھی ایسی تحقیر، اتنی انسلٹ، کیا وہ جان بوجھ کر نہیں آیا۔ خاک سمجھا اس نے مائرہ کو اپنی عزت۔

"مائرہ تم" ———— کوئی قریب سے پکارا مائرہ اچھل پڑی۔ سامنے ڈی۔ ایس۔ پی آصف نثار فل یونیفارم میں اپنی جیپ سے سر نکالے پوچھ رہا تھا۔ مائرہ بے اختیار کھل کر رودی اور بھاگ کر جیپ میں سوار ہوگئی۔ وہ جیسے دھوپ سے گھنی چھاؤں میں آگئی تھی حواس بحال ہونے لگے۔

"میری جان، میرا بیٹا کیوں رو رہی ہو، اور اس وقت گھر سے کس لیے نکلیں تم۔" وہ مائرہ کو ساتھ لگائے پیار سے پوچھ رہا تھا مائرہ کو شرمندگی سر اٹھانے نہیں دے رہی تھی، اس کا مان جایا اس کا محافظ اس کے ساتھ تھا پھر کون تھا جو اسے نظر بھر کر ذو معنی فقرہ اچھال سکتا تھا وہ عزت تو اس بھائی کی تھی۔

"وہ بھابڑا کھانے نکلی تھی پھر اندھیرا چھانے پر ڈر گئی۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"ننگی نہ ہو تو اس میں ڈرنے اور رونے کی کیا بات ہے پولیس والے کی بہن ہو کر ڈرتی ہو۔" وہ اس کا سر سینے سے لگائے کہہ رہا تھا۔ پھر راستے سے پڑا لے کر وہ گھر آگئے تھے مائرہ کو ازلان نے سوری کا میسج کیا تھا وہ نہیں آسکتا تھا گھر میں بزی ہوگیا تھا۔

مائرہ نے اپنا نمبر تبدیل کرلیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ ازلان کوئی عذر، کوئی بہانہ تراش کر دوبارہ اسے منالے۔ بھلے دیر سے ہی سہی پر وہ جان گئی تھی ازلان شاہ وہ شخص نہیں ہے جس کے ساتھ مائرہ زندگی کی شروعات کرسکے کسی باہر والی لڑکی کو عزت کہنا اور بات ہے مگر سمجھنا ناممکنات میں سے ہے ورنہ ازلان شاہ یوں اس کی ہستی کو بے مول نہ کرتا، مائرہ بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ ازلان مائرہ کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے زندگی دو دن کی بات تو نہیں عمر بھر کا ساتھ ہے۔

ازلان شاہ نے جیسے اسے بے سروسامان سڑک پر تماشا بنایا اس دن مائرہ نے بچھڑ جانے کے خوف سے ہاتھ چھڑا لیا، عزت نفس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں محبت بھی نہیں محبت نہ ملے تو لڑکیاں زندگی جی ہی لیتی ہیں مگر عزت نہ ملے تو لڑکیاں جیتے جی زندہ درگور ہو جاتی ہیں۔

ماموں مائرہ کا ہاتھ مانگنے آرہے تھے مائرہ کی امی نے مائرہ سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے پتا تھا کہ اس کا پورا خاندان خوش ہے تو وہ بھی مستقبل میں ضرور ڈھیروں محبتیں اور عزت و مان پا کر شاد رہے گی۔

✿

فرح بخاری

بڑا دن

"چلو زرین بی بی۔۔۔ ہوگیا ایک اور بڑے دن کا آغاز، جس کے دامن میں آج بھی سوائے مایوسی اور ناامیدی کے کچھ نہیں۔۔۔" بچوں کو اسکول، کالج روانہ کرنے کے بعد زرین نے بڑبڑا کر خود کلامی کی اور کچن کی راہ لی۔

"پتا نہیں، لوگ اتنے ڈھیٹ کیوں ہوتے ہیں۔ ہمیں تو ذرا سی پریشانی لاحق ہو تو ہونٹ مسکرانے تک کو تیار نہیں ہوتے اور انہیں دیکھو۔۔۔" زرین نے کچن کی کھڑکی کے پار لاؤنج میں صوفے پر پھیل کر بیٹھی ندرت بھابھی کی طرف دیکھا۔ ناشتے کے بعد فون پر بے ہنگم قہقہے لگانے کی ورزش جن کا روز کا معمول تھا۔ زرین نے کے بر سا بر سا کر آٹے پر اپنا غصہ نکالنے کی کوشش کی۔۔۔ تقریباً" ہر شادی شدہ عورت کی زندگی میں دلہن نما ساس، سسر، نندیں، دیور، دیورانیاں موجود ہوتے ہیں۔

زرین کی زندگی میں اس کمی کو اس کی اکلوتی جیٹھانی ندرت نے پورا کیا تھا۔ جن کے بعد مزید کسی پریشانی کو سہنے کا نہ اس کا جگرا تھا نہ ہمت۔۔۔ پتا نہیں کہاں سے لاتی تھیں۔ وہ روزانہ اتنی ڈھیر ساری باتیں۔۔۔ ان کی طرح ان کی درجن بھر سہیلیاں اور بڑی بہن آپا عظمت بھی کام دھندوں سے فارغ لگتی تھیں۔ اس مارکیٹ کا کپڑا اچھا ہے۔۔۔ اس مارکیٹ کے جوتے، فلاں برانڈ کی لان زبردست ہے۔ فلاں کی کاسمیٹکس یہی نہیں۔۔۔ گھر بیٹھے کی شاپنگ سے جی بھر جاتا تو

شامت آجاتی' خاندان' برادری' آس پڑوس کے ان لڑکے' لڑکیوں کی' جن کے رشتے ممکنہ طور پر ایک دوسرے سے کروائے جاسکتے تھے۔

کچن کے ضروری کاموں سے فراغت پاکر وہ ذرا دیر سکون کی خاطر اپنے کمرے میں آبیٹھی۔ لیکن سکون کیسے ملتا' ابھی چند گھنٹوں میں اقصیٰ کالج سے آنے والی تھی۔ جس کی آنکھوں میں آج بھی وہی روز کا سوال ہوتا کہ کیا اس نے ابو سے الگ گھر کی بات کی اور روز کی طرح آج بھی زرین کا وہی ایک جواب۔۔۔ وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"کیوں ہم چاہ کر بھی اپنے بچوں کی خواہش پوری نہیں کرسکتے۔ اپنی تو پوری زندگی الگ گھر کی حسرت میں گزر گئی۔ لیکن اب بچوں کے وقت بھی وہی ناامیدی۔۔۔ جانے ندرت بھابھی اور احسان بھائی کو جوائنٹ فیملی سسٹم سے چپکے رہنے میں کیا خوب صورتی نظر آتی ہے۔ جس طرح ہمارے بچے الگ گھر میں سکون سے رہنے کے لیے تڑپتے ہیں آخر کیوں ان کے بچوں میں بھی یہ احساس پیدا نہیں ہوتا۔ ہم دوسرے گھر میں چلے جائیں گے تو انہیں بھی پرائیویسی اور زیادہ جگہ کی سہولت میسر آئے گی۔ لیکن کیوں۔۔۔؟ کیوں صرف ہم اور میرے بچے ہی جلتے کڑھتے رہتے ہیں؟"

ابھی پچھلی رات ہی اس نے رضوان سے بات کی تھی۔ لیکن ان کا بھی وہی ایک جواب۔

"احسان بھائی نہیں چاہتے کہ ہم دو بھائیوں کی فیملز الگ الگ رہیں۔"

"لیکن اقصیٰ اب کالج میں آگئی ہے۔ اسے الگ کمرہ چاہیے۔۔۔ سنی اور عبداللہ رات گئے تک گیمز کھیل کھیل کر اس بے چاری کا دماغ کھا جاتے ہیں۔ وہ کتنی مشکل سے ان کے ساتھ ایڈجسٹ کررہی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن میں اب بھائی جان سے کیسے یہ سب کہوں۔۔۔ ابھی پچھلے سال ہی تو ان کی بیٹی بیاہ کر دوسرے گھر گئی ہے۔ وہ سوچیں گے ہم نے تو کبھی بچوں کی پرائیویسی کے چونچلے نہیں اٹھائے۔۔۔ ویسے بھی لڑکی کا اصل گھر تو اس کا سسرال ہوتا ہے۔ جب تک شادی نہیں ہوجاتی' اقصیٰ کو جیسے تیسے گزارا کرنا پڑے گا۔ اگلے گھر تو اپنی ہر چیز کی مالکن خود ہوگی۔"

"ہاں۔۔۔ جیسے میں ہوں نا یہاں۔۔۔ اپنی ہر چیز کی مالکن۔" زرین نے تنک کر رضوان کو دیکھا۔

"اچھا۔۔۔ ہم چھت پر کنسٹرکشن شروع کرواتے ہیں۔ اوپر دو کمرے بن جائیں گے تو۔" رضوان نے گویا مصالحت کی کوشش کی۔

"ضرورت نہیں ہے۔" زرین نے فوراً" بات کاٹی۔ "اوپر کا پورشن بن گیا تو نئے گھر کی رہی سہی امید بھی ختم ہوجائے گی۔۔۔ اور مجھے نہیں رہنا اس بے ہودہ باتوں کی فیکٹری کے ساتھ۔۔۔ نہ ان کی زندگی کا کوئی مقصد ہے۔ نہ بچوں کے مستقبل کی فکر۔۔۔ ان کے بچے کہاں سے آرہے ہیں کدھر کو جارہے ہیں' انہیں کچھ پروا نہیں ہوتی۔۔۔ بس سارے جہان کی فکریں ایک ہماری جان سے چپکی ہیں' پتا نہیں قسمت ایسے لوگوں کے ساتھ کیوں لا باندھتی ہے' جن کی ہم صورت تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔"

"زرین۔۔۔ زرین۔۔۔!" لاؤنج سے ندرت بھابھی نے اونچی آواز سے پکارا تو وہ ایک دم سوچوں سے باہر آئی۔

"میں ذرا عظمت آپا کے ساتھ مارکیٹ تک جارہی ہوں۔" وہ پرس میں کچھ رکھتی۔ تیز تیز بولتی باہر نکل گئیں۔ زرین سست روی سے کچن کی طرف چل پڑی۔ اقصیٰ کے آنے کا وقت ہورہا تھا۔ اس نے تھوڑے سے چاول بھگوئے تھے۔ سوچا لائٹ سا پلاؤ بنالے۔ کچن میں کام کرتے شاید آدھا گھنٹا ہوا تھا۔ جب ڈور بیل بجی۔ وہ وال کلاک پر نگاہ ڈالتی دروازے پر آئی' یقیناً" اقصیٰ ہوگی۔ اس نے دروازہ کھولا۔۔۔ لیکن یہ دیکھ کر حیران ہوگئی کہ اقصیٰ کے پیچھے ندرت بھابھی بھی تھیں۔

"آ۔۔۔ آپ۔۔۔!" اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی' لیکن بھابھی نے منہ پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ زرین نے حیران حیران نظروں سے اقصیٰ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور آنسوؤں کی ایک لکیر اسی وقت بے اختیار اس کے گال پر اتری تھی جسے انگلی سے صاف کرتی وہ اپنے کمرے میں دوڑ گئی۔

"کیا ہوا بھابھی۔۔۔ یہ۔۔۔؟"

"جلدی سے ٹھنڈے پانی یا جوس کا ایک گلاس لے آؤ۔ فی الحال کچھ مت پوچھنا۔" وہ اسے ہدایات دیتی اقصیٰ کے پیچھے چلی گئیں۔ زرین خالی دماغ لیے کچن میں آئی۔ گلاس میں جوس بھر کر کمرے میں آئی تو اقصیٰ ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔ ندرت بھابھی اسے بازوؤں میں لیے پیار سے آہستہ آہستہ کچھ بول رہی تھیں۔

زرین نے گلاس آگے بڑھایا۔ بھابھی نے پرس سے ایک گولی نکال کر زبردستی اقصیٰ کو جوس کے ساتھ کھلا دی اور اس کا سر گود میں رکھ کر نرمی سے اس کا سر سہلانے لگیں۔ زرین کو اشارے سے لائٹ آف کرکے باہر جانے کا کہا۔

"کک۔۔۔ کیا بات ہے بھابھی' میرا دل ڈوب رہا ہے' جلدی بتائیں۔" کچھ دیر بعد جب ندرت بھابھی ہلکے سے دروازہ بند کرتی باہر آئیں تو زرین دوڑ کر ان کے قریب آئی۔ دماغ جیسے آندھیوں کی زد میں تھا۔ کیا ہوچکا تھا' کیا ہونے والا تھا۔

"ادھر میرے کمرے میں آجاؤ۔۔۔ اقصیٰ اب سوگئی ہے۔" وہ اپنا بھاری وجود سنبھالتی اپنے کمرے میں داخل ہوگئیں۔

"اب بتائیں بھابھی! کیا بات ہے؟" زرین نے بمشکل ان کے بیٹھنے کا انتظار کیا۔

"وہ کسی لڑکے کے ساتھ تھی' میں نے اسے بس اسٹینڈ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔"

"بس اسٹینڈ۔۔۔؟" زرین کے خاک پلے نہیں پڑا۔ "وہاں کیا کرنے گئی تھی اور لڑکا۔"

"بس اسٹینڈ آدمی گھومنے نہیں جاتا زری۔۔۔ وہ اس لڑکے کے ساتھ جارہی تھی' کسی دوسرے شہر۔"

"جی۔۔۔" اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"میں اور عظمت آپا مارکیٹ جارہے تھے۔ ہماری گاڑی اس وقت سگنل پر کھڑی تھی۔ جب اقصیٰ کسی لڑکے کا ہاتھ پکڑے ہمارے آگے سے سڑک پار کرکے بس اسٹینڈ کے اندر چلی گئی۔ عظمت آپا کا اس طرف بالکل دھیان نہیں تھا۔ انہوں نے اقصیٰ کو نہیں دیکھا۔ مجھے تو بس پل میں خطرے کی بو آگئی اور میں یہ بھی جان گئی کہ اگر ابھی یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو۔۔۔ خدانخواستہ بہت بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔ بس میں نے فوراً" آپا سے اجازت لی اور گاڑی سے نکل آئی۔"

"آپ نے انہیں اقصیٰ کے متعلق نہیں بتایا؟"

زرین کسی قدر بے یقینی سے بے ساختہ بول گئی۔

"پاگل ہوئی ہو۔۔۔ میرے گھر کی عزت داؤ پر لگی تھی۔ کیا میں اوروں سے شیئر کرتی پھرتی۔۔۔ بلکہ اگر وہ اقصیٰ کو دیکھ بھی لیتیں تو میں کوئی بہانا بناتی اور انہیں بات کی سنجیدگی کا احساس نہ ہونے دیتی۔ بس اچھا ہوا جو سگنل کھل گیا اور وہ کچھ بھی بول نہیں پائیں۔۔۔ بعد میں پوچھتیں تو کچھ کہہ کر ٹال دوں گی۔"

"پھر۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔؟" زرین نے دھیان دوبارہ اقصیٰ والی بات کی طرف دلایا۔

"ہاں۔۔۔ پھر میں بھی بس اسٹینڈ کے اندر چلی گئی۔ وہاں اس وقت دو ہی بسیں روانگی کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ مجھے اقصیٰ اور وہ لڑکا باہر کہیں دکھائی نہیں دیے تو میں نے باری باری دونوں بسوں میں دیکھا۔ یہ دونوں مجھے دوسری بس میں مل گئے۔۔۔ مجھے دیکھ کر اقصیٰ پر شدید گھبراہٹ سوار ہوئی۔ وہاں چونکہ اور بھی بہت لوگ تھے۔ میں نے بنا کچھ کہے خاموشی سے اس کا بازو پکڑا اور باہر نکل آئی۔ اتنی دھکم پیل اور شور ہنگامے کا ماحول تھا کہ کسی کو کچھ پتا نہیں چلا۔"

"اور وہ لڑکا؟"

"وہ تو یوں سرپٹ بھاگا جیسے پولیس آگئی ہو۔ ابھی یہی بات میں اقصیٰ کو سمجھا رہی تھی کہ جس کی محبت کے بل پر تم سارے رشتے ناتے چھوڑ کر جارہی تھیں۔ وہ تو تمہیں سپورٹ کرنے کے لیے ایک قدم بھی آگے نہیں آیا۔۔۔ یہ تو ابھی میں تھی ایک کمزور

عورت۔۔۔ اگر جو تمہارے تایا جان اور ابو وہاں آئے ہوتے' اس نے تو وہیں ڈر کے بارے جان دے دینی تھی۔ کہاں تم کسی دوسرے اجنبی شہر میں اس کے سہارے زندگی گزارنے کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ وہ تو دو دنوں میں اپنا مقصد نکال کر وہیں کہیں انجان گلیوں میں تمہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا۔"

"وہ تھا کون' اسے کہاں ملا؟" زرین بمشکل اپنی اندرونی حالت کو دبائے سوال کر رہی تھی۔

"بتا رہی تھی انٹرنیٹ پر دوستی ہوئی۔ آمنے سامنے ایک' دو بار ہی دیکھا تھا۔ پتا نہیں کس خاندان اور ذات کا تھا۔ مجھے تو حلیے سے عجیب ہونق سا لگا۔ بہت ہی عام اور لوفر ٹائپ کا تھا۔ عمر بھی کافی کم تھی' شاید نویں' دسویں میں پڑھتا ہو۔"

"اب آگے کیا ہو گا بھابھی۔۔۔ احسان بھائی اور رضوان۔۔۔"

"میں نے سب سوچ لیا ہے۔ تم فکر مت کرو' تمہاری پہلی ترجیح صرف اور صرف اقصیٰ ہونی چاہیے۔ وہ اس وقت کس ذہنی کیفیت سے دوچار ہے اور کیا سوچ رہی ہے۔ اس پہ دھیان دو۔ اسے اکیلا مت چھوڑو' پیار اور نرمی سے پیش آؤ۔ کسی قسم کے طعنے' ڈانٹ' پھٹکار کا سوچنا بھی مت' نفسیاتی طریقے سے ہینڈل کرو' بچی ہے' ان شاء اللہ جلدی سمجھ جائے گی۔ بس میں آج ہی آپا سے بات کرتی ہوں۔"

آخری جملہ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اٹھ کھڑی ہوئیں تو زرین بوکھلا کر ان کے پیچھے آئی۔

"کک۔۔۔ کیا بات۔۔۔ آپا سے کیا کہیں گی؟"

"ارے گھبراؤ مت۔۔۔" ندرت بھابھی اس پورے دورانیے میں پہلی بار مسکرائیں۔

"وہ بھی کافی عرصے سے جاذب اور اقصیٰ کے رشتے کی بات چلانا چاہ رہی ہیں' لیکن میں ہر بار یہ کہہ کر ٹالتی رہی کہ ابھی اقصیٰ بہت چھوٹی ہے اور پڑھ رہی ہے۔ لیکن اب کسی طریقے سے انہیں جلد آنے کے لیے قائل کر لوں گی۔ اقصیٰ کا جلد از جلد کہیں رشتہ کرانا بہت ضروری ہے اور جاذب کا رشتہ ہر لحاظ سے بہت اچھا ہے۔۔۔ فی الحال صرف منگنی بھی ہو جائے تو اس کی ذہنی رو جاذب کی طرف پلٹ جائے گی جو اس حادثے کو بھلانے میں اسے مدد دے گی۔"

وہ پتا نہیں اور بھی کیا کچھ بولے جا رہی تھیں۔ زرین ہکا بکا ان کی صورت تک رہی تھی۔

"آپ ایک "ایسی" لڑکی سے اپنے بھانجے کا رشتہ کریں گی؟"

"پاگل ہو زرین۔۔۔؟" ندرت بھابھی نے تقریباً" چلاتے ہوئے اس پر غصہ کیا۔ "خبردار جو اقصیٰ کو ایسی ویسی لڑکی کہا' اس کی عمر دیکھو۔۔۔ سترہ سال کی عمر میں کی گئی غلطی سے کسی کا کردار سامنے نہیں آ جاتا اور نہ ہی ہمیشہ کے لیے اسے اچھا یا برا ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا جا سکتا ہے۔ بیٹھو اور آرام سے میری بات سنو۔"

ندرت بھابھی نے اسے زبردستی سامنے صوفے پر بٹھایا۔

"اس عمر کی غلطیوں کے پیچھے اکثر ہم بڑوں کی کوئی نہ کوئی کوتاہی ہوتی ہے۔ جب تم اس کے لیے انٹرنیٹ لگوا رہی تھیں' میں تب بھی تمہیں کہنا چاہتی تھی کہ تم ذرا جلدی کر رہی ہو' لیکن بس مداخلت کرنا مناسب نہیں لگا۔۔۔ دیکھو۔۔۔ میں انٹرنیٹ یا موبائل فون وغیرہ کے خلاف نہیں ہوں۔ بھلے ہم نے اپنا دور' ان چیزوں کے بغیر گزارا' لیکن اس کے باوجود میں سمجھ سکتی ہوں کہ آج کل کے بچوں اور نوجوانوں کا ان سہولیات کے بغیر گزارا تقریباً" ناممکن ہے۔ لیکن بھئی بڑوں کی نگرانی بھی کوئی چیز ہے۔ سنی نے نویں جماعت میں آتے ہی موبائل فون کی ضد کی اور باپ نے اس کی بات مان بھی لی' لیکن تم نے غور کیا' میں نے کبھی اس کا موبائل اس کے پاس نہیں رہنے دیا۔ وہ دوستوں سے بات کرنے کے لیے مجھ سے موبائل مانگنے آتا ہے اور رات کو تو کبھی اس کے سرہانے موبائل نہیں چھوڑتی۔۔۔ اب تو اسے بھی عقل آ گئی ہے۔ خود ہی سونے سے پہلے میرے حوالے کر جاتا ہے۔ تمہیں چاہیے تھا' کبھی کبھار اس کے پاس جا بیٹھتیں۔۔۔ پڑھی لکھی ہو' ایک دو مرتبہ میں ہی سمجھ جاتیں کہ انٹرنیٹ پر اس کی مصروفیات کیا ہیں۔۔۔ لیکن اکثر والدین محض اس لیے ایسی باریکیوں سے صرف نظر کر جاتے ہیں کہ کہیں ان کے بچے برا نہ مان جائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ والدین ہم پر بھروسا نہیں کرتے۔۔۔ بس یہی کمیونی کیشن گیپ آگے چل کر بڑے نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔۔۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ آپ کے پاس بچوں کے ہر سوال کا جواب ہو۔۔۔ انہیں باور کرائیں کہ تم ابھی ناسمجھ ہو اور صحیح سمت میں تم لوگوں کی رہنمائی ہمارا فرض ہے۔ انہیں زمانے کی اونچ نیچ بتائیں۔ انٹرنیٹ کے غلط استعمال پر اس سے کھل کر بات کریں۔۔۔ خیر۔۔۔" انہوں نے ذرا دیر کو رک کر سانس لی۔

"جہاں تک اپنے بھانجے سے اس کا رشتہ کرانے کی بات ہے تو زرین۔۔۔ اقصیٰ مجھے جاذب سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ "میرے" گھر کی عزت ہے اور حقیقت میں بہت سیدھی اور معصوم ہے۔ اگر اقصیٰ کہیں اور پلی بڑھی ہوتی تو شاید میں بھی ایسے واقعے کے بعد اسے برا تصور کرتی' لیکن وہ میرے ہاتھوں میں کھیلی ہے۔ میری گود میں پلی بڑھی ہے۔ اس کی سترہ سالہ زندگی کا ایک ایک پل میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے۔ مجھے اس کی اچھائی کے متعلق کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ تم بے فکر ہو کر رشتے کے لیے ہامی بھرو۔۔۔ بھلے آپا میری سگی بہن ہیں۔۔۔ لیکن اس واقعے کی انہیں زندگی بھر ہوا بھی نہیں لگنے دوں گی۔ البتہ احسان اور رضوان کو مناسب لفظوں میں بتانا بہت ضروری ہے۔ گھر کے مردوں سے کبھی کوئی بات نہیں چھپانی چاہیے۔ یہ میرا اصول ہے۔ ویسے بھی کل کو خدانخواستہ' اشارتاً" بھی کوئی بات سامنے آ گئی یا وہ لڑکا ہی پریشان کرنے آ کھڑا ہو تو کم از کم ہمارے مرد معاملات کو اچھے طریقے سے نمٹا لیں گے۔۔۔ اب تم جاؤ۔۔۔ دیکھو اقصیٰ جاگ نہ گئی ہو۔ بس دھیان رکھنا۔ ڈانٹو گی تو وہ باغی ہو گی اور اگر پیار سے پیش آؤ گی تو وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہو گی' آگے تمہاری مرضی۔"

"جی۔۔۔" زرین ہولے سے سر ہلاتی ضمیر پر دو' دو بوجھ لیے وہاں سے اٹھ آئی۔ پہلا بوجھ' اولاد کی تربیت میں اتنی بڑی چوک ہو جانے کا اور دوسرا بوجھ۔۔۔ اس نے ندامت سے لب چبائے۔ ندرت بھابھی کے متعلق اتنی نیگیٹو رائے رکھنے کا۔۔۔ گزرے اٹھارہ برسوں میں جیٹھانی سے نفرت کا جذبہ ایسے ہر بات پر حاوی رہا کہ مثبت انداز میں سوچنے کی اس نے کبھی زحمت ہی نہیں کی تھی۔ جبکہ انہوں نے "اس کے" گھر کی لٹتی بکھرتی عزت پر اپنی محبت کا آنچل ڈالا تھا۔

"اگر بھابھی بھی مجھ سے اور میرے بچوں سے اتنی نفرت کرتیں' جتنی میں اور میرے بچے ان سے کرتے ہیں تو آج۔۔۔" زرین سوچ کر ہی لرز گئی۔ "آج ان کے لیے اس نفرت کو نکالنے کا سب سے سنہری موقع ہوتا۔ لیکن وہ تو میرے اور میرے بچوں کے لیے اتنی محبت رکھتی ہیں۔"

جس جوائنٹ فیملی سسٹم سے نکلنے کے لیے وہ برسوں سے ہاتھ پیر مار رہی تھی' آج اسی سسٹم نے بدنامی کا داغ لگنے سے بچا لیا تھا۔ بھابھی کے جملے بار بار کانوں سے ٹکرا رہے تھے۔ "اقصیٰ کی سترہ سالہ زندگی کا ایک ایک پل میری آنکھوں کے آگے گزرا ہے۔"

زرین آہستہ سے سوئی ہوئی اقصیٰ کے سرہانے بیٹھ کر بغور اسے دیکھنے لگی۔

"آج کی صبح کا آغاز اس نے دن کو برا کہہ کر کیا تھا۔ وہ دن جو اس کی نظر میں صرف اس لیے برا تھا کہ پھر اس میں بھابھی کے بے ہنگم قہقہے اور بے سر پیر کی باتیں ہوں گی۔ جبکہ وہی دن دراصل اس کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے برا ثابت ہوا تھا۔ دن خود کہاں برا ہوتا ہے۔ سورج کی سنہری کرنوں اور پرندوں کی میٹھی بولیوں سے شروع ہونے والے اللہ پاک کے ہر دن میں اس کی قدرت اور شان نظر آتی ہے۔ برے تو ہم اور ہماری نیتیں ہوتی ہیں۔ ہماری سوچ' ہماری خود ساختہ نفرتیں اور ہمارے اعمال ان روشن دنوں کے چہروں پر سیاہی ملتے ہیں۔ کچھ بھی بولنے سے پہلے کاش ہم اپنے گریبانوں میں جھانک لیں تو کبھی کسی دن کو برا نہیں کہیں گے۔

☆

ہے اگرچہ شہر میں اپنی شناسائی بہت
پھر بھی رہتا ہے ہمیں احساسِ تنہائی بہت

اب یہ سوچا ہے کہ اپنی ذات میں سمٹے رہیں
ہم نے کر کے دیکھ لی سب سے شناسائی بہت

منہ چھپا کر آستیں میں دیر تک روتے رہے
رات ڈھلتی چاندنی میں اس کی یاد آئی بہت

اپنا سایہ بھی جدا لگتا ہے اپنی ذات سے
ہم نے اس سے دل لگانے کی سزا پائی بہت

اب تو سیلِ درد تھم جائے، سکوں دل کو ملے
زخمِ دل میں آ چکی ہے اب تو گہرائی بہت

وہ سحر تاریکیوں میں آج بھی روپوش ہے
جس کے غم میں کھو چکے آنکھوں کی بینائی بہت

میں تو جھونکا تھا، اسیرِ دام کیا ہوتا کلیمؔ
اُس نے زلفوں کی مجھے زنجیر پہنائی بہت

کلیم عثمانی

اپنی طلب کا نام ڈبونے کیوں جائیں میخانے تک
تشنہ لبی کا اک دریا ہے شیشے سے پیمانے تک

حسن و عشق کا سوزِ تعلق سمتوں کا پابند نہیں
اکثر تو خود شمع کا شعلہ بڑھ کے گیا پروانے تک

ساقی کو یہ خوش فہمی تھی، ہم تک موج نہ آئے گی
پیاس کا جب پیمانہ چھلکا ڈوب گئے میخانے تک

مٹی سے جب پھول کھلائے کارِ جنوں کی محنت نے
شہر کچھ اس انداز میں پھیلے جا پہنچے ویرانے تک

زخمِ ہنر کا رنگ سلامت، سب کو خبر ہو جائے گی
کتنے چہرے ہم نے تراشے ہاتھ قلم ہو جانے تک

اس غربت کی دھوپ میں شاعر اپنوں کا سایہ بھی نہ تھا
جس غربت کی دھوپ میں ہم کو یاد آئے بیگانے تک

شاعر لکھنوی

لو دیے اُٹھے، وہ حرفِ طلب سوچ رہے ہیں
کیا لکھیے سرِ دامنِ شب، سوچ رہے ہیں

کیا جانیے منزل ہے کہاں، جاتے ہیں کس سمت
بھٹکی ہوئی اس بھیڑ میں سب سوچ رہے ہیں

بھیگی ہوئی اک شام کی دہلیز پہ بیٹھے
ہم دل کے سلگنے کا سبب سوچ رہے ہیں

بجھتی ہوئی شمعوں کا دُھواں ہے سرِ محفل
کیا رنگ جمے آخرِ شب سوچ رہے ہیں

اس لہر کے پیچھے بھی رواں ہیں نئی لہریں
پہلے نہیں سوچا تھا، جواب سوچ رہے ہیں

شکیب جلالی

کبھی ایسا بھی کرنا

کبھی ایسا بھی کرنا
شام کی دہلیز پر
پل بھر کو رُکنا
ڈوبتے سورج کا منظر دیکھنا
اور سوچنا
کہ شام کی گہری اُداسی کا سبب کیا ہے؟
مسافر جب تھکا ہارا
سرِ منزل
کبھی تنہا اُترتا ہے
تو۔ کیا محسوس کرتا ہے

یوسف خالد

شگفتہ جاوید

رنگا رنگ پھول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"کبیرہ گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کرنا ہے۔"
(ابوداؤد)

تاریخی جملہ،

ٹرومین امریکہ میں نائب صدر کے عہدے پر فائز تھا۔ روزویلٹ کی اچانک وفات کے بعد وہ صدر کا منصب سنبھالنے جا رہا تھا تو اسپیکر سے برن نے ٹرومین کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا:
"دیکھو ہیری! اب بہت سے لوگ تمہیں بتائیں گے کہ تم اس ملک کے ذہین ترین فرد ہو لیکن میں اور تم دونوں جانتے ہیں کہ تم ایسے نہیں ہو، اس لیے محتاط رہنا۔"

محبت،

محبت سے غم اور اداسی ضرور پیدا ہوگی۔ وہ محبت ہی نہیں جو اداس نہ کر دے۔
(اشفاق احمد۔ بابا صاحب)
نوال افضل گھمن۔ گجرات

ظرافت طبع،

ذرائع آمدنی مسدود ہو جانے سے مرزا غالب بے حد پریشان تھے اور لوگ روٹی کھاتے تھے تو بقول غالب وہ خود کپڑا کھاتے تھے (ناداری کے باعث گھر میں کپڑے اوڑھنا بچھونا جو کچھ تھا، سب بیچ بیچ کر کھانا پڑا) پریشانی کی اس حالت میں بھی وہ اپنی ظرافت کو چھیڑنے سے باز نہ رکھ سکے۔ ایک خط میں میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں۔
"میاں، بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آ گیا ہے۔ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا، رمضان کا مہینہ روزے کھا کھا کر کاٹا۔ آگے خدا رازق ہے کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے نا۔"
حرا قریشی۔ ملتان

بے چارگی،

ٹرین کے ایک پورے ڈبے میں بارات بیٹھی تھی۔ ایک آدمی کو جب کہیں جگہ نہ ملی تو وہ بھی ٹرین کے اسی ڈبے میں آ کے بیٹھ گیا۔ ٹرین چل پڑی۔ کچھ دیر بعد باراتیوں نے ایک ڈبہ کھولا اور اس میں سے میٹھے چاول نکالے اور ساری بارات کو دیے۔ لیکن اس آدمی کو نہ دیے۔ وہ چپ کر کے بیٹھا رہا کہ کوئی بات نہیں۔ شاید انہوں نے مجھے دیکھا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد باراتیوں نے ایک اور ڈبہ کھولا۔ اس میں سے برفی نکالی اور ساری بارات میں تقسیم کر دی لیکن اس آدمی کو نہ دی۔ اسے بہت غصہ آیا کہ ایک میں ہی باہر کا آدمی ہوں مجھے نہیں دے دیتے تو کیا تھا۔ لیکن وہ ضبط کر کے بیٹھا رہا۔ باراتیوں نے لڈو نکالے اور سب کو ایک ایک لڈو دیا۔ لیکن اس آدمی کو نظرانداز کر دیا۔ آدمی کو بہت غصہ آیا اور وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔
"اللہ کرے اس ڈبے پر بجلی گرے اور تم سب مر جاؤ۔"
باراتیوں میں سے ایک سیانا آدمی کھڑا ہوا اور بولا۔
"اگر اس ڈبے پر بجلی گری تو تم کیسے بچو گے؟"
اس آدمی نے جواب دیا "جیسے چاول، برفی اور لڈو کی دفعہ بچ گیا تھا۔"
ارم کمال۔ فیصل آباد

قربانی،

محبت کسی کے لیے اپنی جان قربان کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ جان تو اللہ کی امانت ہے ہمارے پاس۔ محبت تو کسی کی رضا اور خوشی کے لیے اپنی رضا اور خوشی قربان کرنے کا نام ہے۔
(اشفاق احمد)

تجربہ،

جب آپ تجربات سے بھر جاتے ہیں تو اس قدر بوڑھے ہو چکے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی آپ کے تجربے کو ملازمت نہیں دیتا۔
(بانو قدسیہ۔ راہ رواں)
نوال افضل گھمن۔ گجرات

باتیں کچھ کام کی،

- انتظار کرنے والوں کو اتنا ہی ملتا ہے، جتنا کوشش کرنے والوں سے بچ جاتا ہے۔ اور ہم انتظار کو صبر کا نام دے دیتے ہیں۔ آخری لفظ یہ ہوتا ہے کہ قسمت میں ہی نہیں تھا۔ سو ہمیشہ کوشش کرو انتظار نہ کرو۔
- زندگی میں دو باتوں کا کہنا حقیقی طور پر مشکل ہے کسی اجنبی کو پہلی دفعہ "ہیلو" کہنا اور اس سے واقعی محبت ہو تو اسے "گڈ بائے" کہنا۔
- جب آپ کی غیر حاضری کسی شخص کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتی تو آپ کی موجودگی اس شخص کی زندگی میں کوئی معانی نہیں رکھتی۔
- منفی رویہ کی مثال پنکچر شدہ ٹائر کی مانند ہے، جس کو آپ تبدیل کیے بغیر کہیں نہیں پہنچ سکتے۔
- جو شخص آپ سے غصے کا اظہار کرے تو اسے غلط مت سمجھو۔ کیونکہ غصہ گہری محبت کے اظہار کا سستا ترین اور بچوں جیسا طریقہ ہے۔

سونو گوندل۔ جہلم

انداز بیاں اور،

ماں نے دوسرے کمرے سے آواز دے کر بیٹے سے پوچھا۔
"بیٹا! تمہارا چھوٹا بھائی کیوں رو رہا ہے؟"
"ممی! میں اپنے بسکٹ کھا رہا ہوں اور اسے نہیں دے رہا اس لیے رو رہا ہے۔" بیٹے نے جواب دیا۔
"تو اس کے پاس اپنے بسکٹ نہیں ہیں کیا...؟ میں نے اسے بھی تو دیے تھے۔" ماں نے پوچھا۔
"ممی! جب میں اس کے بسکٹ کھا رہا تھا، یہ تب بھی رو رہا تھا۔" بڑے بیٹے نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔
مہک فہیم۔ لیاری

بات تو سچ ہے مگر،

- اگر آپ کسی بے وقوف کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے تو آپ کو پہلے اپنا آئینہ توڑنا چاہیے۔
- تجربہ بہترین استاد ہے لیکن اس مدرسے کی فیس بہت زیادہ ہے۔
- ڈپلومیٹ وہ شخص ہے جو ایک عورت کی سالگرہ کا دن تو یاد رکھے لیکن اس کی عمر بھول جائے۔
- تین آدمیوں میں راز راز رہ سکتا ہے بشرطیکہ ان میں سے دو مر چکے ہوں۔
- ایک مرتبہ شادی کرنا فرض ہے دوسری مرتبہ حماقت اور تیسری مرتبہ پاگل پن۔
- ہجوم میں کئی سر ہوتے ہیں لیکن دماغ نہیں ہوتے۔
- مہمان چلے جانے کے بعد اکثر بہت اچھے لگتے ہیں۔
- جب دولت محو گفتگو ہوتی ہے تو کوئی قطع کلامی نہیں کرتا۔
- اپنے متعلق آپ خود کچھ نہ کہیں، یہ کام آپ کے جانے کے بعد ہو جائے گا۔
- کوئی آئینہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر نہیں پیش

کرسکتا جتنی اس کی بات چیت۔
٭۔ خوش امیدی ایک "ماسٹر کی" ہے۔ جس سے ہر بند دروازہ کھولا جاسکتا ہے۔
٭۔ انسان کی زندگی بھی پودوں جیسی ہوتی ہے۔ کچھ کو پانی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کسی کو راہ دکھاتے ہیں کچھ کو جنگل کے پودوں کی طرح خود سنبھالتے ہیں۔

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑپکا

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا فہم دین

امیرالمومنین سیدنا عمرؓ اکثر اوقات سیدنا عبداللہ بن عباس سے فقہی مسائل پوچھتے رہتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ الٰہی عبداللہ بن عباس کو کتاب اور حکمت سکھا دے۔ اس دعا کی بدولت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی علمی استعداد بہت خوب تھی۔

ایک دفعہ ایک نصرانی بادشاہ نے چند سوالات لکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے۔ ان کے جوابات آسمانی کتابوں کی رو سے دینے کا مطالبہ کیا۔ سوالات درج ذیل ہیں۔

پہلا سوال ایک ماں کے شکم سے دو بچے ایک دن ایک ہی وقت پیدا ہوئے۔ پھر دونوں کا انتقال بھی ایک ہی دن ہوا۔ ایک بھائی کی عمر سو سال بڑی اور دوسرے کی سو سال چھوٹی ہوئی۔ یہ کون تھے، اور ایسا کس طرح ہوا؟

دوسرا سوال وہ کون سی زمین ہے کہ جہاں ابتدا سے قیامت تک صرف ایک دفعہ سورج کی کرنیں لگیں، نہ پہلے کبھی لگی تھیں نہ آئندہ کبھی لگیں گی؟

تیسرا سوال وہ کون سا قیدی ہے جس کو قید خانہ میں سانس لینے کی اجازت نہیں اور وہ بغیر سانس لیے زندہ رہتا ہے؟

چوتھا سوال وہ کون سی قبر ہے جس کا مردہ بھی زندہ اور قبر بھی زندہ اور قبر اپنے مدفون کو سیر کراتی پھرتی تھی۔ پھر وہ مردہ قبر سے باہر نکل کر کچھ عرصہ زندہ رہ کر وفات پایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو بلایا اور فرمایا کہ ان سوالات کے جوابات لکھ دیں۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جوابات تحریر فرمادیے۔

پہلا جواب جو دونوں بھائی ایک دن ایک ہی وقت پیدا ہوئے اور دونوں کی وفات بھی ایک ہی دن ہوئی اور ان کی عمر میں سو سال کا فرق۔ یہ بھائی سیدنا عزیر علیہ السلام اور ان کے بھائی تھے۔ یہ دونوں بھائی ایک ہی دن ایک ہی وقت ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ان دونوں کی وفات بھی ایک ہی دن ہوئی۔ لیکن بیچ میں سیدنا عزیر علیہ السلام کو اپنی قدرت کا ملہ دکھانے کے لیے پورے سو سال مارے رکھا۔ سو سال موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندگی بخشی۔ سورہ آل عمران میں یہ ذکر موجود ہے "وہ گھر گئے پھر کچھ عرصہ مزید زندہ رہ کر رحلت فرمائی" دونوں بھائیوں کی وفات بھی ایک ہی دن ہوئی۔ اس لیے سیدنا عزیر علیہ السلام کی عمر اپنے بھائی سے چھوٹی ہوئی اور ان کی عمر سو سال بڑی ہوئی۔ دوسرا جواب وہ زمین سمندر کی کھاڑی قلزم کی تہہ ہے جہاں فرعون غرق ہوا تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے دریا خشک ہوا تھا۔ حکم الٰہی سے سورج نے بہت جلد سکھایا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام مع بنی اسرائیل پار چلے گئے۔ اور جب فرعون اور اس کا لشکر داخل ہوا تو وہ غرق ہوگیا۔ اس زمین پر سورج ایک دفعہ لگا پھر قیامت تک بھی نہ لگے گا۔

تیسرا جواب جس قیدی کو قید خانہ میں سانس لینے کی اجازت نہیں اور وہ بغیر سانس لیے زندہ رہتا ہے، وہ بچہ ہے جو اپنی ماں کے شکم میں قید ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کے سانس لینے کا ذکر نہیں کیا اور نہ وہ سانس لیتا ہے۔

چوتھا جواب وہ قبر جس کا مردہ بھی زندہ اور قبر بھی زندہ۔ وہ مردہ سیدنا یونس علیہ السلام تھے اور ان کی قبر مچھلی تھی جو ان کو پیٹ میں رکھے جگہ جگہ پھرتی تھی یعنی سیر کراتی تھی۔ سیدنا یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ سے باہر آکر عرصہ تک حیات رہے پھر وفات پائی۔

ثمرہ، اقرأ۔ کراچی

فرزانہ کوثر کی ڈائری سے

جب کوئی بہت اپنا از حد سفا کی و بے اعتنائی کا مظاہرہ کرے تو آنکھوں سے جھلکتا دکھ اور دل میں جلتی خوش فہمیاں انسان کو کنارے نہیں لگنے دیتیں۔ اسی کیفیت کو بیان کرتی احمد فراز کی یہ غزل۔

تیرا قرب ہے نہ یاد ہے، کیا کیا جائے
پھر آج دکھ بھی زیادہ ہے، کیا کیا جائے

کچھ اپنے دوست بھی ترکش بدوش پھرتے ہیں
کچھ اپنا دل بھی کشادہ ہے، کیا کیا جائے

نہ ان سے ترکِ تعلق کی بات کر پائیں
نہ ہمدمی کا ارادہ ہے، کیا کیا جائے

وہ مہرباں ہے، مگر دل کی حرص بھی تو کم ہو
طلب کرم سے زیادہ ہے، کیا کیا جائے

ہمیں بھی عرضِ تمنا کا ڈھب نہیں آتا
مزاجِ یار بھی سادہ ہے، کیا کیا جائے

سلوکِ یار سے دل ڈوبنے لگا ہے فراز
مگر یہ محفلِ اعداء ہے، کیا کیا جائے

سیدہ نسبت زہرا کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر جون ایلیا کی یہ خوبصورت

غزل سب قارئین بہنوں کے لیے۔

حالت حال کے سبب حالتِ حال بھی گئی
شوق میں کچھ نہیں گیا شوق کی زندگی گئی

تیرا فراق جانِ جاں عیش تھا کیا مرے لیے
یعنی تیرے فراق میں خوب شراب پی گئی

کہنی ہے مجھ کو ایک بات آپ سے یعنی آپ سے
آپ کے شہرِ وصل میں لذتِ ہجر بھی گئی

ان کی گلی سے اٹھ کے میں آن پڑا تھا اپنے گھر
ایک گلی کی بات تھی اور گلی گلی گئی!

تیرے وصال کے لیے اپنے کمال کے لیے
حالتِ جان کہ تھی خراب اور خراب کی گئی

اس کی امیدِ ناز کا مجھ سے یہ مان تھا کہ آپ
عمر گزار دیجیے، عمر گزار دی گئی

تم نے بہت شراب پی اس کا سبب ہی کو دکھ ہے جون
اور جو دکھ ہے وہ یہ ہے تم کو شراب پی گئی

خالدہ جیلانی

میری بیاض سے

مسز نگہت غفار ______ کراچی

تجھے حواس کی آوارگی کا علم کہاں
کبھی میں تجھ کو تیرے سامنے تلاش کروں
کبھی جب رہوں بھی بے وجہ ہنس پڑوں محسن
اسے گنوا کر عجب حوصلے تلاش کروں

کنزیٰ شاہین ______ آخون بانڈی

چاند بھی کھویا کھویا سا ہے تارے بھی خوابیدہ ہیں
آج فضا کے بوجھل پن سے لہجے بھی سنجیدہ ہیں
اس بستی میں ایک قبر ہے جس سے ہم کو نفرت ہے
اس کے نیچے پگڈنڈی ہے جس کے ہم گرویدہ ہیں

حنا سلیم اعوان ______ آخون بانڈی

کچھ خوشی کے سائے ہیں، اور کچھ غموں کے ساتھ ساتھ
زندگی کٹ ہی گئی الجھنوں کے ساتھ ساتھ
کاش پھر سے لوٹ آئیں وہی بچپن کے دن
بھاگنا پھولوں کی خاطر، تتلیوں کے ساتھ ساتھ

فضہ اکبر علیزے شاہ ______ سرگودھا

جو تیرا نصیب تھا تجھے مل گیا جو مل نہ سکا تیرا نہ تھا
تیرا دل یہ رمز سمجھ گیا تو کوئی کمی نہ عمر بھر رلائے گی

امبر عارف ______ کراچی

پاؤں فگار جس میں ہوئے، وہ سفر نہ تھا
جس گھر میں عمر کٹ گئی، وہ میرا گھر نہ تھا
تنہائیوں کے دشت تھے، بیگانگی کی دھوپ
میں جل رہا تھا اور کوئی چارہ گر نہ تھا

نسیم احمد مغل ______ حیدرآباد

خود سے روٹھوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر رو لوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں

صبا کرن ______ کراچی

ہم شجر تھے شجر ہی رہے
وہ موسم تھا بدلتا ہی گیا

نمرہ، اقرأ ______ کراچی

یہ فخر تو حاصل ہے، برے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات

جہاں بدلا مگر آداب میخانہ نہیں بدلے
کبھی اے گردش دوراں اِدھر بھی آ گئی ہوتی
مقام عاشقی دنیا نے سمجھا ہی نہیں ورنہ
جہاں تک تیرا غم ہوتا وہیں تک زندگی ہوتی

سونیا نسرین ______ میرپور

پھر آج عدم شام سے غمگیں ہے طبیعت
پھر آج سر شام تری یاد آئی

عظمیٰ غلام نبی ______ کراچی

کبھی جو عہد وفا میری جاں تیرے میرے درمیاں ٹوٹے
میں چاہتی ہوں کہ اس سے پہلے زمیں پہ آسمان ٹوٹے
وہ سنگ ہے تو گرے بھی دل پر وہ آئینہ ہے تو چھوڑ دی جائے
کہیں تو میرا اعتبار بکھرے، کہیں تو میرا گمان ٹوٹے

سونیا تہمین ______ موہڑہ دھمیاں

تنہا سمجھ رہا ہے میرے دل کو چارہ گر
دنیا بسی ہے اس میں کسی کے خیال کی

شائستہ اکبر ______ گڈو کالونی

بے آواز گلی کوچوں میں غزل سرا ہے
شہر سخن کا ایک مسافر تنہا تنہا

رافعہ ارشد ______ لیاری کراچی

جو تکلف کی حد سے نہ آگے بڑھی
وہ ملاقات بھی داستاں بن گئی

مدیحہ نورین مہک ______ برنالی

محبت آزمانی ہو فقط اتنا ہی کافی ہے
ذرا سا روٹھ کر دیکھو منانے کون آتا ہے

نخبہ اکرم ______ گاؤں کوٹلی

لحاظِ عشق نہ ہوتا تو تجھ سے رنجشیں ہوتیں
شکایت صرف یہ ہے کہ تو سمجھا نہیں مجھ کو

عارفہ ارشد ______ لیاری کراچی

اُس سے کب ہم نے ملاقات کا وعدہ چاہا
دور رہ کر اسے اور زیادہ چاہا
یاد آتا ہے کچھ اور بھی شدت سے
بھول جانے کا اسے جب بھی ارادہ چاہا

سمیرا یوسف ______ کراچی

بڑے اسرار پوشیدہ ہیں اس تنہائی پسندی میں
یہ مت سمجھو کہ دیوانے جہاں دیدہ نہیں ہوتے
تعجب کچھ نہیں مجھ کو کہ دنیا مجھ سے ناخوش ہے
بہت سے لوگ دنیا میں پسندیدہ نہیں ہوتے

سلمیٰ بانو ______ کراچی

ہر اک بار سوچ کے دل بھر آیا ہے
اتنی عمر میں کیا کھویا کیا پایا ہے

مسکان قریشی ______ ملتان

اپنی اپنی انا کے قیدی تھے
ہمارے بیچ کوئی دوسرا نہ تھا

ارم کمال ______ فیصل آباد

آنکھیں ہیں سرخ ہونٹ سیاہ زرد ہیں
ہر شخص جیسے میرے قبیلے کا فرد ہے
جب میں نہ تھا تو میری وفاؤں میں دھوم تھی
اب میں ہوں اور سارے زمانے کا درد ہے

سمیرا انور ______ جھنگ

اپنا گھر لے کے کہیں اور نہ جایا جائے
گھر میں بکھری ہوئی چیزوں کو سجایا جائے
گھر سے مسجد ہے بہت دور چلو یوں کر لیں
کسی روتے ہوئے بچے کو ہنسایا جائے

خبریں و بریں

واصفہ سہیل

مسکہ

اداکارہ نشو ساحر لودھی کی فلم "موسم" میں ایک اہم کردار ادا کررہی ہیں (دیکھا! چونک گئے نا آپ بھی کہ نشو اور ساحر کی فلم۔؟) جس کی شوٹنگ گزشتہ دنوں لاہور کے مقامی فارم ہاؤس میں شروع ہوگئی ہے۔ اس فلم کو لکھا ہے (ہمیشہ کی طرح) پرویز کلیم نے اور ہدایت کار عرفان بتائے جاتے ہیں۔ فلم کے ہیرو ساحر لودھی خود ہیں (اپنی فلم میں کون کسی اور کو لیتا ہے بھئی) دوسری طرف۔ نشو کا کہنا ہے کہ وہ معیاری اور دلچسپ کردار دیکھ کر فلم سائن کرنے پر آمادہ ہوئی ہیں۔ (مل گیا... یہی بڑی بات ہے آپ کے لیے) نشو کا مزید کہنا تھا کہ "موسم" کی ٹیم اور ساحر کی صلاحیت (کیا واقعی؟) دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مستقبل میں ساحر لودھی ایک کامیاب ہیرو ثابت ہوں گے۔ (ہاہا۔۔۔؟)

آئٹم نمبر

سارہ لورین (یعنی اپنی مونا لیزا) انتہائی صبر اور خاموشی کے ساتھ بولی ووڈ میں اپنے لیے جگہ بنا رہی ہیں۔ بھارتی فلم "برکھا" کے بارے میں خبر ہے کہ سارہ کو انیس بزمی نے اپنی آنے والی فلم "ویلکم بیک" میں ایک آئٹم نمبر کے لیے بھی منتخب کرلیا ہے۔ (بس اس حد تک ہی اہمیت دیتے ہیں وہ ہماری ہیروئنوں کو) بقول سارہ لورین "میں نے اس گانے کی ویڈیو تو ریکارڈ کروادی ہے' لیکن مجھے اسے پردے پر دیکھنے کی بے چینی ہورہی ہے (پردے پر آنے کے بجائے آپ کا آئٹم سونگ پردے میں ہی رہتا تو زیادہ بہتر نہ تھا؟) کیونکہ انیس بزمی نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں پہلے کے

مقابلے میں مختلف انداز میں پیش کریں گے۔ (مثلاً" کیا مختلف) حیرت ہے میرا اور حال ہی میں وینا ملک کا انجام دیکھ کر بھی آپ کو یہ خوش فہمی ہے۔

خفیہ

لیجیے جناب۔! آج کل اداکارہ لیلیٰ ایک رئیلٹی شو کی ریکارڈنگ میں مصروف ہیں (کیوں بھئی مارننگ شو سے کیا چھٹی ہی ہوگئی؟) لیلیٰ کہتی ہیں کہ وہ ایک رئیلٹی شو کی جج (آہم۔!) کی حیثیت سے ریکارڈنگ کروا رہی ہیں۔ جس میں پاکستان کے مختلف شہروں سے نوجوان حصہ لے رہے ہیں۔ جن کی ڈانس پرفارمنس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں حقیقی معنوں میں ٹیلنٹ موجود ہے (لیلیٰ کی ججمنٹ اور ٹیلنٹ کی تلاش ۔۔۔ کیا مذاق ہے بھئی) اگر نوجوانوں کو اچھا پلیٹ فارم مہیا کیا جائے تو وہ اپنا نام روشن کرسکتے ہیں (موم بتی جلا کر۔۔۔؟) ان کا مزید کہنا ہے کہ مجھے مختلف فلموں اور ٹی وی پروجیکٹس کے لیے آفرز ہوئی ہیں (خواب میں؟) تاہم (آہم) فی الحال دن رات رئیلٹی شو کی ریکارڈنگ میں مصروف ہوں (ایسا کون سا رئیلٹی شو ہے جو دن رات۔۔۔؟) ریکارڈنگ مکمل کروانے کے بعد نئے پروجیکٹس پر کام شروع کروں گی۔ (ہاں جب تک شاید کوئی "سچ مچ" کی آفر آہی جائے) لیلیٰ ہم بھی چاہتے ہیں کہ آپ کا یہ رئیلٹی شو (خفیہ) جلد منظر عام پر آئے۔

مقبولیت

شعیب اختر کا کرکٹ کیریر تو ختم ہوگیا لیکن ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ وہ ٹی وی پر دھواں دار تبصرے تو کرتے ہی ہیں' لیکن فی الحال وہ پہنچے ہوئے ہیں ممبئی' جہاں وہ ایک رئیلٹی ٹی وی شو میں حصہ لے رہے ہیں۔ شعیب فرح خان اور انو ملک کے ساتھ اس پروگرام میں جج کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ (اب ہمارے کرکٹرز دوسرے ملکوں میں جا کر یہی کریں گے) شعیب اختر نے اپنی تیز گفتاری (یعنی چرب زبانی) سے بھارتی شائقین کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا۔ شعیب اس موقع پر پروگرام میں حصہ لینے والوں کی کارکردگی سے بھی بہت متاثر ہوئے (کہنے میں کیا جاتا ہے)

ڈر

گلوکار جواد احمد نے سیاست میں آنے اور سیاسی پارٹی بنانے کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے (یعنی خبر سچی ہے!) کہ کچھ لوگوں نے ایسے ہی یہ خبر اڑا دی کہ میں نے یوم مئی پر سیاسی پارٹی بنانے کا اعلان کیا ہے۔ جب کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تو صرف "برابری" کے نام پر ایک تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے جو کہ میری تنظیم انٹرنیشنل یوتھ اینڈ ورکرز موومنٹ چلائے گی۔ (لو جی تو فرق کیا ہے اس میں...؟) کیونکہ ہم سمجھتے ہیں پاکستان میں غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کو اپنی آواز بلند کرنے کے لیے ایک سیاسی عمل شروع کرنے کی اشد ضرورت ہے ورنہ انہیں ان کے حقوق کبھی نہیں ملیں گے۔ (تقریر بھی پکی سیاسی کر ڈالی اور کہتے ہیں۔) پتا نہیں جواد احمد آپ! اس بات کو اتنا خفیہ کیوں رکھ رہے ہیں۔ بھئی جب ارادہ کر لیا تو چھپانا کیسا؟ آخر ابرارالحق بھی تو ببانگ دہل تحریک انصاف میں شامل ہو چکے ہیں۔ تو آخر آپ "کس" سے ڈر رہے ہیں۔

کچھ ادھر ادھر سے

بغل میں چھری، منہ پر رام رام جیسا محاورہ نریندر مودی اینڈ کمپنی کے لیے تراشا تھا۔ گزشتہ ماہ دہلی میں ہونے والے مشاعرے میں کراچی کی شاعرہ ریحانہ روحی نے کتنی خوب صورت بات کہی تھی۔

بظاہر دوستی یاری بہت کی، ہماری دل داری بہت کی
محبت تو نہیں کی اس نے، محبت کی اداکاری بہت کی

(منصور اصغر راجہ۔ بے نیام)

☆ کراچی کی سخت جانی حیرت انگیز ہے۔ شدید ترین ہنگامہ آرائی اور خون ریزی کے بعد جس طرح یہ شہر دوبارہ معمول کے مطابق زندگی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے۔

(سابق امریکی سفیر)

☆ مقدمہ کے سائل کے لیے سب سے آسان طریقہ ہے کہ اگر جج پسند نہ آئے تو اسے گالیاں دے دیں اور پھر کہہ دیں کہ جج متعصب ہے۔

(جسٹس ایس خواجہ)

☆ مجھے ایک بار بھارت کے دارالحکومت ممبئی جانے کا اتفاق ہوا اور میں یہ دیکھ کر وحشت زدہ ہو گیا کہ بلا مبالغہ لاکھوں مرد، عورتیں اور بچے فٹ پاتھوں پر ننگ دھڑنگ سوئے ہیں۔ میں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا تھا کہ ایسا منظر پاکستان میں کہیں نہیں دیکھا اور ہمارے لوگ کہیں بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

(الطاف حسن قریشی۔ صورت حال)

☆ یہ قوم اور اس کے "آزاد" صحافی جنرل مشرف کے خلاف تو نہیں کھڑے ہوئے، جس نے امریکی احکامات پر محسن قوم قدیر خان کو جھوٹے الزامات لگا کر ذلیل کیا اور جان سے مارنے کی دھمکیاں دے کر ان سے اقرار جرم کروایا۔

(ڈاکٹر اے ایچ۔ نیر زیدی واشنگٹن)

☆

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
khawateendigest@hotmail.com

گسار رہے ہیں، وہ صرف یہی ڈائجسٹ تھے ورنہ اس دنیا کی چبھتی ہوئی باتیں تو نجانے کب کا ختم کر چکی ہوتیں مجھے۔ میں شکریہ ادا کرنا چاہوں گی آپ کا کہ آپ نے بہن سعدیہ اعوان گاؤں بوتالہ جھنڈا سنگھ) کے خط کے جواب میں یہ لکھا۔

(کہ گاؤں کے گورنمنٹ اسکول میں اساتذہ حاضری لگانے بھی نہیں آتے) اور آپ کا جواب پڑھ کر مجھے لگا کہ مجھے بھی خط لکھنا چاہیے۔ میں عرصہ دس سال سے گاؤں کے گورنمنٹ پرائمری اسکول میں ٹیچر ہوں صرف میں ہی نہیں بلکہ میری تین اور بہنیں بھی پرائمری اسکول ٹیچر ہیں ہم سب اعلا تعلیم یافتہ ہیں ایک عورت ہونے کے ناتے ہمیں کنوینس پرابلم اور دوسرے پرابلمز کا بھی سامنا رہا لیکن ہم نے یہ عزم کیا تھا کہ ہم اپنی جاب کو پوری ایمان داری کے ساتھ سرانجام دیں گے۔ باوجود اس کے کہ گاؤں

عالیہ بتول... حویلی بہادر شاہ

ماڈل رانیہ کافی اچھی لگ رہی ہے۔ عنیزہ سید تو اچھا لکھ ہی رہی ہیں۔ عفت سحر نے بھی کہانی کو آگے بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ تنزیلہ ریاض کا عہد الست بھی اس دفعہ اچھا لگا، مطلب کچھ تیز ہوا۔ ناول نایاب جیلانی کے بارے کیا کہوں تعریف کے لیے الفاظ کم ہیں۔ بہت خوب صورت تحریر لکھی ہے۔ عدیل نے جس طرح مامن کو جواب دیا تھا اس کے سوال کا کتنی محبت کرتے ہو اور جتنے بے اس نے لگائے خوب مزا آیا پڑھ کر لیکن مامن کی جذباتیت اچھی نہیں لگی اور عفیرہ نے تو بالکل اچھا نہیں کیا تھا۔ محبت کا ہنر رضیہ مہدی کا بھی اچھا تھا۔ زندگی ہو تم صدف آصف کی تحریر بھی دل کو بھائی اگر خوش بخت نے خاموش رہ کر اپنی ساس اور شوہر کے دل میں جگہ بنائی تو ساس نے بھی بے وجہ ٹانگ نہیں اڑائی۔ تب ہی تو دونوں خوش رہیں۔ روشنی عائشہ فیاض کا کافی اچھا افسانہ تھا بندی کہانی بھی مزے کی تھی۔

ج : عالیہ! آپ تو ہماری پرانی قاری ہیں اور ہمیں باقاعدگی سے خط لکھتی رہی ہیں۔ پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہیں ہو سکا۔ اس کا ہمیں افسوس ہے۔
خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

ارم ریاض... کالووال رسالہ خورد

جیسے ہی خواتین ڈائجسٹ ہاتھ میں آتا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتا ہے۔ دل خود بخود تعریف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اتنی اچھی اور سبق آموز تحریریں ہوتی ہیں کہ دل چاہتا ہے پڑھتے رہیں۔ تمام سلسلے میرے موسٹ فیورٹ ہیں۔ سب سے پہلے جو افسانہ بہت پسند آیا، وہ تھا "زندگی ہو تم" بہت خوب صورت تحریر جس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ باقی افسانے بھی بہت اچھے اور سبق آموز تھے۔

ج : پیاری ارم! آپ کے خطوط شامل نہ ہو سکے اور آپ کو دکھ ہوا اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔
خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

شازیہ رحمان غوری... کھروڑپکا

میں نے اپنی زندگی میں بہت سی پریشانیوں اور غموں کا سامنا کیا ہے لیکن اس ذات پاک کی مہربانی اور میری پیاری امی کی بے پناہ محبت کے بعد جو میرے بہترین دوست اور غم

کے لوگ ہم سے تعاون نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ علم حاصل کرنے سے کون سا ان کی غربت ختم ہو جائے گی؟ آپ یقین کریں کہ ہم نے بہت سی مشکلات سہی ہیں اس جاب میں۔ میرے ابو بھی اس شعبے سے منسلک تھے اور مجھے خوشی ہے کہ آج میرے پڑھائے ہوئے اسٹوڈنٹس کالج میں زیرِ تعلیم ہیں حالانکہ پسماندہ علاقے کا وہی دو کمروں کا اسکول ہے غریب بچے ہیں۔ جو یونیفارم پہن کر بھی نہیں آتے، بچوں کے منہ تک دھلے ہوئے نہیں ہوتے، ہم شہر سے ٹائم پر اسکول پہنچ جاتے ہیں لیکن بچے بہت لیٹ اسکول آتے ہیں حالانکہ سب کے گھر نزدیک ہیں اور روزانہ یہ ہماری ڈیوٹی ہوتی ہے کہ ہم بچوں کو گھروں سے بلاتے ہیں کہ اسکول آئیں اور جب میں نے اسکول جوائن کیا تھا تو چار دیواری تک نہیں تھی شاید آپ میری باتوں سے میری مشکلات کا کچھ اندازہ لگا پائیں کہ گورنمنٹ اساتذہ کتنی مشکلات سے اپنے فرائض سر انجام دے رہے ہیں اور لوگوں کی سوچ جو گورنمنٹ اسکولوں کے بارے میں بن چکی ہے اس میں تبدیلی آجائے۔

ج : پیاری شازیہ! طوالت کی وجہ سے ہم آپ کا پورا خط شامل نہیں کرسکے بہت اچھا خط لکھا ہے آپ نے۔ تحریر مربوط، رائٹنگ بہت خوب صورت، اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ بہت اچھی استاد ہوں گی۔ بہت اچھی بات ہے کہ آپ علم کی اہمیت کو سمجھتی ہیں اور اپنے فرائض کو بھی۔

کسی بھی شعبے کے بارے میں اظہار خیال کیا جاتا ہے تو وہ وہاں کی اکثریت کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں تھا تمام ٹیچرز غیر ذمہ دار اور کام چور ہیں۔ یقیناً" ان میں بہت سے اچھے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے فرائض ذمہ داری سے انجام دیتے ہوں گے۔ آپ نے گاؤں کے لوگوں کی حالت اور تعلیم سے عدم دلچسپی کے بارے میں جو لکھا، وہ درست ہے لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ آپ نے اس دو کمروں کے اسکول میں جس کی چھت بھی نہ تھی۔ ذمہ داری سے اپنا فرض نبھایا اور ان لوگوں کو تعلیم دی جو پڑھائی میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے تو آج اس گاؤں کے بچے جو آپ کے شاگرد رہے ہیں۔ کالج میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ اگر استاد اپنے فرائض ذمہ داری سے ادا کریں تو وہ لوگ ذہانت میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ وہ پڑھ سکتے ہیں۔

نخبہ اکرم ۔۔۔ گاؤں گوکیلی گجرات

بہت سی پریشانیوں نے گھیرا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں پچھلی دفعہ خط نہ لکھ سکی۔ میری تمام پریشانیوں کا حل مجھے خواتین ڈائجسٹ اور شعاع سے ملتا ہے یہ میرے استاد ہیں۔

آپی جی سب سے پہلے تو میں نے یہ بتانا ہے کہ میرے دو نام ہیں۔ زنوبہ اکرم، نخبہ اکرم۔ زنوبہ اکرم میرا رجسٹرڈ نام ہے۔ خاندان میں سب مجھے اسی نام سے جانتے ہیں اور میری اسکول کی فرینڈز بھی۔ میں جامعہ میں پڑھتی رہی ہوں۔ ادھر پرنسپل صاحبہ نے میرا نام نخبہ رکھ دیا تو سب نخبہ ہی بلانے لگ گئے۔ آج میں اپنے پیارے سے گاؤں گوکیلی کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں الحمد اللہ رب باری تعالیٰ نے ہمارے علاقے کو ہر قسم کی سہولت سے نوازا ہے، یہ دریائے چناب کے کنارے واقع ایک بہت بڑا اور خوب صورت گاؤں ہے یہاں پر ضروریات زندگی کی ہر ہر چیز دستیاب ہے۔ یہاں کے لوگ پڑھے لکھے باشعور ہیں اور تعلیم کی اہمیت سے آگاہ ہیں اسی لیے یہاں لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم پر بھی بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لڑکیوں کے لیے گورنمنٹ گرلز کالج ہے جہاں پر لڑکیاں ایف اے تک تعلیم حاصل کرتی ہیں گورنمنٹ گرلز اینڈ بوائز اسکول کے علاوہ یہاں پر بہت سے پرائیویٹ اسکول بھی قائم ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے گاؤں میں دینی مدارس بھی ہیں۔ گیس اور واٹر سپلائی کی سہولت بھی ہے ہمارے گاؤں کی سڑکیں کشادہ اور پکی ہیں۔ یہاں کے لوگ مہمان نواز اور محنتی ہیں۔

آپی جی اک لڑکی خط لکھتی تھی سونیا ربانی قاضیاں سے اب وہ کیوں نہیں لکھتی۔ رہ نورد شوق، پڑھا اف کتنا پیارا لکھتی ہیں ہماری لکھاری بہنیں۔ گل افشاں رانا کتنا اچھا لکھتی ہیں آپ۔ کتنا اچھا بولتی ہیں آپ، بہت دکھ ہوا جب یہ پڑھا کہ میں پچھلے دس سال سے اپنے پاؤں پر چلنے کی عظیم نعمت سے محروم ہوچکی ہوں۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

ج : پیاری نخبہ! آپ کے گاؤں کے بارے میں جان کر دلی خوشی ہوئی۔ اگر بڑے شہروں کی طرح دیہی علاقے کی ترقی پر توجہ دی جائے، وہاں روزگار کی سہولیات مہیا ہوں تو

ملک تیزی سے ترقی کرسکتا ہے۔ خصوصاً" پنجاب حکومت نے جو پکی سڑکیں بنانے پر توجہ دی ہے اس سے علاقوں میں بہت بہتری آئی ہے۔ آپ کے گاؤں میں لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کر رہی ہیں یہ بہت خوش آئند بات ہے۔ ایک لڑکی کی تعلیم ایک کنبہ کی تعلیم ہے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

عائشہ خان ۔۔۔ ٹنڈو محمد خان

ٹائٹل بہت پیارا لگا، ہر چیز پرفیکٹ، ماڈل کلر کمبی نیشن سب اچھا لگا۔

آبدیدہ ہو کر کرن کرن روشنی پڑھا۔ مجھے بہت رونا آیا کہ اللہ کی رحمت کتنی زیادہ ہے۔ رہ نورد شوق میں گل افشاں رانا کے متعلق پڑھ کر دکھ ہوا اور ان کے حوصلے کو داد بھی دی۔ آپ کا باورچی خانہ، رحمہ فریال ملک ویل ڈن، اب تک کے آپ کا باورچی خانہ کا بیسٹ تھا۔ ویلڈن رحمہ، تمہارے مزاحیہ اسٹائل کے ساتھ بہت مزا آیا۔ ہاہاہا اور گو بھی گوشت کی ترکیب سن کر آپ کے شوہر کی حالت جو آپ نے بیان کی، مجھے بہت ہنسی آئی۔ افسانوں میں صدف آصف نمبر لے گئیں۔ دوسرے نمبر پر روشنی ہے۔ خبریں ویریں میں تو بہ بھئی واصفہ قلم اسٹار زیبا کو جو برجستہ جواب دیے۔ بے اختیار ہنسی آگئی۔ میری بیاض سے میں امبر گل، طیبہ نواز، شفاعت بتول نین تارا کے شعر پسند آئے۔

ہمارے نام میں امبر گل حیا بخاری شاہدہ ظفر کا تفصیلی تبصرہ اچھا لگا، نسبت زہرہ اور (بچہ پارٹی) مریم سارہ ایشاع طوبٰی کی انٹری اچھی لگی۔ مسز علی کے اعتراض پر آپی جی کا جواب۔ ہمیں قائل ہونا ہی پڑا اور اقرا ملک تفصیل سے لکھا کرو۔ تنزیلہ ریاض کی بہترین موضوع پر لکھے گئے ناول عہد الست بہت زبردست چل رہا ہے۔ میرا تو دماغ گھوم گیا۔۔۔ بے چارہ بچہ صرف پڑھائی کرتا رہتا ہے۔

یہ ناول وہ ماں باپ ضرور پڑھیں جو اپنے بچوں کو جادو گر سمجھتے ہیں ان کے سر پر ایک ٹینشن طاری کردیتے ہیں کہ ہر حال میں پوزیشن لانی ہے۔ سب سے اچھا جملہ صفحہ نمبر 100 پر (آسانیاں تلاش کرتے رہنے سے مشکلات بڑھتی ہیں اس لیے مشکلات کا حل تلاش کرتے ہیں، آسانیاں نہیں۔ واہ زبردست جملہ ہے۔

ج : پیاری عائشہ! تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔

ازم احمد ۔۔۔ لاوہ

مجھے سائرہ رضا صاحبہ کے بارے میں بات کرنا تھی۔ کیا کمال کا لکھتی ہیں۔

"عدل اور جزا" کی تعریف نہ کرنا بے ایمانی ہوگی۔ بہت ہی پیاری اور صبر سے گندھی تحریر تھی۔ بہت سی جگہ آنکھوں میں آنسو بھی آئے اور دل سکڑ سا گیا مگر آخر میں عدل کو جزا مل ہی گئی۔۔۔ مامن اور یامن بہت منفرد نام تھے۔ اس کے مطلب کیا ہیں؟

عہد الست میں کردار بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ بلی کی کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کون ہے وہ۔۔۔ عمر کا کردار بھی الجھا ہوا ہے۔ صرف زارا اور شہزور کی ہی سمجھ آرہی ہے۔ خیر وقت پہ پتا چل ہی جائے گا۔ "کوہ گراں تھے ہم" بس بھئی بہت ہوگیا سسپنس۔۔۔ اب ختم ہوجائے تو اچھا ہے۔ "ماہ تمام" بہت ہی زبردست کہانی ہے۔ رضیہ مہدی صاحبہ نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ محبت کا ہنر عورت کو ہی آتا ہے۔ ماہ نور نے فیصلہ اچھا کیا۔ اسے بابر جیسے بدل انسان کو چھوڑ ہی دینا چاہیے تھا۔

"بن مانگی دعا" میں ابھی تک میری دلچسپی ہی نہیں پیدا ہوسکی۔ معذرت کے ساتھ بہت ہی پرانا سا ناول لگ رہا ہے۔ سچ کہوں تو پسند ہی نہیں آرہا۔ ساری شاعری کمال کی تھی۔ خواتین ڈائجسٹ کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے۔

ج : پیاری ارم! کافی وقت کے بعد آپ کی آمد اچھی لگی کوہ گراں تھے ہم اختتام پذیر ہے چند ہی اقساط باقی ہیں۔ مامن! کے معنی ہیں امن میں رہنے والی اور یامن کے معنی ہیں دائیں ہاتھ والی۔

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

سحر لغاری ۔۔۔ ٹنڈو باگو

پہلے رسالہ پڑھنے پر بابا کچھ نہیں کہتے تھے۔ اب کہتے ہیں پڑھائی پہ دھیان دو۔ ناول بعد میں بھی پڑھ سکتی ہو۔ اس لیے میں اپنے بابا سے ڈائجسٹ چھپ کر پڑھتی ہوں مگر ڈائجسٹ شہر سے لاتے میرے بابا ہی ہیں۔ ہے نا مزے کی بات۔

میں ناولوں اور افسانوں پہ تبصرہ نہیں کروں گی کیونکہ

بہت دیر ہو رہی ہے کام اور بھی بہت ہیں پر اتنا ضرور کہوں گی ہے آپی کنیز نبوی سے ضرور لکھوائیں بلکہ ہر ماہ ان کی تحریریں شائع کریں۔ پلیز۔

ج : پیاری سحر! خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ اس ماہ یعنی جون کے شعاع میں کنیز نبوی کی تحریر شامل ہے۔

آپ کے بابا جان بہت اچھے ہیں' وہ آپ کو ہر ماہ رسالہ لا کر دیتے ہیں۔ ان کا کہنا صحیح ہے' آپ اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔ ٹائم مقرر کر لیں کہ روزانہ دو یا تین گھنٹے صرف پڑھائی کرنا ہے۔ امتحانوں سے فراغت کے بعد رسالے پڑھیں۔ یا پڑھائی سے وقت بچے تو ذہن کو پرسکون کرنے کے لیے آپ مطالعہ کر سکتی ہیں۔

آمنہ بتول۔۔۔ جھنگ صدر

پیاری آپی! صرف میں ہی نہیں' پورا خاندان ادب کا انتہائی اعلیٰ ذوق رکھنے والا "خواتین' شعاع" کا دیوانہ ہے۔ ہر گھر کی ٹیبل پر چھ' سات رسالوں میں سے سب سے اوپر خواتین' شعاع نظر آتے ہیں ہماری پیدائش سے قبل ہمارے گھروں کی خواتین میں سب سے زیادہ چرچا "حور" کا تھا ہم نے بھی پرانے "حور" پڑھے۔ عجیب رومانس تھا اس رسالے کا کہ آج تک ہماری بزرگ خواتین کو نہیں بھولا۔ بعد میں جب وہ رسالہ بند ہو گیا تو افسردگی کی ایک لہر تھی جس نے تمام خواتین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جائے گا۔ بیچ میں کئی رسالے آئے اور گئے ایک رسالہ کافی برس آتا رہا مگر اس کی جگہ شعاع نے لے لی۔ جو دنیائے ادب کا ہار رویا کرتا تھا' اپنا معیار کھو بیٹھا۔

مگر اللہ آباد رکھے آپ سب کو کہ ڈائجسٹ کی نکیل پکڑ کر سنجیدہ ادب کی طرف موڑ دیا۔ اب خواتین تو خواتین مرد بھی اس رسالے کے شوقین بن گئے۔

پہلے رومانی کہانیوں کا غلبہ تھا اور یہ سچ ہے کہ رومانس میری ابتدائی ذاتی یادداشتوں میں نبیلہ نقوی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ میرے خوابوں کی آبیاری کا نام۔۔۔۔ ایک اکھڑ مزاج مرد کو ایک نازک لڑکی کا اپنی شرافت سے تسخیر کرنا دل کو بڑا بھاتا تھا۔ ان کی کئی کہانیاں پوری یاد ہیں۔

تین ناموں والی ایک خاتون جو سلسلے وار ناول بہت لکھتی تھیں؟ (رفعت ناہید سجاد؟ ایم سلطانہ فخر۔۔۔؟

سوری مجھے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا۔)

"تحریم" ایک لمبے بالوں والی لڑکی کا سلسلہ وار ناول۔ جس کی منگیتر کے خاندان سے کوئی رنجش ہوتی ہے۔ نمرہ بخاری کی ایک کہانی کبھی نہیں بھولتی۔ پوری یاد ہے ایک ایک بات۔ حنا' شادو بہنیں ہوتی ہیں زوہیب ان کا پھوپھی زاد بھائی میٹرک کے بعد ان کے گھر پڑھنے کے واسطے آتا ہے۔ بے حد اچھی کہانی تھی۔ نہایت تحقیقی۔

زہرہ ممتاز جنھوں نے آصفہ والا سلسلہ وار ناولٹ لکھا اور اپنی نمایاں پہچان بنائی۔ اقبال بانو' فاطمہ ثریا بجیا اگر میں غلط نہیں تو ہمارے ہی رسالے میں بہت شروع میں لکھا تھا۔

آپا (بانو قدسیہ) نے بھی کچھ کہانیاں لکھیں۔ لمبے بے وقفے کے بعد۔

امر تا پریتم' یاسمین نشاط۔ سیما غزل' سیما مناف' رخ چوہدری' ہاجا ملک (نہایت اسمارٹ سی لڑکی) اور بہت ساری۔۔۔ کیا کسی پرانی رائیٹری کوئی بیٹی بھی لکھ رہی ہے اور اگر ہے تو کون؟ بہت دل چاہتا ہے پرانے لوگوں سے ملنے کو۔ نجانے کیا کرتی ہوں گی آج کل۔۔۔؟ آمنہ مفتی موجودہ دور کی' کافی دنوں سے غائب ہیں بے حد اچھا لکھتی ہیں۔ بہت پہلے ایک دفعہ ایک قسط مس ہو گئی رازی یا باری والی۔ اف جان پہ بن آئی۔ جھنگ کی ایک لڑکی جو آپ کو اکثر خط لکھتی تھی (سیدہ عابدہ عروج) اس سے رابطہ کیا کہ قسط بھجواؤ۔ فرمایا۔ میں تو لائبریری سے لے کر پڑھتی ہوں۔ وہ کوفت آج تک یاد ہے۔

اس زمانے میں رسالے کے ہر صفحہ پر "خواتین ڈائجسٹ" نہیں چھپا ہوا ہوتا تھا اگر ابتدائی صفحات پھٹ جاتے تو رسالے ترتیب دینے بڑے مشکل لگتے تھے تب رسالے کسی متاع کی طرح سنبھال کر رکھتے تھے۔ اب تو خیر لوگ نکلنے ہی نہیں دیتے۔ سانگ جو بڑھ گئی ہے کچھ بچیوں کی تعلیم میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

ایک بری عادت جو شروع سے لے کر اب تک ہے نام بھول جاتی ہوں چہرے یاد رہتے ہیں' اکثر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کہانی کا نام تو خیر میں بالکل پڑھتی ہی نہیں ہوں صرف رائٹر کا نام اور سامنے بنی تصویر دیکھتی ہوں۔ جنید انصار کی تصویریں بے حد پسند تھیں زندہ' جیتی جاگتی اور بولتی تصویریں' بعض تو فریم کروا لینے کو جی چاہتا تھا پھر مومن کی

رومانس کی انفرادیت میں فرحت اشتیاق کا کوئی ثانی نہیں۔ آج کل سمیرا حمید اور سعدیہ رئیس کا نام ڈھونڈتی ہوں۔

ایک افسانہ چند سال پہلے چھپا تھا "پھوپھی کھو گئی" کسی نیم پاگل عورت کا قصہ تھا جو گم ہو جاتی ہے بہت پر اثر تحریر تھی پتا نہیں۔ وہ لڑکی دوبارہ کیوں نہیں لکھ رہی؟ پھر سکینہ احمد جس کا ناولٹ چھپا اور بے حد تنقید ہوئی مگر مجھے اچھی لگی تھی تحریر۔ بس کہانی کا ماحول ذرا مبہم تھا۔ یہ بات کسی حد تک سچ لگی (معذرت) کہ جو کچھ نہیں کرتے' وہ تنقید کرتے ہیں۔

اباجی کو بشریٰ سعید۔ بشریٰ احمد بے حد پسند ہیں۔ "رقص طاؤس اور سفال گر" کو بہت سراہتے تھے۔

خواتین اور شعاع اباجی اور چاچاجی سب شوق سے پڑھتے ہیں۔ بلوخ ٹائٹل والے رسالے جب عینک لگا کر پروقار بوڑھے کرسیوں پہ براجمان پڑھ رہے ہوتے ہیں تو بڑا اچھا لگتا ہے۔ ہمارے خاندان کے ہر گھر میں یہ رسالے باقاعدگی سے آتے ہیں لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ قسط مس ہو جائے تو نہ وہ ہمیں رسالہ دیتے ہیں نہ ہم انہیں دیتے ہیں' جانے کیوں مگر ایسا ہی ہے۔ خواتین ڈائجسٹ اب موجودہ ادب کا بادشاہ بن چکا ہے۔

ج : پیاری آمنہ! آپ کا خط اس بات کا عکاس ہے کہ واقعی آپ کے گھرانے میں رسائل بہت شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ جن پرانے رسالوں اور ناموں کا آپ نے ذکر کیا' اس نے بہت سی کہانیاں یاد دلا دیں۔ تین ناموں والی افسانہ نگار ایم سلطانہ فخر تھیں جو اب اس دنیا میں نہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ پھوپھی جو کھو گئیں۔ یہ تحریر آدم جی انعام یافتہ مصنفہ رضیہ فصیح احمد کی تھی اور رقص طاؤس بشریٰ سعید نے نہیں نگہت سیما نے لکھا تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے پرچوں میں سیما غزل نہیں لبنیٰ غزل لکھتی تھیں۔ سیما غزل کا شاید کوئی ایک افسانہ شائع ہوا ہو۔ اسی طرح فاطمہ ثریا بجیا کی کوئی تحریر ہمارے ہاں کبھی شائع نہیں ہوئی۔

کسی مصنف کی بیٹی نے ابھی تک تو نہیں لکھا' شاید آگے جا کر لکھیں۔

مسز کرن نعمان۔۔۔ نامعلوم شہر

سب سے پہلے میں نے خواتین پڑھنا شروع کیا تھا پھر چند ماہ بعد شعاع ان دونوں رسالوں کا جو معیار ہے وہ کسی اور رسالے کا نہیں۔ شعاع کی طرح خواتین کے تمام سلسلے بھی مجھے پسند ہیں سب ہی شوق سے پڑھتی ہوں اور اس بار جو آپ نے "رہ نورد شوق" میں نوعمر مصنفین سے سروے کیا وہ تو بہت ہی اچھا لگا خاص طور پہ جو آپ نے سوال کیا کہ ادارہ خواتین کے علاوہ دیگر کن مصنفین کو پڑھتی ہیں؟ پسندیدہ کتابیں؟ اس بار کہانیوں میں سب سے پہلے عفت سحر طاہر کا "بن مانگی دعا" پڑھا' یہ ناول کافی اچھا جا رہا ہے۔ اس کے بعد تنزیلہ ریاض کا "عہد الست" پڑھا بہت بہت خوب صورت تحریر اور ایک کہانی میں 4 مختلف کہانیوں کو لے کر چلنا ایک ماہر رائٹر کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

نایاب جیلانی کا "عدل اور جزا" اچھا تھا پر میرا خیال ہے بے جا طویل کر دیا گیا۔ ہمارے معاشرے میں عموماً" چچا تایا کی اولاد ایک گھر میں پل بڑھ کر جوان ہو جاتی ہے اور اکثر گھرانوں میں رشتے داریاں بھی بن جاتی ہیں۔ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ نکاح کے بعد ڈاکٹر کبیر نے جزا کو اس کی ننھیال میں کیوں چھوڑا۔ چلو مانا' نانی نہیں مان رہی تھی۔ پر ایک جگہ بتایا گیا کہ نانی نے کہا دستور کے مطابق لے کر جاؤ ایسے نہیں بھیجوں گی تو ڈاکٹر کبیر لے آتے نکاح تو ہو چکا تھا پھر ظالموں کے ساتھ کیوں چھوڑا۔ رضیہ مہدی کا "محبت کا ہنر" بھی اچھا تھا۔

ج : کرن! آپ کا بہت شکریہ۔ ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ خواتین اور شعاع کا معیار برقرار رکھ سکیں۔ کمی بیشی البتہ ضرور ہوتی رہتی ہے۔ نایاب جیلانی کے ناول میں آپ کا اعتراض بجا ہے' ناول کے کردار بھی ہماری اور آپ کی زندگیوں سے لیے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم سے غلطیاں کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کبیر نے ایک نہیں کئی غلطیاں کیں جن کی بنا پر جزا کو بہت سے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔ جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نانی یہ چاہتی تھیں کہ ڈاکٹر کبیر باقاعدہ بارات لے کر آئیں اور جزا کو رخصت کرا کر لے جائیں۔ ڈاکٹر کبیر نہیں چاہتے تھے کہ اس چکر میں ان کے بیٹے کی تعلیم متاثر ہو' اس لیے وہ عدل کی تعلیم مکمل ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

ثناء اقبال۔۔۔ اسلام آباد

سرورق ٹھیک لگا۔ کوشش کریں کہ آئندہ ماہ بیک گراؤنڈ اچھا ہو۔ "بن مانگی دعا" زبردست جارہا ہے۔ اس کہانی میں سسپنس بہت ہے۔ "عہد الست" کی اس ماہ کی قسط پسند آئی۔ وہ بچہ جو بھی ہے اس کے ساتھ برا ہو رہا ہے۔ افسانہ "روشنی" بھی پسند آیا۔

ج : پیاری ثنا! خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ مائرہ خان کے انٹرویو کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے۔

تہمینہ کبیر۔۔۔ گاؤں نئی آبادی ہٹیرو والی

آمنہ ریاض کا مکمل ناول ماہ تمام ہمیشہ کی طرح زبردست رہا اس میں مجھے تقی کا کردار بہت پسند ہے اور عفت سحر طاہر کا ناول بن مانگی دعا بھی زبردست موڑ پہ ہے اور اس کے علاوہ نایاب جیلانی کا مکمل ناول عدل اور جزا بہت خوب صورت تھا اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے اس کے علاوہ میں پینٹنگ کرتی ہوں کیا وہ خواتین میں شائع ہو سکتی ہے۔

ج : پیاری تہمینہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید۔ آپ نے جو پینٹنگ ہمیں بھجوائی ہے اسے دیکھنے کے بعد ہمارا مشورہ ہے کہ آپ کو ابھی بہت محنت کی ضرورت ہے اور بغیر تربیت کے یہ کام ممکن نہیں۔

نسیم احمد مغل۔۔۔ حیدر آباد

بہت سی بہنوں کی طرح وہی روایتی کہانی کہ جب چوتھی کلاس کی طالبہ تھی تو ڈائجسٹ پڑھنے کا اتفاق ہوا پھر پورا بچپن چھپ چھپا کر ظالم سماج کی آہنی دیواروں سے ٹکراتے زخمی ہوتے اس کا ساتھ نہ چھوٹا اور آج سترہ اٹھارہ سال بعد قارئین کا ایک چھوٹا سا کارواں ہے میرے حلقہ احباب میں، جس میں میری بہنیں، کزنز اور فرینڈز بھی شامل ہیں۔

میں تمام مصنفین کو خراج تحسین پیش کروں گی اسپیشلی محترمہ سائرہ رضا، سمیرا حمید اور عنیزہ سید گزشتہ چند ماہ سے بری طرح دل و دماغ پہ چھائی ہوئی ہیں۔ جن کا لفظ لفظ موتی۔۔۔ سبحان اللہ اور آج ہی اپنی کچھ بہت ہی پسندیدہ مصنفین کو بھی صدا دوں گی کہ شاید وہ کہیں سن لیں۔۔۔ اسپیشلی محترمہ فائزہ افتخار۔۔۔ جیسی سسٹرز، انبہ سلیم، ثمینہ عظمت علی، فرحت اشتیاق (قسط وار، طویل اور بور ناول نہیں) کوئی مزاحیہ تحریر۔ ایک تبصرے پہ تبصرہ کرنے کو بے تاب تھی۔ وہ تھا مسز علی کا خط کراچی سے۔۔۔ جن باتوں کی حقیقت کو انہوں نے بیان کیا، میں اس کے لفظ لفظ سے سو فیصد متفق ہوں۔۔۔۔

سو اک التجا ہے، اک دعا ہے، اک یقین ہے۔ ہمیں اپنی سوچ کو بھی بدلنا ہوگا۔

ج : پیاری نسیم! خواتین کی محفل میں خوش آمدید، مسز علی کا خط سو فیصد صحیح تھا لیکن یہ پورا سچ نہیں تھا، تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے۔ گھر ہوں یا معاشرے ہم سب کو محبتوں کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے اپنا دل بڑا کرنا ہے تب ہی خوش رہ سکتے ہیں اور دوسروں کو خوش رکھ سکتے ہیں۔

ایمن اسرار۔۔۔ مردان

میں بہت تنقید کرنے والی ہوں خط شائع کریں نہ کریں کہ اکثر خطوط توصیفی شائع ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے ٹائٹل پر تنقید۔ خدارا میک اپ سے لتھڑے چہروں کو نمایاں کرکے مت دکھایا کریں۔ ماڈل کی تصویر دور سے لی گئی ہو تو زیادہ بہتر لگتی ہے جیسے اس ماہ ہے۔ میک اپ کم کیا کریں دوسرا لباس ذرا ہلکا پھلکا موسم کی مناسبت سے پہنائیں اور جیولری کم۔ اب آتی ہوں تحریروں کی طرف۔ معذرت کے ساتھ کہنا چاہتی ہوں کہ دن بہ دن آپ کے ڈائجسٹ کا معیار گرتا جارہا ہے۔ کیا "بن مانگی دعا" اور "رقص بسمل" آپ کے شماروں کے قابل ناول ہیں؟ عفت اچھا لکھتی ہیں مگر "بن مانگی دعا" نے کافی مایوس کیا ہے۔ "ماہ تمام" کچھ خاص نہیں مگر گھسا پٹا بھی نہیں ہے۔ بلکہ پھلکا سا، تقی اور سمیر کی نوک جھونک مزہ دیتی ہے۔ دوسری جانب تنزیلہ ریاض نے اپنے قلم کے سحر میں جکڑا ہوا ہے اگر موقع ملا تو آئندہ "عہد الست" پر تبصرہ کروں گی۔ نایاب جیلانی کا ناول دیکھ کر تو دل جل کر رہ گیا۔ اف۔۔۔ سالگرہ نمبر میں تو سائرہ رضا کو شامل کرلیتے۔ محترمہ کا طویل ناول جون میں شائع کردیتے۔ سالگرہ کے نمبر میں کہا گیا تھا۔ سمیرا حمید، سائرہ رضا، نگہت سیما اور صائمہ اکرم کے ناول ہوں گے مئی میں۔ نگہت کا بھی صرف افسانہ؟ ایک ناول کے متعلق معلومات لینی تھیں اگر کسی کو معلوم ہو تو وہ بتادیں اس میں ہیروئن کا نام جازیہ تھا اور ناول کا نام شاید "آؤ اب اس کو منالیں" یا "چلو اس کو منالیں" رائٹر کا نام جاننا ہے۔

ج : پیاری ایمن! تعریفی خطوط اس لیے شائع ہوتے ہیں کہ قارئین پرچے کی تعریف کرتی ہیں۔ آپ نے شاید نوٹ نہیں کیا ہم نے اس کالم میں بارہا لکھا ہے کہ تعریف کے ساتھ ساتھ تنقید بھی ضروری ہے۔ آپ تنقید کریں ہم شائع نہ کریں تو پھر شکایت کیجیے گا۔

اس خط میں آپ نے خواتین کے ساتھ ساتھ شعاع پر بھی تنقید کی ہے۔ شعاع کے لیے علیحدہ خط لکھیں۔

"بن مانگی دعا" آپ کو پسند نہیں آرہا۔ اس کے لیے ہمیں افسوس ہے۔ نایاب جیلانی ہماری بہت سی قارئین کی پسندیدہ مصنفہ ہیں۔ وہ انہیں پڑھنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح عفت سحر طاہر کا ناول بھی بہت سی قارئین بے حد پسند کررہی ہیں یہ درست ہے کہ ہم نے اپریل کے شمارے میں جن مصنفین کے بارے میں لکھا تھا۔ مئی میں ان کی تحریریں شامل نہ ہو سکیں۔ وجہ نایاب جیلانی کے ناول کی طوالت تھی۔ سمیرا حمید اور سائرہ رضا کا ناول اس ماہ شامل ہے۔

آپ کے مشوروں کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹائٹل کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔

فہمیدہ گل۔۔۔ لاڑکانہ

زندگی جتنی حسین ہے اس سے بڑھ کر مشکل اور دشوار بھی۔ اسے گزارنا ہرگز آسان نہ ہوتا اگر خواتین ڈائجسٹ کا ساتھ نہ ہوتا۔ بہت کچھ سیکھتی ہوں میں اس سے۔ صبر شکر، محبت، برداشت اور بہت کچھ "بن مانگی دعا" اور "ماہ تمام" کا انتظار اف کیا بتاؤں، ایک گھنٹے سے بھی پہلے ختم کرلی ہوں اور ایک ماہ انتظار کرتی ہوں۔ باقی ناول افسانے، انٹرویوز، وہ الفاظ نہیں ملتے جو تعریف کرسکوں۔

ج : پیاری فہمیدہ! اچھائی اور نصیحت اچھے نیک فطرت اور سمجھ دار لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔ آپ خواتین ڈائجسٹ کی تحریروں سے سیکھتی ہیں۔ اس کی اچھی باتوں کا اثر قبول کرتی ہیں۔ یہ آپ کی سمجھ داری اور اچھائی ہے۔ اور ہماری خوش نصیبی کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔

گل مہتاب۔۔۔ محلہ چراغ پورہ

خط لکھنے کی ایک ہی وجہ ہے۔ جی ہاں آپ سمجھ گئے۔ نایاب جیلانی۔ انتہائی جامع اور طویل ناول لے کر آئیں۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔

کسانی کا جاہ و جلال، رعب داب اور طاقت نایاب کے بہترین انداز و بیان اور الفاظ کا مرہون منت ہے۔ نایاب آپ ہر مہینے حاضری دیا کریں، ہم آپ کو ہمیشہ پڑھنا چاہتے ہیں۔

اور خصوصی طور پہ وہ پھولوں کی حسین گروان۔۔۔ گل کوکب، گل زیبا، گل ہاشم۔۔۔ آپ گل مہتاب لکھنا بھول گئیں؟ مجموعی طور پہ سارا ناول شروع سے آخر تک سحر زدہ کردینے والا تھا۔ رضیہ مہدی کی تحریر لاجواب تھی۔ ماہ تمام اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تبصرہ محفوظ رکھتے ہیں۔ عفت سحر کا ناول متاثر نہیں کرسکا۔ کہانی میں جان ہی نہیں۔ کرداروں میں استواری بھی نہیں۔۔۔ اور پھر پلاٹ بہت پرانا ہے اس کو جلدی ختم کریں۔ یہ میرے قبیلے کی ہر پٹھانی کی التماس ہے۔

کوہ گراں بہت اچھا جارہا ہے۔ افسانوں میں سب سے بہترین "رہو گی وہی" تھا۔

آخر میں بتادوں ہم ذلت کے افغانی پٹھان ہیں۔ افغانستان سے ہجرت کرکے آئے ہیں۔ ہماری شادی یہاں ہوئی۔ ہمارے پورے قبیلے میں آپ کے پرچے بہت مشہور ہیں اور ہم نایاب صاحبہ کو بہت پسند کرتے ہیں۔ خصوصی طور پہ گل محمد خان۔۔۔ خان نے کہا۔ تم خط لکھو اور نایاب صاحبہ تک تعریفی کلمات پہنچادو۔

ج : گل مہتاب! آپ نے بہت اچھا خط لکھا اور آپ کی اردو بھی بہت اچھی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ "بن مانگی دعا" آپ کو پسند نہیں آرہا ہے۔ نایاب جیلانی تک آپ کی تعریف پہنچائی جارہی ہے۔

نایاب سعید۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

ٹائٹل میں لڑکی کا ہیئر اسٹائل میک اپ اور ڈریس بہت پسند آیا۔ عفت سحر طاہر کا ناول "بن مانگی دعا" بہت اچھا تھا۔ ابیہا کا نکاح معیز کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ تو ہمیں

سرورق کی شخصیت

ماڈل	عفرا
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر	موسیٰ رضا

پہلی قسط میں پتا چل گیا تھا۔ بہرحال عفت جی بہت ہی اچھا لکھ رہی ہیں۔ تنزیلہ ریاض کا "عہد الست" مکمل ناول بھی اچھا جارہا ہے نایاب جیلانی تو میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ ان کا "عدل اور جزا" مکمل ناول بہت اچھا لگا۔ نایاب جی ہر ماہ لکھتی رہا کریں ہمیں آپ کی کہانیاں بہت پسند ہیں۔

پیاری نایاب! خواتین کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

ایبہا سلویٰ، ثمرہ الماس..... شاہ دولا تحصیل سمبڑیال

خواتین سے ہمارا تعلق تقریباً" دس سال پر بنی ہے۔ اور سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ ہم سب فرینڈز مل کر رسالہ پڑھتی رہیں اور دکھ کی بات یہ ہے کہ جب میرے نوبے نکور رسالے کی حالت میری دوستوں کے ہاتھوں تباہ ہوتی ہے تو غصے سے میری حالت رسالے سے زیادہ خراب ہوتی ہے۔ (ہاہاہا) اس کے باوجود ہم رسالہ شیئر نہ کریں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ویسے تو سب رائٹرز ہی بہت اچھا لکھتی ہیں لیکن آج کل سائرہ رضا ہر طرف چھائی ہوئی ہیں۔

ج۔ ایبہا سلویٰ، ثمرہ اور الماس! مل جل کر محبت سے رہنے میں بہت برکت ہے۔ آپ اپنی دوستوں کو اپنا رسالہ۔ پڑھنے کے لیے دیتی ہیں۔ یہ آپ کی فراخ دلی ہے۔ رسالہ یا کتاب کسی کو دینے کے لیے بہت ہمت کی ضرورت ہے ہم ان سطور کے ذریعے آپ کی دوستوں سے التماس کررہے ہیں کہ وہ آپ کو رسالہ صحیح سالم حالت میں واپس کریں۔

صائمہ سعید..... لاہور

عفت سحر طاہر کے ناول کی آٹھویں قسط بے حد انٹرسٹنگ تھی۔ فریدہ اشفاق کی تحریریں کافی عرصے سے نظر نہیں آئیں افسانوں میں سب سے اچھا افسانہ صدف آصف کا زندگی ہو تم تھا۔ رضیہ مہدی کا ناولٹ پڑھ کے دل غمگین ہوگیا۔ تنزیلہ ریاض کے ناول کی رائے اختتام پذیر ہونے تک محفوظ ہے۔ نایاب جیلانی کا ناول پڑھ کے صبر ایثار، قربانی کے نئے سبق سیکھنے کو ملے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے اندر مرد سے زیادہ صبر رکھا ہے۔

ج : صائمہ! خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

صوفیہ مدثر، عمیر یہ کوثر..... سعادت پور جہلم

السلام علیکم! سرورق بہت اچھا تھا۔ کافی عرصے کے بعد نایاب آئی۔ ایک دھماکے کے ساتھ۔ بہت بہت بہت اچھا ناول لکھا۔ میں حیران ہوں کہ جزا میں اتنا صبر..... اوور آل ایک بہترین اسٹوری تھی۔ ایک ہی نشست میں پڑھنے کا مزہ آگیا۔ "عہد الست" تنزیلہ ریاض کی ایک بہترین کاوش جو پڑھنے والے پر اپنا سحر طاری کردیتی ہے۔ "بن مانگی دعا" عفت چونکہ میری 4 سالہ بیٹی کا نام ہے اس لیے عفت کی ہر تحریر مجھے پسند ہے۔

صدف آصف تیزی سے ہماری پسندیدہ بنتی جارہی ہیں۔ "زندگی ہو تم" بہترین افسانہ تھا۔ لیکن صدف ایسی ساس کہاں پائی جاتی ہے ضرور بتایئے گا۔

نگہت سیما اور عائشہ فیاض کے افسانے اچھے تھے۔

"مدحا اروڑہ" کا افسانہ پڑھ کر گھٹن بڑھ گئی۔ عورت کی بھی کیا زندگی ہے۔ اگر اسے قدردان مل جائے تو زندگی جنت اور اگر نہ ملے تو جہنم سے بھی بدتر۔

تبصرے سب کے اچھے تھے۔ لیکن عائشہ خان ٹاپ آف دی لسٹ رہیں۔ ہمیں لیمن جوس کو محفوظ کرنے کا کوئی طریقہ بتائیں کہ لیموں کو نچوڑ کر کیسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ فریز کرکے یا کوئی اور طریقہ ہے۔

عدنان بھائی کے مشورے ہمیشہ زبردست ہوتے ہیں۔ بیوٹی بکس بھی ہمیشہ کی طرح اچھا تھا۔

ج : صوفیہ اور عمیر یہ! لیمن جوس کو محفوظ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ آپ لیموں کا رس نکال لیں اور اسے فریج کی ٹرے میں ڈال کر کیوبز کی شکل میں فریز کرلیں۔ پھر اپنی ضرورت کے مطابق کیوبز نکال کر استعمال کریں۔

نایاب جیلانی کے بھائی اپنے گھر آچکے ہیں اس ماہ یعنی جون کے شمارے میں نایاب نے قارئین کا شکریہ ادا کیا ہے۔

آپ نے صحیح سنا ہے، عمیرہ احمد کی شادی ہوچکی ہے۔ رخصت ہوکر وہ لاہور آئی ہیں جہاں ان کے شوہر ڈی سی ہیں۔

کوثر پروین..... میلسی

"عہد الست" حسب معمول دلچسپ رہا، عائشہ فیاض کے نام سے ہی ہمارے اردگرد اجالا ہوگیا۔ موضوع بہت

ہی اچھا تھا..... کاش سعدیہ جیسے کردار کہانیوں کے علاوہ حقیقت میں بھی دیکھنے کو ملیں "رہو گی وہی" پڑھتے ہوئے آغاز سے اختتام تک مسکراتے رہے۔ "ہری چک" سادہ سا افسانہ..... نگہت آپی کا چاہے کوئی طویل ناول ہو یا افسانہ ہر ہیروئن اتنی خوب صورت ہوتی ہے کہ بس "دانت جیسے موتی" آنکھیں غزال "گال گلال" ہونٹ لال اور بال! اتنے لمبے "اتنے لمبے کہ ختم ہی نہیں ہوتی لمبائی۔ عنیزہ آپی نے اس بار کمال کیا۔ ان کی تحریر بے مثال ہے اور اب آخر میں "عدل اور جزا" خوب صورت نام ہو تحریر پڑھتے ہوئے کتنے آنسو ٹوٹے۔ کچھ پتا نہ رہا "ہمارا دل تو بس جوئی کے دکھوں اور مشقتوں پر تڑپتا رہا..... جو لوگ اپنی اولاد سے بے پناہ محبت کرتے بلکہ عشق کی حد تک چاہتے ہیں وہ کیسے دوسروں کی اولاد سے اتنی زیادہ نفرت کرلیتے ہیں۔

ج : پیاری کوثر! طبیعت کی خرابی کے باوجود آپ نے ہمیں خط لکھا، بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سکون عطا فرمائے۔ آمین۔ خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

سب لوگ تو ایسے نہیں ہوتے لیکن کچھ لوگ جو تنگ دل اور ذہنی پستی کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اولاد سے تو محبت کرتے ہیں لیکن دوسروں کی اولاد۔

عظمیٰ یونس..... مردان طورو

کوہ گراں انتہائی نفیس ناول ہے۔ پلیز عنیزہ جی! ماہ نور اور سعد کے ساتھ کچھ برا نہ ہونے دیں۔ رابعہ انعم کا انٹرویو بہت اچھا رہا۔

"بن مانگی دعا" اب بہت انٹرسٹنگ ہوتی جارہی ہے خدا کریں معیز اور ایبہا مل جائیں۔ ماہ تمام بھی اچھا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ مصنفین سے سروے جس میں رائٹرز کے بارے میں پتا چل جاتا ہے۔

تنزیلہ ریاض کا عہد الست جو ابھی ابتدائی تعارف میں ہے۔ مجھے لکھنے اور کالج میں پڑھانے کا بہت شوق ہے دعا کریں کہ میرے یہ ارمان پورے ہوجائیں۔

پیاری عظمیٰ! ہم دعاگو ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے سارے ارمان پورے کریں۔ آمین ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کے پچھلے خط شائع نہ ہوسکے۔ خواہش کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

قارئین متوجہ ہوں!

1. خواتین ڈائجسٹ کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوائے جاسکتے ہیں۔ تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں۔
2. افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کرسکتے ہیں۔
3. ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔
4. کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔
5. مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں۔ ناقابل اشاعت کی صورت میں تحریر واپسی ممکن نہیں ہوگی۔
6. تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔
7. خواتین ڈائجسٹ کے لیے افسانے، خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب، اشعار وغیرہ درج ذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔

ادارہ خواتین۔ 37 اردو بازار کراچی۔
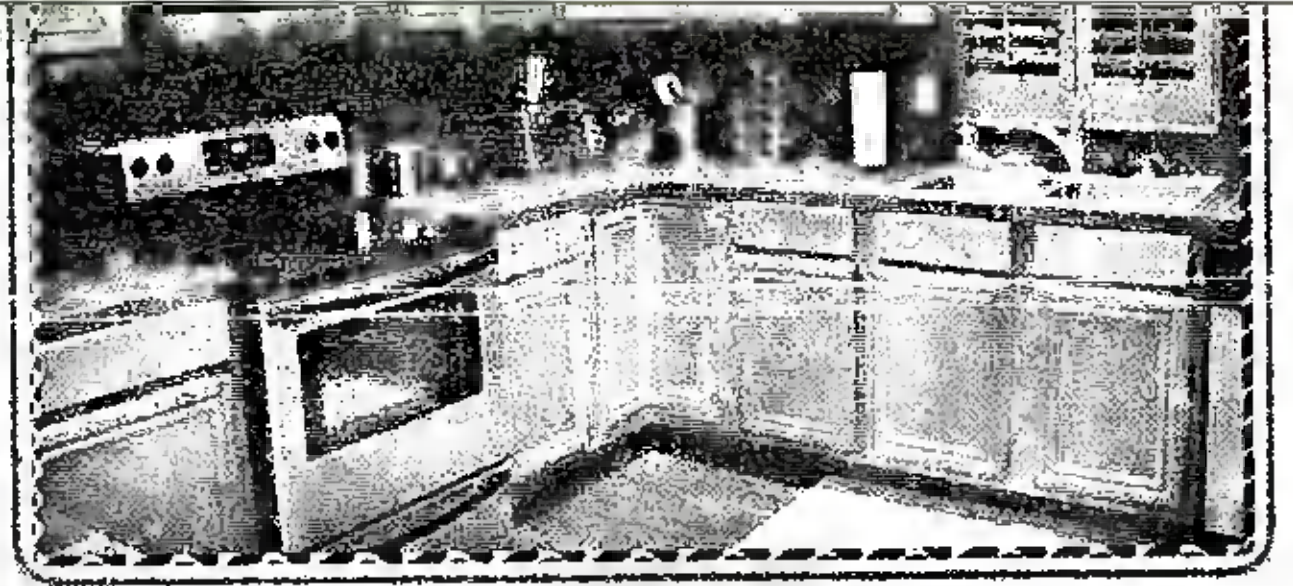
آپ کا باورچی خانہ

صائمہ عصمت

کھانا بنانا ایک فن ہے اور اس فن میں ہم تھوڑے بہت ماہر ہیں بقول ہمارے مجازی خدا کے۔۔۔ لیکن اس سے زیادہ یہ میری ہابی ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کیوں نہ اپنی ہابی سب کے ساتھ شیئر کی جائے۔ اب ذرا سوالات کی جانب آتے ہیں۔

1 پہلا سوال ہر لحاظ سے اہم ہے۔۔۔ واقعی کھانا پکاتے وقت میں سب سے زیادہ جس بات کا خیال رکھتی ہوں وہ غذائیت اور کھانے میں برکت ہے۔ اس لیے کھانا بنانے سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھتی ہوں اور جہاں پسند کی بات آتی ہے تو ایک بات تو طے ہے۔ اگر آپ کھانا محبت سے بنائیں گے اور چاؤ سے پیش کریں گے تو وہ سب کو ضرور پسند آئے گا۔

2 آج کل موبائل فون نے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔ تقریباً "سارے" مہمان بتا کر آتے ہیں اور اگر کوئی بغیر بتائے آجائے تو نو پرابلم۔ کیونکہ میں چکن فریج میں رکھنے سے پہلے اسے دھو کر نمک ایک چمچہ اور ایک چمچہ لال مرچ اور دو چمچے دہی کے لگا کر رکھتی ہوں' کیونکہ آج کل بچے زیادہ چکن کھانا پسند کرتے ہیں۔ چاہے سبزی میں ہو یا پھر دال میں تو اگر مہمان آجائیں تو جھٹ چکن فریج سے باہر نکالیں اور اس سے مزے دار سی ڈش تیار کریں' جو کہ مہمانوں کو امید ہے ضرور پسند آئے گی۔

چکن ود کاجو بادام

اجزا :

چکن	ایک کلو
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
دہی	ایک پاؤ
بادام	10 سے 15 عدد
ہرا دھنیا	گارنش کے لیے
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	دو کپ
کاجو	10 سے 15 عدد
ہری مرچ	6/8 عدد

ترکیب :

چکن پر دہی اور لہسن ادرک پیسٹ لگا کر رکھیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ جب تیل گرم ہو جائے تو چکن ڈال کر ڈھکن بند کر دیں۔ آنچ تیز رکھیں۔ پانچ منٹ بعد پلٹ دیں۔ پھر ڈھکن لگا دیں۔ دس منٹ

تک گوشت اچھی طرح فرائی ہو جائے گا۔ اب چولہا ہلکا کر دیں۔ کاجو اور بادام باریک گرائنڈ کر لیں اور تھوڑا پانی ڈال کر پیسٹ بنالیں اور چکن میں شامل کر دیں۔ جب گھی اوپر آجائے تو ہری مرچ لمبائی میں کاٹ کر ڈال دیں اور ہرے دھنیے سے گارنش کر کے چپاتی یا نان کے ساتھ پیش کریں۔ ان شاء اللہ سب کو پسند آئے گا۔

3 کھانا بناتے وقت مجھے بکھرا ہوا کچن سخت ناپسند ہے۔ اس لیے میں کھانا بناتے وقت ساتھ ساتھ چیزیں سمیٹنے کی قائل ہوں۔ ہفتے میں ایک بار کچن کیبنٹ ضرور صاف کرتی ہوں۔ تاکہ چیزیں بھی ترتیب سے رہیں اور صفائی بھی ہو جائے کیونکہ بعض دفعہ جلدی میں ہم چیزیں ادھر سے ادھر رکھ دیتے ہیں اور مجھے چیزیں ترتیب سے رکھنا بہت پسند ہے اور یہ میں نے اپنے ابو جان سے سیکھا ہے کہ چیز جہاں سے اٹھاؤ وہیں واپس رکھو تاکہ پریشانی نہ ہو اور میرے نزدیک یہ اچھا پکانے والے کی خاصیت بھی ہے۔

4 ناشتا ہمارے گھر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا نارملی سب کے گھر میں۔ یعنی پراٹھا اور رات کا سالن یا پھر آملیٹ' فرائی انڈا وغیرہ۔ اگر لائٹ کھانے کا موڈ ہو تو پھر ڈبل روٹی کے ساتھ چائے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ چھٹی کے دن یا جس دن میرے شوہر گھر ہوتے ہیں' کیونکہ وہ بزنس کرتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے ان کے لیے کچھ اسپیشل بناؤں۔ کیونکہ وہ چھ سال باہر رہے ہیں تو اب ذرا ان کے ناز نخرے اٹھانے کا دل کرتا ہے تو ایک ڈش اکثر بناتی ہوں۔ یہ میں نے دبئی قیام کے دوران کھائی تھی اور پھر خود بنائی تو سب نے بہت پسند کی۔ آپ بھی بنائیں اور مزے سے کھائیں۔

فلافل

اجزا :

بوائل سیم کی پھلی	ایک کپ
بوائل سفید چنے	ایک کپ
بڑی پیاز	ایک عدد
لہسن	دو جوئے
پارسلے چوپ	تین کھانے کے چمچے
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ	8 سے 10 عدد
سوکھا دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
سفید تل	تین سے چار چمچے

سیم کی پھلی بوائل کر لیں۔ پھر اس میں سب چیزیں تل کے علاوہ شامل کر کے چوپر میں ڈال کر اچھی طرح چوپ کر لیں اور پھر بالز کی شکل بنا کر تل میں رول کر کے فرائی کر لیں۔ مزے دار فلافل تیار ہیں۔ آپ اسے بریڈ روٹی اور چاول کے ساتھ بھی سرو کر سکتے ہیں۔

5 ہم چونکہ چھوٹے سے قصبہ نما شہر میں رہتے ہیں۔ یہاں ہوٹلز ہیں۔ لیکن باہر کھانے کا رواج نہیں۔ یہاں جب ملتان یا کہیں اور جائیں تو پھر کھانا باہر کھاتے ہیں۔

6 کھانے بناتے وقت موسم کا خیال رکھا جائے تو کھانے کا مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔ جیسے بارش کے موسم میں پکوڑے اور چائے۔ سردیوں میں مکئی اور باجرے کی روٹی' مکھن اور سرسوں کے ساگ کے ساتھ اور گرمیوں میں دوپہر کے کھانے کے ساتھ ہرے دھنیے اور پودینے کی چٹنی انار دانہ ڈال کر یا پھر کچی کیری کی چٹنی اور ساتھ میں ٹھنڈی ٹھنڈی لسی' کھانے کا مزا دوبالا کر دیتی ہے۔

7 اچھا پکانے کے لیے محنت سے زیادہ محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کھانا بنانے میں محنت تو درکار ہوتی ہے۔ لیکن اگر محبت شامل ہو تو ذائقہ اور برکت دونوں شامل ہو جاتی ہیں۔ میں جو بھی بناؤں' میرے شوہر کہتے ہیں کمال کا بنا ہے۔ اس لیے میری کوشش ہوتی ہے جو بھی بناؤں ان کے ساتھ باقی گھر والوں کو بھی کمال ہی لگے۔

8 کچن کی ٹپ۔

اگر چاول نئے ہیں تو ان کو نیم گرم پانی سے دھوئیں اور جب دم پر رکھنے لگیں تو سوکھی روٹی کا ٹکڑا رکھ کر دم دیں' چاول ڈھیلے نہیں ہوں گے۔

جب اچانک مہمان آجائیں.....

صبا سحر

مہمانوں کی غیر متوقع آمد جہاں حیرت آمیز خوشی کا باعث بنتی ہے وہیں فوری طور پر "ان کی تواضع کیسے کی جائے" کا مسئلہ بھی گھیر لیتا ہے۔ اس ماہ ہم نے کوشش کی ہے "آپ کو ایسی ڈشز سے متعارف کروانے کی جو کم وقت کم بجٹ میں تیار بھی ہو سکیں ذائقے میں بھی منفرد ہوں اور مہمان بھی آپ کی مہمان نوازی کی تعریف کرتے ہوئے رخصت ہوں۔

مرغ ناریل مسالا

ضروری اجزا:

چکن	ایک کلو
تازہ چھوٹا ناریل	ایک عدد
دہی، کریم	آدھا آدھا کپ
سرخ، سفید مرچ	آدھا آدھا چائے کا چمچہ
نمک، تیل	حسب ذائقہ و ضرورت

ترکیب:

ناریل کو بلینڈ کرکے باریک پیسٹ بنالیں۔ تیل گرم کرکے دو پیاز سنہری کریں، پھر چکن اور ایک کھانے کا چمچہ لہسن ادرک پیسٹ شامل کرکے بھونیں۔ پانی خشک ہو جائے تو نمک، مرغ و سفید پسی مرچ ڈال دیں۔ تھوڑی دیر بھوننے کے بعد ناریل پیسٹ شامل کریں اور ڈھک دیں۔ ناریل کا پانی خشک ہونے لگے تو دہی اور ایک چمچہ پسا زیرہ ڈال کر خوب بھونیں۔ جب روغن آنے لگے تو ہلکے ہلکے کریم مکس کردیں۔ پانچ منٹ دم پر رکھ کر نان یا چپاتیوں کے ساتھ پیش کریں۔

چکن فرائیڈ ٹماٹو

ضروری اجزا:

چکن بغیر ہڈی کا	آدھا کلو
ٹماٹر	چھ عدد
لیموں کا رس	دو چائے کے چمچے
لہسن، مرچ پیسٹ	دو، دو چائے کے چمچے
نمک، تیل	حسب ذائقہ و ضرورت

ترکیب:

ٹماٹر کو لمبائی میں کاٹ کر بیج نکال دیں۔ تیل گرم کرکے ٹماٹر کو ہلکا سا فرائی کرکے نکال لیں۔ اسی تیل میں چوپ کی ہوئی ایک پیاز لہسن اور ہری مرچ کا پیسٹ ڈال کر کچھ دیر بھونیں، پھر چکن ڈال دیں۔ پانچ منٹ فرائی کریں۔ چکن گل جائے تو پسی کالی مرچ، کٹی لال مرچ، نمک اور لیموں کا رس ڈال کر روغن آنے تک پکائیں۔ ڈش میں نکال کر فرائی کیے ہوئے ٹماٹر مکس کرکے پیش کریں۔

سنگاپوری فرائیڈ رائس

ضروری اجزا:

بغیر ہڈی کا چکن	ایک پاؤ
چاول	آدھا کلو
مختلف سبزیاں	دو کپ
سرکہ	آدھا کپ
نمک، تیل	حسب ذائقہ و ضرورت

ترکیب:

گرم تیل میں کیوبز میں کٹی سبزیاں ہلکی فرائی کریں۔ پھر چکن کے ساتھ ایک چمچہ سفید پسی مرچ، سرکہ، دو چمچے سویا ساس اور نمک ڈال کر تیز آنچ پر تیزی سے مکس کریں۔ ایک کنی ابلے چاول شامل کرکے مزید چند منٹ پکائیں۔ چاول اور آمیزہ اچھی طرح مکس ہو جائے تو گرم گرم پیش کریں۔

چکن بادامی کٹلٹس

ضروری اجزا:

چکن کا قیمہ	آدھا کلو
بادام	آدھا کپ
ابلے آلو	چار عدد
انڈا	ایک عدد
کارن فلور	دو چائے کے چمچے
نمک، تیل	حسب ذائقہ و ضرورت

ترکیب:

تین کھانے کے چمچے تیل میں قیمہ ڈال کر فرائی کریں۔ پانی خشک ہو جائے تو پیالے میں نکال کر کترے ہوئے بادام، میش کیے ہوئے آلو، ایک ایک چائے کا چمچہ سرخ مرچ، چاٹ مسالا، بھنا زیرہ، سویا ساس، کارن فلور، انڈا اور نمک ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کریں۔ حسب پسند شیپ میں کٹلس بنا کر ہلکے تیل میں تلیں۔ سنہری ہو جائیں تو ٹشو پیپر پر نکال لیں اور گرم گرم پیش کریں۔

چکن میکرونی

ضروری اجزا:

بغیر ہڈی کا چکن	ایک کپ
ابلے مٹر، ابلی میکرونی	ایک ایک کپ
میدہ، مکھن	دو دو کھانے کے چمچے
نمک، تیل	حسب ذائقہ و ضرورت

ترکیب:

دو کھانے کے چمچے تیل میں دو لہسن کے جوے چوپ کر کے سنہرا کریں۔ پھر ابلی چکن ڈال کر تھوڑی دیر تک فرائی کرکے الگ نکال لیں۔ اور ریشے کرلیں۔ اسی تیل میں مکھن اور میدہ مکس کریں، پھر نمک اور سرخ پسی مرچ ڈال دیں۔ مسلسل چمچہ ہلائیں۔ آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو پیالے میں نکال کر ابلی ہوئی میکرونی، چکن، مٹر اور تین کھانے کے چمچے کریم ڈال کر چمچے سے اچھی طرح مکس کریں اور پیش کریں۔

جھٹ پٹ فروٹ فالودہ

ضروری اجزا:

دودھ	ایک کلو
لال شربت	آدھا کپ
رنگین سویاں	ایک کپ
جیلی	ایک پیکٹ
فروٹ کاک ٹیل	ایک چھوٹا ڈبا

ترکیب:

دودھ پکا کر تین پاؤ کرلیں۔ ٹھنڈا کرکے لال شربت ملائیں اور فریزر میں رکھ دیں۔ (فریج میں پہلے سے رکھا دودھ لے لیں تو اسے اتنا پکانے کی ضرورت نہیں ہوگی) جیلی جما کر چوکور کاٹ لیں۔ سویاں ابال لیں۔ حسب ضرورت بادام اور پستہ باریک کترلیں۔ ایک بڑے گلاس میں تھوڑی سی رنگین سویاں، فریزر والے دودھ کے دو بڑے چمچے، تھوڑے سے پستے بادام، جیلی اور فروٹ کاک ٹیل مکس کریں اور مزید ٹھنڈا کرکے پیش کریں۔

بنانا فروٹ کرنچ

ضروری اجزا:

دودھ	ایک کلو
بنانا کسٹرڈ	چار کھانے کے چمچے
چینی	ایک کپ
جیلی	ایک پیکٹ
کیلے	آٹھ عدد
کرنچ	آدھا کپ

ترکیب:

کرنچ بنانے کے لیے فرائنگ پان میں آدھا کپ چینی اور آدھا کپ پانی ملا کر شیرہ بنالیں۔ جب شیرہ گاڑھا ہو جائے تو ٹھنڈا کرکے جمائیں اور چورا کرلیں۔ آدھا کپ ٹھنڈے دودھ میں کسٹرڈ پاؤڈر حل کریں۔ باقی دودھ گرم کر کے اس میں چینی ملائیں اور پھر کسٹرڈ ڈال کر پکائیں۔ جیلی جما کر چوکور کاٹ لیں۔ پیالے میں آدھی جیلی ڈالیں۔ پھر کرنچ شامل کریں اور سب سے آخر میں بنانا کسٹرڈ ڈالیں۔ اسی طرح ایک اور تہہ لگائیں۔ سب سے اوپر جیلی کے مزید چند ٹکڑے رکھ کر فریج میں رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر کھانے کے ساتھ پیش کریں۔

نسرین۔ کراچی

میں بے حد دکھی لڑکی ہوں اور آپ سے وہ سب کچھ کہہ رہی ہوں جو میں ایک دوست اور ہمدرد سے ہی کہہ سکتی ہوں۔ میں میٹرک پاس ہوں۔ امی نے میری شادی اپنی مرحومہ بہن کے اکلوتے لڑکے سے کردی جو بے روزگار اور ان پڑھ ہے۔ یہ شادی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ خالہ جب فوت ہونے کو تھیں تو انہوں نے میری امی سے کہا میرے بیٹے کو اپنا بیٹا سمجھنا اور اس کو اپنی فرزندی میں لے لینا ورنہ میری روح کو کبھی چین نہ آئے گا' خالہ کے فوت ہونے کے بعد خالو نے اپنے بیٹے کی پرورش کچھ اس طرح کی کہ صبح اسے اپنے ساتھ دکان پر لے جاتے اور شام کو گھر لے آتے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو پڑھایا بھی نہیں اور نہ ہی کوئی کام سکھایا۔ عدنان بھائی میں کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی ہوں۔ میرے بھائیوں کے ماشاء اللہ اچھے کاروبار ہیں اور وہ پڑھے لکھے ہیں۔ میری ایک بہن شادی شدہ ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ امریکہ میں مقیم ہے۔ ہمارے خاندان میں بہت پڑھے لکھے لڑکے ہیں۔ میرے لیے بھی بہت سے رشتے آئے۔ میری پھوپھی کا لڑکا جو شریف بھی ہے اور اچھے عہدے پر فائز ہے' میں اسے پسند کرتی تھی۔ وہ بھی مجھے بہت چاہتا تھا۔ میری پھوپھی نے میرا رشتہ مانگا تو امی نے انکار کردیا۔ میری پھوپھی نے کہا کہ کیوں تم اپنی خوب صورت اور سلیقہ شعار لڑکی کی زندگی برباد کرنے پر تلی ہوئی ہو جبکہ وہ لڑکا کوئی کام بھی نہیں کرتا اور نہ ہی پڑھا ہوا ہے۔ تمہاری بیٹی کا گزارہ کیسے ہوگا۔

یہاں تک کہ میرے سب بہن بھائیوں نے اس شادی کی مخالفت کی مگر امی نے کہا' کچھ بھی ہوجائے۔ میں یہ شادی کرکے رہوں گی۔ اگر یہ شادی نہ ہوئی تو میں خودکشی کرلوں گی۔

عدنان بھائی! امی جب ایک بات کہہ دیں تو وہ پوری کرو کھاتی ہیں۔ مجبوراً" میں نے ان کو بچانے کے لیے ہاں کر دی۔ اب میری شادی ہوئے چھ ماہ ہونے کو ہیں جو کوئی دیکھتا ہے افسوس سے کہتا ہے کہ ماں نے جان بوجھ کر بیٹی کی زندگی برباد کی۔ میں جب لوگوں کی باتیں سنتی ہوں تو اپنی قسمت پہ خون کے آنسو روتی ہوں اور کبھی کبھی میں اتنی دل برداشتہ ہوجاتی ہوں کہ خودکشی کرنے کو جی چاہتا ہے۔

ج : اچھی بہن! آپ کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ آپ نے یہ خط شادی سے پہلے لکھا ہوتا تو میں آپ کو مشورہ دیتا کہ آپ کسی حال میں بھی اس شادی کو قبول نہ کریں۔ آپ کے گھر میں والد' بھائی سب تعلیم یافتہ ہیں۔ اسلام میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ لڑکی کی شادی ہم پلہ لڑکے سے کی جائے تاکہ لڑکی اسے کمتر نہ سمجھے ویسے بھی جب آپ کی مرضی نہیں تھی تو آپ کی والدہ کو زبردستی نہیں کرنا چاہیے تھی۔۔۔۔ زبان انہوں نے بے شک دی تھی لیکن شادی کے لیے والدین کے ساتھ ساتھ لڑکی اور لڑکے کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ جب آپ راضی نہیں تھیں تو اس طرح زبردستی شادی کسی طور جائز نہیں تھی۔

مسئلہ یہ ہے کہ اب آپ کیا کریں۔

اس صورت میں پہلی بات تو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کا شوہر کوئی کام نہیں کرتا تو گزر اوقات کیسے ہوتی ہے' کیا آمدنی کا کوئی متبادل ذریعہ ہے۔ بہر صورت گھر تو چلانا ہے۔ ابھی آپ دو ہیں۔ آگے چل کر بچے بھی ہوں گے تو کیا سلسلہ ہو گا۔ آپ خود بھی زیادہ تعلیم یافتہ نہیں کہ کہ جاب وغیرہ کرسکیں۔

آپ اپنی والدہ سے بات کریں۔ اگر آپ کے والد اور بھائی تعاون کرتے ہیں اور آپ کے شوہر کو کوئی کاروبار کرنے میں مدد دینے پر آمادہ ہیں تو یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ آپ کی اس حد تک ناپسندیدگی کہ آپ موت کی دعائیں کرتی ہیں اور خودکشی کے بارے میں سوچتی ہیں تو سنجیدگی سے اپنا جائزہ لیں اگر خود کو کسی طور اس کے ساتھ پر آمادہ نہیں پاتیں تو بہتر ہے کہ علیحدگی ہوجائے۔ بچے ہونے کے بعد اگر علیحدگی ہوئی تو مزید خرابیاں ہوں گی۔

صباحت۔۔۔۔ لاہور

س ۔ میری شادی غیروں میں ہوئی ہے۔ کچھ لوگوں نے رشتہ بتایا۔ ان کے گھر والے دیکھنے آئے۔ لڑکا لندن میں تھا۔ گھر والوں نے اپنے طور پر چھان بین کی اور رشتے کے لیے ہاں کردی۔ شادی سے پہلے ہم لوگوں نے ان کی تصویر دیکھی تھی۔ شادی سے پہلے وہ آئے۔ ہر لحاظ سے مناسب تھے۔ گھر والے ان سے مل کر مطمئن ہوگئے' شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد وہ چھ ماہ میرے ساتھ رہے۔ ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔ بہت والہانہ نہ سہی' لیکن ان کا رویہ خراب بھی نہیں کہا جاسکتا۔ سسرال والوں کا رویہ بھی بہت اچھا تھا۔ میں بہت خوش تھی' شادی کے چھ ماہ بعد وہ باہر چلے گئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ کاغذات بنوا کر بہت جلد مجھے بلالیں گے۔ اب ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ وہ فون پر بات کرتے ہیں تو تسلی تشفی دیتے ہیں کہ جلد بلالیں گے۔ لیکن اب ایسا انکشاف ہوا ہے۔ جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ پتا چلا ہے کہ موصوف کی دو شادیاں ہوچکی ہیں۔ ایک لندن میں ہے۔ ایک پاکستان میں ہے۔ دونوں بیویوں سے بچے ہیں۔ میرے ساس سسر زندہ نہیں۔ دیور' جیٹھ کے ساتھ رہنا بہت مشکل تھا۔ میں اپنے گھر واپس آگئی' لیکن میرے والد کا انتقال ہوچکا ہے۔ صرف ماں ہیں' لیکن نہ ہونے کے برابر' کیونکہ اب گھر بھائیوں اور بھابیوں کا ہے۔ مجھے بتائیے کیا کروں؟

ج ۔ صباحت۔۔۔۔! آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کے بچے نہیں ہیں۔ ورنہ اور مشکلات کا شکار ہوتیں۔ مشکل ہے کہ وہ شخص اب لوٹ کر آئے یا آپ کو بلائے۔ اس کو تو اپنے بچوں کی بھی پروا نہیں ہے۔ اس نے آپ کے ساتھ صرف کھیل کھیلا ہے۔ ورنہ دو بیویوں اور بچوں کے ہوتے اسے شادی کی کیا ضرورت تھی۔ یہ اچھی بات ہے کہ آپ ایک بڑے شہر میں رہتی ہیں جہاں آپ کو بہت سے مواقع حاصل ہیں۔ آپ کی انگریزی اچھی ہے۔ لاہور میں ایسے اسکول ہیں جہاں انگریزی بولنے اور لکھنے کی بنیاد پر ملازمت مل جاتی ہے۔ آپ کوشش کریں کہ آپ کسی ایسے اسکول میں ملازمت مل جائے کیونکہ یہاں تنخواہ بہت معقول ہوتی ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑی ہوں گی تو اعتماد بڑھے گا' کیونکہ اس شخص نے تو آپ کو خرچ کے نام پر کچھ بھی نہیں بھیجا۔ ایک اچھی ملازمت حاصل کرنے کے بعد آپ اس سے صاف صاف بات کریں' اسے بتادیں کہ آپ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہیں۔ اب اگر وہ آپ کے حقوق ادا کرسکتا ہے تو ٹھیک ہے' ورنہ فوراً" خلع کی درخواست دیں۔ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جب ایسی صورت حال پیش کی جاتی تھی کہ جب عورت شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی یا اس کا شوہر کے ساتھ رہنا گراں ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دلوا دیتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ ہے جو ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا' میں ثابتؓ کے دین اور اخلاق پر کوئی اعتراض نہیں کرتی' لیکن میرے لیے ایک بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ خوش دلی کے ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے۔ (ثابت قیس خوش شکل نہ تھے۔) میں کراہت کے ساتھ بیوی بن کر رہنے کو کفر (ناشکری) سمجھتی ہوں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باغ جو صحابی نے مہر میں دیا تھا۔ واپس کرا کے جدائی کرادی۔

مطلب یہ ہے کہ ناگزیر وجوہ کی بنا پر علیحدگی حاصل کرنا گناہ نہیں۔ ویسے بھی ابھی آپ کی عمر زیادہ نہیں۔ بچے بھی نہیں ہیں۔ علیحدگی کے بعد کوئی بہتر صورت نکل سکتی ہے۔

حریم اقبال.... کراچی

س ۔ آج کل گرمی کا موسم ہے۔ میرا کام ایسا ہے کہ مجھے دھوپ میں باہر نکلنا پڑتا ہے۔ دھوپ کی وجہ سے میرا چہرا جھلس گیا ہے اور رنگ سیاہ پڑ گیا ہے۔ میرے چہرے پر باریک باریک سرخ دانے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ میرے ہونٹ بھی سیاہ ہیں۔ کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ میرے ہونٹ گلابی ہو جائیں۔

ج ۔ حریم! آپ نیم گرم پانی سے چہرہ دھونے کے بعد اس پر ٹماٹر کا رس ملیں۔ دھوپ کا اثر ختم ہو جائے گا اور چہرے کا رنگ نکھر آئے گا۔ باریک دانوں کی وجہ الرجی ہو سکتی ہے۔ آپ چہرے پر اچھی کمپنی کی بنی ہوئی کریم استعمال کریں۔ صابن کے استعمال میں بھی احتیاط کریں۔ رات سونے سے پہلے آدھا کپ نیم گرم پانی میں ایک چمچہ بورک ایسڈ ڈال کر روئی کے پھاہے کی مدد سے سرخ دانوں پر لگائیں۔ اور خشک ہونے پر پانی سے دھولیں۔

ہونٹوں کی سیاہی کے لیے ہر رات سونے سے پہلے زیتون کے تیل میں لیموں کا عرق ملا کر لگائیں۔ آپ کے ہونٹ گلابی ہو جائیں گے۔

فائزہ نورین.... لاہور

س ۔ میرا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے۔ کوئی ایسی ورزش بتایئے کہ میرا پیٹ ٹھیک ہو جائے۔ میرا وزن پچپن کلو اور قد پانچ فٹ ایک انچ ہے۔

ج ۔ فائزہ بہن! آپ نے اپنی عمر نہیں لکھی۔ بہر حال قد کے لحاظ سے آپ کا وزن کافی زیادہ ہے۔ آپ کو کم از کم پانچ کلو وزن کم کرنا چاہیے اور خوراک کے ساتھ ساتھ ورزش پر بھی توجہ دیں۔

وزن کم کرنے کے لیے سب سے بہترین ورزش روزانہ باقاعدگی سے چہل قدمی کرنا ہے۔ کم از کم آدھا گھنٹہ روزانہ پیدل چلیں۔

پیٹ کم کرنے کے لیے درج ذیل ورزش کریں۔

فرش پر سیدھی لیٹ جائیں اور اپنے دونوں پاؤں کسی میز یا صوفے کے نیچے پھنسا لیں' تاکہ یہ ورزش کے دوران اوپر نہ اٹھیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو گردن کے پیچھے اس طرح رکھیں کہ ایک دوسرے کی انگلیاں آپس میں پیوست ہوں۔

اب اپنے جسم کے اوپری حصے کو اوپر کی طرف اس طرح اٹھائیں کہ آپ سر سے گھٹنے کو چھو سکیں یا پھر آپ اپنے سر کو جس حد تک گھٹنے کے قریب لے جا سکیں۔ اس دوران کمر بالکل سیدھی رکھیں۔ ابتدا میں یہ عمل چار بار کریں۔ آہستہ آہستہ بڑھا کر پندرہ تک لے جائیں۔